تحریکِ ختمِ نبوّت

ڈاکٹر محمد بہاؤالدین

مکتبہ قدوسیہ

انّہ من سلیمان و انّہ بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

تحریک ختم نبوت

۱۸۹۱ء ۔ ۱۹۱۲ء

حصہ ششم

محمد بہاءالدین

مکتبہ قدوسیہ

نام کتاب۔ تحریک ختم نبوت ۔حصہ ششم

مؤلف محمد بہاءالدین

صفحات ۵۷۶

طبع ۲۰۰۸ء

زیراہتمام مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

تقدیم: مولانا اصغر علی



تاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے : میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا ۔ (مسلم شریف)

حضرت صادق المصدوق کی اس پیش گوئی کے مطابق جب جھوٹے نبیوں نے نبوت کا دعوی کیا تو اللہ نے لکلّ فرعون موسی ، کے مطابق ایسے افراد پیدا کر دیئے جنہوں نے ان کی نبوتوں کو خاک میں ملا دیا۔ جھوٹے نبیوں کا قلع قمع کرنے کی سعات سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہوئی۔ آپ نے نے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی ،طلیحہ اسدی کے خلاف جہاد کر کے ان کا خاتمہ کر دیا۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی جان اپنا مال اپنی تلوار اپنا قلم ختم نبوت کے دفاع کے لئے وقف کر دے ۔ خوش قسمت ہیں وہ علماء وسکالر جنہوں نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے صرف کر دیں۔

ان تیس کذابین میں سے ایک نے جب ہندوستان میں نبوت کا دعوی کیا، تو اس کی نبوت کا پردہ چاک کرنے کے لئے علماء اہل حدیث میدان میں آئے ۔ ان علماء کو سابقین کا درجہ حاصل ہوا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی جو کہ مرزا صاحب کے قریب ہی رہتے تھے، انہوں نے اپنا رسالہ اشاعۃ السنہ مرزا صاحب کی تردید کے لئے وقف کر یا تھا۔ انہوں نے تقریر اور تحریر کے ذریعہ مرزا صاحب کو اس قدر رگیدا کہ وہ انہیں کافر کہنے اور گالیاں دینے پر مجبور ہو گیا۔ مولانا نے ان پر کفر کا فتوی لگانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مولانا بٹالوی اور دیگر علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ مرزا صاحب کو اتنا زچ کیا کہ وہ بددعا کرنے پر مجبور ہوئے ، اور انجام کار خود ہی اس کی لپیٹ میں آ گئے ۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے جب ۱۹۹۶ء میں تحریک ختم نبوت پر کام کا آغاز کیا، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کام اتنی وسعت اختیار کر جائے گا۔ اس وسعت کا اندازہ اس

سے لگا یئے کہ تحریک کے ابتدائی دور (۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۲ء تک) تین ہزار صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ آگے دیکھئے اور کتنا کچھ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک ختم نبوت کے گمنام لوگوں کے کارناموں کو بھی اجاگر کیا ہے اور ان کی خدمات کو منظر عام پر لائے ہیں۔ پھر اشاعۃ السنہ کے کرم خوردہ اوراق کو، جو مختلف کتب خانوں میں زمانے کی ناقدری کا گلہ کررہے تھے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر عوام کے سامنے لائے ہیں۔ یوں انہوں نے احیاء التراث کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ان اوراق کی نشاۃ ثانیہ کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے اکابرین نے اس وقت اتنا کام کیا جب لکھنے پڑھنے اور طباعت و اشاعت کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو آج ہیں۔ یوں ڈاکٹر صاحب نے گلستان ختم نبوت میں بڑے نایاب پودے لگائے ہیں، پھر انہوں نے پھولوں کو گل دستہ کی شکل میں کتاب میں پیش کیا ہے جو ہر لائبریری کی زینت بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ سعادت بھی حاصل کی ہے کہ ختم نبوت کے دفاع میں ہزاروں صفحات لکھ کر اپنا نام بھی ختم نبوت کے لکھاریوں میں شامل کرلیا ہے یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جس پر جتنا بھی رشک کیا جائے، کم ہے۔ یہ کام آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقیدت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ قیامت کے دن جب بارگاہ ایزدی میں انہیں اس کا صلہ دیا جائے گا، ان سے گذارش ہے اس وقت راقم الحروف کو بھی یاد رکھنا۔ ان کی خدمت میں یہ شعر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ حاضر ہے:

ہمارا کام بھی شامل ہے تحریر گلستان میں ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

دعا ہے اللہ تعالی ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب کی اس محنت کو قبول و منظور فرمائے اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔

(مولانا) ثناء اللہ سیالکوٹی

امیر، مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

تاثرات

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم ۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

تحریک ختم نبوت کی تاریخ پر ہمارے مخدوم، محسن جماعت ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب متعنا اللّٰہ بطول حیاتہ الطّیّبۃ کا قلم آج سے تقریباً بارہ برس قبل چل پڑا اور آپ کی تحریریں ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم میں قسط وار شائع ہونا شروع ہوئیں۔ ابھی دو ڈھائی سو صفحات ہی منظر عام پر آئے تھے کہ کئی احباب کے ہوش اڑتے نظر آئے۔ حقائق کے انکشافات اور بد دیانتیوں کے راز افشا ہونے پر اغیار نے تو پریشان ہونا ہی تھا، بعض اپنے بھی حالات زمانہ کی نزاکت کا واسطہ دے کر جلد سے جلد اس سلسلہ کی آخری قسط کے منتظر رہنے لگے..... بہرحال تحریک ختم نبوت کی پہلی جلد جب منظر عام پر آئی تو کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ یہ سلسلہ اتنا دراز ہو جائے گا کہ ماشاء اللہ اب اس کی چھٹی جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے موجود ہے۔ اب تک اللہ کے فضل و کرم سے تین ہزار صفحات مکمل ہو چکے ہیں اور یہ صرف ۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء تک کی داستان ہے جو کہ ابھی جاری ہے۔ انشاء اللہ ساتویں جلد بھی (جس پر ان دنوں کام ہو رہا ہے) عنقریب منظر عام پر آ جائے گی۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ سلسلہ کتب، احیاء التراث بھی ہے کہ اس میں کئی بھولی بسری بے مثال تحریریں کم و بیش ایک سو سال کے بعد قارئین کے سامنے پیش ہو رہی ہیں۔ نیز یہ ابتدائی کارکنان تحریک ختم نبوت سے مؤلف محترم کی محبت و عقیدت کا مظہر بھی ہے کہ عہد حاضر کے قارئین کو ایسے اعیان امت سے متعارف کرایا ہے جو مرور ایام سے اٹھنے والے گرد و غبار میں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ نیز ان کارکنان تحریک ختم نبوت کا تعارف ان کی تحریروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کی تحریریں پڑھ کر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے جزا ھم اللہ عنّا و عن جمیع المسلمین احسن الجزاء ۔ بلاشبہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے طیراً ابابیل کی طرح دفاعی کام کر کے ابرھہء قادیان اور اس کے ہاتھیوں کو کعصفٍ مأکول بنا دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب ایک دیانتدار مؤرخ کا کردار ادا کرتے ہوئے جہاں اہل حدیث

بزرگوں کی خدمات کی داستان بیان کررہے ہیں، وہیں ان سابقون الاولون کے نقش قدم پر چل کر اس میدان میں کام کرنے والے دیگر مکاتب فکر کے بزرگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ایسی بے تعصبی اور دیانت داری کی مثالیں بہت کم ہی ملتی ہیں ۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے برصغیر (پاک وہند) کے دور دراز مقامات سے تحریک ختم نبوت کی تاریخ کے گمشدہ اوراق جمع کئے ہیں جو بذات خود ایک مہنگا اور صبر آزما کام ہے ۔ پھر ان اوراق کی جھاڑ پونچھ کا مشکل ترین مرحلہ طے کیا ۔ قدیم اشاعتوں کی کتابت کو سمجھ کر طباعتی اغلاط کو درست کیا جو کہ موضوع پر مکمل عبور کے بغیر آسان نہیں تھا ۔ پھر پرانی تحریروں کے لباس کہنہ کو لباسِ جدید سے تبدیل کیا ، جو نئی تحریر کی تخلیق سے مشکل تر کام ہے ۔ پھر ان قدیم تحریروں سے وقتی ، ہنگامی اور غیر ضروری مواد کو اس خوبی سے حذف کیا ہے کہ متون کی اصل باقی رہی ۔ پھر خود ہی کمپوزنگ سے آراستہ کیا جو علم اور ہمہ جہت صلاحیتوں کے علاوہ طویل وقت کا بھی محتاج ہے ۔ یوں خرابی صحت کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ جہاں بالعموم اسلامی تاریخ کا اور بالخصوص تاریخ اہل حدیث کا نہ مٹنے والا حصہ بنے گا ، وہیں ڈاکٹر صاحب کی سید ولد آدم خاتم النبیّین والمرسلین نبینا محمد ﷺ سے سچی محبت وعقدت کا بیّن ثبوت بھی ہے ۔

اس گراں مایہ علمی، تحقیقی اور تاریخی نوعیت کی دستاویز کی تیاری کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا و ما کنّا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللّٰہ (اعراف : ۴۳) ۔ اور

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

میری دعا ہے کہ اللہ جلّ شانہ اس سلسلہ کتب کو، جسے مؤلف نے بارگاہ رسالت میں ہدیہ عقیدت کے طور پر پیش کئے جانے والے گلدستے سے تعبیر کیا ہے، قبول فرمائے ، قارئین کے لئے مفید اور مؤلف محترم کے لئے توشہ آخرت بنائے ۔ آمین

شیر خان جمیل احمد عمری

ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

حرف آغاز

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

تحفظ ختم نبوت کی تاریخ پر ہمارے اس سلسلہ کتب میں ریاضِ رسول ﷺ میں چہکنے والے بلبل نغمہ سرا نظر آتے ہیں، تو کہیں تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر زیر نظر دور (۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء) کے سیوف اللہ مبارزت کے نعرے بلند کرتے اور مخالفین راہ فرار اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔

جلد ہذا میں اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دہلی میں ہونے والے اس مباحثے کو شامل کیا گیا ہے جو مولانا محمد بشیر سہسوانی ثم بھوپالی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مابین ہوا تھا۔ اس مباحثے سے پہلے مرزا غلام احمد نے اپنی مشہور کتاب ازالہ اوہام شائع کی جس میں انہوں نے قرآن مجید کی تیس آیات سے بزعم خود حضرت عیسیٰؑ کی مماۃ ثابت کی اور اس مباحثے میں انہوں نے مد مقابل سے ان کا جواب دینے کو کہا۔ جواب سننے کے لئے ان کے پاس چونکہ وقت نہ تھا اس لئے وہ دہلی سے چلے آئے۔ بعد میں کئی علماء نے جوابات دیئے جن میں سے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا جواب ان کی تائید الاسلام سے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کا جواب ان کی تفسیر ثنائی سے نقل کیا ہے۔ حیات وممات اور دیگر مسائل متعلق بقا دیانیت پر مولانا احمد حسن شوکت مالک و اڈیٹر اخبار شحنہ ہند میرٹھ نے بھی بہت لکھا ہے ان کی چند منتخب تحریریں، اور چند دوسرے بزرگوں کی تحریریں اور مباحثات وغیرہ اس جلد میں شامل کیئے گئے ہیں جن کا تعلق ۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء کے دور سے ہے۔ مثلاً مباحثہ دہلی میں فریقین کے پرچے شامل اشاعت ہیں؛ قاضی صاحب کی غایۃ المرام کا معتدبہ حصہ بھی اس جلد میں آ گیا ہے اور مولانا محمد اسماعیل علی گڈھی کی اعلاء الحق الصریح، کاملاً اس جلد میں شامل کر دی گئی ہے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا مختصر رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۱۹۱۲ء تک رد قادیانیت پر شائع ہونے والے لٹریچر کا احصاء کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور تقریباً ایک سو سے زائد کتب کا مختصر تعارف جناب مولانا اللہ وسایا کی کتاب سے ملخصاً نقل کیا گیا ہے۔ اور تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور کے چند شعراء کا کلام بھی جلد ہذا میں نقل کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء تک تحریک ختم نبوت کے چند کارکنوں کے تراجم آخر میں دیئے گئے ہیں۔ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ، اشاعۃ السنہ، اہل حدیث امرتسر وغیرہ سے جو پرانی تحریریں نقل کی ہیں ان میں حسب ضرورت کہیں کہیں الفاظ وفقرات کو (تحریف سے بچتے ہوئے) تبدیل یا حذف کیا ہے۔

اس حصہ کی ترتیب میں جو لٹریچر استعمال ہوا ہے اس کی فراہمی میں جناب محمد اشرف جاوید فیصل آباد، عزیزم محمد سہیل بوریوالہ، جناب فضل الرحمان صدیقی مانچسٹر (مرحوم)، جناب محمد ابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری بنارس، جناب عبدالوہاب کا سنگج نے بطور خاص تعاون کیا ہے۔ جناب شیر خان جمیل احمد عمری، برمنگھم نے لٹریچر کی فراہمی، کتاب کی تہذیب وتنقیح اور مسودے کی پروف ریڈنگ میں بے حد مدد فرمائی ہے۔ اللہ تعالی ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۱۹۱۲ء تک کی تحریک ختم نبوت کے متعلق ضروری لٹریچر کی تلاش ابھی جاری ہے۔ اگر مزید کامیابی ہوئی تو شائد ایک اور جلد اسی دور سے متعلق انشاء اللہ ہو جائے۔ بصورت دیگر خیال ہے کہ ۱۹۱۳ء سے تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) تک ایک جلد تیار کی جائے جس کے لئے کچھ لٹریچر میرے پاس اس وقت موجود ہے اور اہل علم سے بحکم تعاونوا علی البرّ مدد کی درخواست بھی دہرائی جاتی ہے۔

احباب کی دعاؤں کے باعث اللہ تعالی کی عطا فرمودہ توفیق، بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرنے کیلئے اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہنوں میں ملبوس قسم قسم کے پھولوں کا گلدستہ مجھ سے بنوا رہی ہے۔ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ وہ اپنے عطا کردہ اوقات مجھ سے اس خدمت میں لگوا رہا ہے۔ اللہ تعالی قبول فرمائے اور سرکار دو عالم ﷺ کیلئے اس گل دستے کو پسندِ خاطر اور امتِ مسلمہ کے لئے نفع بخش بنائے۔

والسلام **محمد بہاء الدین**

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

مباحثہ لدھیانہ میں قادیانی شکست

متفقہ فتوی تکفیر کے اجراء سے پہلے جولائی ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کا جناب محمد حسین بٹالوی سے لدھیانہ میں مباحثہ ہوا جس کا بیان ہم سابقہ جلدوں میں کر چکے ہیں۔ اس مباحثہ میں مرزا صاحب شکست سے دو چار ہوئے اور مباحثہ کو نا تمام چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔مرزا صاحب کی شکست کی ایک شہادت خود ان کے لٹریچر میں بایں الفاظ موجود ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

ایک بزرگ حاجی حرمین شریفین عبدالرحمٰن نام جنہوں نے دو حج کئے ہیں مرید خاص حضرت حاجی منشی احمد جان ..ساکن لودہیانہ جو مرد پیر بعمر قریب ۸۰ سال کے ہیں اپنی ایک رؤیا میں بیان کرتے ہیں کہ

میں نے، جس روز مولوی محمد حسین صاحب کی آپ سے یعنی اس عاجز (مرزا) سے بحث ہوئی تھی، رات کو خواب میں دیکھا کہ میاں صاحب یعنی حاجی احمد جان نے مجھے اپنے مکان پر بلایا ہے۔ چنانچہ میں گیا اور ہم پانچ آدمی ہو گئے اور سب مل کر حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کے پاس گئے۔ اس وقت حضرت اویس قرنی خرقہ رسول ﷺ پہنے ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے ہم سب اور اویس قرنی آنحضرت ﷺ کے دربار میں پہنچے۔

اور اویس قرنیؒ نے وہ خرقہ آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور عرض کی کہ آج اس خرقہ کی توہین ہوئی اور اس کی حرمت آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ ہی کی طرف سے تھا میں صرف ایلچی تھا۔ تب میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے دہنی طرف حضرت ابو بکر صدیق اور صحابہ اور بائیں طرف حضرت عیسیٰؑ بیٹھے تھے۔ اور سامنے آپ یعنی یہ عاجز (مرزا) کھڑا ہے اور ایک طرف مولوی محمد حسین کھڑا ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہوتی کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجتا اور میں بھیجا جاتا تو مجھ سے بھی دنیا کے لوگ یونہی پیش آتے جیسا کہ ان کے ساتھ آئے (یعنی اس عاجز مرزا کے ساتھ)۔ (ازالہ اوہام۔ص ۸۳۷)

اس خواب سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ مولانا محمد حسین کو دربار رسالت میں حاضری کا شرف حاصل تھا۔

۲۔ مرزائی لوگ، خواجہ اویس قرنی کو ساتھ لے کر آنجناب ﷺ کی خدمت میں توہین مرزا کی شکایت کرنے گئے۔

۳۔ اس دور کے مرزائیوں کو بخوبی علم تھا کہ مباحثہ لدھیانہ مرزا صاحب کو ذلت نصیب ہوئی ہے۔

۴۔ مرزائیوں کی شکایت پر جناب رسالت مآب ﷺ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ نہ محمد حسین کو کوئی تنبیہہ فرمائی، نہ ڈانٹ پلائی۔

۵۔ مرزائیوں کی شکایت پر توجہ نہ فرما کر حضور سرور عالم ﷺ محمد حسین کی خدمت کو شرف قبول عطا فرمایا ہے۔

اور یہ ساری باتیں مرزا صاحب کی اپنی روایت سے معلوم ہوتی ہیں۔

اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح

مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں فتح اسلام وتوضیح مرام نامی رسائل قلم کئے اوران کے حواری مولوی محمد احسن امروہی نے ان کی تائیدِ مرزا میں اعلام الناس نامی کتاب رقم فرمائی تو علی گڈھ کے مولانا محمد اسماعیل مرحوم نے ان کے رد میں ایک کتاب بعنوان بالا تحریر فرمائی ۔اس کتاب پر مولانا لطف اللہ علی گڈھی، میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی ، شیخ حسین بن محسن یمانی ، مولانا محمد بشیر سہسوانی ، مولانا محمد، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، ملا محمد صدیق پشاوری، مولانا عبدالجبار عمر پوری نے تقاریظ تحریر فرمائیں ۔ اس کتاب اوراس پر موجود تقاریظ سے معلوم ہوتا ہے کہ متفقہ فتوی تکفیر مرزا کے سامنے آنے سے قبل بھی مذکورہ بزرگ ردقادیانیت میں سے سرگرم تھے۔

یادرہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق مرزا صاحب کا کہنا تھا کہ اس میں مولانا اسماعیل نے ان سے یک طرفہ مباہلہ کیا تھا، اوراس مباہلے کی وجہ سے مولانا اسماعیل اس کی زندگی میں ہلاک ہوگئے ۔ جیسا کہ اپنی موت سے ایک سال پہلے شائع ہونے والی کتاب میں لکھتے ہیں :

الّذین باھلوا و ماتوا بعد المباھلة منھم الرّجل المسمّی بالمولوی غلام دستگیر القصوری و منھم الرّجل المسمّی بالمولوی چراغ الدین الجمونی و منھم الرّجل المسمّی بالمولوی عبد الرحمن محی الدین اللکوکی و منھم الرّجل المسمّی بالمولوی اسماعیل علی گڈھی ۔ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ۔ص ۶۲۶ حاشیہ)

اوراسی حقیقت الوحی میں لکھتے ہیں :

مولوی اسماعیل باشندہ خاص علی گڈھ وہ شخص تھا جو سب سے پہلے عداوت پر کمر بستہ ہوا، اور جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ فتح اسلام میں لکھا ہے اس نے لوگوں میں میری نسبت یہ شہرت دی کہ یہ شخص رمل اور نجوم سے پیشگوئیاں بتلاتا ہے اور اس کے پاس آلات نجوم کے ہیں۔ میں نے اس کی نسبت لعنت اللہ علی الکاذبین کہا اور خدا تعالی کا عذاب اس کے لئے چاہا جیسا کہ رسالہ فتح اسلام کے لکھنے کے وقت اس کی زندگی میں ہی میں نے یہ شائع کیا تھا اور یہ لکھا تھا تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین۔ چنانچہ قریباً ایک برس اس مباہلہ پر گذرا ہوگا کہ وہ یک دفعہ کسی ناگہانی بیماری میں مبتلا ہوکر فوت ہوگیا (یعنی مباہلہ مرزا صاحب نے یک طرفہ کیا تھا۔ نیز فتح اسلام ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی۔ مولوی اسماعیل صاحب شوال ۱۳۱۱ھ مطابق مئی ۱۸۹۴ء میں، یعنی مرزا صاحب کے مزعومہ مباہلہ کے تین سال بعد، فوت ہوئے۔ مرزا صاحب نے ایک اور تین کا کوئی فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ یا تو وہ حساب میں کمزور تھے، یا جان بوجھ کر غلط بیانی کر رہے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مباہلہ ہو تو اس کا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہونا چاہیے۔ تین سال کے عرصے کو قریباً ایک سال قرار دینے کا مقصد ناظرین و قارئین کو یہ بتانا تھا کہ فریق مخالف کی موت مہلت مقررہ کے اندر واقع ہوئی ہے۔ یہ بات ہم علی سبیل التنزل لکھ رہے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک تو ان دونوں کا مباہلہ منعقد ہی نہیں ہوا)۔ اور اس نے اپنی کتاب میں جو میرے مقابل پر اور میرے رد میں شائع کی تھی یہ لکھا تھا کہ جاء الحق و زھق الباطل۔ پس خدا نے لوگوں پر ظاہر کردیا کہ حق کونسا ہے جو قائم رہا اور باطل کون سا تھا جو بھاگ گیا۔ قریباً سولہ برس ہوگئے کہ وہ اس مباہلہ کے بعد فوت ہوا۔ (حقیقة الوحی مئی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت سے سولہ برس قبل ۱۸۹۱ء ہوتا ہے، جب کہ مولوی اسماعیل صاحب ۱۸۹۱ء میں نہیں بلکہ ۱۸۹۴ء میں فوت ہوئے۔ اور مولوی اسماعیل کی اعلاء الحق الصریح ۴۴ صفحات پر شائع ہوئی تھی، اس کی ایک ایک سطر غور سے پڑھ لیجئے، اس میں جاء الحق و زھق الباطل، کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ گویا یہ بھی مرزا صاحب کا جھوٹ ہے) حاشیہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے: مولوی اسماعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بددعا کی تھی۔

پھر بعد اس بد دعا کے جلد مر گا۔ اور اس کی بد دعا اسی پر پڑ گئی)(حقیقۃ الوحی ص ۲۴۲۔۲۴۳)۔(اور رسالہ ۱۳۰۹ھ۔ ۱۸۹۱ء کا طبع شدہ موجود ہے۔ اس میں کہیں مباہلے کی طرف اشارہ بھی نہیں۔ اور اگر مباہلہ ہوا بھی ہو تو مرزا صاحب اثر کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کرتے تھے۔ جب کہ یہاں رسالہ شائع ہونے اور مولوی اسماعیل صاحب کی وفات کے درمیان دوسال کا وقفہ ہے)

اس دعوی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

مرزا صاحب نے جو اپنا علم کلام ایجاد کیا تھا اس میں ایک طریق استدلال یہ تھا کہ کوئی مخالف مرجاتا تو آپ فوراً اس کی بابت لکھ دیتے کہ ہم سے جھوٹا (پہلے) مرجائے گا۔ چنانچہ وہ جھوٹا تھا، اس لئے وہ (مجھ مرزا سے پہلے) مرگیا۔ اس لئے وہ جھوٹا تھا اور میں سچا ہوں

مولانا (اسماعیل علی گڈھی) مرحوم اہل حدیث میں بڑے ذی اقتدار عالم اور رئیس تھے۔ مرزا صاحب قادیانی نے ۱۳۰۸ھ میں دعوی مسیحیت کیا تو مرحوم نے فوراً ۱۳۰۹ھ میں ان کی تردید میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ہے اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح۔ اس کتاب کا جواب مرزا صاحب کی طرف سے ہم نے نہیں دیکھا۔ مرحوم شوال ۱۳۱۱ھ مطابق مئی ۱۸۹۴ء میں فوت ہوئے، رحمہ اللہ۔ یعنی کتاب کی اشاعت کے دوسال بعد۔ مرزا صاحب نے اپنے جدید علم کلام سے جھٹ لکھ دیا:

مولوی اسماعیل نے صفائی سے خدا تعالی کے روبرو یہ درخواست کی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، وہ مرجائے، سو خدا نے اس کو بھی اس جہان سے جلد تر رخصت کر دیا۔ (اشتہار انعامی پانچ سو روپیہ۔ ص ۷)

ہم نے مرزا صاحب کی زندگی ہی میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ مولوی اسماعیل صاحب کی عبارت کا حوالہ بتایئے۔ مرزا صاحب نے ثبوت نہ دیا.... حال ہی میں (یعنی ۱۹۴۲ء میں) کسی معترض نے مولانا علی گڈھی کی بابت یہ سوال کیا تو (مرزائیوں کے اخبار) پیغام صلح لاہور (۳ ستمبر ۱۹۴۲ء) نے لکھا:

رہا مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی کا معاملہ، یہ صرف آپ جیسے مولویوں کی بد دیانتی اور نا خدا ترسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی کتاب کے وہ الفاظ اور وہ بد دعا جو ان کی موت کا

باعث ہوئی، آج ہمارے سامنے نہیں، کیونکہ کتاب ابھی زیر طبع تھی کہ مولوی اسماعیل مر گیا ..اس کی موت کے بعد مولویوں نے اس خیال سے کہ وہ الفاظ مرزا صاحب کی صداقت کے لئے ایک زبردست گواہ کا کام دیں گے، انہیں کتاب سے نکال دیا۔ اصل کتاب کو ایک احمدی، عبداللہ سنوری نے دیکھا تھا جن کی شہادت کی بنا پر مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا کہ ...مولوی اسماعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بدعا کی تھی۔ پھر بعد اس بددعا کے جلد مر گیا اور اس کی بددعا اسی پر پڑ گئی۔

(مولانا ثناء اللہ فرماتے ہیں) کوئی قادیانی مسیح کے حواریوں سے پوچھے کہ تمہارے اس بیان کا ثبوت کچھ ہے جس کو تم نے بددیانت مولویوں کی طرف منسوب کر کے اپنی اور اپنے قافلہ سالار کی غلط بیانی کو مٹانا چاہا؟ او ظالمو! کب تک نادانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالو گے۔ یہ کتنا جھوٹ ہے جو تم نے لکھا ہے کہ کتاب ابھی زیر طبع تھی کہ مولوی اسماعیل مر گیا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ مرحوم (مولانا اسماعیل) کی کتاب نایاب ہوگئی؟ سنو دفتر اہلحدیث (امرتسر) بچشم خود دیکھ لو۔ اس پر سن طباعت ۱۳۰۹ھ لکھا ہے۔ (دفتر اہل حدیث امرتسر تو اب موجود نہیں ہے۔ تاہم ۱۳۰۹ھ کی مطبوعہ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس کی لائبریری میں موجود ہے جس کی کاپی ہمیں جناب عبدالوہاب آف کاسگنج کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ بہاء) اور مرحوم (مولانا اسماعیل علی گڑھی) کی تاریخ وفات درکار ہو، تو مرحوم کے صاحبزادہ کی تحریر دیکھ لو، یعنی دو سال بعد وفات ہوئی۔ نیز، مولانا مرحوم کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ علی گڑھ میں عالمانہ اور رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اب بھی آپ لوگ علی گڑھ جا کر موتی مسجد کے متولی خاندان سے مرحوم کی تاریخ وفات معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر اس تحقیق کے بعد یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ مرزا صاحب نے غلط لکھا ہے۔ ہاں ۱۳۰۹ھ سے پہلے کی کوئی مطبوعہ کتاب ان کی ہو، تو پیش کرو۔ مگر یاد رہے کہ مرزا صاحب نے ۱۳۰۸ھ میں دعوی کیا، دعوی سے پہلے تردیدی کتاب شائع نہیں ہوسکتی۔

(اخبار اہل حدیث امرتسر۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۲ء ص ۴۔۵، مختصراً)۔

الغرض، مولانا اسماعیل کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جس کی اشاعت اول ان کی وفات کے بعد ہوئی ہو، نہ کوئی ایسا غیر مطبوعہ مسودہ کہیں موجود ہے جس میں مولانا نے

بقول مرزا قادیانی یک طرفہ مباہلہ کیا ہو۔

مطبع انصاری دہلی سے باہتمام مولوی عبدالمجید دہلوی، ۱۳۰۹ھ میں ۴۴ صفحات پر شائع ہوکر مرزا قادیانی کی تکذیب پر بیّن شہادت پیش کرنے والی یہ کتاب اعلاء الحق الصریح مکمل صورت میں قارئین کی نذر کی جارہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔ الحمد للّٰہ الّذی ھدانا سبیل الرّشاد و نجانا من الغوایۃ و الضّلالۃ و الفساد۔ و الصّلوۃ و السّلام علی سیدنا محمد النبیّ الامیّ و آلہ الامجاد و اصحابہ المتقین ...

اس زمانہ پرشوروشر میں جوضعف وناتوانی اسلام کومخالفین کے حملوں سے تھی اور جوتذلیل وتضحیک اس کی اعداء دین کررہے تھےاور جوپستی اس کواپنے اعوان وانصار کی قلت سے مشاہدہ ومنتظرتھی، وہی کیا کم تھی جوایک اور صدمہ اس کوخوداپنے ہی موافق اورمؤید گروہ سے نصیب ہوایعنی جوحضرت اس کے حامی ومددگار تھے وہی اس کے تہ وبالا کرنے کاعلم ہاتھ میں لے کرکھڑے ہوگئے۔ ایسی حالت میں کیا وہ دل جن میں ذرابھی محبت اسلام سے ہے، اس کے دیکھنے اور سننے سے دردمند نہ ہوں گے کہ آج یہ اسلام خودان مقدس نما مسلمانوں کی ایسی حرکات کی بدولت، جوفی الواقع اضحوکہء طفلاں، ہیں بربادہوا چاہتا ہے اور جو تفضیح اور شکست اس کی ان بزرگوار مسلمانوں کے ہاتھ سے ہورہی ہے وہ اس کے لئے بڑی بھاری مصیبت ہونے والی ہے انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

دیکھو ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے علی الاعلان نبوت یعنی عیسویت کا دعوی کیا ہے اور اپنے اوپر نزول وحی اور نزول ملائکہ کا اشتہار دیا ہے اور جس عیسی بن مریم کے نزول کی بشارت ہمارے نبی آخرالزمان خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور جس پر کتاب اللہ اور کتاب الرسول ناطق ہے، اس سے صریح انکار کیا ہے اور نصوص کتاب وسنت کو بالکل مصروف عن الظاہر مانا ہے۔ لیلۃ القدر کے ایک متبرک رات ہونے سے بالکل انکار کیا ہے اور علی الاستعارہ اس سے ظلمانی زمانہ مرادلیا ہے۔ دجال سے گروہ منکرین عیسویتِ خودمرادلیا ہے۔ اور عیسی بن مریم موعود ومبشر سے مثیل عیسی بن امریم

مراد لے کر اپنے آپ کو اصلی مسیح موعود قرار دیا ہے اور پھر یہ بھی اقرار کیا ہے کہ مجھ کو اس سے انکار نہیں ہے کہ کوئی دوسرا بھی مسیح ہو، جو آئندہ نازل ہو لیکن وہ میری ذریت میں سے ہوگا۔ اعاذنا اللّٰہ من کلّ ذلک۔

پس اے مسلمانوں ہر چند کہ ایسے واقعات کا پیش آنا فی نفسہ تو کچھ حیرت کی بات نہیں کیونکہ درحقیقت ایسے حوادث کا حدوث ہمارے نبی آخرالزمان کی پیش گوئیوں کے موافق قبل قیام السّاعۃ ضرور ہے اور اس لحاظ سے ایسے واقعات کا پیش آنا اہل نظر کی نظر میں اپنے سچے نبی کی زیادہ تصدیق کا باعث ہے مگر افسوس البتہ صرف اسی قدر ہے کہ ایسے امور انہیں لوگوں سے دیکھنے میں آویں جو اعلیٰ درجہ کے مقدس مسلمان اور پرلے درجہ کے حامی اسلام کہلاویں۔ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ ہمارے نبی پاک کی اس سچی پیش گوئی کا ظہور ہے

لا تقوم السّاعة حتّی تخرج ثلاثون دجّالاً کلّھم یزعم انه رسول اللّٰه رواہ ابو داؤد۔

و ایضاً، قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم سیکون فی امّتی کذّا بو ن ثلاثون کلّھم یزعم انّه نبیّ اللّٰه وانا خاتم النبیّین لا نبیّ بعدی۔ رواہ ابو داؤد و التّر مذی۔ ترجمہ۔ نہ قائم ہوگی قیامت جب تک کہ تیس دجال ظاہر نہ ہولیں گے اور ہر ایک ان میں سے یہ کہے گا کہ میں رسول ہوں خدا کا، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں آئندہ تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اسکو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

پس یہ پیش گوئی ہم کو بتا رہی ہے کہ ایسے دعووں کا ہونا لابدّ ہے اور اس میں تخلّف کا گمان مفضی الی تکذیب نبینا محمد رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور گو بزعم اہل باطل ایسے شرور اور فتن باعث تضحیک اسلام سمجھے جاتے ہوں، مگر ارباب نظر اسی کو بشارت کاملہ ترقی اسلام کی سمجھیں گے۔ اور سمجھنا کیا معنی، آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کی اس سستی اور ضعف کے زمانہ میں لورپول کے اسلام کا چمکارہ، یورپ کی سوسائیٹیوں میں اسلام کی خوبیوں کا نعرہ، ایسی ظلمت کے زمانہ میں صدہا شپر چشموں کی آنکھوں کا اسلامی نور کی چکا چوند سے

خیرہ ہونا، بڑے بڑے قبائل کفر کا کفر کی تیرگی سے نکل کر اسلامی روشنی میں آجانا، افریقہ کے کنارہ پر اسلام کے پر جوش دریا کا امنڈنا، ظاہرا کسی اور محرک کی تحریک کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ صرف ہمارے سچے اور پیارے نبی محمد ﷺ کی ایسی پیش گوئیوں ہی کا پورا پورا ظہور ہے جو منکروں سے اقرار کراتا چلا جاتا ہے اور مقرّوں کی تجلی ایمانی کو بڑھاتا چلا جاتا ہے اور باوجود اسلام کی ایسی مخالفتوں کے اور اعداء دین کی ایسی کوششوں کے اسلامی روشنی کا مکدّر نہ ہونا اور ہمارے سچے نبی کی پیش گوئیوں کا تیرہ سو برس کے بعد ہو بہو ظاہر ہونا، بڑے بڑے تیرہ دلوں کو حسن و جمال کا جلوہ دکھا رہا ہے، جس کا یہی شیریں ثمر ہے کہ وہ بلا تحریک غیری اسلام کے زمرہ میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب ایسے کذاب اپنے دعوی باطل سے اپنے کو رسوا کرتے ہیں، تو وہی دعوی ان کی رسوائی اور ہمارے نبی آخر الزمان کی زیادت تصدیق کا باعث ہوتا ہے۔ پس جو اہل اللہ کامل الایمان ہیں وہ ہرگز ایسے حوادث کے ظہور سے نہیں گھبرا سکتے بلکہ ان کی استقامت اور زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اور ان کو کامل یقین ہے کہ ایسی اکاذیب اور ادعاء باطل سے اسلام کی چمک دمک میں کچھ خلل نہیں آوے گا اور اس کے پر جوش دریا کے بہاؤ کو ایسے قاذورات نہیں روک سکیں گے اور اس کی لمعات و برق کو کبھی شپر چشم کی تیرگی نقصان نہ پہونچا سکے گی کیونکہ اس کی نصرت کے واسطے بھی ہمارے سچے نبی نے ایک دوسری پیش گوئی فرمائی ہے جو ہماری بڑی تسلی اور اطمینان کا باعث ہے

قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تزال طائفة من امّتی ظاھرین علی الحقّ لا یضرّھم من خالفھم حتی یأتی امر اللّٰہ۔ رواہ ابو داؤد۔

قال رسول اللہ ﷺ یحمل ھذا العلم من کلّ خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین رواہ رزین

اس کے تحت میں ملا علی قاری لکھتا ہے:

قولہ ینفون عنہ ، جملة حالیة ای طاردین عن ھذا العلم۔

قولہ ، تحریف الغالین ، ای المبتدعة الذین یتجاوزون فی کتاب اللّٰہ وسنّة رسولہ عن المعنی المراد فیحرّفون عن جھتہ۔

قولہ ، انتحال المبطلین، الانتحال ادعاء قولٍ او شعرٍ یکون قائلہ غیرہ بانتسابہ الی نفسہ وھو ھھنا کنایة عن الکذب والمعنی ان

المبطل اذا اتّخذ قولاً من علمنا ليستدلّ به على باطله او اعتزى اليه مالم يكن منه نفوا عن هذاالعلم و نزهوه عما ينتحله۔

قوله تاويل الجا هلين ، اى معنى القرآن والحد يث الى ما ليس بصوا ب۔

پس یہ پیش گوئی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مسلمانوں کے واسطے بشری (بشارت) ہے اوران کے دلوں کے لئے سکینہ اور تسلی ہے اوراس بات سے کہ کسی جاہل کی تاویل اور کسی محرف کی تحریف اور کسی منتحل کا انتحال اور کسی مبطل کے اکاذیب اوراباطیل خدا تعالی کے دین کو بدلنے اور خدا ورسول کی مراد کواپنے ہوائے نفسانی کے تابع بنانے میں کبھی کارآمد نہ ہوں گے بلکہ خدا کا دین بفحوائے انّا نحن نزّ لنا الذ کر و انّاله لحافظون ایسے خلل اندازوں کی خلل اندازی سے ہمیشہ محفوظ رہے گا اور ایسی تلبیسات کی مدافعت میں ہمیشہ اس کے بندوں کا ایک گروہ کمر بستہ رہے گا جس کو کسی کی مخالفت اور عداوت ضرر نہ پہونچاوے۔ بلاشبہ اگر ہمارا خدائے برحق اپنے دین کی حفاظت کا آپ ذمہ نہ فرماتا اوراس کے خالص و مخلص بندے اس کی ہدایت کے سبب دین پر پوری جان فدائی نہ کرتے تو ہرگز یہ دین قیامت تک باقی نہ رہتا اور کسی طرح اہل فریب کی تلبیسات سے اس کو امن نہ ہوتی ، لیکن چونکہ خدا خود حافظ اپنے دین کا ہے، اوراس کے رسول پاک نے ایک سچی ترازو دین کی جانچ تول کے واسطے اپنے فرمانبرداروں کو عطا فرمائی ہے، تو اب ہم کو متاع کاسد اور ناقص کے جانچنے میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ وہ ترازو ہمارا قرآن و حدیث ہے جس کے ساتھ تمسک کرنے میں دین کی گمراہی سے ہم کو ہمیشہ امن مل سکتی ہے۔

قال رسول اللّه ﷺ تركت فيكم امرين لن تضلّوا ما تمسكتم بهما كتا ب اللّه و سنة رسوله ۔

اس ترازو کا حامل وہی گروہ اہل حق کا ہے جس کو کسی کی مخالفت کچھ مضرت نہ کرے گی ۔ پس اب جس خدّاع کا جی چاہے وہ متاعِ کاسد کو ہمارے دین میں پیش کرے ہم اس کو اسی ترازو میں تولیں گے۔ اگر ہم برابر پاویں گے تو قبول کریں گے ورنہ : کالائے بد بریش خاوند ، کی بموجب اس کو اسی پر ردّ کریں گے چنانچہ اسی ترازو میں ہم نے مرزا صاحب کے دعوی نبوت اور دعوی عیسویت کو اور انکار نزول عیسی بن مریم کو بھی تولا، تو ہم کو ان

کی یہ متاعِ کاسد انہیں پر ردّ کرنے کے لائق ثابت ہوئی۔ پس ہم ان کے ایسے ملحدانہ دعوی کو انہیں پر ردّ کرتے ہیں۔

مرزا صاحب اوران کے حواریین نے اس بے سرو پا دعوی کے سرسبز کرنے کے واسطے اول یہ انتظام فرمایا ہے کہ وہ خدا کی مراد کو استعارات وکنایات میں ہونا تجویز فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

خدا تعالی ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے اور طبع اور خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسروں پر وارد کردیتا ہے،۔

لیکن اہل نظر خوب جانتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب اوران کے حواری یہ تجویز پہلے سے نہ کرلیں اورنصوصِ شریعت کو علی ظواہرھا باقی نہ رکھیں، تو وہ مثیل مسیح بن سکتے ہیں اور نہ عیسی ابن مریم کے نزول سے انکار کرسکتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب اوران کے حواری شاید اس سے غافل ہیں کہ ہماری شریعت غرّا نے ایسے فریب کا بھی پہلے ہی سے انتظام کردیا ہے اور اہل حق کا یہ عقیدہ راسخہ اور اجماعی مسئلہ ہو چکا ہے کہ نصوص شریعت محمول علی ظواھرھا ہیں مالم یصرف عنھا صارف قطعیّ،

قال العلا مہ التفتازانی فی شرح العقاید والنّصوص من الکتاب والسنّۃ تحمل علی ظوا ھرھا مالم یصرف عنھا دلیل قطعیّ کما فی الآیات الّتی تشعر بظواھرھا بالجھۃ و الجسمیۃ ونحو ذلک و العدول عنھا، ای عن الظواھر الی معانٍ یدعیھا اھل الباطن و ھم الملاحدۃ و سمّوا الباطنیّۃ لادّعائھم انّ النّصوص لیست علی ظواھرھا بل لھا معانٍ باطنیۃ لا یعرفھا الّا المعلم و قصدھم بذلک نفی الشّریعۃ بالکلیّۃ۔

الحا د۔ ای میل و عدول عن الاسلام و اتّصال و التصاق بکفر لکونہ تکذ یباً للنّبیّ ﷺ فیما علم مجیئہ بہ بالضرورۃ۔

و اما ما ذھب الیہ بعض المحقّقین من ان النّصوص مصروفۃ علی ظوا ھرھا و مع ذلک فیھا اشارات خفیۃ الی دقائق تنکشف علی اربا ب السّلوک یمکن التّطبیق بینھما و بین الظوا ھر المرا دۃ

فھو من کمال الایمان و محض العرفان

و ایضاً فیہ۔ ورد النّصوص ، بان ینکر الاحکام التی دلّت علیھا النّصوص القطعیّۃ من الکتاب و السنّۃ کحشر الاجساد مثلاً کفر۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے عقاید حقہ میں سے یہ بات ہے کہ نصوص کتاب وسنت محمول علی ظواھرھا ہیں ، اور دقائق ارباب سلوک اور حقائق اہل باطن وہاں تک مقبول ہیں، جہاں تک کہ موافق ظاہر نص کے ہوں، اور جو دقائق مبطلِ احکام شرعیہ ہوں وہ مقبول نہیں ہیں، بلکہ وہ عدول اور میل عن الشّریعۃ ہے جس سے اصل مقصود نفی الشّریعۃ بالکلّیّہ ہوتا ہے۔ تو اب مرزا صاحب کا یہ زعم باطل کہ خدا کی مراد ہمیشہ کنایات میں ہوتی ہے کس قدر بے وقعت اور کیسا افتراء ہے اور وہ کنایات اور استعارات اور بے سروپا تاویلات جو بعض جاہل متصوّفہ سے ثابت ہیں اہل حق کے نزدیک ان کا حکم تحریف سے زائد نہیں ہے جو ہمیشہ اہل دین کے نزدیک مردود مانے گئے ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی، اتقان میں لکھتا ہے:

و امّا کلام الصّوفیۃ فی القرآن فلیس بتفسیرہ قال ابن الصّلاح فی فتاویہ وجدت عن الامام ابی الحسن الواحدی المفسر انہ قال صنّف ابو عبد الرحمن السلمی حقائق التفسیر فان کان قد اعتقد ان ذلک تفسیر فقد کفر قال ابن الصّلاح و انا اقول الظّنّ بمن یوثق بہ منھم اذا قال شیئاً انّہ لم یذکرہ تفسیرا ولا ذھب بہ مذھب الشرح للکلمۃ فانّہ لوکان کذلک کانوا قد سلکوا مسلک الباطنیّۃ و ایضاً قال فیہ قال اللّہ تعالی ان الّذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا قال ابن عباس ھو ان یوضع الکلام فی غیر موضعہ۔ اخرجہ ابن ابی حاتم ۔انتھی بقدر الحاجۃ ۔

اور باعث ایسی تفاسیر پر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ یا تو بعض لوگ کسی غرض فاسد کے واسطے پہلے سے اپنے زعم باطل میں ایک معنی گھڑ لیتے ہیں اور پھر اپنے خیال اور اعتقاد کے موافق الفاظ قرآن واحادیث کا اس پر حمل کرتے ہیں اور تاویلات فاسدہ اور باطلہ سے ان الفاظ کو زبردستی اپنے معانی مزعومہ پہناتے ہیں، اور یا کبھی بعض جاہل تفسیر اور تاویل

نصوص میں اس امر کا مطلق لحاظ نہیں کرتے کہ یہ کس کا کلام ہے، اور کون اس کے ساتھ متکلم ہے، اور یہ کس پر اتارا گیا ہے، اور کون اس کے ساتھ مخاطب ہے۔ بلکہ وہ نصوص قرآن و حدیث کے صرف وہ معنی لیتے ہیں جو ایک متکلم بلغتِ عرب بلا لحاظ کسی اور امر کے صرف محاورہ لسانی کے موافق ترجمہ کرسکتا ہے، عام اس سے کہ وہ مرادالٰہی کے مخالف ہو یا موافق ۔ پس جولوگ اپنے معانی مزعومہ اور عقائد مخترعہ کے موافق نصوص کتاب وسنت کے الفاظ کو تاویلات فاسدہ سے اپنی مراد کا مؤید بناتے ہیں، ان کو مرادالٰہی کے موافق یا مخالف ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی، جن کی ایسی ہی تاویلات فاسدہ سے شریعت میں رخنہ پیدا ہوتا ہے اور امن جاتی رہتی ہے۔ اور جولوگ ترجمہ نصوصِ شرعیہ صرف محاورہ لسانی اور صحت قواعدِ عربیت پر قانع ہوتے ہیں اور معانی نصوص میں اتباع سلف کو چھوڑ دیتے ہیں اور جو مرادالٰہی بیان شارع ﷺ اور صحابہ رسول سے ثابت ہوچکی ہے، اس کی پیروی نہیں کرتے، ان کے لفظی ترجمہ اور ایک بازاری شخص کے کلام کی یکساں حالت ہوجاتی ہے جس کے سبب سے خدا ورسول جیسے متکلم کے کلام کی شان اور عوام الناس کے کلام کی حالت برابر ٹھہر جاتی ہے۔ پس ایسی تاویلات باطلہ کب خطا اور انکار سے خالی ہوسکتی ہیں۔ اسی ضرورت سے نصوص قرآن و حدیث میں اتباع سلف صالح ہم پر واجب کیا گیا ہے جو اعلم بالتفسیر اور اعلم بمعانی النصوص اور اعلم ان امورحقہ کے تھے جو ہمارے نبی صادق ﷺ ہماری طرف لے کر آئے اور جو امینِ شریعت اور اعلم باسباب نزول اور اعلم بشان المتکلم و بشان المنزل علیہ والمخاطب تھے، وہی امین لوگ محل تاویل وغیرہ کو خوب جانتے تھے۔ بناء علیہ جولوگ اس باب میں اتباع سلف صالح کو چھوڑ کر مرادالٰہی کو اپنے مزعومات کے موافق بنانے میں کوشش کریں بلاشبہ وہ دائرہ کفرو ابتداع سے کسی طرح باہر نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ اسی تفصیل کے متعلق سیوطی نے لکھا ہے:

قوم اعتقدوا معانی ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن علیها۔ و الثانی قوم فسّروا القرآن بمجرد ما یسوغ ان یریده من کان من النّاطقین بلغة العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن و المنزل علیه و المخاطب به ۔ فالاوّلون راعوا المعنی الذی رأوه من غیر نظر الی ما یستحقّه الفاظ القرآن من الدّلالة والبیان۔ والآخرون راعوا مجردا للّفظ وما یجوز ان یرید به العربی من غیر نظر الی ما یصلح

للمتكلّم و سياق الكلام۔ ثم هئولاء كثيراً ما يخلطون فى احتمال اللفظ لذلك المعنى فى اللغة فى صحّة المعنى الّذى فسّروا به القرآن كما يغلط فى ذلك الآخرون وان كان نظر الاوّلين الى المعنى اسبق ونظر الآخرين الى اللّفظ اسبق والاوّلون صنفان تارةً يسلبون عن لفظ القرآن ما دلّ عليه و اريد به۔ و تارةً يحملونه على ما لم يدلّ عليه و لم يرد به و فى كلام الامرين قد يكون ما قصدوا نفيه و اثباته من المعنى باطلاً فيكون خطاء وهم فى الدليل و المدلول و قد يكون حقّا فيكون خطاء وهم فى الدليل لا فى المدلول۔ فالّذين اخطاءوا فيهما مثل طوائف من اهل البدع اعتقدوا مذاهب باطلة وعمدوا الى القرآن فناولوه على رأيهم وليس لهم سلف من الصّحابة و التّابعين لا فى رأيهم و لا فى تفسيرهم ۔

پھر بعد اس کے لکھتا ہے:

وفى الجمله من عدل عن مذاهب الصّحابة والتّابعين و تفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئاً فى ذلك بل مبتدعاً لانّهم كانوا اعلم بتفسيره و معانيه كما انّهم اعلم بالحقّ الّذى بعث اللّه به رسوله و امّا الّذين اخطائوا فى الدليل لافى المدلول فمثل كثير من الصوفية و الوعاظ والفقهاء يفسرون القرآن بمعان صحيحة فى نفسها لكنّ القرآن لا يدلّ عليها مثل كثير ممّا ذكره السلمى فى الحقائق فان كان فيما ذكروه معانى باطلة دخل فى القسم الاوّل۔ انتهى كلام ابن تيميه ملخصاً و هو نفيس جدّاً۔ انتہی۔

بعض علّام کو اس مقام پر ایک شبہ ہوا ہے کہ اگر تفسیر نصوص میں صرف مذاہب صحابہ پر اکتفا واجب ہو اور استنباطات مفسرین و مجتہدین سب تفسیر بالرائے میں داخل ہوں تو حدیث لکلّ آیۃ ظھر و بطن کے کیا معنی ہوں گے اور نطاق تفسیر نہایت تنگ ہو جاوے گا اور اسی شبہ کی وجہ سے مطلقاً جواز تفسیر بالرائے پر کلام غزالی وغیرہ سے استدلال کیا ہے اور ایک طویل عبارت کی نقل میں اپنے وقت کو صرف فرمایا ہے، حالانکہ یہ ایک بڑی غلطی غزالی

کی مراد سمجھنے میں ان سے ہوئی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کس قسم کے نصوص محمول علی ظواھرھا ہیں اور ان میں تاویل باطل ہے اور مؤول معذور نہیں ہے۔ اور کس قسم کے نصوص میں ایسے استنباطات کی اجازت ہے جو مخالف نصوص ظاہرہ نہ ہوں اور اس میں معذور مانا گیا ہے۔ دیکھو اس کی تصریح سیوطی، تفسیر بالرائے کی تفصیل کے متعلق کرتا ہے۔

الثّالث علوم علّمها اللّه نبيّه مما اودع كتابه من المعانى الجليّة و الخفيّة وامره بتعليمها وهذا ينقسم الى قسمين قسم لا يجوز الكلام فيه الّا بطريق السّمع و هو اسباب النّزول والنّاسخ و المنسوخ و القراءات واللغات و قصص الامم الماضية و اخبار ما هوكائن من الحوادث والحشر و المعاد ۔ الخ

پس امام غزالی کے اس کلام سے اگر ان امور میں جو مبنی علی السماع نہیں ہیں جواز نظر و استدلال ثابت ہوا تو کیا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن نصوص کو نظر اور رائے سے علاقہ نہیں ہے بلکہ وہ محض مبنی علی السماع ہیں اور سلف صالح سے ان کے محمول علی ظواھرھا ہونے کی تصریح اور اجماع ہو چکا ہے، اور جن کی مراد کو خود شارع ﷺ نے ظاہر فرما دیا ہے اور وہ منجملہ ضروریات اور اعتقادیات اسلام کے ٹھہر چکے ہیں ان میں بھی عقلی ڈھکوسلہ چل سکتا ہے، ہرگز نہیں اور چونکہ نزول عیسی ابن مریم اور خروج دجال وغیرہ اشراط ساعت اور ما هو كائن من الحوادث میں داخل ہیں، اور ان میں رائے کو کچھ دخل نہیں ہے، اور یہ سب امور محض مبنی علی السماع ہیں، تو ایسے امور کو امور قیاسیہ کے ساتھ خلط فرما کر بعض اعلام کا ان میں رائے لگانا اور خلاف تصریح سلف صالح تحریف نصوص کرنا دیانت کے بالکل خلاف ہے اور غزالی کے کلام کا اس مطلب کے واسطے نقل کرنا محض فضول اور لغو ہے۔ اور جب ان تمام تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ جو تفسیر منصوصات شرعیہ کے مخالف اور سلف صالح کے خلاف ہو اور جس تفسیر میں مذاہب صحابہ سے عدول ہو اور جن امور میں کسی کو رائے لگانے کی اجازت شارع سے نہیں ہے، ان میں رائے لگائی جاوے وہی درحقیقت تفسیر بالرائے ہے، جو فی الواقع تفسیر نہیں ہے بلکہ تحریف ہے۔ جیسے کہ مرزا صاحب کی لیلۃ القدر کی تفسیر جو انہوں نے ظلماتی زمانہ کے ساتھ کی ہے جو سراسر تحریف کلام ربانی اور ابطال مرادِ الٰہی ہے۔ ہمارے شارع ﷺ نے تو ہم کو لیلۃ القدر کی حقیقت ایک اعلی درجہ کا نورانی زمانہ بتایا ہے اور

مرزا صاحب اس کو ظلماتی زمانہ فرماتے ہیں۔ ہمارے رب کریم نے اس کو لیلہ مبارکہ ارشاد فرمایا ہے اور مرزا صاحب اس کو بدتر زمانہ ثابت کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے اس بابرکت زمانہ کے شوق میں اپنی عمریں ختم کردیں اور مرزا صاحب اس کو قابل حذر وقت تجویز کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ ایک ظلمانی زمانہ کا نام ہے جس میں برکات ایمانی منقطع ہو کر فیضان ربانی سے حرمان ہو، اور جس کے بعد خداوند کریم کو کسی ایسی روشنی کے بھیجنے کی ضرورت ہو جیسا کہ مرزا صاحب کا وجود باجود ہے اعاذنا اللّٰہ من ذلک الارتداد۔

اگر ہم ان تمام روایات اور احادیث صحیحہ کو جو لیلۃ القدر کے فضائل اور اس کی تفسیر کے متعلق ہیں نقل کریں، تو طولانی رسالہ ہو جاوے۔ ہم کو تحیّر مرزا صاحب کے بعض حواریین سے بھی ہے کہ انہوں نے بمقتضائے حبّک الشّیء یعمی و یصمّ مرزا صاحب کی عیسویت اور نبوت قبول فرما کر سفارت کا ذبہ میں بہت عجلت فرمائی اور ہمارے نبی پاک کے سلام کو کہاں کا حکم تھا اور کہاں پہنچا دیا۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

چنانچہ ان میں سے بعض حضرات نے مولوی عبدالحق (غزنوی) امرتسری کے اشتہار کے مقابلہ میں بجواب حدیث لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم لکھا ہے کہ

> مرزا صاحب کب کہتے ہیں کہ میں حقیقۃً ابن مریم ہوں۔ بلکہ جن احادیث صحاح میں پیش گوئی نزول عیسیٰ بن مریم کی نبی ﷺ نے فرمائی ہے اس میں وہ تاویل کرتے ہیں جو بموجب قواعد عربیہ کے صحیح معلوم ہوتی ہے..الخ۔

پس ان حضرت کی تصریح سے بخوبی واضح ہے کہ جن احادیث میں نزول عیسیٰ بن مریم کی پیش گوئی نبی ﷺ سے وارد ہے، گو وہ احادیث صحیح تو ہیں مگر مرزا صاحب ان کو مصروف عن الظاہر ٹھہرا کر اس کی ایسی تاویل فرماتے ہیں جو صرف بموجب قواعد عربیہ کے صحیح ہے اور چونکہ انہوں نے ان کے مصروف عن الظاہر ہونے کے واسطے کسی صارف شرعی کا ذکر نہیں کیا اور جواز تاویل کے واسطے صرف اس قدر کافی سمجھا ہے کہ وہ قواعد عربیہ کے موافق ہو، گو وہ مخالف اصول شریعت ہو۔ تو اس تقدیر پر کیا اب ہر ملحد کو گنجائش نہیں ہے کہ وہ نصوص قرآن و حدیث کے جو معنی چاہے بموجب قواعد عربیہ گھڑ ڈالے۔ جیسا کہ اتمّوا الصّیام الی اللیل کی تفسیر میں ایک شخص کہہ سکتا ہے ای اتمّوا الامساک عن الاکل حتی تأکلوا افراخ الحباری لانّ المراد باللیل ھو افراخ الحباری۔

اوراگر یہ باطل ہے تو آپ کا مزعوم بھی باطل ہے کیونکہ قواعد عربیت کے مطابق دونوں صحیح ہیں اوراصول شریعت کے دونوں خلاف ہیں۔

یا جس طرح بعض روافض نے آیہ مرج البحرین یلتقیان بینهما برزخ لا یبغیان یخرج منهما اللؤلؤ و المرجان کی تفسیر میں لکھا ہے بحرین سے علیؓ و فاطمہؓ مراد ہیں اور لؤلؤ اور مرجان سے حسنؓ اور حسینؓ مراد ہیں۔ اوراس تفسیر میں قواعد عربیت کے مطابق کوئی نقصان نہیں کیونکہ باب تشبیہہ واستعارہ واسع ہے اور مرزا صاحب اورانکے حواری مرادالٰہی کو ہمیشہ استعارات وکنایات میں مانتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ روافض کی یہ تفسیر الحاد ہو اور مرزا صاحب کی تفسیر عین مراد ہو، حالانکہ وہی جلال الدین ایسی تفسیر کی نسبت لکھتا ہے

و اما التّاویل المخالف للآیة والشرع فمحظور لانّه تاویل الجاهلین مثل تا ویل الروا فض قوله تعا لی : مرج البحرین ـ یلتقیا ن ـ انّهما علی و فاطمه یخرج منهما اللؤ لؤ وا لمر جا ن، الحسن و الحسین الخ ـ اعا ذ نا اللّه من ذلک ـ

اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ وہ اس تاویل باطل کو مصداق یوم یأتی تاویله فرماتے ہیں اور مراد الٰہی کو اپنے مزعوم باطل کے موافق اعتقاد کرتے ہیں اور ہمارے سلف کا اس بارہ میں عقیدہ یہ ہے : ولو قال المرا د کذا ولم یسمع فیه شیئاً فلا یحلّ له و هو الّذی نهی عنه

پس اگران کے پاس سوائے اختراع عقلی کے اور کچھ ذخیرہ سماع ونقل کا اس بارہ میں ہے تو وہ ہم کو کیوں محروم کرتے ہیں۔ ورنہ ان کو ضرور لحاظ چاہیے کہ ایک روز خدا تعالی کے روبرو مقام ہوگا۔

انہیں علاّم نے بڑی شد و مد سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ لفظ نزول سے نزول بجسم عنصری مراد لینا کچھ ضرور نہیں ہے اوراس کے چند امثلہ بیان کرنے میں تطویل لاطائل فرمائی ہے حالانکہ ضرورت کا کسی نے دعوی نہیں کیا، اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ لفظ نزول سے مراد ہمیشہ نزول بجسم عنصری ہی ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہ دعوی ہے کہ لفظ نزول منافی نزول جسم عنصری نہیں ہے بلکہ نزول جسد عنصری کو بھی شامل ہے۔ اور جہاں بضرورت تصریح شارع ﷺ مراد نزول سے نزول بجسم عنصری ثابت ہوا ہو، وہاں اس کا ترک کرنا من غیر دلیل شرعی ، باطل ہے۔

جیسے کہ نزول عیسی بن مریم، جس پر نصوص شریعت ناطق ہیں اور جو جمہور اہل سنت کا عقیدہ حقہ ہے اور جس کے انکار کی کوئی وجہ کسی مدعی کے پاس نہیں ہے۔ پس مرزا صاحب اور ان کے حواری کس ضرورت سے اس کے مخالف ہیں۔ اور یہ سب تو اس تقدیر پر ہے جس کو ہم بقول حواری ایسی تاویلات کو قواعد عربیہ کے موافق بھی مان لیں حالانکہ یہ قواعد عربیت کے بھی بالکل خلاف ہے اس واسطے کہ قواعد عربیت کے موافق معنی حقیقی اصل ہیں اور تاوقتیکہ تعذر حقیقت ثابت نہ ہو، صیرورت الی المجاز باطل ہے اور ان حضرت حواری نے تعذر حقیقت ہنوز ثابت نہیں فرمایا تو صرف امکانِ مجاز ان کو مفید نہیں ہوسکتا۔

پس اب بجواب سوال انہیں علاّم کے لکھا جاتا ہے کہ جب حدیث صحیح میں لفظ ابن مریم وارد ہے، اور ابن مریم کے حقیقی معنی مثیل مسیح کے نہیں ہیں، اور لفظ نزول شامل نزول جسدی کو بھی ہے، اور نصوص شریعت اس کی تعیین پر ناطق ہیں، اور موافق عقیدہ اہل سنت کے وہ محمول علی ظواھرھا ہیں، اور صرف (پھیرنا) ان نصوص کا، من غیر دلیل شرعی، جائز نہیں ہے، تو مرزا صاحب کے قصور کے واسطے یہی کافی ہے کہ انہوں نے خلاف نصوص شریعت، نزول جسدی عیسی ابن مریم سے انکار کیا، اور عیسی ابن مریم سے مثیل عیسی مراد لے کر مخالف قواعد عربیت ترک حقیقت اور ارتکاب مجاز کیا۔ اور اس سے زیادہ دین میں کیا قصور ہوسکتا ہے۔

و فی العقائد: وصرف النّصوص عن الظّاھر و العدول عنھا الحاد۔

یہ حضرات یہ نہیں سمجھتے کہ وقوع وصحت استعارہ کلام عرب میں بحسب قواعد عربیت اور چیز ہے، اور جواز استعارہ نصوص شرعیہ میں بغیر اعتماد نقل شارع کے اور چیز ہے، اور جو شخص نصوص شرعیہ کے. صرف عن الظاہر من غیر دلیل شرعی. کا مانع ہو، اس کے واسطے ان حوارین کا کلام اور لاطائل امثلہ تشبیہہ واستعارہ ایک فسانہ نہیں ہے، تو کیا ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور چونکہ اصل مخاطب ہمارے مرزا صاحب ہیں اس لئے ہم ان حضرات کے خیالات کی نسبت اس موقع پر اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتے اور چونکہ درحقیقت مدار عیسویت مرزا صاحب اور حواریت حوارین صرف اس ڈھکوسلہ پر ہے کہ نصوص شرعیہ مصروف عن الظاھر ہیں اور تمام خرافات کی بناء اسی بناء فاسد پر ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی مراد ہمیشہ استعارات وکنایات میں

ہوتی ہے اسی وجہ سے ہمیشہ ضرورت ہے کہ ہم صرف اس مبحث کو اول ختم کرلیں۔

پس یہ تو بخوبی ثابت ہوگیا کہ اہل سنت والجماعت کے عقاید حقہ کے موافق نصوص شرعیہ محمول علی ظواھر ھا ہیں ما لم یصرف عنھا صارف شرعی اور خدا کی مراد کا ہمیشہ استعارات وکنایات میں ماننا ابطال شریعت بالکلیہ ہے۔ بایں لحاظ کسی مدعی کی رائے فاسداور تاویل باطل سے صرف نصوص عن الظاھر جائزنہیں ہوسکتا۔مگرایک احتمال باقی ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب کے الہامات کوصارف شرعی اعتقاد کیا جاوے اور بر بناء الہام ان نصوص ظاہرہ اجماعیہ کو مصروف عن الظاھر مانا جاوے۔ پس یہ زعم بھی ان کا باطل محض ہے کیونکہ الہام غیرالنبی، حجۃ شرعیہ نہیں ہے اور بعض کے نزدیک جوالہام غیر النبی صرف بحق ملہم حجۃ ظنیہ مانا گیاہے وہ بھی بشرط موافقت شرع ہے۔

قال شارح المنار فی مقام تقسیم الوحی؛ الثالث ما تبدّی لقبه بلا شبهة بالهام من اللّٰه تعالی بان اراه بنور من عنده و هو المسمی بالالهام و یشترک فیه الاولیا ایضاً ۔ و ان کان الهامهم یحتمل الخطاء والصواب وا یضاً فیه و الهام الاولیاء حجة فی حق انفسهم ان وافق الشریعة ولم یتعدّ الی غیرهم وایضاً فی التوضیح الثالث ما تبدی لقلبه بلا شبهة بالهام من اللّٰه تعالی با ن ارا ه بنور الله من عنده کما قال اللّٰه تعالی لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰه و کلّ ذلک حجة بخلاف الها م الاولیاء فا نه لا یکون حجة علی غیرهم ۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ الہام غیرالنبی، حجت ملزمہ علی الغیر نہیں ہے۔اور خود ملہم کے حق میں بھی حجت ظنیہ، بشرط موافقت شرع ہے۔اور چونکہ مرزا صاحب کے الہامات بالکل خلاف شرع ہیں اوران میں اس قدر بھی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ مرزا صاحب کے لئے بھی حجت ظنیہ ہوسکیں ،تو اب یہ زعم کہ ایسے الہامات ،نصوص شرعیہ کے ردّ وابطال کے واسطے کافی ہوں گے، یا ان کے ذریعہ سے صرف النّصوص عن الظاھر جائز ہوگا، باطل محض ہے اور درحقیقت یہ ردّ و اباء نصوص کا ہے جوقطعاً الحاداورعدول عن الاسلام ہے۔

غرض کہ جب یہ محقق ہوگیا کہ نصوص کتاب وسنت محمول علی ظواھرھا ہیں ما لم یصرف عنھا دلیل قطعی ،اور نیز یہ ثابت ہوگیا کہ ایسے الہامات جوبیش از

وسوسہ نہیں ہیں، دلیل شرعی نہیں ہو سکتے جو صارف نصوص ہوسکیں، اور خدا کی مراد اگر ہمیشہ استعارات وکنایات میں مانی جاوے تو ظاہر شریعت باطل ومتروک ہو جاوے گی تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا عیسیٰ بن مریمؑ کے نزول سے قطعاً انکار کرنا اور عیسیٰؑ ابن مریم سے مثیل عیسیٰؑ ابن مریم مراد لے کر خود دعوی نبوت وعیسویت کرنا انکار امر منصوص ہے اور وہ الحاد ہے۔ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ نزول عیسیٰؑ بن مریم اشراط ساعۃ میں سے ہے (چنانچہ حدیث صحیح مسلم میں پیغمبر ﷺ نے قیامت کی دس نشانیاں بیان فرمائیں اور ان میں نزول عیسیٰؑ بن مریم کا بھی ذکر فرمایا) اور فیما اخبر به النبی ﷺ و فیما علم مجیئه بالضرور میں داخل ہے۔ پس اس سے انکار کرنا تکذیب النبی فیما اخبر به و فیما علم مجیئه به بالضرورة ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی شرح عقائد میں لکھتا ہے:

وما اخبر به النبی ﷺ من اشراط الساعة من خروج الدجال و دابة الارض و یاجوج و ماجوج و نزول عیسیٰؑ ابن مریمؑ و طلوع الشّمس من مغربها حقّ۔

بخاری اور مسلم میں نزول عیسیٰ ابن امریم کی بابت جو روایت ہے، وہ یہ ہے:

عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصّلیب ویقتل الخنزیر و یفیض المال حتی لا یقبله احد حتی یکون السّجدة الواحدة خیراً من الدّنیا وما فیها ثم یقول ابو هریره فاقرؤا ان شئتم:

وان من اهل الکتاب الا لیؤمننّ به قبل موته، متفق علیه۔

و فی مسلم عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰه ﷺ لینزلن ابن مریم حکماً عدلاً فلیکسرن الصّلیب ولیقتلن الخنزیر و لیضعن الجزیة و لیترکن القلائص فلا یسعی الیها ولیذهبن الشحناء و التّباغض و التّحاسد و لیدعون الی المال فلا یقبله احد۔

ایسے نصوص صریحہ کے بعد ہر وہ شخص جو دین کی آنکھ رکھتا ہو، سمجھ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کا عیسیٰؑ ابن مریم کے نزول سے انکار اہل حق کے عقیدہ کے خلاف اور بلا شبہ تکذیب النبی فیما علم مجیئه به بالضرورة میں داخل ہے اور ان کا یہ الہام، اوہام شیطانی کے

قبیل سے ہے اور ایسی نصوص صریحہ کا انکار جو حکم متواترات میں ہیں، کمال جسارت اسلام میں ہے۔ شوکانی رسالہ توضیح میں ان احادیث کے نقل کے بعد جو نزول عیسیٰؑ ابن مریم کے متعلق ہیں، لکھتا ہے:

فهذه تسعة وعشرون حديثاً تنضم اليها احاديث اخر ذكر فيها نزول عيسىؑ منها ما هو مذكور فى احاديث د جال و منها ما هو مذكور فى احاديث المنتظر وتنضم الى ذلك ايضاً الآثار الواردة عن الصّحابة فلها حكم الرّفع اذ لا مجال للاجتهاد فى ذلك۔ فمنها عن ابى هريره عند ابن ابى شيبه، و منها عنه ايضاً ذكره فى كنز العمال، ومنها عنه ايضاً ذكره فيها، و منها عن ابن عباس ذكره فى الكنز، ومنها عنه ايضاً ذكره فيه، ومنها عن عبد اللّه ابن عمر ذكره ابن ابى شيبه، ومنها عن ابن مسعود ذكره فى كنز العمال، و جمع ما سلفناه بالغ حد التّواتر كما لا يخفى على من له فضل اطلاع ۔

مرزا صاحب کا یہ اعتقاد بھی اہل حق کے عقیدہ کے خلاف ہے کہ وہ تعدّد مسیح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اس بات سے بھی انکار نہیں کرتا کہ کوئی اور بھی مسیح ہو، حالانکہ شریعت محمدیہ على صاحبها الف الف صلوة و تحيّة صرف ایک ہی مسیح کا وجود ہم کو بتاتی ہے اور اس کے اصول ہرگز تعدّد مسیح کو مقتضی نہیں ہیں۔ بلکہ مقتضی کیا معنی، تعدّد ان کے منافی ہے کیونکہ اگر ایک اور بھی مسیح مرزا صاحب کے عقیدہ کے موافق محتمل ہو تو ان شقوق سے خالی نہ ہوگا کہ

۱۔ یا تو وہ اور مرزا صاحب دونوں نبی ہوں گے؛

۲۔ یا وہ اور مرزا صاحب دونوں نبی نہ ہوں گے؛

۳۔ یا مرزا صاحب نبی ہوں وہ نبی نہ ہوگا؛

۴۔ یا وہ نبی ہوگا مرزا صاحب نبی نہ ہوں گے۔

اور یہ سب شقوق باطل ہیں۔

احتمال اول یعنی یہ کہ مرزا صاحب اور وہ دونوں نبی ہوں، اس لئے باطل اور کفر ہے کہ انکار ختم رسالت کو مستلزم ہے اور آیت ولكن رّسول اللّه و خاتم النّبيين اور

حدیث انا خاتم النّبیین لا نبیّ بعدی کے بالکل منافی ہے۔

اور احتمال ثانی اس لئے باطل ہے کہ اگر دونوں نبی نہ ہوں تو سلب النبوۃ عن المسیح موعود لازم آئے گا، حالانکہ یہ عقیدہ اہل حق کیخلاف ہے چنانچہ حجج الکرامۃ میں ابن ابی ذئب سے منقول ہے:

فھو رسول ونبیّ کریم علی حالہ، لا کما یظنّ بعض النّاس انّہ یا تی وا حداً من ھذہ الامّۃ بدون نبوۃ و رسالۃ و جھل انھما لا تزولان بالموت فکیف بمن ھو حیّ ۔

چنانچہ یہی عقیدہ تمام اہل حق کا ہے کہ عیسیٰؑ ابن مریم بعد نزول بھی رسول ہوں گے جیسے کہ وہ قبل الرفع رسول تھے۔ اور جیسا کہ بعض جہلاء نے خیال کیا ہے کہ وہ بعد نزول احد من النّاس ہوں گے، ایسا نہ ہوگا۔

احتمال ثالث، یعنی یہ کہ مرزا صاحب نبی ہوں اور وہ نبی نہ ہو، یہ بھی باطل ہے کیونکہ وہ پھر مسیح موعود نہ ہوگا۔ مسیح موعود کو تو نبوت لازم ہے اور جب مرزا ،نعوذ باللّٰہ من ذلک نبی ہوں اور وہ نبی نہ ہو، تو وہ مسیح نہ ہوگا، اور مسیح غیر موعود کا نزول باطل ہے۔ پھر مرزا کا یہ فرمانا کہ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ اور بھی کوئی مسیح ہو، بجز فریب کے اور کیا ہوگا؟

اب شق رابع رہی، یعنی یہ کہ مرزا صاحب نبی نہ ہوں اور وہ مسیح محتمل نبی ہو، اور پھر مرزا صاحب کو اس وقت اصلی مسیح موعود مانا جاوے، یہ بھی صریح باطل ہے کیونکہ مسیح موعود کو تو نبوت لازم ہے اور جب مرزا صاحب نبی نہ ہوں گے، تو آنے والے یعنی مسیح موعود کیوں کر ہوں گے، گو وہ اپنے کو مثیل سے تعبیر کریں مگر جب موعود کہیں گے تو اصیل آپ ہی بن جاویں گے۔

مرزا صاحب پر یہ بھی کھول دیا گیا کہ

مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ فوت ہوگیا اس کی روح بہشت میں سیر کر رہی ہے اس پر دوبارہ موت طاری نہ ہوگی۔ پس وہ ہرگز نازل نہ ہوگا۔

مگر ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب پر یہ کھول دیا گیا ہے تو سبیل شریعت اسلام ان پر ضرور مسدود کر دی گئی ہے جو نزول عیسی بن مریم پر ناطق ہے اور جس میں یہ مصرح ہے کہ عیسی ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ اٹھا لیا گیا ہے۔ تفسیر ابو السعود میں تحت

قولہ تعالیٰ انّی متوفّیک و رافعک الیّ لکھا ہے:

قوله انّی متوفّیک ای مستوفی اجلک ومؤخرک الی اجلک المسمّی عاصماً لک من قتلهم او قابضک من الارض من توفیت مالی او متوفیک نائماً اذ روی انه رفع نائماً و قیل ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء و رافعک الآن اوممیتک من الشهوات العائقة عن العروج الی عالم الملکوت و قیل اماته اللّه سبع ساعات ثم رفعه الی السّماء والیه ذهبت النّصاری قال القرطبی والصحیح ان اللّه تعالی رفعه من غیر وفات ولا نوم کما قال الحسن و ابن زید وهواختیارالطبری وهوالصحیح عن ابن عباس۔

صاحب بیضاوی لکھتا ہے:

اے مستوفی اجلک و مؤخّرک الی اجلک المسمّی عاصماً ایّاک من قتلهم

فخر رازی، کبیر میں لکھتا ہے:

معنی قوله تعالی انی متوفّیک، ای متمم عمرک فح اتوفاک فلا اترکهم حتی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی و مقرّبک الی ملائکتی و اصونک عن ان یتمکنوا من قتلک و هذا تاویل حسن۔

اس کے بعد لکھتا ہے:

۔ الوجه الرابع فی تاویل الآیة ان الواو فی قوله تعالی متوفیک و رافعک الیّ ، تفید التّرتیب فالآیة تدلّ علی انّه تعالی یفعل به هذه الفعال فامّا کیف ومتی یفعل فالامر فیه موقوف علی الدّلیل وقد ثبت بالدّلیل انّه حیّ و ورد الخبر عن النّبی ﷺ انه سینزل و یقتل الدّجال ثم انّه تعالی یتوفّاه بعد ذلک۔

اس کے بعد ایک اور توجیہ لکھی ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

التوفّی هو اخذ الشّیء وافیاً ولما علم الله تعالی ان من النّاس من یّخطر بباله انّ الّذی رفعه اللّه هو روحه لا جسده ذکر هذا الکلام لیدلّ علی انّه

علیه الصلوة و السلام رفع بتمامه الی السّماء بروحه و بجسده و یدلّ علی صحته هذا التّاویل قوله تعالی و لا یضرّونک من شیء

کمالین حاشیہ جلالین میں اس مقام کے متعلق لکھا ہے:۔

التّوفّی هو القبض یقال وفانی فلان دراهمی واوفانی و توفیتها منه غیر انّ القبض یکون بالموت و بالاصعاد فقوله رافعک الیّ من غیر موت تعیین للمراد و فی البخاری قال ابن عباس متوفّیک ای ممیتک معناه فی وقت موتک بعد النّزول من السّماء و رافعک الآن ۔ انتہی بقدر الحاجه ۔

دیکھو مفسرین کی ان تمام تصریحات اور تعیین مراد سے کالشّمس فی نصف النہار ثابت ہے کہ عیسی ابن مریم زندہ ہیں اور متوفّیک کے معنی متمم عمرک اور مستوفی اجلک کے ہیں مگر چونکہ مرزا قادیانی کو خود عیسی بننے کے واسطے ضرورت ہے کہ وہ عیسی موعود کے نزول سے انکار کرے اور اسلام کے اس ضروری عقیدہ کو اپنے افتراء کے ذریعے باطل قرار دے، پس اسی ضرورت سے اس نے ایک نیا قاعدہ اسلام میں ایسا اختراع کیا ہے جس کی کوئی اصل ہم کو شریعت محمدیہ سے نہیں ملتی ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ عیسی موعود تو بہشت بریں میں داخل ہو چکے ہیں اب ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس خرافات کا کوئی مطلب ہرگز ہم نہیں سمجھتے کیونکہ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو ایک بار بہشت بریں میں کسی طرح داخل ہوگیا، پھر وہ وہاں سے نکل ہی نہیں سکتا ،تو یہ مشکل ہوگی کہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا شب معراج میں بہشت بریں میں داخل ہونا شرعاً ممتنع ہوگا، ورنہ بعد دخول جنت وہ پھر دنیا میں کس طرح لوٹ کر آتے ؟ اور اگر وہ بہشت بریں میں داخل ہوکر دنیا میں آسکے، تو عیسی موعود کا پھر نازل ہونا کیونکر شرعاً مستبعد ہوسکتا ہے کیونکہ جس طرح آنحضرت ﷺ قبل الاجل ، بطریق سیر، بہشت بریں میں داخل ہوکر پھر دنیا میں آگئے عیسی موعود بھی قبل الاجل ایک زمان معین تک بہشت میں رہ کر پھر آسکتے ہیں ، گو سبب دخول اور زمان قیام میں دونوں کے فی الجملہ اختلاف ہو، مدعا تو نزول فی الدّنیا بعد دخول الجنّۃ ہے، اور وہ بہرکیف عقلاً اور شرعاً ثابت ہے ۔ اور اگر مرزا کا مطلب یہ ہے کہ جس پر ایک بار موت طاری ہوگئی ہو، اس پر دوبارہ موت طاری ہونا مستحیل ہے، تو اسکے لئے بھی کوئی

اصل شرعی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ابطال صریح کے واسطہ آیت

کالّذی مرّ علی قریۃٍ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انّی یحی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا ، فاماتہ اللّٰہ مأۃ عام ثمّ بعثہ

اور قصہ اصحاب حزقیل، کما قال اللہ تعالی ۔

الم تر الی الّذ ین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذرالمو ت فقال لھم اللّٰہ موتوا ثم احیاھم ۔

اور بہت سے معجزات انبیا اور خود اعجاز عیسوی کافی وافی ہیں اور جب کہ دوبارہ موت کا طاری ہونا کسی طرح پر خلاف اصول شریعت نہیں تھا تو اسی بنا پر صاحب فتح الباری لکھتا ہے کہ جو لوگ حضرت عیسی کی موت قبل الرّفع کے قائل ہیں اگر ان کا یہ قول ضعیف بھی مان لیا جائے تو کوئی استحالہ نہیں ہے بلکہ وہ بعد نزول پھر فوت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے :

و علی ھذا فاذا نزل الی الارض ومضت المدۃ المقدرۃ یموت ثانیاً

تو اب مرزا صاحب کے اس اصلِ فاسد کے واسطے کہ عیسی تو ایک بار فوت ہو گیا اس کی روح بہشت بریں میں سیر کر رہی ہے اس پر دوبارہ موت طاری نہ ہوگی، کون سی اصلِ شرعی ہے ، ہم تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر خلاف جمہور ہم آپ کے اس زعم باطل کو بھی تسلیم کر لیں کہ عیسی موعود فوت ہو چکا تاہم وہ ضرور نازل ہوگا اور خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا اور وہ دوسری بار فوت ہوجاوے گا تو بجز اس کے کہ مرزا جی کو عیسی بننے کا موقع نہ ملے گا اور کیا حرج لازم آوے گا۔ اور اگر مرزا کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص ایک بار اپنی اجل معین فی الدنیا کو پورا کر کے بہشت بریں میں داخل ہو گیا، وہ بہشت بریں سے اس طرح نہ نکالا جاوے گا کہ پھر وہ اس میں داخل نہ ہوسکے۔ اور اس پر وعدہ الہی کے موافق دوسری بار موت بھی طاری نہ ہوگی تو یہ مسلّم ہے، مگر عیسی موعود پر اجلِ معین فی الدّنیا پورا ہونے کے بعد کب موت طاری ہوئی ہے اور وہ بعد اتمام الاجل فی الدّنیا کب بہشت میں داخل ہوئے ہیں جو ان کا بہشت سے آنا مستحیل ہو بلکہ اس کی اجل تو ہنوز باقی ہے تو اب اس کا نزول فی الدّنیا اور خروج من الجنّۃ اس طرح نہ ہوا کہ وہ بہشت میں نہ جا سکے بلکہ وہ اپنی باقی ماندہ اجل کو پورا کر کے، بعد وفات پھر، جنت میں داخل ہوگا اور اس کے بعد کبھی پھر نہ نکالا جائے گا۔ مگر ہم پہلے کہہ چکے

ہیں کہ بعض بطلاء اپنے زعم میں پہلے سے ایک غرض فاسد قرار دے کر اصول شریعت کو اپنے زعم باطل کا تابع بنایا کرتے ہیں جو انہیں پر ردّ کے لائق ہوتی ہے اور اس کو تحریف شریعت کہا جاتا ہے۔

اب بڑا استدلال مرزا صاحب کا عبداللہ بن عباسؓ کی اس تفسیر سے ہے جو بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے متوفّیک ای ممیتک، مگر ہم اس کے معنی اور بخاری کی مراد کو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابن عباس کی تفسیر لفظ متوفّیک کی لفظ ممیتک کے ساتھ ہرگز اس پر دالّ نہیں ہے کہ وہ قبل النزول عیسی بن مریم کی موت کا قائل ہے بلکہ اپنے وقت پر موت کا قائل ہے اور اگر فرضاً اس سے منقول بھی ہو، تو ابو سعود کی تفسیر کے موافق بنا بر اصح الروایتین ابن عباسؓ کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رفع من غیرِ موتٍ کا قائل ہے اور اس کی تفسیر کی صحیح توجیہ یہ ہے: ای ممیتک عند اجلک المسمّی بعد النزول من السّماء و رافعک الآن۔

تو اب مرزا صاحب کا اس ضعیف بنیاد پر عیسیٰؑ ابن مریم کے نزول سے انکار کرنا اور ایسے حکم منصوص سے اباء کرنا اور عیسی بن مریم کی موت کا قائل ہو کر نصاری کے مذہب کی تائید کرنا، قانون شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے۔

اس مقام پر (مرزا کے) بعض حواریّین نے لکھا ہے کہ اگر خدا کی مراد یہ مانی جاوے کہ اول عیسی بجسم عنصری اٹھائے جاویں گے اس کے بعد وفات پاویں گے تو خدا کے کلام میں بلاغت نہیں رہتی کیونکہ اس تقدیر پر یوں کہنا مناسب تھا:

یا عیسی انی رافعک بجسمک العنصری ثمّ متوفّیک، الخ۔

اور نقصان بلاغت کا منشاء غالباً یہ سمجھا ہے کہ رفع اول واقع ہوگا اور موت اس کے بعد ہوگی تو گویا ترتیب واقعات اور قصہ میں تقدیم و تاخیر لازم آوے گی۔ پس ان حضرت حواری نے بلاغت صرف قصوں کی ترتیب کا نام سمجھا ہے اور نعوذ باللہ اگر اسی کا نام بلاغت ہو تو تمام قرآن پاک میں شائد بلاغت نہ رہے کیونکہ یہ ترتیب قصص و امثال میں کہیں ملحوظ نہیں ہے۔ دیکھو سورۃ بقرہ میں اول ارشاد ہے: انّ اللّٰه یأمرکم ان تذبحوا بقرة ۔ اور آخر میں مذکور ہے: و اذ قتلتم نفساً ... الخ۔

اور ان حضرت حواری کی بلاغت مخترعہ چاہتی ہے کہ خدا یوں فرماتا:

و اذ قتلتم نفساً فادّا رأتم فیھا امرکم اللّٰہ تعا لی ان تذبحوا بقرۃ ۔

(اورسورۃ قاف میں ہے۔ کذّ بت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرّس و ثمود و عاد و فرعون و اخوا ن لوط ... الخ ۔ اس جگہ اللہ نے عاد کوثمود کے بعداور اخوان لوط کو فرعون کے بعد ذکرفرمایا ہے۔اورجس کوقرآن سے کچھ بھی لگاؤ ہے وہ جانتا ہے کہ ثمود، عاد کے بعد ہوئے ہیں،اورفرعون،لوط کے بعد۔دیکھو سورہ اعراف اورعنکبوت میں یہ دوآیتیں ہیں۔ و اذ کروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد ، و بوّ أ کم فی ا لارض ے ان میں صریح ذکر ہے کہ ثمود بعد عاد کے ہوئے ہیں اورلوطؑ، ابراہیمؑ کے زمانہ میں ،اورموسیٰؑ اورفرعون ، ابراہیمؑ کے بعد ہوئے ہیں ،تواب محاورہ قرآنی اورترتیب زمانی برائے حجت قادیانی باطل ولایعنی ہوگئی)

پس بیان فرماویں کہ اس بے ترتیبی سے کس قدر بلاغت میں نقصان لازم آتا ہے اعاذنا اللہ من ذلک ۔ وہ نہیں سمجھتے کہ بلاغت عبارت ہے کلام کے مطابق مقتضی حال ہونے سے اور چونکہ اس مقام پر پروردگار عالم کوردّ زعم یہود مدنظر تھا جوحضرت عیسی کوقتل سے دھمکاتے تھے اورحضرت عیسی کی تسلی خدا تعالی کوملحوظ تھی،تو ارشادفرمایاکہ یا عیسی انّی متوفّیک ..یعنی اے عیسی تو اپنی اجل معین کو پورا کرے گا اورمعمولی موت سے مرے گا، یہود کو دسترس نہ ہوگی کہ وہ تجھ کوقتل کرسکیں اوراس اجل معین کے پورے ہونے تک ہم تجھ کو زمین سے اٹھالیں گے اوران کے کید وایذاء سے محفوظ رکھیں گے۔ پس اب حواری صاحب خدا تعالی کے کلام میں دخل دینے کے واسطے ذرا اپنی قابلیت کا تو اندازہ فرمالیں ۔ دیکھو عبارت فتح الباری بھی اسی مدعا پر دالّ ہے:

قال العلماء الحکمۃ فی نزول عیسی دون غیرہ من الانبیاء الردّ علی الیھود فی زعمھم انھم قتلوہ فبین اللّٰہ تعالی کذبھم و انّہ الّذی یقتلھم ۔

علامہ رازی لکھتا ہے:

معنی قولہ تعالی انّی متوفّیک ای متمم عمرک فح اتوفاک فلا اترکھم حتی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقرّبک بملا ئکتی و اصو نک عن ان یتمکّنوا من قتلک و ھذا تا ویل حسن۔

اس مقام پر(مرزا کے) بعض حوارئین نے حضرت ابوہریرہ کے اس استشہاد پر جو

انہوں نے آیہ و ان من اھل الکتا ب الا لیؤمننّ بہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کی نسبت کیا ہے، جرح فرمائی ہے اور ضمیر قبل موتہ کا مرجع کتابی کو سمجھا حالانکہ ابو ہریرہ کا استشہاد اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہوں ۔ پس حضرت ابو ہریرہ قائل ہوئے کہ کتابی اس کا مرجع نہیں ہے اور یہی مذہب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ہے، چنانچہ فتح الباری میں اسی استشہاد کے متعلق لکھا ہے:

ھکذا عبارتہ و قولہ فی الآیۃ و ان بمعنی ما ای لا یبقی احد من ا ھل الکتاب وھم الیھود والنصاری اذا نزل عیسی الّا آمن بہ وھذا مصیر من ابی ھریرہ الی انّ الضّمیر فی قولہ الّا لیؤمننّ بہ و کذلک فی قولہ قبل موتہ، یعود علی عیسی ای الّا لیؤمننّ بعیسی قبل موت عیسی، وبھذا جزم ابن عباس فیما روا ہ جر یر من طریق سعید بن جبیرعنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی ر جاء عن الحسن قال قبل مو ت عیسی واللّٰہ انہ ا لآن لحیّ و لکن اذا نزل آمنوا بہ اجمعون و نقلہ عن اکثر اھل العلم و را جحہ ابن جر یر و غیرہ ،

پس اب اہل حق خیال کریں کہ اگر یہ عدول عن مذہب الصحابہ نہیں ہے تو کیا ہے اور جو لوگ اعلم بمعانی القرآن تھے اور جن کی تفسیر ایسے امور میں واجب الاتباع ہے ان کی تفسیر کا رد و ابطال نہیں ہے تو کیا ہے؟

و ھل ھذا الّا بلاء مّبین و ھذا خلاف بین ا صحاب محمّد رسول اللّٰہ و بین اصحاب القادیانی۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک التھانی ولاحول ولا قوۃ الا با للّٰہ

اور سنئے حضرت قادیانی نے ملائکہ کے وجود سے انکار کیا ہے اور ان کے حواریّین نے بھی دبی زبان سے اسی کا اقرار فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ ملائکہ کے بازوؤں سے قوائے ملکیہ مراد ہیں اور عقلی تائید اس کی یوں فرمائی ہے کہ پرندوں کے سوائے دو بازو کے تین یا چار بازو نہیں ہوتے کبرت کلمۃ تخرج من افوا ھھم ان یّقولو ن الّا کذ با۔

اللہ پاک صاف اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

الحمد للّٰہ فاطر السّماوات والارض جاعل الملائکۃ رسلاً اولی اجنحۃٍ مثنی و ثلاث و رباع یزید فی الخلق ما یشاء۔

اس کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ پروں والے ہیں، دو پر والے اور تین پر والے اور چار پر والے۔ اور اللہ قادر ہے کہ جس قدر چاہے اور زیادہ کرے، جس کی تصدیق احادیث صحیحہ میں ہے کہ چھ سو پروں والے فرشتہ بھی ہیں اور ان حواری صاحب کا نیچر فرماتا ہے کہ دو پروں سے زیادہ ناممکن ہے۔ وھل ھذا الّا خلاف بین حواری القادیانی و بین اللّٰہ تعالی ۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک ۔

حضرت حواری نے نیچر کے حکم کے موافق اس امر کو مستبعد سمجھا ہے کہ ایک پرند کے تین یا چار بازو ہوسکیں حالانکہ نیچر کے موافق بھی وہ مستبعد نہیں ہے کیونکہ ان حضرت حواری نے ایک چھوٹا سا جانور غیر پرند، جس کو ہزار پایا کہتے ہیں، ضرور دیکھا ہوگا۔ دیکھو وہ ہزار پاؤں سے کیسی صاف رفتار چلتا ہے۔ اسی طرح اگر ہزار پر کا طائر خدا ایسا بنادے جو ہزار پروں سے اسی طرح اڑ سکے جس طرح ہزار پاؤں سے ہزار پایا چلتا ہے، تو کیا خدا کی قدرت سے بعید ہے۔ باقی زبدہ کی تحریر پر غرہ ہونا اہل علم کا کام نہیں۔ کیا ضرورت عقلی یا نقلی داعی ہے جو ہم، صرف النصوص عن الظاھر، کے قائل ہوں اور مذاہب صحابہ سے عدول کر کے الحاد اختیار کریں حواری مذکور نے اس لفظ حدیث پر بہت تعجب کیا ہے واضعاً کفیہ علی اجنحۃ ملکین اور وہ فرماتے ہیں کہ اوپر سے اترنے والہ پروں پر ہتھیلیاں کیونکر ٹیک سکتا ہے، اور پھر فرماتے ہیں کہ حدیث لتضع اجنحتھا لطالب العلم کے پھر کیا معنی ہوں گے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں مجمع البحار میں ہے قیل ھو بمعنی التواضع تعظیماً لحقہ اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو معنی تواضع کے یہاں ہیں وہی معنی تواضع کے حدیث واضعاً کفیہ علی اجنحہ الملکین میں ہوں گے۔ فیا اسفاہ علی ضیعۃ العلم و اھلیھا۔ اے حضرات اہل حق ذرا خیال فرمائیے کہ معنی لفظ اجنحہ کے تواضع کے ہیں تو حدیث نزول عیسی ابن مریم میں واضعاً کفیہ علی اجنحۃ الملائکۃ کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت عیسی فرشتوں کی تواضع پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے اور وہ شائد اہل مذاق کے اس محاورہ کے موافق ہو کہ فلاں شخص اپنی شرم پر ہاتھ رکھ کر آیا اور اس تقدیر پر بے چارے صاحب مجمع البحار کے کلام سے استشہاد کی کیا ضرورت ہوگی کیونکہ وہ تو وضع اجنحہ کے معنی تواضع کے بیان کرتا ہے اجنحہ کا محاورہ نہیں بیان کرتا۔ اور وضع اجنحہ بمعنی تواضع و خفض اجنحہ بمعنی العجز عین محاورہ ہے کمافی مجمع

البحار۔ و کما قال اللہ تعالی و اخفض لهما جنا ح الذ لّ اور اگر مراد حواری صاحب کی یہ ہے کہ وضع اجنحہ بمعنی التواضع ہے تو حدیث نزول عیسی میں وضع اجنحہ کہاں ہے جو تواضع مراد ہو، وہاں تو وضع الکفّ علی الاجنحہ ہے جو خلاف تواضع تسلط علی الغیر ہے۔ پھر تواضع کے کیا معنی ہوں گے اور اگر یہ مراد ہے کہ وضع الکف علی اجنحۃ الملائکۃ کے معنی بھی تواضع کے ہیں، تو اسکے استشہاد کے واسطے کوئی اور محاورہ نقل کیجئے جو مدعا ثابت ہو مجمع البحار میں اس کا کہیں نشان نہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ جہاں لفظ اجنحہ دیکھ لیا وہیں تواضع کے معنی سمجھ لئے کلام کے سیاق وسباق سے کچھ بحث نہیں تو اس فہم عالی کا کیا جواب ہے یہ علوم لدنیہ وہبیہ جو صرف حواریین قادیانی کا حصہ ہے مسجد کے ملاں نرے خدا و رسول کے فرمان بردار اس کو کیا جانیں۔

اب ہم ان واقعات کو دیکھتے ہیں جو اصلی مسیح ابن مریم کے نزول کے وقت ہونے چاہئیں اور جن کی تصریح من غیر ریب و مریہ ہمارے شارع سے ثابت ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا واقعہ عیسی ابن مریم کے زمانہ میں ہوگا قتل دجال ہے چنانچہ صحیح مسلم میں نواس بن سمعان سے مروی ہے:

قال ذکر رسول اللّٰہ ﷺ الدجّال فقال ان یخرج و انا فیکم فانا حجیجه دونکم، و ان یخر ج، ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسه، و اللّٰہ خلیفتی علی کل مسلم، انه شابّ قطط عینه طافئة، کانّی اشبهه بعبد العزی بن قطن، فمن ادرکه منکم فلیقرأ فواتح سورة الکهف، و فی روایة فلیقرأ بفوا تح سورة الکهف فانّها جوارکم من فتنه ،انّه خارج خلّة بین الشّام والعراق، فعاثِ یمیناّ و عاث شمالًا، یا عباداللہ! فاثبتوا۔ قلنا: یا رسول اللّٰہ وما لبثه فی الارض؟ قال: اربعون یوماً، یوم کسنةٍ ، و یوم کشهرٍ، و یوم کجمعةٍ، و سائرا یّامه کایّامکم۔ قلنا: یارسول اللّٰہ فذلک الیوم الّذی کسنةٍ أتکفینا فیه صلوة یوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره۔ قلنا: یا رسول اللّٰہ وما اسراعه فی الارض؟ قال:کالغیث استدبرته الرّیح، فیأتی علی القوم فیدعوهم، فیؤمنون به و یستجیبون له، فیأمر السّماء فتمطر و

الارض فتنبت، فتروح عليهم سارحتهم، اطول ما كانت ذرّى
واسبعه ضروعاً، و امدّه خواصر، ثمّ يأتى القوم، فيدعوهم فيردّون
عليه قوله، فينصرف عنهم، فيصبحون ممجلين، ليس بايديهم
شىء من اموا لهم و يمرّ بالخرِبة فيقول لها: ا خرجى كنوزك، فتتبعه
كنوزها كيعاسيب النّخل، ثم يد عوا رجلاّ ممتلئاً شباباً، فيضربه
بالسيف فيقطعه جزِلتين رمية الغرض، ثم يدعوه فيقبل و يتهلّل
وجهه، ويضحك، فبينما هوكذ لك اذ بعث اللّه المسيح بن مريم
فينزل عند المنارة البيضاء شرقىّ دمشق بين مهروذتين، وا ضعاً
كفيه على اجنحة ملكين، اذا طأطأ رأسه قطر، واذا رفعه تحدّرمنه
جمان كاللّؤلؤ، فلا يحلّ لكافر يجد من ريح نفسه الّامات، و نفسه
منتهى حيث ينتهى طرفه، فيطلبه حتى يدركه بباب لدّ ، (فيقتله ،
ثم يأتى عيسى (ابن مر يم) قوم قد عصمهم الله منه فيمسح على
وجوههم و يحدّثهم بدر جا تهم فى الجنّة، فينما هوكذ لك اذ اوحى
اللّه الى عيسى ، عليه السلام ، انّى قد ا خر جت عباداً لى، لا بدانِ
لاحدٍ بقتالهم، فحرّز عبادى الى الطّور، و يبعث اللّه يأجوج و مأجوج
، و هم من كلّ حد بٍ ينسلون ، فيمرّ اوا ئلهم على بحيرة طبريّة ،
فيشربون ما فيها،و يمرّ آ خر هم فيقو لو ن : لقد كا ن بهذه ، مرّةً،
ما ء، و يحصر نبى اللّه عيسى و اصحا به، حتى يكو ن رأس الثور
لاحدهم خيراً مّن مأة دينار لاحدكم اليوم ، فيرغب نبىّ اللّه عيسى
و اصحابه ، فيرسل (اللّه) عليهم النّغف فى رقابهم، فيصبحو ن
فرسى كموت نفس وا حدةٍ ، ثم يهبط نبىّ اللّه عيسى عليه السلام
و اصحابه الى الارض، فلا يجدون فى الارض موضع شبرٍ الّا ملأه
زهمهم و نتنهم ، فير غب نبىّ اللّه عيسى ، عليه السلام ، و
اصحابه الى اللّه ، فير سل اللّه طيراً كاعناق البختِ، فتحلمهم
فتطرحهم حيث شاء اللّه، ثم ير سل اللّه مطراً لا يكنّ منه بيت مدرٍ

و لا وبرٍ، فيغسل الارض حتّى يتركها كالزّلفة، ثم يقال للارض: أنبتني ثمرتكِ، و ردّي بركتكِ، فيومئذٍ تأكل العصابة من الرّمّانة، و يستظلّون بقحفها، و يبارك في الرّسل، حتّى انّ اللّقحة من الابلِ لتكفي الفئام من النّاس، و اللّقحة من البقر لتكفي القبيلة من النّاس ، و اللّقحة من الغنم لتكفي الفخذ من النّاس، فبينما هم كذلک اذ بعث اللّه ريحاً طيّبةً، فتأخذهم تحت اباطهم، فتقبض روح كلّ مؤمنٍ و كلّ مسلمٍ، و يبقى شرار النّاس، يتهارجون فيها تهارج الحمر، فعليهم تقوم الساعة ۔

(قاضی محمد سلیمان منصور پوری، غایت المرام میں بتاتے ہیں کہ اس حدیث کے آدھے حصے کا ترجمہ مرزا صاحب نے بھی اپنے ازالہ اوہام میں کیا ہے ۔مگر ترجمہ کرتے کرتے بھی بہت اینچ پینچ ڈالے ہیں ۔ ایک فقرہ کا ترجمہ کیا اور دوتین ورق غیر مربوط لکھ ڈالے ۔ پھر اس طرح ،تا کہ اصل حدیث کا مطلب ناظرین کی سمجھ میں ذرا نہ آئے ۔غرض اس حدیث کے آدھے حصے کے ترجمہ کو صفحہ ۲۰۳ سے ۲۳۸ تک طول دیا ہے اور پھر تمام حدیث کے مضامین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عقل وشرع سے مخالف پڑے ہوئے ہیں ۔لطف یہ ہے کہ اسی ضمن میں جو بعض الفاظ ایسے آ گئے ہیں جن کی تاویل آپ کر سکتے ہیں، ان کی تاویل جھٹ کر کے اپنے آپ کو مصداق صحیح ان کا بنا لیا ہے ۔ مثلاً زرد کپڑوں سے مراد بیمار ہونا ، دمشق سے مراد قادیان بتلانا ؛ دم کی بھاپ سے قاطع حجتیں مراد لینا ، دو فرشتوں سے مراد علوم عقلی ونقلی بیان کرنا ، منارہ شرقی سے مراد اپنی مسجد کے منارہ کو ٹھہرانا اور اس کے ساتھ (اپنی) ایک الہامی عبارت کا جوڑ دینا انّا انزلناه قريباً من قاديا ن بطرف شر قی عند المنارة البيضاء لیکن جہاں تاویل سے بالکل ہی رہ گئے ،اس کا ترجمہ بھی چھوڑ دیا یا چپ سادھ کر خاموشی اختیار کر لی ہے ۔..

ناظرین اس حدیث کے ترجمہ کو ازالہ اوہام میں دیکھیں اور جو کچھ مرزا صاحب کے دل پر اس حدیث کے مضامین سے گزرتی ہے اس کا اندازہ کریں ۔ حدیث ایک ہی ہے، اسی حدیث کو ایک جگہ بالکل صحیح مانتے ہیں اور اپنی بشارت اس میں سے نکالتے ہیں، اسی کے ایک حصہ کی نسبت ایسا سکوت ہے گویا حدیث میں اس عبارت کے ہونے کا علم وخبر تک بھی نہیں ۔اسی حدیث کے ایک حصہ کی نسبت ایسے غیظ وغضب سے بھر جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی پر وضعی حدیث بنانے کا اتہام لگانے لگتے ہیں اور چیخ اٹھتے ہیں کہ اس کا بانی مبانی نواس بن سمعان ہے۔ یہ سب کچھ لکھ کر جب بھول جاتے ہیں

تو اسی حدیث کے مطالب سمجھنے کے واسطے حکیم نورالدین کا درخواست کرنا اور خود بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہونا اور کشفی طور پر الفاظ حدیث کے معانی کا اپنے اوپر ظاہر ہو جانا تحریر کرتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ حضرت! اگر اس حدیث کے مضامین عقل وشرع کے خلاف تھے، اگر اس کا بانی مبانی نواس بن سمعان ہی تھا، اگر بخاری نے اس کو موضوع سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، اگر آپ کی تحقیق میں یہ حدیث مسلم شریف کی دوسری حدیثوں سے بھی بالکل منافی ومبائن تھی تو پھر آپ نے حکیم نورالدین صاحب کو بھی یہی جواب کیوں نہ دے دیا اور خدا نے بھی کیوں اس کے معانی بتلائے اور یہ نہ کہہ دیا کہ اس کے مضامین تو عقل و شرع کے خلاف اور شرک سے بھرے ہوئے، اور الوہیت کے تمام اقتدار ایک دجال خبیث کو دینے والے ہیں۔ اللہ اکبر اس تحریر یرڈ بعضہ بعضاً پر بھی لوگ خیال کرتے ہیں کہ مرزا صاحب بڑے انشاء نگار ہیں۔ بہاء)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دجال خروج کرنے کے بعد اپنا فساد شروع کر دے گا اس وقت مسیح موعود نازل ہوگا اور اس کو تلاش کر کے عند بابِ لد قتل کرے گا اور نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوگا، قادیان میں نہیں پیدا ہوگا اور نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ محل نزول اس کا شرقی دمشق عند منارۃ البیضاء ہوگا اور نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بین مھزودتین نزول فرمائے گا۔ اور اسی کی مثل کئی اور روایات ہیں جو نزول عیسیٰ ابن مریم اور خروج دجال کی خبر پر مشتمل ہیں اور جن میں مصرح ہے کہ دجال سے مراد گروہ منکرین مرزا قادیانی نہیں ہے اور نزول مسیح موعود، خروج دجال کے بعد ہوگا۔ چنانچہ شوکانی نے خبرّ دجال کی اخبار کی نسبت بالغ حدالتواتر لکھا ہے

قال الشّوکانی فی التّوضیح واما الاحادیث الواردۃ فی الدّجال فالّذی اذکرہ منھا مأۃ حدیث۔

اس کے بعد احادیث کونقل کر کے لکھتا ہے:

ولنقتصرعلی ھذا المقدار فلیس المراد الا بیان کون ا حادیث خروج الدّجّال متواترۃ و التواتر یحصل با لبعض مما سلفناہ و قد بقیت ا حادیث وآ ثار عن جماعۃ من الصحابۃ ترکنا ذکرھا و وقفنا علی ھذہ المأۃ الحدیث الّتی اشر نا الیھا و الی من خر جھا۔

اسی طرح بعض روایات میں عیسیٰ موعود کا حلیہ بھی مذکور ہے:

عن ابی ھر یرہ عن النبی ﷺ قال لیس بینی و بینہ (یعنی عیسی) نبیّ و انّہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجل مربوع الی الحمرۃ والبیاض بین ممصرتین کانّ رأسہ یقطر و ان لم یصبہ بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصّلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ و یھلک اللّٰہ فی زما نہ ا لملل کلّھا الّا الاسلام و یھلک المسیح الدجّال فیمکث فی الارض اربعین سنۃ ثم یتوفّی فیصلّی علیہ المسلمون ۔ رواہ ابوداؤد (باسناد صحیح، فتح الباری)

چنانچہ اس روایت سے ہم کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حلیہ بھی ہمارے شارع کی طرف سے متعین ہے اور اس کے بعض وہ کام بھی خاص فرمائے گئے ہیں جو وہ دنیا میں کرے گا۔ اور مرزا صاحب کا نہ وہ حلیہ ہے، نہ وہ کام مرزا صاحب سے ظہور میں آئے ہیں۔ نہ ہنوز دنیا سے مذاہب باطلہ کا بمقابلہ اسلام کے زوال ہوا ہے، بلکہ برخلاف اس کے آریہ مذہب کی ترقی خود مرزا صاحب کی عنایت کی ہوئی ہے۔ تو اب ایسی حالت میں مرزا صاحب نے کیوں بے وقت اور بے محل نزول فرمایا۔

اور ایک دوسرا واقعہ جو سچے مسیح موعود اور جھوٹے مسیح کے درمیان امتیاز کرنے کی عمدہ علامت ہے، یہ ہے کہ سچے مسیح موعود کے نزول سے مہدی منتظر کا ظہور ہوگا اور وہ عیسی ابن مریم کے نزول کے وقت دنیا میں موجود ہوگا اور امامت کی تواضع کرے گا اور عیسی ابن مریم تکرمۃً لھذہ الامّۃ اس تواضع کو قبول نہ فرمائیں گے بلکہ خود مہدی کا اقتداء کریں گے

عن ابی ھر یرہ قال قال رسول اللہ ﷺ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و اما مکم منکم ۔رواہ البخاری ۔

اس کے تحت میں شیخ نے لکھا ہے: قولہ و امامکم منکم ای من قریش و ھو المھدی علیہ السلام ای عیسی یقتدی بہ تکرمۃ لھذہ الامّۃ ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے صحیح مسلم میں

قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تزال طائفۃ من امّتی یقاتلو ن علی الحقّ ظاھرین الی یوم القیامۃ قال فینزل عیسی بن مریم فیقول امیرھم تعال صلِّ لنا فیقول لا انّ بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللّٰہ ھذہِ الامّۃ ۔

اور سنن ابوداؤد میں ہے: قال لو لم یبق من الدّنیا الّا یوم قال زائدة لطول اللّٰه ذلک الیوم حتی یبعث رجلاً منّی او من اهل بیتی بواطی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی (و سکت عنه)۔

اور جامع ترمذی میں ہے: عن عبد اللّٰه بن عمر قال قال رسول اللّٰه ﷺ لا یذهب الدّ نیا حتّی یملک العرب رجل من اهل بیتی بواطی اسمه اسمی و قال هذا حدیث حسن صحیح۔

ان روایات کی نسبت شیخ نے لمعات میں لکھا ہے:

قد تظاهرت الاحادیث البالغه حدّ التّواتر معنی فی کون المهدی من ولد فاطمة و قد ورد فی بعض الاحادیث کونه اولاد الحسن و بعضها من اولاد الحسین سلام الله علیهم اجمعین و قد ورد فی الاحادیث الغریبة انه من ولد عباس و قال الشیخ الهیثمی ولا منافاة بینهما اذ لا مانع من اجتماع الولادات فی شخص من جهات مختلفة۔

علامہ شوکانی نے توضیح میں لکھا ہے:

و قد ورد السّوال عن بعض الاعلام عن الاحادیث الواردة فی هئولاء هل هی متواترة ام لا، فاقول اما الاحادیث الواردة فی المهدی فالّذی امکن الوقوف علیها خمسون حدیثاً۔

اور پھر نقل احادیث کے بعد لکھتا ہے:

فهذه الاحادیث الواردة فی المهدی خمسون حدیثاً فیها الصحیح و الحسن و الضعیف المنجبر و هی متواترة بلا شبهة بل یصدق وصف التّواتر علی ما دونها علی جمیع الاصطلاحات المجردة فی الاصول والی ههنا انتهی الکلام علی الاحادیث الواردة فی المهدی و اما الآثار من الصحابة المصرحة با لمهدی فهی کثیرة انتهی من حجج الکرمة۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے زمانہ میں مہدی منتظر کا بھی وجود نہیں ہے جس سے کچھ شبہ ہوتا کہ مرزا صاحب ہی شائد آنے والے مسیح ہوں۔ پس جب کہ مرزا

صاحب کے زمانہ میں خروج دجال کا نشان نہیں ہے، اور مہدی منتظر کا پتہ نہیں ہے، بجائے اس کے کہ ادیان باطلہ دنیا سے جاتے رہیں شباب کفراور ترقی ادیان باطلہ ہے، اور بجائے اس کے کہ آپ کا نزول شرقی دمشق میں آسمان سے ہوتا، قادیان میں خروج ہوا ہے (مگر شاید قادیان کو قافیہ آسمان کا سمجھ کر کافی سمجھا ہو:۔ بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس ست)، پھر ہم کیونکر مرزا صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرلیں ۔ جو آثار ہم کو اخبار صحیحہ سے مسیح موعود کے معلوم ہوئے ہیں وہ تو یہ ہیں کہ مسیح موعود، عیسی ابن مریم ہوگا جس کی نسبت ہمارے مخبر صادق ﷺ نے قسم کے ساتھ یہ فرمایا ہے و اللّٰہ لینزلن فیکم ابن مریم

(بعض علاّم نے اس مقام پر لکھا ہے کہ جب کوئی منکر نہ تھا تو اس تاکید کی کیا ضرورت تھی ۔ پس ہمارے نزدیک وہ یہی ضرورت تھی کہ غالبًا آنحضرت ﷺ کو بالوحی معلوم تھا کہ آئندہ بعض منکر ایسے پیدا ہوں گے کہ جو عیسی ابن مریم کے رفع بجسدہ اور نزول بجسدہ سے انکار کریں گے اور ان منکرین کے مقابلہ میں تاکید ضرور ہوگی گو بظاہر وہ امت اجابت میں ہوں، و ھذا علی زعمھم، ورنہ تخصیص امت اجابت کے کیا معنی خطاب مخصوص امت اجابت کے واسطے نہیں ہے، تمام قوم یہود منکر موجود تھے اور اب بھی بعض یہود اور بعض مثیل یہود موجود ہیں جو امت میں شامل ہیں ۔ چنانچہ فخر الدین رازی لکھتا ہے: و لما علم اللہ تعالی ان من النّاس من یخطر بباله انّ الّذی رفعه اللّٰه ھو روحه لا جسده ذکر ھذا الکلا م لیدلّ علی انه علیه الصلوۃ و السّلا م رفع بتمامه الی السّماء بروحه و بجسدہ ۔ پس جب خدا تعالی ایسے منکروں کو جانتا تھا تو اس نے اپنے رسول کو بھی ضرور بتایا ہوگا)

اور نیز عیسیؑ کے زمانہ میں سوائے اسلام کے کوئی ملت باقی نہ رہے گی، اور بغض و حسد جاتا رہے گا، نصرانیت کو وہ باطل کرے گا، اور اقتناء خنزیر کو حرام کرے گا، اور جزیہ کو ساقط کرے گا، اور سوائے اسلام یا سیف کے دوسری بات قبول نہ کرے گا ۔ دعوت اس کی قہری ہوگی، مہدی منتظر کا اقتداء کرے گا، اور دجال کو عند باب لد قتل کرے گا، اور یاجوج و ماجوج کے قتل کرنے کے واسطے اس پر وحی نازل ہوگی، اور وہ بھی اسی کے ہاتھ سے قتل ہوں گے، اگر شہد کا دریا بہانے کا قصد کرے گا تو بہادے گا، کافر علی سبیل الاعجاز اس کے سانس سے ہلاک ہوں گے، اور سانس اس کا اس کے منتہاء بصر تک پہونچے گا، اور اس کے زمانہ میں مال و دولت اس قدر ہوگا کہ اگر متصدق چاہے گا کہ کوئی اس کا صدقہ قبول کرے تو

اس کو صدقہ کا لینے والا میسر نہ ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو پہچان لینا کہ وہ ، رجل مربوع بین البیاض والحمرۃ ، ہوگا، نہ کہ وہ ایک ڈھگا ہوگا۔ پس جب کہ یہ روایات صحیحہ اور احادیث نبویہ حقہ تو ہم کو مسیح موعود کے یہ نشان بتاتے ہوں جو ہم نے مشتے نمونہ از خروارے بیان کئے اور مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی نشان بھی نہ ہو تو پھر مرزا صاحب ہرگز مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ ہمارے نزدیک وہ بلا شبہ مسیح کاذب ہیں۔

مگر مرزا صاحب اپنے مسیح صادق ہونے کی یہ علامت بیان فرماتے ہیں کہ

چونکہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا تو وہ اب دنیا میں ہرگز نہیں آوے گا، پس میں ہی مسیح ہوں اور جو منکر وفات عیسی ابن مریم ہو، وہ ثابت کرے۔

پس اول تو ہم اس استلزام ہی کو نہیں سمجھتے کہ وفات مسیح اگر مسلّم بھی ہو تو مرزا صاحب ہی کیوں مسیح ہوں؟ دوسرے منکر وفات سے ثبوت کیوں طلب کیا جاتا ہے؟ درحقیقت اثبات وفات تو مرزا صاحب کے ذمہ ہے جو اس کے مدعی ہیں۔ اور اگر بطور معارضہ مرزا صاحب کا یہ خیال ہو کہ تم لوگ مدعی حیات عیسی بن مریم ہو اس لئے ثبوت حیات تمہارے ذمہ ہے، تو یہ مرزا کی بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ جمہور مسلمین کسی حیات جدید کے مدعی یا مثبت نہیں ہیں بلکہ ان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ وہی اصل حیات جو عیسیؑ کو دنیا میں ان کے پیدا ہونے کے ساتھ دی گئی اور جو مسلّمہ مرزا صاحب ہے، تاوقتیکہ اس کا کوئی رافع ثابت نہ ہو اور وفات طاری کا کوئی مثبت نہ ہو، اس وقت تک وہی حیات علی حالہ باقی ہے اور باقی رہے گی ، اس وقت تک جب تک کہ اس حیات کا کوئی رافع اور وفات طاری کا کوئی مثبت نہ ملے۔ پس بریں تقدیر جمہور مسلمین تو مثبت حیات جدید نہیں ہوئے بلکہ مرزا صاحب ہی وفات طاری کے مدعی ہوئے۔ پس یہ معارضہ بالقلب کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور اثباتِ وفات انہیں کے ذمہ ہوا۔ چنانچہ اسی وجہ سے مرزا صاحب نے اثبات وفات میں دو طرز اختیار بھی کئے ہیں، ایک عقلی ، دوسرا نقلی۔

دلیل عقلی تو ان کی یہ ہے کہ ہر انسان اپنی عمر طبعی پر پہونچ کر مر جاتا ہے، اس لئے عیسیؑ بھی عمر طبعی کو پہونچ کر زندہ نہیں رہ سکتے، ضرور مر گئے ہوں گے۔ مگر اس دلیل کا اتمام اس امر پر موقوف ہے کہ مرزا صاحب اول تو عمر طبعی کی کوئی حد عقلاً و نقلاً ثابت فرماویں و دونہ خرط القتاد، کیونکہ ممکن ہے کہ علی اختلاف الطبائع عمر طبعی کم و بیش ہو، جیسا کہ امم

سابقہ میں پایا جاتا ہے اور کمی بیشی کی کوئی حد نہیں۔ پس عقلاً تو کسی طرح ناممکن نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اب تک زندہ ہوں اور نقلاً بھی جب حضرت نوحؑ کی عمر طبعی ساڑھے نو سو برس کی قرآن پاک سے ثابت ہے فلبث فیھم الف سنۃٍ الّا خمسین عاماً تو کیا عجب ہے کہ عیسیٰؑ کی عمر طبعی ساڑھے نو ہزار برس کی ہو اور وہ بعد اس عمر کے انتقال فرماویں۔ اور اگر مرزا صاحب کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں کوئی استحالہ عقلی یا نقلی ہو تو بیان فرماویں اور دلیل نقلی مرزا صاحب کی جو مایۂ افتخار ہے یہ آیت ہے:

فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے باقرار عیسیٰؑ وفات ثابت ہوتی ہے اور توفی کے اصلی معنی موت کے ہی ہیں۔ پس اگر ہم علی حسب زعم باطل مرزا صاحب توفی کے معنی موت ہی کے لیں اور عیسیٰؑ کا یہ اقرار بھی موت ہی کا ہو، تو مرزا صاحب فرماویں کہ یہ اقرار کب واقع ہوگا اور رسل الٰہی سے سوال و جواب متعلقہ معاد کب ہوگا؟ اور وہ بفحوائے آیہ کریمہ

یوم یجمع اللّٰہ الرّسل فیقول ماذا اجبتم۔ یوم ینفع الصّادقین صدقھم

قیامت کے روز ہوگا، تو یہ کیا مرزا صاحب کے مفید ہے؟ اس کے تو سب قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت سے پہلے وفات پاویں گے اور قیامت کے روز وفات کا یہ اقرار صحیح ہوگا۔ مگر اس وفات کے ثبوت سے مرزا صاحب کا کچھ مطلب برآمد نہیں ہوسکتا۔ اگر جمہور مسلمین کا یہ دعویٰ ہوتا کہ نہ عیسیٰؑ اب مرے، نہ آئندہ مریں گے، بلکہ یوں ہی اہل حشر کے ساتھ شامل ہوجاویں گے، تو مرزا صاحب کا یہ مہمل خیال کچھ مفید ہوسکتا تھا۔ اور جب وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰؑ قیامت سے قبل وفات پاویں گے (چنانچہ حدیث نزول عیسیٰ بن مریم میں بھی صریح موجود ہے ثم یتوفّی) اور قیامت کے روز وفات کا اقرار کریں گے تو مرزا صاحب کے اس استدلال کی وقعت علماء کے نزدیک تو کیا، جہلاء کے نزدیک بھی واضح و لائح ہے اور یہ سب اس زعم کی بنا پر ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک توفّی کے اصل معنی موت ہی کے ہیں حالانکہ یہ صریح جہل ہے، توفی کے اصل معنی باعتبار وضع کے

اخذ الشیء و قبض الشّیء وافیاً

کے ہیں اور چونکہ موت میں بھی قبض روح ہوتا ہے اس لئے موت پر بھی توفّی کا اطلاق کیا جاتا ہے جو ایک فرد توفّی ہے۔

صاحب بیضاوی لکھتا ہے :

التّوفّی اخذ الشّیء وا فیاً و الموت نو ع منه (اور قسطلانی اور جمل میں بھی یہی لکھا ہے)۔ صاحب کمالین لکھتا ہے:

التّوفّی هو القبض یقال توفیت درا همی منه ای قبضت۔

صاحب قاموس لکھتا ہے:

اوفی فلانا حقّه اعطاه وا فیا کوفّا ه فا ستوفاه وتوفاه

اور جب کہ ثابت ہو گیا کہ توفّی کے معنی قبض الشّیء وا فیاً کے ہیں تو اب اس آیہ کریمہ کا یہ مطلب ہوگا : فلمّا توفّیتنی ای قبضتنی من الدّنیا اور پھر اس کا یہ ترجمہ کر لیجئے کہ اے خداوند کریم جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو اس وقت صرف تیری نگہبانی میں ہوں گے اور جب تک میں ان کے پاس رہا میں بھی ان کی نگہبانی کرتا رہا، تو اس تقدیر پر بھی مرزا صاحب کا استدلال اس آیت سے بالکل لغو ہو گیا۔

مرزا صاحب نے وفات عیسوی پر اس آیت سے بھی استدلال فرمایا ہے۔

اذ قال اللّٰه یا عیسی انی متوفّیک و را فعک الیّ ۔ کیونکہ مرزا صاحب تو جہاں لفظ توفّی دیکھ لیں گے موت ہی سمجھ لیں گے اور خدا معلوم و توفّی کلّ نفسٍ مّا کسبت کے کیا معنی کرتے ہوں گے مگر مرزا صاحب کو بہت شرمانا چاہیے کہ لفظ متوفّیک استقبال کے واسطے ہے، اس لئے اس آیت سے وعدہ وفات ثابت ہوتا ہے، وقوع وفات پر اس کی کوئی دلالت نہیں۔ اور اگر آپ کو یہ خلجان پیدا ہو کہ لفظ را فعک بھی تو استقبال کے واسطے ہے پس وقوع رفع پر کیوں کر دلالت ہوگی، تو یہ مسلّم ہے۔ بلا شبہ اس آیت سے وعدہ رفع ہی ثابت ہوتا ہے نہ کہ وقوع رفع، مگر وقوع رفع پر یہ دوسری نص ناطق ہے :

و ما قتلوه یقیناً بل رفعه اللّٰه الیه۔

تو اب یہ ثابت ہوا کہ آیت اذ قال اللّٰه یا عیسی انی متوفّیک و را فعک الیّ میں جو اللہ پاک نے عیسیٰؑ سے دو وعدہ فرمائے تھے، ایک وفات معمولی سے مارنے کا، دوسرا رفع الی السّماء کا، اس میں سے رفع کا وعدہ تو پورا ہو گیا جس کی اس نے خود خبر دی اور دوسرے کے ایفاء کے لئے اس نے آئندہ کوئی وقت موعود فرمایا۔ اور غیر معمولی موت سے محفوظ رہنے پر اس نے یہ نصّ ناطق نازل فرمائی و ما قتلوه و ما صلبوه و لکن شبّه لهم ۔ پس اب

جونص مرزا صاحب کے پاس نہ عیسیٰؑ کی معمولی موت سے مرنے کی رہی، نہ غیر معمولی موت سے مرنے کی، اوراصل حیات مسلّمہ مرزا ہے جس کا کوئی رافع اب تک ثابت نہیں ہوا، اور رفع جسمانی پر بل رفعه اللّٰه نص ناطق موجود ہے، تو پھر مرزا صاحب کے تمام خیالات فاسدہ کا کیا سروپا ہے؟ من يّهد ه اللّٰه فلا مضلّ له و من يّضلله فلا هادى له ۔

مرزا صاحب کوایک یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ آیت بل رّفعه اللّٰه سے رفع جسمانی مرادنہیں ہے، مگر وہ اپنی نافہمی سے یہ نہیں سمجھتے کہ اگراس رفع سے یہاں رفع روحانی مراد ہو تو کلام الٰہی میں بل رفعه اللّٰه کے اضراب کے کیا معنی ہوں گے، کیونکہ رفع روحانی تو قتل اورصلب میں بھی ہوتا ہے، صرف معمولی موت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے جو یہ کہا جاوے کہ قتل وصلب واقع نہیں ہوا جس میں رفع روح نہیں ہوتا بلکہ معمولی موت سے مرنا ثابت ہو تا ہے جس میں رفع روح ہوا، اسی واسطے صاحب بیضاوی لکھتا ہے:

فيه ردّ و انكار لقتله و اثبات لرفعه

پس مرزا صاحب رفع روحانی کی تقدیر پر ردوانکارقتل و اثبات رفع فرماویں تا کہ یہ اضراب صحیح ہو (اورسیاق والفاظ قرآنی بھی بآواز بلند پکاررہے ہیں کہ اللہ تعالی نے اسی کے رفع کی خبر دی ہے جس کو یہود پکڑ کر قتل کرنا چاہتے تھے اور وہ جسم عنصری مع الروح تھا، نہ صرف روح اور نہ فقط جسم ۔ دیکھو لا يحبّ اللّٰه کا دوسرارکوع) و دو نه خبط العشوا ۔

ہاں البتہ اگرمرزا صاحب رفع روحانی کی تخصیص معمولی موت کے ساتھ ثابت کردیں تو مضائقہ نہ ہوگا۔ اوراگر وہ رفع جسمانی کوخدا کی ہدایت کے موافق مان لیں تو پھر اضراب بالکل صحیح ہوگا، اور یہ مطلب ہوگا کہ تمہارا زعم قتل وسلب عیسی کا باطل ہے، وہ تو صحیح و سالم جسد کے ساتھ اٹھالیا گیا۔

مرزاصاحب کے پاس ایک اوردلیل قطعی حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سو برس کے دورہ میں جوشخص علی وجہ الارض ہے وہ زندہ نہ رہے گا۔ حضرت عیسی بھی حسب فرمان آنحضرت ﷺ ضرور اس دورہ میں تمام ہوگئے ہونگے ۔

پس مرزا صاحب کے اس زعم کے بموجب ثابت ہوتا ہے کہ یا تو حضرت عیسیٰؑ اس ارشاد کے وقت تک علی و جہ الارض موجود تھے اس وجہ سے وہ اس عموم میں شامل ہوگئے اوراس صورت میں باعتراف مرزا صاحب ہی حضرت عیسی کی حیات آنحضرت ﷺ

کے زمانہ تک تو ثابت ہوگئی اور عمر طبعی مزعومہ مرزا صاحب سے تجاوز ثابت ہوگیا کیونکہ اب تو اس ارشاد کے سو برس بعد تک بھی مرزا صاحب کو انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ اور یا مرزا صاحب یہ سمجھے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے حضرت عیسیٰ کے ہی عہد میں پیدا ہوکر ان کے مرنے سے پہلے فرمایا تھا، اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو مرنا لازم ہوگیا۔ اور ان دونوں صورتوں میں مرزا صاحب کے خیالات عجیبہ سے ان کی محدثیت اور مجددیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ اس ارشاد کے عموم میں شامل ہی نہیں ہو سکتے۔ اگر شامل ہو سکتے ہیں تو من علی وجہ الارض شامل ہو سکتے ہیں اور حضرت عیسیٰ تو اس وقت علی وجہ الارض نہ تھے بلکہ علی السّماء تھے۔

مرزا صاحب بطور سخریہ با شریعت و تضحیک اہل شریعت فرماتے ہیں کہ

اگر حضرت عیسیٰ بجسدہ العنصری آسمان پر موجود ہوں گے، تو وہاں ان کو پائخانہ اور غسلخانہ اور باورچی خانہ کی بھی ضرورت ہوتی ہوگی۔

پس اس کے جواب میں ہم کو اس قدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت آدمؑ جب بجسدہ العنصری مخلوق ہوکر جنت میں رکھے گئے تھے، تو انہوں نے ان تمام ضرورتوں کے رفع کرنے کے واسطے وہاں پائخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ، وغیرہ سب بنوایا ہوگا، اسی میں حضرت عیسیٰ بھی گذارا کرلیں گے۔ اور اگر مرزا صاحب کے نزدیک حضرت آدمؑ کا قصہ بھی خلاف نیچر ہے تو مزید براں ہے، ہم اسی کا اقرار چاہتے ہیں۔ اور اگر ان کے نزدیک حضرت آدمؑ کو جنت کے قیام کے زمانہ میں کوئی اور جسم عطا ہوا تھا اور دنیا میں آنے کو کوئی اور جسم دیا گیا تھا اور جنتی جسم چھین لیا گیا تھا، تو بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کو بھی وہاں کے لئے اور جسم حسب سنت آدمؑ پہنایا گیا ہوگا، مگر بہر کیف مرزا صاحب کی لغویت استدلال میں تو کچھ شبہ نہیں رہتا۔ اعاذنا اللّٰہ من کل ذلک۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

اگر عیسیٰؑ آسمان پر رہتے ہوں گے تو جن لوگوں کے نزدیک وجود آسمان ہے ان کے نزدیک وہ متحرک بھی ہوگا اور اس تقدیر پر عیسیٰؑ کبھی نیچے اور کبھی اوپر گردش میں رہتے ہوں گے (اس کا معارضہ کوئی یوں کرسکتا ہے کہ جن کے نزدیک زمین متحرک ہے ان کے نزدیک مرزا صاحب بھی گردش میں ہوں گے اور کبھی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہوتی ہوں گی۔ نعوذ باللّٰہ

من هذه الهفوات و الخرافات) اور بڑی تکلیف سے زندگی بسر کرتے ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک وجود آسمان اور آنحضرت ﷺ کی معراج بھی ثابت نہیں کیونکہ جب آنحضرت ﷺ آسمانوں پر گزرے ہوں گے، تو آنحضرت ﷺ کو بھی اس وقت یہی دقت آسمان پر قدم رکھتے ہی پیش آئی ہوگی۔ اور ملائکہ کی آمد وشد اور بود و باش کا تو راستہ ہی بند ہوگا۔ استغفر اللہ۔ اے میرے رب کریم جب تیرے نبی پاک کی شریعت اور تیرے دین کی ایسی تضحیک کی جاوے تو سوائے اس کے کہ تو ہی اپنے دین کا حامی ہو تیرے عاجز بندے کیا کر سکتے ہیں۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

یاجوج ماجوج کروڑوں آدمی اگر دنیا کے پردے پر ہوتے تو کیا انکا حال ایسی تحقیقات کے وقت میں معلوم نہ ہوتا جیسا کہ یہ وقت ہے جس میں امریکہ کا حال معلوم ہو گیا۔

پس عرض ہے کہ امریکہ بھی تو بہت پہلے سے دنیا میں موجود تھا، اب صرف چار سو برس سے اس کا حال معلوم ہوا ہے۔ پس اگر دنیا میں کسی چیز کا ہونا فوراً اس کے معلوم ہو جانے کو بھی مستلزم ہے، تو پہلے سے یہ امریکہ کے محقق کہاں مر گئے تھے جن کو آدھی دنیا کی اب تک خبر نہ ہوئی۔ اور اگر امریکہ کے بتدریج ایک زمانہ کے بعد معلوم ہو جانے میں کچھ حرج نہیں، تو ایمان لاؤ کہ جیسے امریکہ کا حال تم کو باوجود موجود ہونے کے، اب معلوم ہوا ہے اسی طرح ایک دن یاجوج ماجوج بھی نکل آویں گے اور جس طرح قبل العلم امریکہ کے، نادان لوگوں کے نزدیک اس کا وجود مستبعد تھا اسی طرح ایک زمانہ موعود تک یاجوج وماجوج کا وجود بھی دین کے اندھوں کو مستبعد معلوم ہوتا ہو، تو کیا عجب ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

مجھ کو الہام نے بتایا ہے کہ یاجوج وماجوج سے مراد انگریز اور روس کی قومیں ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ طلوع الشمس من مغربها کے معنی یہ ہیں کہ مغربی سلطنتیں نور ایمانی سے منور ہو کر ترقی پاویں گی۔

کیونکہ مرزا صاحب نے لندن کے ممبر پر خواب میں خطبہ پڑھا ہے، جس سے ان کو معلوم ہوا ہے کہ جو قومیں یاجوج وماجوج ہیں آخر کار وہ بھی مسلمان ہو جاویں گی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک قوم یاجوج ماجوج کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوگا۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

دابّۃ الارض سے مراد گروہ علماء ہے جو کسی کو کافر کسی کو مسلمان بناتے ہیں۔

اور یہ تو مسلمہ اہل اسلام ہے کہ دابۃ الارض موعود جس پر اسلام کی مہر لگا دے گا وہ مسلمان ہوگا اور جس پر کفر کی مہر لگا وے گا، وہ کافر ہوگا، تو اب انصافاً باعتراف مرزا صاحب فیصلہ ہو گیا کہ مرزا صاحب کی نسبت مرزا صاحب کی مجوزہ دابّۃ الارض نے جب کفر کا فتوی لگا دیا اور دابۃ الارض گروہ علماء کی مہر آپ کی نسبت ہوگئی تو آپ کے لئے تو قیامت ہو گئی اور آپ کی عیسویت تو ختم ہوگئی کیونکہ مسیح موعود کی نسبت، دابۃ الارض، کفر کا فتوی نہ دے گا اور اگر مرزا صاحب کو یہ بھی بتایا گیا ہو کہ دابۃ الارض الٰہی بھی نعوذ باللہ بددیانت ہوگا اور جھوٹے فتوے لگا وے گا تو ارشاد فرمایئے کہ آپ اب وہ کیا چیز چھوڑی ہے جس کا نام ہم اسلام رکھیں اور آپ کو مسلمان کہیں۔

واضح ہو کہ مرزا صاحب نہ جنت کے قائل ہیں نہ دوزخ کے، نہ آدم کے نہ حوا کے، نہ قصہ آدم کے، نہ قیامت کے، نہ حشر اجساد کے، نہ معراج کے، نہ ملائکہ کے، نہ معجزات کے جس کی تفصیل ہم بشرط فرصت انشاء اللہ ازالۃ الاوہام کے رد میں کریں گے۔ پس اب جو شخص کہ خدا کا منکر ہو، اور کہے، لاالہ الّا اللّٰہ محمّد رّسول اللّٰہ اس کی شہادت ایسی ہے جیسے قالوا نشھد انک لرسول اللّٰہ میں شہادت ہے۔

اب اخیر پر ہم یہ لکھتے ہیں کہ ہماری شریعت محمد یہ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وتحیّہ، مرزا صاحب کو مسیح موعود تو کیا مسلمان بھی نہیں مانتی۔ اور جو آثار ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو بتائے وہ وہی ہیں جو مشتے نمونہ از خروارے بروایات صحیحہ نقل کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کا الہام اور ان کے حوارئین کا اجتہاد بمقابلہ ان روایات صحیحہ محمولہ علی ظواہرھا کے ہم کو یہ بتاتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نازل نہ ہوگا، اور مراد مسیح موعود سے مثیل مسیح موعود ہے اور وہ میں ہوں، گو مجھ میں ایک بھی نشان موافق اخبار مخبر صادق کے نہ پایا جاتا ہو۔ تو ہم بجز اس کے کہ ایسے الہام کو وسوسہ شیطانی اور ایسے اجتہاد کو کفر اور ارتداد کہیں، اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر ہم یہ بھی فرض کریں کہ مراد مسیح موعود سے مثیل مسیح موعود ہے، تو جو اوصاف اور آثار اس مثیل کے کالشّمس فی نصف النّھار بطریق تواتر کتب حدیث اور روایات سنت سے ثابت ہوتے ہیں، پھر وہ کس میں ہوں گے۔ اگر اس مثیل میں ہوں

گے تو مرزا صاحب میں ضرور ہونے چاہییں جو مثیل ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ اوصاف وآثاران میں نہیں پائے جاتے اس لئے وہ مثیل مسیح بھی نہیں ہو سکتے۔ نہ ہنوز مہدی کا ظہور ہوا ہے، نہ دجال کا خروج ہوا ہے، نہ بغض وکینہ رفع ہوا ہے، نہ ادیان باطلہ کا زوال ہے، نہ مال کی کثرت ہے، یہاں تک کہ مرزا صاحب کا رسالہ جس کا نام فتح الاسلام ہے، فی الواقع برعکس نہند نام زنگی کافور کے موافق شکست اسلام ہونے کے لائق ہے، خود مرزا صاحب کا کاسہء گدائی ہے جس میں مرزا صاحب نے تمام دنیا کے مسلمانوں سے خود ہی صدقہ مانگا ہے، اور جس میں پہلے اور بہت سے صدقہ کے وصول ہونے کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان صدقہ سے میری مدد نہ کریں گے تو یہ کام نہ چلے گا (اور حقیقت میں کیونکر چل سکتا ہے، ہنوز سواری تک کا بندوبست نہیں ہوا)۔ پھر آپ کیسے مثیل مسیح ہیں کہ آپ کو خود تو صدقہ سے غنا ہی نہیں ہے، آپ کے زمان بابرکت میں کیا اس کی امید ہوگی کہ کوئی اور صدقہ قبول کرنے کے لئے میسر نہ ہو۔ یا وہ مثل ہے:

مژدہ باد اے مرگ عیسی آپ ہی بیمار ہے

یا یوں کہو

اگر گدا پیش رو لشکر اسلام بود۔ کافراز بیم توقع برود تا در چین

سبحان اللہ! ایسے اوصاف اور ان آثار کے ساتھ دعوی عیسویت آپ ہی کا کام ہے مسیح موعود کی دعوت تو قہری ہوگی، یعنی سوائے اسلام یا سیف کے دوسری بات کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی۔ اور مرزا صاحب کی دعوت ایسی بے کسی کے ساتھ ہے کہ سننے والوں کو بھی رحم آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: مسیح جو آنے والا تھا وہ یہی ہے چاہو تو قبول کرو

پس مرزا صاحب کیسے آنے والے مسیح ہیں کہ جن کا قبول کرنا چاہنے والوں کے اختیار میں دیا گیا۔ مسیح موعود کی تو یہ شان ہوگی کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے وہ بذریعہ سیف کے قبول کراوے گا۔ پس ایسے مجبور مسیح کو تو ہم قبول نہیں کرتے۔

واضح ہو کہ ہم نے اس تحریر کے ذریعہ سے بھجوائے

من رأى منكم منكراً فاستطاع ان يغيره بيده فليغيره بيده فان لم يستطع بيده فبلسا نه فان لم يستطع فبقلبه وذلك ادنى الايمان،

صرف مرزا صاحب کے اس دعوی منکر کو رد کیا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو ان

کے دھوکے سے بچایا ہے۔ اور ہم نے بہت زیادہ تفصیل اشراط ساعۃ اور نزول ابن مریم اور ظہور مہدی اور خروج دجال اور عدم وفات عیسی بن مریم قبل نزول اور حمل النّصوص علی ظواھرھا اور حجیت الہام کے نسبت نہیں کی، بلکہ صرف بطور نشان بعض روایات کے نقل پر اکتفا کیا ہے تاکہ عام لوگوں کی نظر میں عیسی صادق اور کاذب میں امتیاز کے واسطے کافی ہو۔ اور اگر ہم استیعاب کے ساتھ نقل روایات کا قصد کرتے اور ان کے مالہ وما علیہ کا بسط کرنا چاہتے تو غالبًا ایک کتاب ضخیم تیار ہو جاتی لیکن چونکہ ہم کو صرف ضرورت اسی قدر تھی نظر بریں ہم نے وما علینا الا البلاغ المبین پر کفایت کی۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆ اعلاء الحق الصریح پر مولانا اسماعیل علی گڈھی کے ہم عصر علماء کی تقریضات

☆ هذا هوالحق الصريح الذى صرح بها اساطين الاسلام واجمعوا عليه ولا ياتيه الباطل من خلفه ولا من بين يديه .رقمه محمد لطف اللہ۔

☆ الحقّ لا يتجاوز عما فى هذه الرسالة فماذا بعد الحق الّا الضّلال كما لا يخفى على اهل العدل و الكمال ۔ سید محمد نذیر حسین۔

☆ لا يخفى على كل ذى عقل سليم الماشى على الهدى المستقيم كذب دعوى مرزا غلام احمد المدعى انه مثيل عيسى و قد حررّت وريقات فى الرد عليه و اطلعت على هذا التّحرير الآن فاذا هو الحقّ الصّريح وما عداه ريح و اللّه يهدى من يّشاء الى صراط مستقيم۔ الراقم : شیخ حسین عرب

☆ لا ريب فى ان ما فى هذه الرسالة من نقض اباطيل مرزا غلام احمد القاديانى الّذى ادعى ان عيسىؑ لا ينزل و انّ المراد بنزول ابن مريم فى الاحاديث نزول مثيل عيسى وانه هو مصداقه حق و فى ان مرزا المذكور خرج بهذا الاعتقاد الزائع من طائفة اهل السنة والجماعة و دخل فى الفرق الضالة المبتدعه وانّه ضال مضلّ مبتدع فاسق و ليعلم ان ما يتوهم من عبارات اعلام النّاس تاليف المولوى محمد احسن مهتمم المصارف من ان كاتب الحروف

موافق لمرزا فی هذه الاباطیل او معتقده او نا صره اوناصر ناصریه فانا بفضل اللّه تعالی بریء منه و اللّه علی ما نقول وکیل ۔

کتبہ محمد بشیر (سہسوانی) عفی عنہ

☆ لا شبة فی ان ما فی هذه الرّ سالة حق صراح و ان القادیانی خالف الکتاب والاحادیث الصحّاح و ضلّ عن طریق السّلف اهل العدل و الصّلا ح و سلک مسلک الخلف اهل الزّیغ و الطلا ح ۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ الاحد العبد الضعیف المدعو بمحمد ۔ تغمده اللّه بفضله المؤبد

☆ لا ریب فی ان ما کتب فی هذه الرسالة فهو حق و انّ ما ادعاه الشیخ القادیانی من دعاویه المشهورة فهو کفر و الحاد و خروج عن الاسلام یجب ا لاعرا ض عنه ۔ کتبہ سلامت اللہ عفی عنہ

☆ لا شبة فی ان ماهذه الرّسالة من نقض اباطیل القادیا نی فهو حقّ و لا شکّ انّ القادیانی خالف اللّه فی دعاویه الباطلة و شاقق رسوله واتبع غیر سبیل الاسلام والمؤمنین ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدی و یتّبع غیرسبیل المؤمنین نولّه ما تولّی و نصله جهنّم و ساء ت مصیراً ۔ العبد محمد صدیق ۔ پشاوری بمہرخود

☆ لا شکّ ان المرزا القادیا نی قد اظهر فی رسائله اساس الضّلالة و عیون الجهالة (توضیح المرا م و فتح الاسلام ، و ازالة الاوهام) عقاید کفریه ومقالات بدعیة خرج بها عن اتباع السّنن والاسلام وتبع فیها الفلاسفة والآریه و النصاری و الملاحدة الباطنیة اللئام و لقد ردّ علیه بعضها فی هذه الرسالة الفاضل الجلیل الحبر النّبیل اخی و حبّی المولوی محمد اسماعیل مدظلّهم الله الجلیل وا فی فیه بما یروی الغلیل و یشفی العلیل فللّه درّه و علی الله اجره ۔ هذه جمله کلامی فی القادیانی و اعتقادی و به ثقتی وعلیه اعتمادی ومن شاء تفصیل المقال فلیراجع رسالتی اشاعة السّنّة التی طبعت فی الحال یجدوا ان شاء

اللّٰہ جامعة لردّ جميع مقالات القاديانی و مزخرفاته الاقاصی و الادانی۔ واللّٰہ يقول الحق و هو يهدی السّبيل و من يضلله فما له من ولیّ و لا دليل۔ نمقہ۔ ابوسعید محمد حسین۔عفا اللہ عنہ

☆ لا شکّ ان المرزا القاديانی قد عارض الحقّ الصّريح و انکر ضروريات الدّين و اجماع السّلف الصالحين و اتی بشئٍ شنيع و قبيح فهو ضالّ مفسد ملحد زنديق خارج عن جماعة اهل الايمان و التصديق کانّما خرّمن السّماء فتخطفه الطّير او تهوی به الر يح فی مکان سحيق لا ينبغی للمسلمين ان يجالسوا امثال هذا الرجل لانّ فيه نوع اعانة و تائيد للباطل وقد قال تعالی تعاونوا علی البرّ و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ و قد نزل عليکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آ يا ت اللّٰہ ...الخ۔ عبدالجبار عمر پوری، عفی عنہ

☆ لا ريب انّ ما فی هذه الرّسالة حقّ مستبين وانّ القاديانی خالف جميع اهل الاسلام و الدّين و اختار سبيل الملحدين و انحاز عن طريق السّلف الصالحين و کتبه مشحونة بتحريف الغالين وانتحال المبطلين و تاويل الجاهلين فنفاها المؤلف سلمه الله تعالی و ابطلها بنصوص القرآن المبين و احاديث خاتم النّبيّين صلی اللہ علیہ وسلم فجزاه الله خير الجزاء عنّا وعن جميع المسلمين۔

کتبہ الراجی رحمۃ اللہ۔ محمد حمایت اللہ، عفی عنہ

غایۃ المرام سے انتخاب

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں فتح اسلام اور توضیح مرام منظر عام پر آئیں تو ۱۸۹۱ء کے ابتدائی مہینوں میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے (جو ان دنوں محکمہ تعلیم میں ملازم تھے جیسا کہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ بابت ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۳ پر حاشیے میں موجود اس کتاب کے اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے) ان کا جواب لکھا تو انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ اسے شائع کرنے سے پہلے مرزا صاحب کی ازالہ اوہام کے چھپنے کا انتظار کر لیا جائے۔ جب ازالہ اوہام بھی منظر عام پر آ گئی تو قاضی صاحب نے اس کا مطالعہ فرما کر اس کے بعض مضامین کا ردّ بھی اپنی تحریر میں شامل کر کے غایۃ المرام کے نام سے اسلامیہ پریس لاہور سے باہتمام مولوی کریم بخش شائع کروایا۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مولانا اللہ وسایا ڈیروی نے لکھا ہے:

مرزا غلام احمد قادیانی نے فتح اسلام اور توضیح المرام دو رسائل لکھے، معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصوری نے ان دونوں رسائل کے رد میں غایۃ المرام لکھی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول (طبع اول ۱۸۹۱ء) کے ۱۴۴ صفحات ہیں اور جلد ثانی کے ۱۵۰ صفحات ہیں۔ قاضی صاحب مرحوم نے علامات مسیح از قرآن و حدیث و کتب سابقہ، استعارہ، مجاز، رفع عیسی، نزول عیسی اور قانون قدرت، حیات و نزول قرآن و حدیث کی روشنی میں، زمانہ نزول، عیسی بن مریم۔ مرزا قادیانی بن چراغ بی بی، محدث، وجود ملائکہ، خروج دجال، ظہور مہدی۔ مرزا قادیانی کی پیشین گوئی، نبی کریم ﷺ کی ۱۵ پیش گوئیاں، جیسے بے شمار مباحث پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اللہ رب العزت ان کو جزائے خیر دیں کہ پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ مرزا قادیانی کے ازالہ اوہام میں ایک فارسی قصیدہ ہے، قصیدہ کیا ہے؟ بے ہودہ، بے تکے پن کو دیکھ کر صاحبِ ذوق آدمی کو بے اختیار متلی آ جائے۔ اس کے جواب میں قاضی صاحب مرحوم

نے غایت المرام کے آخر میں فارسی قصیدہ تحریر فرمایا جو ۱۰۴، اشعار پر مشتمل ہے جو ان کے اعلیٰ ذوق کا مظہر اتم ہے۔ مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھو کے مرحوم کے آٹھ اشعار عربی میں بھی مرزائیت کے رد میں شامل اشاعت ہیں۔

اور قاضی صاحب مرحوم کی کتاب تائیدالاسلام کے بارے میں مولانا اللہ وسایا بتاتے ہیں کہ

یہ کتاب ۱۵۰ صفحات پر مشتمل تھی اور ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں قاضی صاحب نے مرزا قادیانی کی کتاب ازالہ اوہام کے تمام ضروری مباحث کا خوبصورت عقلی ونقلی انداز میں رد کیا ہے۔ تائیدالاسلام دراصل قاضی صاحب کی غایۃ المرام کا دوسرا حصہ ہے جس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنے زعم باطل میں اعلان کیا کہ قرآن مجید کی تیس آیات سے وفات مسیح ثابت ہے۔ قاضی صاحب نے ان تمام آیات کا صحیح مفہوم بیان کر کے مرزا قادیانی کے باطل خیال کا طلسم توڑا ہے۔ قاضی صاحب نے ان آیات کا صحیح مفہوم بیان کرنے میں قرآن حدیث تفاسیر وسلف صالحین کی آراء کو اپنی تائید میں پیش کر کے ثابت کیا کہ مرزا قادیانی نے ان آیات کی تشریح کرنے میں سخت بد دیانتی وتحریف کا بدترین مظاہرہ کیا ہے۔ دیگر مباحث کے علاوہ آخر میں حضرت عیسی وحضرت مہدی کی علامات کا بیان ہے۔ بہت ہی نفیس اور عمدہ کتاب ہے۔ اللہ تعالی مرحوم کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائیں۔

مولانا اللہ وسایا کے اس خراج تحسین کے بعد ہم قاضی محمد سلیمان مرحوم کی کتاب غایت المرام کے بعض مضامین یہاں نقل کرتے ہیں:

عیسیٰؑ کا نزول اور انکی نبوت کا اشکال

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے عقیدے کا لازمہ ہے کہ عیسی آئیں گے تو
تو ایک مرد مسلمان ہوں گے، اپنی نبوت کا نام بھی نہیں لیں گے جو پہلے اس کو عطا کی گئی تھی گویا
وہ اپنے منصب نبوت سے مستعفی ہو کر آئیں گے۔ اور یہ عقیدہ ایک نبی کی بزرگی کو خاک میں
ملاتا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں:

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عیسیٰؑ کی نبوت کا غایت ومنتہاء کیا تھا؟ وہ خود بتاتے ہیں کہ:
میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵:۲۴)

مرزا صاحب نے فتح اسلام وتوضیح مرام میں تسلیم کیا کہ وہ یہودیت کی خصلتوں
اور ذلتوں کے مٹانے کو آیا تھا۔ یوں واضح ہوا کہ حضرت عیسی کا مقصد اس پہلی زندگی
میں ایک امت کی ضلالتوں کو کم کرنا اور مذہب موسوی کی تجدید فرمانا تھا۔ اور جب کسی
دوسرے نے ان سے استفاضہ کی درخواست کی تو فرمایا کہ
لڑکوں کی روٹی کتوں کو کون دے دیا کرتا ہے۔ (متی۔۱۵:۲۶)

جب مجدد دین موسوی ہونے کی حالت میں عیسی کی کوئی کسر شان نہیں تو مجدد دین محمدی
ہونے کی حالت میں ان کا رتبہ کیوں کر گھٹ سکتا ہے؟ مجدد دین موسی ہونے کی حالت
میں عیسی صرف اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے واسطے تھے اور مجدد دین
محمدی ہونیکی صورت میں وہ اسرائیل واسماعیل دونوں گھرانوں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں،
نیز ان وحشی چوپایوں کے واسطے بھی ہوں گے جن کی گردنوں نے شریعت کے جوا کو
پھینک دیا ہوگا۔ یوں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے منصب میں تنزل ہو گیا۔ دیکھو الٹی بات
کہ جب تک شریعت موسوی کے ماتحت رہے، تب تک تو ان کا نبی اللہ ہونا بھی درست،
روح اللہ ہونا بھی ٹھیک، لیکن جب اللہ انہیں شریعت محمدیہ کے ماتحت بھیجے گا پھر ان کا نہ

نبی کہلانا درست ہے، نہ سابقہ نبوت میں اور ان میں کسی علاقہ کا رہنا جائز ہے۔

حضرت عیسیٰ اگر قرآن کے ہوتے انجیل کا نام نہ لیں تو اس کی وجہ قرآن کی تعلیم کی اہمیت و اکملیت ہوگی، نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ کو انجیل سے کوئی علاقہ نہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ کا انصاف اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت جو، ان کے دل میں تھی وہ ان کے اس ارشاد سے ظاہر ہے: آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔ (انجیل متی ۱۵:۲۰)

حضرت عیسیٰ کی نبوت کا ابتداء سے غایت و مقصود یہی رہا کہ ایک صاحب شریعت رسول کے احکام و شریعت کی تجدید کرنا اور وہ پہلے بھی حاصل تھا اور اب بھی حاصل رہا۔

اور اب اس امر کا ثبوت کہ ایک نبی باوجود نبی ہونے کے رسول اللہ ﷺ کا امتی اور شریعت محمدیہ کا مجدد و پیرو بھی ہوسکتا ہے قرآن سے ثابت ہے۔ فرمایا:

و اذ اخذ اللہ میثاق النّبییّن لما آتیتکم من کتاب و حکمۃٍ ثم جاء کم رسول مّصدّق لّما معکم لتؤمننّ بہ و لتنصرنّہ ۔جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

پس جب اللہ کل انبیاء سے آپ ﷺ پر ایمان لانے اور نصرت کرنے کا میثاق ازل میں لے چکا، تو پھر حضرت عیسیٰ کے بطور مجدد دین و حاکم عادل ہوکر آنے میں مرزا صاحب کو کیوں انکار ہے، جس انکار کے ساتھ انکار نص قرآنی بھی لازم آتا ہے۔

مرزا صاحب توضیح مرام صفحہ ۵ میں حضرت مسیح کی پوشاک کی نسبت پوچھتے ہیں کہ یہ پارچات از قسم پشمینہ ہوں گے یا ابریشم ہوں گے ....اور کس نے آسمان میں بنے اور کس نے سیئے ہوں گے۔ اب تک کسی نے مسلمانوں یا عیسائیوں میں اس کا کچھ پتہ نہیں دیا۔

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ بائبل سے ثابت ہے کہ جب بنی اسرائیل تہیہ میں تھے چالیس سال تک ان کے کپڑے نہ پھٹے، نہ پرانے ہوئے۔ مرزا صاحب کو مسیح کے لباس پر پھر کیوں اعتراض ہے؟

جس قانون کی بات مرزا صاحب کرتے ہیں وہ قرآن میں جگہ جگہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے:

و اذ قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن۔ قال بلی و

لکن لیطمئنّ قلبی۔ قال فخذ اربعة من الطّیر فصرھنّ الیک۔ ثمّ اجعل علی کلّ جبلٍ مّنھنّ جزءً ا ۔ ثم ادعھنّ یاتینک سعیاً ۔واعلم انّ اللّٰہ عز یز حکیم ۔(بقرہ)۔اور جب ابراہیمؑ نے کہا، اے رب مجھ کو دکھلا ،تو کیوں کر زندہ کرے گا مردے کو۔ خدا نے کہا، کیا تجھے یقین نہیں؟ ابراہیمؑ نے کہا، کیوں نہیں ۔لیکن اس لئے کہ میرے دل کو تسلی ہو۔ خدا نے کہا تو چار جانوراڑتے پکڑ، پھران کو اپنے ساتھ ملا، پھران کا ایک ایک ٹکڑا پہاڑ پر پھینک ،پھران کو پکار کہ تیرے پاس دوڑتے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

گوشت کے ٹکڑوں کو جومختلف پہاڑوں پر پھینک دیئے گئے ہوں، انسان کی آواز سنتے ہی زندہ پرندہ ہو جانا، قانون قدرت کے خلاف ہے، وہ قانون قدرت جو انسانوں کا ہے (مرزا صاحب نے تاویل کی ہے کہ بعض حشرات الارض ایک خاص ترکیب سے پیدا ہو جاتے ہیں پس ان طیور کا جو حضرت ابراہیمؑ کے دکھلانے کو زندہ کئے گئے انہی پر قیاس کرو۔ قاضی صاحب کہتے ہیں مرزا کی یہ بات غلط ہے کیوں کہ۔ ا۔حضرت ابراہیم کا سوال یہ تھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ یہ سوال نہ تھا کہ تو زندوں کو کیونکر پیدا کرتا ہے۔۲۔حشرات الارض پر یہ کرشمہ قدرت دکھلایا بھی نہیں گیا۔ بلکہ چارقسم کے پرند جانوروں کو مار کر، قیمہ کر کے پھران کو زندہ اور پرندہ کر کے دکھلایا ہے۔ اور ان جانوروں کو دوبارہ زندہ ہونے میں ابراہیمؑ کی جانب سے کوئی خاص ترکیب یا تدبیر بھی عمل میں نہیں لائی گئی ۔۳۔آیت کے اختتام پر واعلم انّ اللہ عزیز حکیم ہے۔اگر بقول مرزا ہرایک انسان زندہ کن مردگان ہے اور جوآدم کا بیٹا ہے وہ مردوں کو زندہ بھی کرسکتا ہے تو پھر اللہ کا خود کو عزیز وحکیم ہونے پر استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟)

او کالّذی مرّعلی قریةٍ وھی خاویة علی عروشھا۔ قال انّی یحی ھذه اللّٰہ بعد موتھا۔ فاماته اللّٰہ مأة عامٍ ثمّ بعثه۔ قال کم لبثت ۔قال لبثت یوماً او بعض یوم ۔ قال بل لّبثت مأة عام فانظر الی طعامک و شرابک لم یتسنّه وانظر الی حمارک و لنجعلک آیةً للنّاس و انظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحماً ۔فلمّا تبیّن له قال اعلم انّ اللّٰہ علی کلِ شیء قدیر (بقرہ۔ ۲۵۹)(یا جیسے وہ شخص کہ ایک شہر پر گذرا جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا۔ وہ بولا، اللہ مر جانیکے بعد اس کو کیسے زندہ کرے گا۔ پس خدا نے اس کوموت دی۔ سو برس تک مردہ رہا، پھراسے اٹھالیا اور پوچھا تو کتنی دیر یہاں رہا؟ بولا میں ایک

دن یا دن سے کچھ کم۔ خدا نے کہا نہیں، تو سو برس تک رہا ہے۔ اب اپنے کھانے اپنے پانی کو دیکھ لے کہ وہ سڑ نہیں گئے اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کیلئے تمہیں نشان بنائیں۔ ہاں دیکھ ہم ہڈیوں کو کس طرح ابھارتے ہیں اور پھر کس طرح ان ہڈیوں کے اوپر گوشت پہناتے ہیں۔ جب اس شخص پر یہ کچھ ظاہر ہوا وہ بولا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

حضرت عزیر کا سو برس تک مردہ پڑا رہنا، دوبارہ زندہ ہونا، ان کی سواری کا جانور ان کے سامنے زندہ کرنا، ہڈیوں کا زمین میں سے بننا، ہڈیوں پر گوشت چڑھنے کا معائنہ کرنا، روٹی پانی وغیرہ پر دراز زمانہ اور زمین کی تاثیرات اور ارضی وسماوی حوادث کا اثر انداز نہ ہونا، صدہا فصلوں کی تغیرات کا اثر ایک روٹی اور پیالہ بھر پانی پر نہ ہونا، وغیرہ امور کس قدر فلسفیوں کے قانون قدرت کو توڑ رہے ہیں۔

(اس قصہ میں مرزا صاحب بے دست و پا ہو گئے ہیں۔ قرآن کے صاف اور واضح الفاظ کا انکار بھی مشکل تھا اس لئے کہتے ہیں کہ دراصل عزیر بہشت ہی میں موجود تھا۔ اس سے آگے کہتے ہیں اگر خدا نے عزیر کو اسی طرح زندہ کر دیا ہو، تو کیا تعجب ہے۔ صریحۃ الدلالت آیت پڑھنے کے بعد بھی یقین نہیں آتا کہ زندہ کر دیا ہو، لکھتے ہیں۔ حالانکہ چار سطریں اوپر عزیر کا دنیا میں آنا بھی مان چکے ہیں۔ طعام وشراب کے تغیر پذیر نہ ہونے کی کچھ بھی تاویل نہ کر سکے۔ گدھے کے بارہ میں جو تاویل کی ہے وہ بھی حیوانی سمجھ سے زیادہ نہیں)

اصحاب کہف کے بارہ میں و لبثوا فی کھفھم ثلاث مأۃ سنین و ازدادوا تسعاً۔ اور مدت گذری ان پر اپنے کھوہ (غار) میں ۳۰۰، اور نو برس۔

اتنی مدت سوئے رہنا اور تغیرات جسمی وحوادث ارضی وسماوی وحاجات جسمانی سے ایسے پاک صاف رہنا کہ خود ان کو ایک دن یا دن سے بھی کم کا عرصہ معلوم ہونا، قانون قدرت کو جو فلسفیوں کا ہے، توڑ رہا ہے۔ اور حضرت مسیح کی بابت ان شکوک اعتراضات کو کہ ان کے جسم میں تغیر کیوں نہیں آتا، وہ کیا کھاتے ہیں، کیا پیتے ہیں، اگر نہیں کھاتے تو کیوں کر زندہ رہتے ہیں۔ وحی الٰہی کے پاک واعلیٰ الفاظ، قاہرانہ طاقتوں سے خوب ہی کچل رہے ہیں۔

اذ قال الحوا ریّون یا عیسی ابن مریم ھل یستطیع ربّک ان ینزّل

علینا مائدۃً من السّماء ۔ قال اتّقوا اللّٰہ ان کنتم مؤمنین ۔ قالوا نرید ان نّاکل منھا و تطمئنّ قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا و نکون علیھا من الشاھدین ۔ قال عیسی ابن مریم اللّٰھم ربّنا انزل علینا مائدۃً من السّماء تکون لنا عیداً لاوّلنا و آخرنا و آیۃً مّنک ۔ و ارزقنا و انت خیر الرّازقین۔ قال اللّٰہ انی منزّلھا علیکم۔ فمن یّکفر بعد منکم فانّی اعذّبہ عذاباً لّا اعذّبہ احداً من العالمین۔(مائدہ۔۱۱۲۔۱۱۵)

جب کہا حواریوں نے اے عیسی تیرے رب سے ہوسکتا ہے کہ اتارے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے۔ بولا ڈرو اللہ سے اگر تم کو یقین ہے۔ بولے ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس سے اور اطمینان پائیں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور رہیں ہم اس پر گواہ۔ بولا عیسی بن مریم۔ اے اللہ! رب ہمارے، اتار ہم پر ایک خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور ہو نشانی تیری طرف سے ۔ اور روزی دے ہم کو اور تو ہے بہتر روزی دینے والا۔ اللہ نے کہا میں اتاروں کا خوان تم پر۔ پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب کروں گا جو نہ کرونگا کسی کو جہان میں۔

مرزا صاحب بتائیں کہ یہ خوان کھانوں کا جو اترا تھا، کس نے پکایا تھا۔ گوشت، چاول، مصالحہ، قند اور لوازم کس نے خریدے، کس نے پکائے۔ جن برتنوں میں وہ کھانا آیا، وہ کاہے کے تھے۔ مٹی کے یا چینی کے، یا تانبے کے یا کانسی کے؟)

اس سے مجسم کھانوں اور خوانوں کے آسمان سے اترنے کا ثبوت ملتا ہے تو کیا کھانوں کے بھرے خوان کا اترنا ممکن اور جائز ہے؟ اگر کوئی کہے کہ منزلھا آیا، اتاروں گا۔ شائد خدا نے وہ خوان اتارا بھی یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر میں یرید آیا ہے، کیا پتہ کہ یہ ارادہ بھی پورا کیا ہے یا نہیں؟ علی ہذا آیت تطہیر میں انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت و یطھّرکم تطھیراً میں بھی یرید ، یذھب، یطھّرکم کہا ہے۔ پس اگر ان ارادوں کو پورا کیا ہے اور ہم سب کا ایمان ہے کہ ضرور پورا کیا ہے تو ایمان لانا چاہیے کہ منزلھا کو بھی پورا کیا ہے کیونکہ وہ وعدہ تھا اور یہ ارادہ۔ وعدہ اور ارادہ میں فرق بین ہے۔ وعدہ کی بابت تو اللہ تعالی نے خود فرما دیا :انّ اللّٰہ لاتخلف المیعاد ۔

و قلنا یا آدم اسکن انت و زوجک الجنّة وکلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظّالمین۔ فازلّهما الشّیطان عنها فاخرجهما ممّا کانا فیه وقلنا اهبطوا بعضکم لبعضٍ عدوّ و لکم فی الارض مستقرّ وّ متاع الی حین

اور کہا ہم نے آدم کو پس رہوتو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس سے محفوظ ہو کر جس جگہ پر چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے۔ پھر تم بے انصاف ہو گئے۔ پس ڈگمگایا ان کو شیطان نے اس سے، پھر نکالا ان کو وہاں سے جس آرام میں تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک وقت تک کام چلانا ہے۔

آدم و حوا بہشت میں تھے۔ اور بہشت کا آسمان پر ہونا حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث کو مرزا نے بھی لائق تمسک سمجھا ہے اور اس سے حلیہ مسیح لیا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت آدم اور حوا دونوں عنصری اور خاکی وجود کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترے۔ ان کا آسمان پر زندہ رہنا بھی ثابت ہو گیا اور وجود عنصری کے ساتھ زمین پر آنا بھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسانوں کا اجسام عنصری کے ساتھ آسمان سے اترنا ثابت ہے اور کھانوں اور خوانوں کا اترنا منصوص ہے، تو حضرت عیسیٰؑ کے اترنے پر کیوں خلاف نصوص قرآنیہ و نبویہ شک کیا جاتا ہے۔

ان مثالوں پر کچھ موقوف نہیں اور بھی ایسے اجسام و اشیاء ہیں جن کا آسمان سے نزول یا زمین سے سعود ہوتا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ملائکہ کے بارے میں مرزا صاحب کا وہ فقرہ کہ ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے، اسی پیش بندی کے لئے ہے کہ آسمان سے ہر چیز کے اترنے کا، خواہ کوئی ہو، انکار کرنا چاہیے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ کیوں مانا، وہ کیوں نہیں مانتے۔ ورنہ قرآن میں کئی آیات ہیں:

۱۔فارسلنا علیها روحنا فتمثّل لها بشراً سویّا۔ ۲۔و الیه یصعد الکلم الطیّب ۔۳۔قالوا انّا ارسلنا الی قوم مجرمین لنرسل علیهم حجارةً من طینٍ مّسوّمةٍ عند ربّک للمسرفین ۔۴۔ قال نزّله روح القدس من رّبک بالحق ۔۵۔سورة انزلناها و فرضناها و انزلنا فیها آیاتٍ بیّناتٍ لعلکم تذکرون۔

یہ آیات فرشتوں کا زمین پر اور انبیاء کے پاس آنا ثابت کر رہی ہیں اور کلماتِ طیبات کے صعود کا بھی نشان دے رہی ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السّلام

مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا ہے کہ
ایک بھی ایسی آیت نہیں جو مسیح کے زندہ ہونے، زندہ اٹھائے جانے پر ایک ذرا سا بھی اشارہ کرتی ہو۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۵۶ میں لکھتے ہیں امام بخاری صاحب اول درجہ پر ہمارے دعویٰ کے شاہد اور حامی ہیں، اور مخالفوں کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی اپنے خیالات کی تائید میں کوئی حدیث صحیح بخاری کی پیش کرسکیں۔ سو درحقیقت صحیح بخاری سے وہ منکر ہیں نہ کہ ہم۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۹۰۵)
قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی بات کا خلاصہ یہ ہے:
مسیح کے زندہ ہونے پر ایک آیت بھی اشارہ نہیں کرتی؛
مسیح کے زندہ اٹھائے جانے پر ایک آیت بھی اشارہ نہیں کرتی؛
صحیح بخاری میں کوئی بھی حدیث نہیں ہے جو حیات مسیح کو ثابت کرتی ہو۔
جواباً گذارش ہے کہ امام بخاری نے باب باندھا ہے باب نزول عیسی بن مریم عیسیٰ بن مریم کے نزول کا باب۔

حد ثنا اسحاق قال اخبرنا یعقوب بن ابراهیم قال حد ثنا ابی صالح عن ابن شهاب ان سعید المسیب سمع ابا هریره قال قال رسول الله ﷺ و الذی نفسی بیده لیو شکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیة و یفیض المال حتی لا یقبله احد حتی تکون السجدة الوا حدة خیر من الدّنیا وما فیها ۔ ثم یقول ابی هریرة فاقرأوا ان شئتم : و ان من اهل الکتاب

الّا لیؤ منن به قبل موته

آپ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی مجھ کو قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بے شک قریب ہے کہ ابن مریم تم میں حاکم عادل ہو کر اتریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو اٹھا دیں گے، مال کی کثرت ہو جائے گی اور اسے کوئی قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ دنیا اور دنیا بھر کے تمام مال ومتاع سے ایک سجدہ اچھا معلوم ہو گا۔ ابو ہریرہ فرماتے تھے اگر تم نزول عیسی کی دلیل اس ارشاد نبوی کے ساتھ قرآن سے چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو و ان من اھل الکتاب ..الخ.. کیوں کہ اس میں اللہ نے فرما دیا ہے کہ جتنے اہل کتاب ہیں وہ عیسی کی موت سے پہلے عیسی پر ایمان لے آئیں گے۔

مرزا صاحب دیکھیں یہ حدیث بخاری کی ہے یا نہیں؟ بتائیں کہ امام بخاری اس حدیث کو اپنی کتاب میں کیوں لائے؟ بتائیں کہ و ان من اھل الکتا ب...قرآن کی آیت ہے یا نہیں؟ فرمائیں کہ ابو ہریرہ جو روایتِ حدیث کے وقت شکی طبیعت والے لوگوں کو اس حدیث پر ایمان لانے کے لئے اس آیت کو پڑھنے کا کہتے ہیں، تو ان کا مذہب کیا تھا؟ فرمائیں کہ آپ نے کیوں اس حدیث کو چھپایا اور کیوں اس آیت کو مخفی رکھ کر اس کی تفسیر صحابی کو مخفی رکھا۔

اس ایک ہی حدیث متصل مرفوع سے اتنی باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں

امام بخاری کا مذہب؛ عیسی کے نزول کی بابت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد؛ علامات زمانہ نزول؛ عیسی کی حیات اور آیت کی تفسیر؛ صحابی کا مذہب۔

حضرت ابن عباس بھی اس آیت کے یہی معنی لیتے تھے جو ابو ہریرہ نے لئے ہیں جیسا کہ ابن جریر نے سعید کے طریق سے اسناد صحیحہ کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس نے انہی معنی پر جزم کر لیا تھا کہ موته سے موت عیسی مراد ہے۔ یہی معنی اور مذہب ابی بن کعب نے اختیار کیا ہے (سیوطی کے متعلق مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ وہ کشفی طور پر رسول اکرم ﷺ سے احادیث کو صحیح کر لیتے تھے، اپنی تفسیر اکلیل میں لکھا ہے کہ حاکم نے ابن عباس سے اور امام احمد نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ اس آیت و ان من اھل الکتا ب....سے حیات ونزول عیسی مراد ہے۔...مجاہد، قتادہ اور کعب سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ قبل موته سے موت عیسی مراد ہے)....

مرزا صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۴۰ پر اولیاء الرحمٰن کی انیسویں علامت میں لکھتے ہیں ؛
خدا ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لئے وہ بھیجے گئے اور جب تک پاک دلوں میں ان کی قبولیت نہ پھیل جائے تب تک البتہ سفر آخرت ان کو پیش نہیں آتا اس سے قبل ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۱۰۔۳۱۱ پر لکھا:
گو حضرت مسیح جسمانی بیماروں کو اس عمل (مسمریزم) کے ذریعہ اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارہ میں ان کی کاروائیوں کا نمبر ایسا کم رہا کہ قریب قریب نا کام رہے.
مرزا صاحب کی ان دونوں عبارات کو ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ مسیح آج تک عام سنت اللہ کے موافق جو بدوِ آفرینش سے لے کر چلی آئی ہے، برابر زندہ ہیں کیونکہ صفحہ ۴۴۰ سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء الرحمٰن کے بارہ میں عادت الٰہی اور قانون قدرت اسی طرح جاری و نافذ ہے کہ جب تک ان کا وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجے گئے، تب تک ان کو سفر آخرت پیش نہیں آتا۔ اور صفحہ ۳۱۰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح آمد اول میں اور توحید ربانی کے وعظ میں بھی ناکامیاب رہے ہیں، وہ ہدایت بالکل نہیں کر سکے، اور دینی استقامتوں کو کامل طور پر قائم نہیں فرما سکے۔ تو ثابت ہو گیا کہ جب تک مسیح نبوت کے اس عام اور گراں مایہ اور اصل فرض و مقصد اعلیٰ کو جس سے تعلیم توحید الٰہی اور ہدایت خلق مراد ہے، بخوبی پورا نہ کر سکیں گے اس وقت تک اللہ کی لازوال و غیر متغیر عادت کے مطابق مسیح وفات بھی نہ پائیں گے۔
یہ دلیل مرزا کے اپنے قائم کردہ اصول سے تمسک کر کے قائم کی گئی ہے۔ (غایۃ المرام)

عیسیٰ بن مریم

قرآن مجید میں ہے:

و لمّا جاء عیسی بالبیّنا ت (ز خرف) ؛ وقفّینا علی آ ثارھم بعیسی بن مریم (ما ئدہ) ؛و لمّا ضرب ابن مریم مثلاً (زخر ف) ؛ قا لوا انّ اللّٰہ ھو المسیح ابن اللّٰہ (تو بہ) ؛ وقالت النّصاری المسیح ابن اللّٰہ (تو بہ)

یعنی جس طرح قرآن میں ان تمام ناموں (عیسی، عیسی بن مریم، ابن مریم، مسیح ابن مریم، مسیح) سے ایک ہی شخص مراد ہے جو اسرائیلی اور صاحب انجیل ہے، اسی طرح احادیث میں بھی ان ناموں سے ہر ایک نام میں مراد اسی ایک شخص سے ہے، اور احادیث میں ایسے کھلے نشان بھی ہیں جو بتاتے ہیں کہ اس میں عیسی بن مریم کے سوا جس کا ذکر قرآن میں ہے، احادیث میں بھی کسی دوسرے شخص سے استعارۃً یا مجازاً مراد نہیں لی گئی ہے۔ حدیث میں ہے:

عن ابی هريره عن النّبی ﷺ ليس بينی وبينه يعنی عيسی نبیّ و انّه نازل فا ذا رأيتموه فاعرفوه انه رجل مربوع الی الحمرة و البياض بين مميزتين كان رأسه يقطر وان لم يصبه بلل فيقا تل الناس علی الاسلام فيدق الصليب و يقتل الخنزير ويضع الجز ية و يهلک الله فی زما نه الملل كلها الّا الاسلام و يهلک المسيح الدجّال فيمكث فی الارض ار بعين سنة ثم يتوفی فيصلی عليه المسلمو ن (ابوداؤد) آپ ﷺ نے فرمایا میرے اور عیسی کے درمیان میں نبی کوئی نہیں اور وہ تم میں اتریں گے۔ جب ان کو دیکھو تو پہچان لو۔ قد ان کا درمیانہ ہوگا، رنگ سرخ وسفید اور لباس زردی مائل، گویا ان کے سر سے باوجود تر نہ کرنے کے پانی ٹپکتا ہوگا۔ وہ اسلام کے لئے لوگوں سے لڑیں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے۔ خدا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب کو محو کر دے گا، صرف اسلام باقی رہے گا۔ وہ دجال کو ہلاک کریں گے اور زمین پر چالیس سال تک قیام کریں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔

اس حدیث میں چند امور لائق تدبر ہیں:

اول۔ اس میں عیسی نبی اللہ اسرائیلی ہونے کا ثبوت اس فقرہ سے ملتا ہے ليس بينی و بينه نبیّ و انّه نازل کہ وہ عیسی نبی اتریں گے جس کے بعد میرے سوا کوئی نبی نہیں ہوا

دوم۔ ان کے چہرہ کی رنگت اور لباس کے رنگ کی جداگانہ تشریح جس سے مرزا صاحب کی وہ تاویل کہ زرد رنگ سے بیمار ہونا مراد ہے، غلط ٹھہرتی ہے۔

سوم۔ اسلام کیلئے قتل و جنگ فرمانا، مرزا صاحب کے دعوی روحانی فتح کو شکست دیتا ہے

چہارم۔ ان کے زمانہ میں کل مذاہب کا اسلام کے سوا نابود ہو جانا۔ مرزا صاحب کے

زمانہ سے جس کو وہ بھی کفر وظلمت کا زمانہ مانتے ہیں، حضرت عیسی کے زمانہ کا علیحدہ اور ممتاز ہونا ثابت کر رہا ہے۔

پنجم ۔ثم یتوفّی کے لفظ سے حیات بالفعل ثابت ہے۔

ششم ۔ فیصلّی علیه المسلمو ن سے ثابت ہے کہ ان کی آمد دوم اور ممات اسلام پر ہوگی۔ اگر وہ عیسائیت کے لئے آتے تو عیسائی ان کی نماز جنازہ پڑھتے۔

صحیح مسلم میں ہے: عن جا بر قال قال رسو ل الله ﷺ لا تزا ل طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة قال فینزل عیسی بن مریم فیقول امیرهم تعال صلّ لنا فیقول ان بعضکم علی بعضٍ امراء تکر مة اللّه هذه ا لامة ۔ جا بر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی۔ پھر عیسی بن مریم اتریں گے۔ امیر جماعت کہے گا آیئے نماز پڑھایئے ۔فرمائیں گے، نہیں تم ایک دوسرے کے امام ہو۔ یہ خدا نے اس امت کو بزرگی دی ہے۔

اس حدیث میں چند امور پر تدبر کرنا ضروری ہے:

اول ۔ ایک گروہ مجاہدین کی بابت پیش گوئی جو تا قیامت ہمیشہ رہے گا۔

دوم ۔اس امر کا اظہار کہ آنے والا عیسی نہ خود کاغذی گھوڑے دوڑانے والا ہوگا اور نہ وہ جماعت جس میں اس کا نزول ہوگا ایسی ہی ہوگی، بلکہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ اور ان کی جماعت قاتلین علی الحق ہوں گے۔

سوم ۔ هذه ا لامّة کا لفظ ثابت کر رہا ہے کہ آنے والہ مسیح اسی امت محمدیہ میں سے نہیں ہے (جیسا کہ مرزا صاحب) اور بتلا رہا ہے کہ اسرائیلی عیسی ہی آئیں گے اور یہی لفظ نزول رسول کے ساتھ مل کر ان کی حیات بالفعل پر بھی دلیل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ بعد نزول اس امت میں شمار ہوں گے اور وہ اس امت کے امام وقت کا اقتداء کریں گے۔

چہارم ۔صحیح مسلم کی حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں لا مهدی الّا عیسی والی بے اصل روایت کی اصلیت بھی کھل گئی۔

مسلم شریف کی حدیث میں جس کے راوی ابو ہریرہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسی قائم یّصلّی فاذا هو رجل

ضرب جعد کانّہ من رجال شنوۃ و اذا عیسی قائم یصلّی اقرب النّاس بہ شبھا عروہ بن مسعود (میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں کھڑے پایا۔ میں نے دیکھا موسیٰ نماز پڑھ رہے ہیں وہ تو میانہ قد گٹھے ہوئے بدن کے آدمی ہیں جیسے شنوہ قبیلہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے عیسیٰ کو دیکھا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ شکل وصورت میں سب آدمیوں میں سے مشابہ عروہ بن مسعود ہیں)۔

اس حدیث سے میں یہ نتیجہ نکالنا چاہتا ہوں کہ عیسیٰ (جس کو رسول اللہ ﷺ نے معراج میں دیکھا ہے) شکل وصورت میں عروہ بن مسعود صحابی جیسی ہے۔

مسلم کی دوسری حدیث میں ہے جس کے راوی عبداللہ بن عمرو ہیں:

یخرج الدجال فیمکث اربعین لا ادری اربعین یوماً او شھراً او عاماً فیبعث اللّٰہ عیسی بن مریم کانّہ عروۃ بن مسعود فیطلبہ فیھلکہ

دجال نکلے گا اور چالیس تک ٹھہرے گا (راوی کہتا ہے میں نہیں جانتا ۴۰ دن یا ۴۰ مہینے، یا ۴۰ سال)

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنے والا اور دجال کو قتل کرنے والا وہی ہے جو شکل و صورت میں عروہ بن مسعود جیسا ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں سے یہ امور متحقق ہو گئے:

اول۔ آنے والا مسیح وہ ابن مریم نبی اللہ ہیں جن کو گروہ انبیاء میں محمد ﷺ نے دیکھا تھا اور جن کی شکل وصورت عروہ بن مسعود صحابی جیسی ہے۔

دوم۔ آنے والے مسیح میں اور عیسیٰ روح اللہ میں حلیہ کا اختلاف ہرگز نہیں ہے اور اسی لئے مرزا صاحب کا یہ شعر غلط ہے

رنگم چو گندم است و بمو فرق بین ست   سید جدا کند ز مسیحائے احمرم

(غایۃ المرام)

مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں:

دراصل حضرت اسماعیل بخاری صاحب کا یہی مذہب تھا کہ وہ ہرگز اس بات کے قائل نہ تھے کہ سچ مچ مسیح ابن مریم آسمان سے اتر آئے گا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۹۰۶)

قاضی محمد سلیمان کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے باب باندھا ہے:

باب قول اللّٰہ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً باب قولہ۔ واذ قالت الملائکۃ یا مریم انّ اللّٰہ اصطفاک وطھّرک و

اصطفکِ علی نساء العالمین

با ب قو لہ ۔ و اذ قالتِ الملائکۃ یا مریم انّ اللّٰہ یبشّرکِ بکلمۃٍ مّنہ

اسمہ المسیح عیسی بن مر یم

با ب قولہ . یا اھل الکتا ب لا تغلوا فی دینکم

با ب قولہ . وا ذکر فی الکتا ب مریم اذ انتبذت من اھلھا (اعتز لت)

با ب ۔ نزو ل عیسی بن مر یم علیھما السلام

غور کر نے کی بات یہ ہے کہ کس طرح ہر ایک با ب میں حضرت مریم کی پیدائش سے لے کر عیسی کی ولا دت و نبوت ونزول کو پا یہ بپا یہ لکھا ہے اور با ب نزول عیسی بن مریم کو لکھ کر چند امور کو ثا بت فر ما دیا ہے۔

او ل یہ کہ حد یث میں جو ابن مریم کا لفظ ہے اس کا مفہوم عیسی بن مریم ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ وہی عیسی بن مریم ہیں جو نبی اللہ ہیں، علیہ السلام کا لفظ اس پر دا ل ہے، تیسرے یہ کہ مریم وہی مریم ہے جو اس قدر بشارات ر بانی سے ممتاز ہیں اور اس پر بھی لفظ علیھما السلام دلالت کرتا ہے۔

پھر د یکھئے امام بخاری کا تبحّر اور دقیقہ رسی کس قدر ہے کہ اگر چہ ہر باب کو آ یت قر آ نی سے شروع کیا مگر اس باب میں صرف نزول عیسی بن مریم علیھما السلام سے آ غاز فر ما یا اور باب کے شروع پر ہی کسی آ یت کو درج نہیں کیا۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ جو حدیث نزول و الذی نفسی بیدہ ، میں لکھنے والہ ہوں اس کے آ خر میں آ یت قر آ نی آ تی ہے جس سے ابو ہریرہ کا استدلا ل ثا بت ہے جو میرے (بخاری) استدلا ل سے بدر جہا قوی اور مستند تر ہے، تو مجھے اپنے استدلال کے نمائشی طور پر پیش کر نے کی ضرورت نہ رہی۔ اب میں پو چھتا ہوں کہ وہ عیسی بن مریم جس کا احا دیث با لا میں ذکر ہے، نزول رسول اللہ ﷺ سے پہلے زمانہ ہی کا شخص ہے، یا ۱۳۰۸ھ کا؟

وہ عیسی بن مریم جس کی ماں کا اس کے نزول کی احا دیث سے پہلے آیات قر آ نی پر تمسک کر کے ذکر کیا گیا ہے، یہ وہی نبی اللہ اسرا ئیلی ہے یا کوئی مرزا؟

وہ عیسی جسکے نزول کو بخاری اور ابو ہریرہ نے آ یت و حدیث سے ثا بت کر دکھلا یا ہے یہ نبی اللہ ہے یا کوئی عا می؟ کیونکہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ احا دیث بخاری میں مریم سے مراد تو

حضرت مریم ہی ہوں اور ابن مریم سے مراد حضرت ابن مریم نہ ہوں (غایۃ المرام)

مماثلت کی بحث

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

مرزا صاحب نے جہاں بہت سے دعاوی کئے ہیں کہ میں مجدد ہوں، میں محدث ہوں، میں ملہم ہوں، میرا الہام شیطانی آمیزش سے پاک ہے وغیرہ۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ میں مشابہت تام اور مماثلت شدید کی وجہ سے عیسی بن مریم کا مثیل ہوں۔

(حاشیہ: دراصل مثیل کا لفظ بطور مغالطہ مرزا صاحب استعمال کرتے ہیں ورنہ ان کی تصنیف پر غور و تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح کا مثیل کہلانا پسند نہیں کرتے بلکہ یہ ہتک عزت و کسر شان سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص مرزا صاحب کو حضرت عیسی جیسا سمجھا کرے اس کا ثبوت ان عبارات سے مل سکتا ہے:

۱۔ یہ تو ثابت ہے کہ اس مسیح (قادیانی) کو اسرائیلی مسیح پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اس کی دعوت عام ہے اور اس کی خاص تھی اور اس کو طفیلی طور پر تمام مخالف فرقوں کے اوہام دور کرنے کے واسطے ضروری طور پر وہ حکمت و معرفت سکھلائی گئی جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھلائی تھی (ازالہ اوہام۔ ص ۶۴۸)

۲۔ اگر یہ عاجز اس عمل و معجزات مسیحی کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالی کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت بن مریم سے کم نہ رہتا (ازالہ اوہام۔ ص ۳۰۹)

۳۔ حضرت مسیح کا نمبر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارے میں ایسا کم درجہ رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۳۰۱)۔

۴۔ خدا تعالی نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک بشر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۳۲۱)

۵۔ عیسی کجاست تا بہ نہد پا بہ منبرم۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۱۵۸)

مثیل کے معنی لغت میں مانند، افزوں، بزرگ، فاضل، نیک، برگزیدہ ہیں، لیکن کسی مقام پر نہیں بتلایا گیا کہ آپ کن معنی کے اعتبار سے مثیل بنتے ہیں۔ عیسیٰ ؑ سے بزرگ و افزوں ہونے میں یا مانند ہونے میں۔ اگر مانند ہونے میں ہی مراد ہے تو جس طرح پر عیسیٰ بن مریم کا نزول قرآن و حدیث سے لیا گیا ہے معلوم نہیں کہ آپ نے یہ لفظ کہاں سے لیا ہے اور بطور لغت شرعی کے کہاں سے اس کا استعمال فرمایا ہے۔ مرزا صاحب نے جوازالۃ الاہام میں لکھا ہے:

ہماری بات کو وہ حدیث بھی تائید دیتی ہے جو مثیل مصطفیٰ کی نسبت ایک پیشین گوئی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں مہدی کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ایسے لفظ ہیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیشین گوئی میں اپنے ایک مثیل کی خبر دے رہے ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ مہدی، خلق اور خلق میں میری مانند ہوگا یأتی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی یعنی میرے نام جیسا اس کا نام ہوگا اور میرے باپ کے نام کی طرح اس کے باپ کا نام۔ اب دیکھو کہ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ وہ میرا مثیل ہوگا۔

ہم مثیل کے اوصاف و شرائط سے بہت کم واقف تھے اس لئے مرزا صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ہم کو ان اوصاف کا مصداق انہوں نے بتلا دیا۔ مرزا صاحب کی عطا کردہ کسوٹی پر ان کے دعوی کو بھی کس لینا مناسب سمجھتے ہیں اگر بمنشائے خبر نبوی مثیل کے لئے خلق اور خلق میں مانند ہونا اور نام میں، باپ کے نام میں، ایک ہونا ضروری ہے تو مرزا صاحب حضرت عیسیٰ کے ساتھ کس پہلو اور کس وجہ سے مماثلت شدید رکھتے ہیں۔

آیا خلق میں کہ وہ پاک کنواری کے بطن سے اور روح القدس کی بشارت سے پیدا ہوئے تھے؛ یا خلق میں جنہوں نے دنیا کو یہ تعلیم دی کہ جو ایک کوس بے گار چلے اس کے ساتھ دو کوس چل۔ جو ایک گال پر طمانچہ مارے اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے؛ یا نام میں کہ وہ عیسیٰ تھے اور آپ غلام احمد ہیں؛ یا باپ کے نام میں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور آپ کے والد کا نام مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔

اگر کسی بات میں بھی نہیں تو حسب حدیث نبوی ہم جرأت اور صفائی کے ساتھ عرض کر

سکتے ہیں کہ مرزا صاحب میں مثیل عیسی بننے کی کوئی صفت نہیں۔ مگر ہم مہدی کے بارے میں ان حدیثوں کا بھی خیال رکھیں گے جن میں رسول اللہ ﷺ نے مہدی کو اپنا بیٹا فرمایا ہے اور اپنے خاندان میں سے بتلایا ہے، جب بھی افسوس کے ساتھ جو نتیجہ ہم نکال چکے ہیں اس کی تائید بڑھ جائے گی۔ ...

اب قرآن کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ دو بزرگوار بندوں اور رسولوں میں خلق، خلق میں کیسی موافقت ظاہر کی گئی ہے اور دونوں کے لئے ایک ہی الفاظ قرآن جیسی اعلی بلاغت اور فصاحت والے کلام میں استعمال کئے گئے ہیں، حالانکہ یہ امر جب تک کوئی خاص خوبی نہ ہو، بلاغت اور فصاحت کے خلاف ہے۔

حضرت یحی کی خبر ولادت فرشتہ سے سن کر حضرت ذکریا کہتے ہیں:

ربّ انّی یکو ن لی غلام و کانت امرأ تی عا قر و قد بلغت من الکبر عتیاً

حضرت عیسی کی خبر ولادت فرشتہ سے سن کر مریم کہتی ہیں:

قا لت انّی یکو ن لی غلام و لم یمسسنی بشر و لم اک بغیّاً

حضرت زکریا کو فرشتہ نے جواب دیا: قال کذ لک قال ر بّک ھو علیّ ھیّن

حضرت مریم کو فرشتہ نے جواب دیا: قال کذلک قال ر بّک ھو علیّ ھیّن

حضرت یحی کو جو ارشاد الٰہی ہوا

یا یحی خذ الکتاب بقوّۃ وآ تیناہ الحکم صبیّا ۔وحناناً من لد نّا و زکوۃ وکان تقیّا۔ و برّاً بوا لدیه و لم یکن جبّاراً عصیّا ۔ و سلام علیه یو م ولد و یو م یمو ت و یو م یبعث حیاً (مر یم : ۱۵)

حضرت عیسی نے جو قدرت ربانی سے ان کی گود میں کہا:

قال انّی عبد اللّٰه آ تانی الکتاب واجعلنی نبیّا و جعلنی مبارکاً این ما کنت و اوصانی بالصّلوۃ و الزکوۃ ما دمت حیاً۔ و برّاً بوالدتی ولم یجعلنی جباراً شقیّاً ۔و السّلام علیّ یوم و لدتّ و یوم اموت و یوم ابعث حیاً (مر یم: ۳۲)

دیکھئے دونوں بھائیوں میں قرابت خاندانی کے علاوہ کس قدر خلقی وخلقی یگانگت پائی جاتی

ہے مگران میں سے بھی ایک دوسرے کا مثیل کسی نے نہیں قرار دیا اور اس خطاب سے کوئی نہیں پکارا گیا۔ بلکہ اس بات کا نشان ملتا ہے کہ مراتب قلبی و روحانی اور احوال وجدانی پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان دونوں بزرگواروں میں بھی فرق بیّن آشکار ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے اور اس کو شیخ محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں بھی مذکور کیا ہے کہ یحیٰؑ نے عیسیٰؑ کو کہا کہ تم نے تو اللہ کے مکروغضب کو گویا فراموش ہی کر دیا مسیح نے جواب دیا کہ تم نے تو اللہ کے رحم اور عفو کو گویا بھلا ہی دیا۔ اللہ اکبر ایک سراپا بیم ہیں اور ایک سراپا رجاء۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک آپ اپنی پیش کردہ حدیث رسول کے موافق اور ہماری پیش کردہ آیات کے موافق واحادیث صحیحین کے مطابق مثیل ہونے کا ثبوت نہ دیں گے اس وقت تک آپ کا مثیل ہونا دشوار ہے۔ (غایۃ المرام)

نیز، اولاً رسول اللہ ﷺ کو مثیل موسی کہنے اور ثانیاً حضرت مہدی کو مثیل مصطفیٰ بتلانے میں دونوں طرح رسول اللہ ﷺ کی عظمت و بزرگی پر سخت حملہ ہوا ہے اور دونوں پہلوؤں سے سید الرسل ﷺ کی قدر و منزلت کا تنزل کیا گیا ہے۔ جس طرح پر کہ احادیث گزشتہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کیا وہ بزرگ جو نام، باپ کے نام، خلق خلق میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا، جلتا ہو، اور کیا وہ بزرگ جو خلقت میں نبی ﷺ سے مشابہ ہو اور کیا وہ بزرگ جو خلق اور خلق دونوں میں جناب نبوی سے مشابہت رکھتا ہو اور کیا وہ بزرگ جو اخلاق و وقار و سیرت محمد یہ سے قریب تر ہو۔ غرض کسی کو بھی باوجود تحقق مدارج مختلفہ مذکورہ کسی اعتبار سے بھی مثیل مصطفیٰ نہیں پکارا گیا تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے جناب رسالت مآب میں نہایت سوئے ادبی کی ہے۔ اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان کو مثیل مسیح بننے کی ضرورت پڑی تو انہوں نے چاہا کہ سنگ بنیاد دعوی دو ایسے بزرگوں کے نام بنائے جائیں جن کی عظمت و عزت ایمانی طور پر ہر مسلمان کے دلنشین ہو۔ پس مرزا صاحب نے محمد ﷺ کو جن کے مقام محمود و کمال تک آدم و ولد آدم کو پہنچنا نصیب نہیں ہوا، موسیٰؑ کا مثیل بنایا اور پھر اس کے اظہار کے لئے کہ ایک رسول کا مثیل ایک امتی بھی ہوسکتا ہے، امام مہدی کو نبی ﷺ کا مثیل بتایا، تاکہ خود مرزا صاحب کے دعوی مثیل مسیح کے لئے حجت و قوت ہو۔ مگر جیسا کہ مرزا نے اپنے آپ کو حضرت مسیح کا

روحانی طور پر مثیل بتایا اور حضرت مہدی کو اپنے خیال میں مصطفیٰ ﷺ کا مثیل بتایا ہے اس طرح پر کسی عبارت اور جملہ میں یہ تحریر نہیں کیا کہ موسیٰ کے مثیل رسول اللہ ﷺ میں وجہ مماثلت کیا تھی ۔ اگر مرزا صاحب نے انّا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً سے مماثلت قائم کی ہے، تو سخت غلطی کھائی ہے یا مغالطہ دیا ہے کہ ک جو حرف تشبیہہ ہے اور لفظ ارسلنا جو سبب تشبیہہ ہے اس سے وہ وہی نتیجہ نکال سکتے ہیں جو خداوند کریم نے اس سے نکالا ہے اور فرمایا ہے کہ فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلاً۔ (مزمل:۱۶) نہ یہ کہ اس میں اپنے قیاس کو دخل دیں اور علم معانی سے آنکھ بند کرلیں اور رسول اللہ ﷺ کو مثیلِ موسیٰ کا خطاب عطا فرمائیں۔ یہ بالکل واضح امر ہے کہ اگر مماثلت کوئی شئے ہے تو وجہ مماثلت بھی کوئی ہونی چاہیے ۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ اور موسیٰ کلیم اللہ میں مماثلت اتحاد شریعت و رسالت ہے تب تو بموجب آیت شرع لکم من الدّین ما وصّی بہ نوحاً والّذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدّین ولا تتفرّقوا فیہ ۔ رسول کریم ﷺ کو مثیل نوح کہنا چاہیے تھا جو خدا کے پہلے رسول تھے اور آیت میں بھی نوح کے بعد بلا فصل رسول اللہ ﷺ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ امر کہ شریعت محمدی وہی شریعت ہے مجاہد کی تفسیر سے کہ آیت ہذا سے ظاہر ہے ۔ او صیناک یا محمد و ایاھم دیناً واحداً اور خدا کے ارشاد و انّ ھذہ امّتکم امّۃ واحدۃ سے بخوبی واضح و لائح ہے اور اگر وجہ مماثلت مشابہت تام و متابعت شدید ہے تو رسول کریم کو مثیل ابراہیم کہنا زیادہ تر موزوں ہوتا جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات سے یہ امر روشن وآشکارا ہے

انّ اولی النّاس بابراھیم للّذین اتّبعوہ و ھذا النّبی و الّذین آمنوا۔

و اتّخذوا من مّقام ابراھیم مصلی۔

قل صدق اللّہ فاتّبعوا ملّۃ ابراھیم حنیفاً ۔(آل عمران)

دیکھو ان آیات میں پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ملت ابراہیمی پر مبعوث تھے اور یہود و نصاریٰ کی شرائع و مصالح کے مقابلہ میں شرائع حنیفیہ کو ترجیح دیتے رہے اور اس سے بڑھ کر وجہ مماثلت یہ ہونی چاہیے کہ آپ کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کا نتیجہ تھا اور

اگر وجہ مماثلت خلق وخلق میں محقق ہو تو صحیح بخاری کی حدیث میں ہے و رأیت ابراھیم و انا اشبہ ولدہ بہ۔ میں نے ابراہیم کو دیکھا میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا ہوں۔ غرض ان سب وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مثیل موسی کہنے میں جو غلطی کھائی ہے وہ غلطی نہیں بلکہ مغالطہ بھی ہے۔ (یہ جو کچھ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مثیل نوح یا مثیل ابراہیم کہنے میں بیان کیا ہے دراصل اس سے مقصود یہ ہے کہ مثیل موسی کا مسئلہ ہر پہلو سے غلط ثابت کیا جائے ورنہ دراصل رسول کریم کی شان اس سے ارفع واعلی ہے کہ آپ کو کسی کا مثیل بتایا جائے۔ بات یہ ہے کہ پہلے نبی جو ہوتے رہے، وہ اپنے سے پہلی شریعت میں کچھ نہ کچھ زیادہ کرتے رہے، لیکن پہلی شریعت میں سے کم کرنے یا بدل ڈالنے کا ان کو اختیار نہ ہوتا تھا۔
حضرت ابراہیمؑ نے شریعت نوح پر مناسک، اعمال فطرت ختنہ وغیرہ کو ایجاد کیا۔ اور حضرت موسیؑ نے شریعت ابراہیمی پر اونٹ کو حرام کرنا، سبقت کو واجب کرنا، زنا کی سزا رجم وغیرہ وغیرہ کو ایزاد کیا۔ مگر نبی ﷺ پہلی شریعتوں میں ایزاد، تنقیص وتبدیل تینوں امور عمل میں لاتے رہے ۔تو پھر کیونکر اتحاد شریعت میں وجہ مماثلت متحقق ہو سکتی ہے)

اس قدر بیان مماثلت کے بعد میں پھر توضیح المرام کے صفحہ ۲۱، ۲۲ کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان میں نہایت گہرے پیرایہ میں ایک خاص بات کا ذکر کیا گیا ہے جس تک عام ذہنوں کی رسائی محال ہے۔ یعنی یہ کہ مرزا صاحب نے اپنے اور مسیحؑ میں خاصیت وقوت روحانی ثابت کرنے کے لئے مریم صدیقہ کے قصہ اور عیسیٰؑ کے واقعہ پیدائش کو بدل دینا چاہا ہے۔ مریمؑ کا روح القدس کو دیکھنا اور اس کا بشارت فرزند دینا، ان کا تعجب کرنا، نفخ روح اور پیدائش عیسی کا قصہ جو قرآن میں مفصل مذکور ہوا ہے، مرزا صاحب نے اس کو روحانی وعرفانی مرتبہ بتایا ہے اور اس مرتبہ کے حصول کو ایک روحانی پیدائش سے تعبیر کیا ہے جو اس وقت ہوتی ہے جب خدا کی روح اس محبّ کو نیا تولّد بخشتی ہے۔ اس سے کیا نکلتا ہے؟ حضرت عیسی کا بغیر باپ پیدا نہ ہونا اور جو قصہ کہ قرآن میں ان کی تولّد و پیدائش کی نسبت ہے، اس کا سراسر استعارہ مجاز ٹھہرنا۔ (نیز یہ) کہ یہ حضرت عیسی کے ایک ایسے روحانی وعرفانی منصب کا ذکر ہے کہ اس کا وجود روحانی تولّد و پیدائش سے ہوا کرتا ہے اور اس روح کو جس کو یہ منصب حاصل ہوتا ہے خدا کی روح

سے جو نافخ المحبت ہے، استعارہ کے طور پر ابنیت کا علاقہ ہوتا ہے۔..

اہل ایمان غور کریں کہ حضرت عیسیٰ جن کو یہ منصب حاصل تھا ان کو (بقول مرزا) بطور استعارہ ابن اللہ کہنا بھی ٹھیک ہوا۔ اور اگر کوئی ان کو اس طرح ابن اللہ یا روح القدس کو جو ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے، ابن کہہ دے تو یہ شرک نہیں بلکہ پاک تثلیث ہے (توضیح المرام ص ۲۱،۲۲)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

اول تو حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کے قصہ سے انکار ہے؛

(بطور استعارہ) حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہنا درست ہے؛

روح القدس کو ابن اللہ کہنا ٹھیک ہے؛

چونکہ یہ منصب ایک وجدانی عرفانی اور روحانی منصب ہے اس لئے جس کسی کو یہ منصب حاصل ہو جائے اس کو ابن اللہ کہنا درست ہے؛

چونکہ مرزا صاحب اور عیسیٰؑ دونوں اس منصب میں شریک ہیں اور موت وطبع و خاصیت میں متحد ہیں اس لئے مرزا صاحب کو ابن اللہ کہنا ٹھیک ہے۔

(اسی توضیح کے صفحہ کے ۲۷ پر ہے: جیسا مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یوں جب مرزا صاحب استعارہ کے طور پر ابن اللہ بن گئے تو استعارہ کے طور پر محمد ﷺ کے معبود بھی بن گئے کیونکہ قرآن میں قل ان کان للرّحمن ولد فانا اوّل العابدین (کہہ دے اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔ زخرف) آج تک تو یہ سمجھا گیا تھا کہ نہ خدا کا کوئی بیٹا ہی ہے اور نہ کوئی خدا کے سوا حضرت محمد ﷺ کا معبود ہے۔ لیکن اب مرزا صاحب جب خدا کے بیٹے بن گئے تو وہ بگمان خود حضرت رسول اللہ ﷺ کے معبود بھی بن گئے۔ نعوذ باللّٰہ)

ہر ایک ایسی تثلیث جو بندہ کی محبت کو مادہ، اور خدا کی محبت کو نر، اور جو ان سے تیسری چیز پیدا ہوتی ہے ، اس کو ابن فرض کرنے سے قائم ہو سکتی ہے، وہ پاک تثلیث ہے۔

دیکھو! پاک توحید کے ساتھ مرزا صاحب نے کیسی پاک تثلیث نکالی ہے۔ بے شک ہم اس معنی کے لحاظ سے تو مرزا صاحب کو مجدد ہی کہہ سکتے ہیں۔

عیسائی فاضلوں کا بیان ہوتا ہے کہ:

تثلیث کا پاک مسئلہ، جس کی بنیاد اعلیٰ درجہ کے فلسفہ پر ہے، اس کی کیفیت انسانی فہم سے بالاتر ہے۔

جناب مرزا نے نصاری پر نہایت احسان فرمایا کہ تجدید فرما کر اس سر بستہ معمہ کو کھولا اور توحید کی طرح تثلیث کو بھی پاک ٹھہرایا اور استعارہ کے وسیع میدان میں لا کر خدا کی ایک مخلوق کی، خدا کے ساتھ ابن ہونے کی، نسبت کو صحیح کر دیا اور ارشاد ربانی کو فراموش کر دیا کہ تکاد السّماوات یتفطّرن منه و تنشقّ الارض و تخرّ الجبال هدّا، ان دعوا للرّحمن ولداً ۔(اسلام نے ہر ایک ایسے لفظ کا استعمال جس میں ذرہ سا دوسرا پہلو اور شک کی صورت ہو، منع کر دیا۔ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے تو راعنا کہا کرتے، یعنی ہماری طرف دیکھئے۔ یہود آتے تو اس موقع جب اس لفظ کا استعمال کرتے تو عین کی کسرہ ذرا کھینچ کر کہتے جو راعِینا ہو جاتا، یعنی اے ہمارے چرواہے۔ اللہ کو یہ ناگوار ہوا کہ مسلمان ایسے لفظ کا استعمال کریں جس میں بادنک لہجہ رسول اللہ ﷺ کی ہتک شان کی صورت نکلتی اور یہود کی مشابہت ہوتی۔ اس لئے یہ حکم ہوا کہ

یا ایّها الّذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا۔

مسلمانوں تم راعنا کے لفظ کا استعمال ہی چھوڑ دو۔ اس کی جگہ انظرنا کہا کرو۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب کی کتبِ سماویہ کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتداء میں یہود و نصاری میں بھی انسان کو ابن اللہ کہنے کی رسم بطریق استعارہ پڑی تھی۔ کہیں یعقوبؑ کو خدا کا پہلوٹا بیٹا کہا، کہیں داوٗدؑ کے کل لشکر والوں کو خدا کے بیٹے کہا۔ کہیں فرمانبردار آدمیوں اور فرمان بردار عورتوں کو خدا کے بیٹے اور خدا کی بیٹیاں کہا گیا۔ وہ انسان کو خدا کا بیٹا کہا کرتے اور اس سے برگزیدہ اور محبوب مراد لیتے چنانچہ اس آیت سے بھی یہی واضح ہے

وقالت الیهود و النّصاری نحن ابناء اللّه و احبّائه ۔

کہ ابن وحبیب بطور مترادف معنی استعمال ہوئے ہیں لیکن شریعت اسلامیہ جو سب کو توحید کے چشمہ صافی سے آبِ زلال پلانے والی تھی، اس اصطلاح کو بیخ و بن سے اکھاڑا اور سب اصطلاحوں اور استعاروں کو شرک خالص بتلایا اور یوں پڑھ کر سنایا:

لقد کفر الّذین قالوا انّ اللّه ثالث ثلاثه۔

اور یہی وجہ ہے کہ آیت مندرجہ متن میں دعوا للرّحمن ولداً کہا گیا ہے تاکہ استعارہ وکنایہ و مجاز وحقیقت سب کے لئے حاوی ہو۔ پس جب اسلام نے اخلاق میں اصلاح کی ہے کہ راعنا کی جگہ انظرنا کہنے کی تعلیم دی، تو اب مرزا صاحب اعتقادات میں ابن اللہ بننے کے جو دعویدار بنتے ہیں اور اس کو استعارہ کی راہ سے جائز قرار دیتے ہیں، وہ اسلام کو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ جب جناب موصوف

جانتے ہیں کہ یہود و نصاری جس لفظ ابن کو ابتداء میں استعارہ سمجھے تھے، بالآخر اسی کو حقیقت سمجھنے لگ گئے۔ اور اسی شرک کو دور کرنے اور توحید قائم کرنے کے واسطے رسول اللہ ﷺ بھیجے گئے تو پھر کیوں پچھلے زمانہ کی مشرکانہ تاویلات و مجازات کی تعلیم کو مسلمانوں کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ ہاں قرآن مجید کی تعلیم پاک تو یہ ہے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو صحابہ، بوجہ کمال محبت و عنایت رسول کریم ﷺ ،زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے اور اپنے اس قول کو حقیقت بالکل نہیں سمجھتے تھے ان کو بھی منع کیا اور حکم ہوا:
ادعو هم لآبائهم هو اقسط عند اللّٰه ۔ کہ جس کا باپ معلوم ہو اس کے اصلی باپ کا نام لے کر پکارو۔ خدا کے ہاں یہ سچی اور انصاف کی بات ہے۔
مرزا صاحب فرمائیں کہ خدا تو استعارہ کے طور پر ایک انسان کو ایک انسان کا بیٹا کہنا جائز قرار نہ دے اور آپ خود خدا کے بیٹے بننے کو تیار ہوں اور اس دانش پر نصاری کے ردّ کا بھی ارادہ کریں)

رب کریم اس گندے عقیدے کو، جو سبب بعثت نبی ﷺ کو بیکار ثابت کر رہا ہے، مسلمانوں کے دلوں سے دور کرے اور سب کو یہ سمجھ دے کہ مثیل عیسی بننے کے دعوے میں اسلام کے سب سے بڑے رکن توحید کو بھی کتنا بڑا صدمہ پہونچایا گیا ہے اور کیسے کیسے معانی تراشے گئے ہیں۔ (غایۃ المرام)

مباحثہ دہلی

مابین

غلام احمد قادیانی و محمد بشیر سہسوانی

ہم بتا چکے ہیں کہ مباحثہ لدھیانہ کے بعد مرزا صاحب نے دہلی جا کر اکتوبر ۱۸۹۱ء میں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے چیلنج بازی کی۔ فریقین جامع مسجد دہلی میں اکٹھے ہوئے لیکن مرزا صاحب دامن بچا گئے۔ اس کے بعد جناب مولانا محمد بشیر سہسوانی سے ان کا مباحثہ طے ہوا۔ جناب سہسوانی، بھوپال سے اس مباحثے کیلئے دہلی تشریف لائے اور طے ہوا کہ دونوں فریق پانچ پانچ پرچے لکھیں گے۔ لیکن مرزا صاحب تین پرچوں کے بعد دہلی سے یہ کہہ کر چلے آئے کہ میں مسافر ہوں، اب زیادہ قیام کی مجھے گنجائش نہیں ہے۔

مولانا محمد بشیر بھی بھوپال میں مقیم اور ملازم تھے۔ وہ مرزا صاحب کی دعوت مباحثہ کے جواب میں مسافرانہ دہلی تشریف لائے تھے۔ جب مباحثے میں مرزا صاحب کو اپنا ناطقہ بند ہوتا نظر آیا تو میزبانی کے آداب بھول کر دہلی سے چلے آئے۔ بعد میں اس مباحثے کی کاروائی، یعنی فریقین کے پرچوں کو جناب محمد بشیر نے بھی شائع فرمایا تھا اور قادیانی حضرات نے بھی۔ مسلمانوں کی طرف سے طبع کردہ نسخے کے تعارف میں مولانا اللہ وسایا بتاتے ہیں کہ الحق الصریح فی حیات المسیح ، ۱۳۴ صفحات پر اردو میں ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوا۔ مصنف مولانا محمد بشیر سہسوانی کا مرزا قادیانی سے دہلی میں چھ روز تک تحریری مناظرہ ہوا۔ آخری پرچہ لکھ کر مرزا قادیان نے اپنے خسر کی بیماری کا بہانہ بنایا اور گفتگو منقطع کر کے چلتے بنے۔

یہ کتاب اسی مناظرہ دہلی کی مکمل روئداد ہے(قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگذشت ۔ص ۱۱۲)
یہ مباحثہ، تحریک ختم نبوت کے بالکل ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکے پرچوں کو قارئین کے ملاحظہ کیلئے ذیل کے صفحات میں قادیانی رسالہ الحق سے نقل کیا جارہا ہے۔

☆ محمد بشیر سہسوانی کا پہلا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الّذین اصطفی ۔ امّا بعد

ارباب علم و دین پر مخفی نہ رہے کہ اصل دعوی جناب مرزا صاحب کا، مسیح موعود ہونے کا ہے لیکن جناب ممدوح کے محض اصرار بلیغ سے مباحثہ حیات و وفات مسیحؑ میں منظور کیا گیا ہے، اور اس مسئلہ میں بھی اصل منصب جناب مرزا صاحب کا مدعی کا ہے لیکن صرف جناب ممدوح کے اصرار سے ہی یہ بھی قبول کیا گیا کہ پہلے یہ عاجز ادلّہ حیات مسیح تحریر کرے اور اس میں بحث صعود و نزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جائے۔

فاقول بحول اللّٰہ وقوّتہ وما توفیقی الّا بہ علیہ توکّلت والیہ انیب

جاننا چاہیے کہ دلیلیں حیات مسیح کی پانچ آیتیں ہیں ۔ دلیل اول یہ ہے۔

و ان من اھل الکتاب لیؤمننّ بہ قبل موتہ و یوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً۔ (نساء۔۱۶۰)

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لیؤمننّ میں نون تاکید کا آیا ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کردیتا ہے۔ ماضی اور حال کی تاکید کیلئے نون نہیں آتا ہے۔

ازہری تصریح میں لکھتا ہے:

ولا یؤکدبھماالماضی لفظاًومعنی مطلقاًلانّھما یخلصان مد خولھما للاستقبال و ذلک ینافی المعنی ۔

اور دوسری جگہ لکھتا ہے:

ولا یجوز تاکیدہ بھما اذاکان منفیاً اوکان المضارع حالاً کقرأۃ ابن کثیر۔ لا قسم بیوم القیامۃ ۔ و قول الشّاعر

یمینا لا بغض کل امرء یزخرف قولاً و لا یفعل

فاقسم فی الآ یة و البغض فی البیت، معناهما الحال الدخول اللام علیهما وانّما یؤکدا بالنّون لکونها تخلص الفعل للاستقبال وذلک ینافی الحال۔

فوائد ضیائیہ میں ہے: تختص ای نون بالفعل المستقبل فی الامر و النّہی والاستفهام و التمنی و العرض والقسم وانّما اختصت هذه النّو ن بهذه المذکورا ت الدّا لّة علی الطّلب دو ن الماضی و الحال لا نّه لا یوکّد ا لا ما یکو ن مطلو باً۔

عبدالحکیم، تکملہ میں لکھتے ہیں: ۔ لانّ النّو ن تخلص المضارع للاستقبال فکرهوا الجمع بین حر فین لمعنی وا حد فی کلمة وا حدة

مغنی میں ہے: ولا یؤکد بهما الماضی مطلقاً و اما المضارع فان کان حالاً لم یؤکد بهما وان کان مستقبلاً اکد بهما وجوباً فی نحو واللّه لاکیدن اصنا مکم ۔

شیخ زادہ، حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں:

و اعلم الاصل فی نون التّاکید ان تلحق بآخر فعل مستقبل فیه معنی الطّلب کالامر والنّهی والاستفهام والتمنی والعرض نحو اضربن زیداً ولاتضربن وهل تضربنّه ولیتک تضربنّ مثقلة و مخففة واختص بما فیه معنی المطلب لان ّوضعه للتّاکید و التّاکید انما یلیق بمایطلب حتی یولد ویحصل فیغتنم هو بوجد ان المطلوب ولا یلیق بالخبر المحض لانّه قد وجد و حصل فلا یناسبه التاکید و اختصّ بالمستقبل لانّ الطلب انّما یتعلّق بما لم یحصل بعد لیحصل وهو المستقبل بخلاف الحال و الماضی لحصولهما و المستقبل الّذی هو خبر محض لا تلحق نون التّا کید بآ خره الا بعد ان ید خل علی اول الفعل ما یدل علی التاکید کلام القسم و ان لم یکن فیه معنی الطّلب لا نّ الغالب ان المتکلّم یقسم علی مطلوبه۔

اور ایسا ہی بلاخلاف تمام کتب نحو میں مرقوم ہے۔

قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں بھی نون بہت مواضع میں خاص مستقبل کے لئے آیا ہے اور ماضی اور حال کیلئے ایک جگہ بھی پایانہیں جاتا۔ اس مقام پر چند آیات نقل کی جاتی ہیں۔ سورہ بقرہ میں ہے۔

فامّا یأتینکم مّنّی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (بقرہ۔ ۳۹)

اور فلنولّینّک قبلۃً ترضاھا ۔ (بقرہ۔ ۱۴۵)

اور ولنبلونّکم بشیء مّن الخوفِ و الجوعِ و نقصٍ مّن الاموال والانفسِ و الثمرات ۔(بقرہ ۔ ۱۵۶)

سورہ آل عمران میں ہے:

و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیین لماآتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مّصدّق لّما معکم لتؤمننّ بہ و لتنصرنّہ (آل عمران۔۸۲)

اور لتبلونّ فی اموالکم و انفسکم ولتسمعنّ من الّذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الّذین اشرکوا اذی کثیراً (آل عمران ۔۱۸۷) ۔

اور و اذ اخذ اللّٰہ میثاق الّذین اوتوا الکتاب لتبیننّہ للنّاس ولا تکتمونہ ۔ الآیۃ ۔ (آل عمران۔ ۱۸۸)

اور فالّذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی و قاتلوا و قتلوا لا کفّرنّ عنھم سیآتھم ولادخلنّھم جنّت تجری من تحتھا الانھار (آل عمران۔ ۱۹۶)

سورۃ نساء میں ہے ولاضلنّھم ولامنّینّھم ولامرنّھم فلیبتّکنّ آذان الانعام ولآمرنّھم فلیغیرنّ خلق اللّٰہ ۔ (نساء)

سورہ مائدہ کے رکوع گیارہ میں ہے:

لتجدنّ اشدّ النّاس عداوۃ لّلّذین آمنوا الیھود والّذین اشرکوا و لتجدنّ اقربھم مودّۃ لّلّذین آمنوا الّذین قالوا انّانصاری (مائدہ ۔۸۲)

سورہ مائدہ کے تیرہویں رکوع میں ہے: یا ایّھا الّذین آمنوا لیبلونّکم اللّٰہ

بشیء من الصّید تنالہ ایدیکم و رماحکم (مائدہ ۔ ۹۴)

سورہ انعام کے دوسرے رکوع میں ہے: لیجمعنّکم الی یوم القیامۃ لا ریب فیہ۔ (انعام ۔ ۱۲)

سورہ اعراف کے پہلے رکوع میں ہے فلنسئلنّ الّذین ارسل الیھم و النسئلنّ المرسلین۔فلنقصّنّ علیھم بعلم وما کنّا غا ئبین (اعراف۔ ۶۔۷)

سورہ اعراف کے رکوع ۱۴ میں ہے: لا قطّعنّ اید یکم و ارجلکم من خلاف ثم لاصلّبنکم اجمعین۔ (اعراف ۔۱۲۴)

سورہ اعراف کے رکوع ۲۱ میں ہے و ا ذ تاذّن ر بّک لیبعثنّ علیھم الی یوم القیامۃ من یّسومھم سوء العذا ب۔(اعراف۔ ۱۶۷)

سورۃ ابرا ہیم کے دوسرے رکوع میں ہے ولنصبر نّ علی ما آ ذیتمو نا۔(ابراھیم ۔۱۲)

سورہ ابرا ہیم کے تیسرے رکوع میں ہے: و قال الّذ ین کفروا لرسلھم لنخرجنّکم من ارضنا او لتعودنّ فی ملتنا۔ فاوحی الیھم ربّھم لنھلکنّ الظّالمین۔ و لنسکننّکم الا رض من بعد ھم ۔(ابرا ھیم ۱۳۔۱۴)

سورہ نحل کے رکوع ۱۳ میں ہے:

ولیبینن لکم یو م القیامۃ ما کنتم فیہ تختلفو ن ۔

اوراسی میں ہے و لتسئلنّ عمّا کنتم تعملو ن ۔

اسی میں ہے من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینّہ حیوۃ الطّیّبۃً و لنجز ینّھم ۔

بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ہے

و قضینا الی بنی اسرا ئیل فی الکتاب لتفسدنّ فی ا لارض مرّتین و لتعلنّ علوّا کبیراً۔

سورۃ حج کے چھٹے رکوع میں ہے:

و لینصر نّ اللّٰہ من ینصرہ۔ انّ اللّٰہ لقویّ عزیز۔

سورہ نور کے ساتویں رکوع میں ہے:

وعد اللّٰه الّذین آمنوا منکم وعملوا الصّالحا ت لیستخلفنّهم فی الارض کما استخلف الّذین من قبلهم ولیمکّننّ لهم دینهم الّذی ارتضی لهم و لیبدّ لنّهم من بعد خوفهم امناً۔

سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں ہے:

لا عذّ بنّه عذا باً شدیداً او لاذبحنّه او لیاتینّی بسلطانٍ مّبین۔

سورۃ عنکبوت کے ساتویں رکوع میں ہے:

و الّذ ین جاهدوا فینا لنهدینّهم سبلنا۔

سورہ محمد کے ۴ رکوع میں ہے: و لتعرفنّهم فی لحن القول

سورہ تغابن کے پہلے رکوع میں ہے:

قل بلی و ر بی لتبعثنّ ثم لتنبئون بما عملتم۔

سورہ انشقاق میں ہے: لتر کبنّ طبقاً عن طبقٍ

اگر جناب مرزا صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عرباء کا ایسا پیش کریں کہ اس میں نون تاکید حال یا ماضی کیلئے یقینی طور پر آیا ہو تو کوئی عبارت کتاب نحو کی جس میں تصریح امر مذکور کی ہو، تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلوں گا۔

بعد اس کے تمہید کے میں کہتا ہوں کہ لفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا:

اور نہیں اہل کتاب میں سے کوئی، مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰؑ سے۔

اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں ایک ایسا زمانہ آنے والہ ہے کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے ایمان لاویں گے۔

یہی ایک معنی اس آیت کے موافق محاورہ عرب وقواعد نحو اور محاورہ کتاب وسنت کے صحیح ہیں۔ اور اس کے ما عدا جتنے معنی ہیں سب غلط اور باطل ہیں کیونکہ کسی معنی کی بنا پر لیؤ منن کا لفظ خالص استقبال کے لئے نہیں باقی رہتا۔ وہ چار معانی ہیں۔

اول وہ جو عامہ تفاسیر میں منقول ہے کہ موته کی ضمیر کتابی کی طرف عائد ہے اور معنی یہ ہیں کہ نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسیٰؑ پر اپنے مرنے سے پہلے یعنی نزع روح کے وقت اس تقدیر پر لیؤمنن کا خالص استقبال کے

لئے نہ ہونا ظاہر ہے، اس لئے یہ معنی باطل ہیں۔

دوسرے معنی وہ ہیں جو جناب مرزا صاحب نے کشفی طور پر ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۲ میں لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ:

ہر اہل کتاب ہمارے اس بیان مذکور بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ ایمان لاوے کہ مسیح اپنی موت سے مر گیا۔ فقط۔

یہ معنی بھی، بسبب اس کے کہ اس تقدیر لیؤمننّ خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا ہے، باطل ہیں اور اس معنی کشفی کے بطلان کے اور بھی وجوہ ہیں مگر ان کو اس بحث سے علاقہ نہیں ہے اس لئے ہم ان کو یہاں بیان نہیں کرتے۔ انشاء اللہ تعالی ان وجوہ کا ذکر ازالہ اوہام کے رد میں بسط بسیط کیا جائے گا۔

تیسرے وہ معنی ہیں جو جناب مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں لکھے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ:

مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک وشبہ کے یہود ونصاری کے دلوں میں چلے آتے ہیں۔ فقط۔

یہ معنی بھی اسی وجہ سے باطل ہیں کہ لیؤمننّ اس تقدیر پر خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا بلکہ ماضی کے لئے ہو جاتا ہے۔

چوتھے وہ ہیں جو مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی سیالکوٹی (جن کے متعلق مرزا غلام احمد کہتے ہیں:

. جبی فی اللہ مولوی مبارک علی صاحب .. اس عاجز کے استاد زادہ ہیں۔ ان کے والد، حضرت مولوی فضل احمد مرحوم ایک بزرگوار عالم باعمل تھے۔ مجھ کو ان سے از حد محبت تھی کیونکہ علاوہ استاد ہونے کے وہ ایک باخدا اور صاف باطن اور زندہ دل اور متقی اور پرہیزگار تھے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۸۱۷)۔

نیز مرزا کہتے ہیں . ایک دفعہ میرے استاد مرحوم مولوی فضل احمد صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا .... (ازالہ اوہام۔ ص ۸۷۸)۔

اور اسی ازالہ اوہام میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

. نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسی بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے

شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالی خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لے لیا اور اس بندے کا نام ابن مریم رکھا. تب وہ وجود روحانی پا کر خدا تعالی کی طرف اٹھایا گیا کیونکہ خدا تعالی نے اپنے ما سوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھا لیا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا ...پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسی بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم۔ ص ۶۵۹)۔ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے؟ (ازالہ اوہام۔ دوم۔ ص ۶۵۹۔ ۶۶۰)۔ اور خود ہی دو مرتبہ ازالہ اوہام میں مولوی مبارک علی کے والد مولوی فضل احمد کو اپنا استاد لکھ چکے ہیں۔ بہاء) ۔ مرید مخلص مرزا صاحب نے القول الجمیل کے صفحہ ۲۸ میں لکھے ہیں، وہ یہ ہیں:

اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے مر جانے سے پیشتر ہی تسلیم کرے۔ فقط۔

اس عبارت کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے ہی تسلیم کرے، یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے جیسا کہ بعض عبارات القول الجمیل اس پر قرینہ ہے، تو اس معنی کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب القول الجمیل اس مقام پر غلط فاحش کا مصدر رہا کیونکہ لیؤمننّ میں لام مکسورہ، لام الامر سمجھا ہے، حالانکہ قرآن خواں اطفال بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں لام مفتوحہ، لام تاکید ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے تسلیم کر لیتا ہے، یعنی یہ جملہ خبریہ ہے، تو اس وقت لیؤمننّ خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا ہے۔ اس لئے یہ معنی غلط ہوئے۔ اور وہ معنی اس آیت کے جو خاکسار نے اول بیان کئے، سلف میں سے ایک جماعت کثیر اسی طرف گئی ہے۔ ان میں سے ہیں: ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور ابو مالکؒ اور حسن بصریؒ وقتادہؒ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

حدّثنا ابن بشار حدّثنا عبد الرّحمن عن سفیا ن عن ابی حسین عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وان من اهل الکتا ب الا لیؤمننّ

به قبل موته ۔ قال قیل موت عیسے بن مریم قال العوفی عن ابن عباس مثل ذلک قال ابو مالک فی قوله الّا لیومننّ به قبل موته قال ذلک عند نزول عیسی بن مریمؑ لا یبقی احد من اهل الکتاب الّا آمن به و قال الضّحاک عن ابن عباس و ان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته یعنی الیهود خاصةّ وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابه رواهما ابن ابی حاتم و قال ابن جبیر حدثنی یعقوب حدثنا ابن علیة حدثنا ابو رجاء عن الحسن و ان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته قال قبل موت عیسی و انّه لحیّ الآن عند اللّٰه و لکن اذا نزل آمنوا به اجمعون و قال ابن ابی حاتم حدّثنا ابی حدّثنا علی بن عثمان اللاحقی حدّثنا جریرة بن بشیر قال سمعت رجلاً قال للحسن یا ابا سعید قول اللّٰه عزّ و جلّ وان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته قال قبل موت عیسے انّ اللّٰه رفع الیه عیسی وهو باعثه قبل یوم القیامة مقاماً یؤمن به البرّ و الفاجر وکذا قال قتاده عبد الرحمن بن زبیر بن اسلم و غیر واحد و هذا القول هو الحقّ کما سنبیّنه بعد بالدّلیل القاطع انشاء اللّٰه و به الثّقه و علیه التّکلان ۔

اور ابو ہریرہ کا اس طرف جانا حدیث صحیحین سے ظاہر ہے ۔ مخفی نہ رہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس معنی پر جس کو ہم نے صحیح اور حق کہا ہے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۶۸ اور صفحہ ۳۶۹ میں چار اعتراض کئے ہیں ۔ ان سب کا مسکت جواب بفضلہٖ تعالی ہمارے پاس موجود ہے ۔

اعتراض اول :۔ آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مسیح کے وقت میں، یا مسیح کے بعد، برابر ہوتے رہیں گے ۔ اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود زمانے سے متعلق اور وابستہ کرتا ہو ۔ فقط ۔

جواب اس کا بدو وجہ ہے ۔ اول یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے جو آیت

کو خاص زمانہ مستقبل سے وابستہ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس تعمیم کے موافق آپ کے معنی اول جو ازالہ اوہام میں لکھے گئے ہیں، بھی باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک لفظ اہل کتاب کا آیت موصوفہ میں ان سب اہل کتاب کو بھی شامل ہے جو مسیح کے وقت میں ان کو صلیب پر چڑھانے سے پہلے موجود تھے۔ حالانکہ ان کا بیان مذکورہ بالا پر ایمان رکھنا قبل اس کے کہ وہ اس پر ایمان لاویں کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا غیر متصور ہے اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنی بھی باطل ہوئے جاتے ہیں۔ و هذا غير خفى على من له ادنى تأمّل

اعتراض دوم: ۔احادیث صحیحہ بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے منکر خواہ اہل کتاب یا غیر اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے۔ فقط۔

جواب اس کا بدو وجہ ہے:۔

اول، یہ کہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں ہے کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آویں گے بلکہ آیت میں تو صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے۔ پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیح کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو، ان کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں۔

دوم، ہوسکتا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی۔ جیسا کہ آپ کے دونوں معنے کے موافق ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں ہے بلکہ یقین مراد ہے۔

اعتراض سوم۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلّمہ ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہوگا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ فقط

اس کا جواب بھی انہیں دو وجہوں سے ہے جو اعتراض دوم کے جواب میں لکھی گئیں، اعادہ کی حاجت نہیں۔

اعتراض چہارم۔ مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شریر رہ جائیں گے، پھر قیامت آئے گی۔ اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجاویں گے۔ فقط

یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے۔ کیا مرزا صاحب یہ نہیں خیال فرماتے کہ یقیناً دنیا میں ابتداء ایک ایسا زمانہ بھی گذر چکا ہے کہ کوئی کافر نہ

تھا۔ پھر یہ کفار جواب تک موجود ہیں کہاں سے آ گئے۔ جیسے یہ کفار ہو گئے ایسا ہی بعد عیسےؑ کے بھی ہو جائیں گے۔

دلیل دوسری۔ یہ آیت سورۃ آل عمران کی ہے و یکلّم النّاس فی المھد و کھلاً وّ من الصّا لحین۔ (آ ل عمرا ن ۔ ۴۷)

اس آیت سے علماء نے استدلال حیات مسیح پر کیا ہے۔

تفسیر ابو السعود میں ہے و بہ استدلّ علی انہ علیہ السّلام سینزل من السّماء لما انہ علیہ السلام رفع قبل التکھل قال ابن عباس ارسلہ اللّٰہ تعا لی و ھو ابن ثلا ثین سنۃ و مکث فی رسالتہ ثلاثین شھراً ثم رفع اللّٰہ تعا لی الیہ۔

تفسیر کبیر میں ہے قال الحسین بن الفضل وفی ھذہ الآیۃ نصّ فی انہ علیہ الصّلوۃ والسّلام سینز ل فی ا لارض۔

بیضاوی میں ہے: و بہ استدلّ علی انہ سینزل فانّہ رفع قبل ان اکتھل۔

جلالین میں ہے: یفید نز ولہ قبل الساعۃ لانّہ رفع قبل الکھولۃ

معالم میں ہے: وقیل للحسین بن الفضل ھل تجد نز ول عیسی فی القرآ ن قال نعم قولہ و کھلاً وھو یکتھل فی الدّنیا و انّما معناہ و کھلاً بعد نزول من السّماء۔ انتھی

یہ آیت اگر چہ فی نفسھا قطعیۃ الدلالہ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر بانضمام آیت و ان مّن اھل الکتا ب الا لیؤمننّ بہ (نساء ۱۶۰) کے قطعی الدلالۃ ہو جاتی ہے اور اس بنا پر ایک حسن اس آیت میں یہ ہوتا ہے جیسا کہ کلام فی المھد ایک آیت اور معجزہ ہے ایسا ہی کلام فی الکھو لۃ معجزہ ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اس زمان دراز تک جسم کا بغیر طعام وشراب کے زندہ رہنا اور اس میں کچھ تغیر نہ آ نا خارق عا دت ہے، ورنہ کلام فی الکھولۃ تو سب ہی کیا کرتے ہیں حضرت مسیح کا اس میں کیا کمال ہے جس کو اللہ تعالی نے فہرست نعم جلیلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

دلیل سوم۔ سورۃ نساء میں ہے و ما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ و کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً (نساء ۔ ۱۵۸۔۱۵۹)

یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر ظاہر اس سے رفع الرّوح مع الجسد ہے کیونکہ ما قتلوہ اول وثانی اور ما صلبوہ کے ضمیر منصوب کا مرجع تو قطعاً روح مع الجسد ہے۔ پس یہ امر دال ہے اس پر کہ مرجع رفعہ کے ضمیر منسوب کا بھی روح مع الجسد ہے علی الخصوص جب آیت و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ اس کے ساتھ ضم کی جاوے تو یہ بھی قطعی الدلالت ہو جاتی ہے۔

دلیل چہارم۔سورۃ زخرف میں وانّہ لعلم للسّاعۃ فلا تمترن بھا و اتبعون ھذا صراط مستقیم (زخرف۔۶۱)

یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر ظاہر یہی ہے کیونکہ ارجاع ضمیر انّہ کا طرف قرآن مجید کے بالکل خلاف سیاق وسباق ہے۔ پس ضرور مرجع حضرت عیسےؑ ہوئے۔ اب یہاں تین احتمال ہیں، یا حدوث مقدر مانا جاوے یا ارادہ معجزات یا نزول۔ اول باطل ہے اس لئے کہ ہمارے آنحضرت ﷺ کا حدوث علامت قریبہ قیامت کے ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے

بعثت انا و السّاعۃ کھا تین

پس حضرت عیسی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور ایسا ہی احتمال دوم بھی باطل ہے کیونکہ معجزات سب دلالت علی قدرۃ اللہ تعالی میں برابر ہیں تخصیص معجزات عیسویہ کی کیا ہے۔ پس متعین ہوا کہ مراد نزول ہے خاص کر جب کہ آیت و ان من اھل الکتاب جو قطعی الدلالۃ ہے اور احادیث صحیحہ بخاری و مسلم اس کی تفسیر میں واقع ہوگئی ہیں تو اس حیثیت میں یہ آیت بھی قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر ہوگئی۔

دلیل پنجم۔آیت وما آتاکم الرّسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (حشر۔۷) ہے جو موافق اس آیت کے جو احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کی گئی تو بکثرت اس باب میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کا تواتر تو جناب مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۵۷ میں تسلیم فرمایا ہے ان میں سے حدیث متفق علیہ ابوہریرہ کی ہے:

قال قال رسول اللہ ﷺ والّذی نفسی بیدہ لیوشکنّ ان یّنزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصّلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ و یفیض المال حتی لایقبلہ احد حتی تکون السّجدۃ الواحدۃ

خیراً من الدّنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرہ : فا قرأو ان شئتم، و ان من اھل الکتا ب ا لاّ لیؤ منن به قبل موته ۔ا لآ یة ۔
معنی حقیقی ابن مرتم کے عیسی بن مریم ہیں اور صارف یہاں کوئی موجودنہیں بلکہ آیت و ان من اھل الکتا ب اس معنی کی تعیین کر رہی ہے ۔ پس نز و ل عیسے متعین ہو گیا۔ اس سے ظا ہر یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔
تفسیرابن کثیر میں ہے : وقال ابن ابی حاتم حدّ ثنا ابی حدّثنا احمد بن عبد الرحمن حدّ ثنا عبد اللّٰہ بن جعفر عن ابیه حدّ ثنا الرّ بیع بن انس عن الحسن انّه قال فی قوله تعالی انّی متوفّیک یعنی وفاۃ المنام رفعه اللّٰہ فی منامه قال الحسن قال رسول اللّٰہ ﷺ للیھود انّ عیسی لم یمت و انّه را جع الیکم قبل یوم القیا مة
یہ حدیث اگر چہ مرسل ہے لیکن وان من اھل الکتا ب اسکی صحت کی عاضد ہے۔
یہ اخیر چار آیات اگر چہ ہر واحد، ان میں سے بنفسہا دلیل قطعی حیات مسیحؑ پر نہیں مگر تا ہم بہ نسبت ان تیس آیات کے جو مرزا صاحب نے ازالہ او ہام میں واسطے اثبات وفات حضرت مسیح کے لکھی ہیں، یہ آیات قوی الدلالۃ حیات مسیح پر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ مرزا صاحب نے تیس آیات واسطے اثبات و فات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں ۔سو ان کا جواب اجمالی یہ ہے کہ یہ آیات تین قسم کی ہیں۔
اول وہ جن میں لفظ تو فّی با لتخصیص حضرت مسیح کی نسبت واقع ہوا ہے۔
دوم وہ آیات جو عموماً سب انبیاء گذشتہ کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔
سوم وہ آیات کہ نہ ان میں حضرت مسیح کی وفات کا خصوصاً ذکر ہے نہ عموماً ۔صرف جناب مرزا صاحب نے ان سے محض اجتہاداً استنباط وفات کیا ہے۔
قسم اول کا جواب یہ ہے کہ بعد فرض وتسلیم اس کے کہ لفظ تو فّی کے معنی حقیقی موت وقبض روح کے ہیں اور دوسرے معنی مجازی ہیں ۔ہم کہتے ہیں کہ آیت و ان من اھل الکتاب الاّ لیؤمننّ به قبل موته سے جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہے حیات عیسی ثابت ہوگئی تو اب یہ آیت صاف ہوگئی آیات مذکورہ کے معنی حقیقی سے اس لئے آیات تو فّی معنی مجازی پر محمول کی جاویں گی اور وہ معنی مجازی جو یہاں مراد ہو

سکتے ہیں وہ اخذ تام وقبض ہے جس کو اردو میں پورا لینا کہتے ہیں اور توفّی کا استعمال اخذ تام وقبض لغت سے ثابت ہے۔

قاموس میں ہے: واوفی علیه اشرف وفلاناًحقّه اعطاه وافیاً توفّاه و اوفاه فاستوفاه و توفّاه

اورصحاح میں ہے: اوفاه حقه و وفاه بمعنی ای اعطاه حقّه وافیاً و استوفی حقّه و توفّاه

مصباح المنیر میں ہے: وتوفّیته واستوفیته بمعنی۔

مجمع البحار میں ہے واستوفیت حقی ای اخذ ته تا ماً

صراح میں ہے ایفاء گزاردن حق کسے بتمام و یقال عنہ او فاہ حقہ ووفاہ استیفاء توفی تمام گرفتن حق

قسطلانی میں ہے التوفی اخذ الشیء وافیاً والموت نوع منه

اور دوسرے معنی مجازی انامت ہیں جن کو اردو میں سلانا کہتے ہیں اور توفّی بمعنی انامت، قرآن مجید سے ثابت ہے۔ فرمایا اللہ تعالی نے سورہ زمر میں:

اللّٰه یتوفّی الانفس حین موتها والّتی لم تمت فی منامها فیمسک الّتی قضی علیها الموت و یرسل الاخری (الزمر ۔ ۴۲)

اور فرمایا سورہ انعام میں: وهوالّذی یتوفّاکم باللّیل ویعلم ما جرحتم با لنّهار ثم یبعثکم فیه لیقضی اجلٍ مّسمّی۔ (انعام ۔ ۶۰)

اور قسم دوم کا جواب بعد تسلیم عمومات کے یہ ہے کہ آیت و ان من اهل الکتاب جو قطعی الدلالۃ ہے ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے۔

اور قسم سوم کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے کہ الفاظ فی نفسہا ان معانی کے محتمل ہیں جو جناب مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں لیکن آیت و ان من اهل الکتاب جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہے ان احتمالات کو رد کرتی ہے، لہذا وہ معنی باطل ہوئے۔ صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں اور وہ موافق ہیں آیت و ان من اهل الکتاب کے۔ اور جواب تفصیلی ان آیات کا جن کو مرزا صاحب نے واسطے ثبوت وفات پیش کیا ہے ازالہ اوہام کے جواب میں انشاء اللہ بہ بسط

بسیط لکھا جاوے گا۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ ۔ بروز جمعہ ۔ محمد بشیر عفی عنہ

☆ مرزا قادیانی کا پہلا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ..... امّا بعد

چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب نے اس عاجز سے سلسلہ بحث کر کے بارادہ اثبات حیات مسیح ابن مریم ایک طولانی تقریر لکھی ہے اس لئے میرے پر بھی واجب ہوا کہ اظہار حق کی غرض سے اس کا جواب لکھوں۔

سو پہلے میں صفائی بیان کے لئے اس قدر لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جیسا کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کا خیال ہے، یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بارثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ دعوی کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی کی وفات یا حیات کی نسبت جھگڑا ہو تو مدعی اس کو قرار دیا جائے گا جو امور مسلّمہ فریقین کو چھوڑ کر ایک نئی بات کا دعوی کرے۔ مثلاً یہ بات فریقین میں مسلّم ہے کہ عام قانون قدرت خدا تعالی کا یہی جاری ہے کہ اس عمر طبعی کے اندر اندر جو انسانوں کیلئے مقرر ہے ہر ایک انسان مرجاتا ہے اور خدا تعالی نے بھی قرآن کریم کے کئی مواضع میں اس بات کو بتصریح بیان کیا ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

و منکم من یتوفّی و منکم من یردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً۔ (الحج ۔ ۵) یعنی تم پر دو ہی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض تم میں سے قبل از پیرانہ سالی فوت ہوجاتے ہیں اور بعض ارذل عمر تک پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ صاحب علم ہونے کے بعد محض نادان ہوجاتے ہیں۔

اب اگر خلاف اس نصّ صریح کے کسی کی نسبت یہ دعوی کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ عمر طبعی سے صدہا حصے زیادہ اس پر زمانہ گذر گیا مگر وہ نہ مرا، اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ ایک ذرہ امتداد زمانہ نے اس پر اثر کیا، تو ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا اس شخص کے ذمہ ثبوت ہوگا جو ایسا دعوی کرتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے تو کسی جگہ انسانوں کے لئے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں جو معمولی انسانی عمر سے صدہا درجہ زیادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زمانہ ان پر اثر کر کے ان کو

ارذل عمر تک نہیں پہنچا تا اور ننکّسه فی الخلق کا مصداق نہیں ٹھہرا تا۔ پس جب کہ یہ عقیدہ ہمارے آقا و مولی کی عام تعلیم سے صریح مخالف ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اس کا مدعی ہو، ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ غرض حسب تعلیم قرآنی عمر طبعی کے اندر اندر مر جانا اور زمانہ کے اثر سے مختلف حصوں میں گونا گوں تغیرات کا لحاظ ہونا، یہاں تک کہ بشرط زندگی ارذل عمر تک پہنچنا، یہ ایک فطرتی اور اصلی امر ہے، جو انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے جس کے بیان میں قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ سو جو شخص اس اصلی امر کے مخالف کسی کی نسبت دعوی کرتا ہے اثبات دعوی اس کے ذمہ ہے۔ مثلاً زید جو تین سو برس سے مفقود الخبر ہے اس کی نسبت دو شخصوں کی کسی قاضی کی عدالت میں یہ بحث ہو کہ ایک اس کی نسبت یہ بیان کرتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور دوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ اب تک زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی ثبوت اس سے طلب کرے گا جو خوارق عادت زندگی کا قائل ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو شرعی عدالتوں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اب ہمارے اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ دراصل ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وفات جو ہر یک انسان کے لئے حد مقررہ فطرت تک ایک طبعی امر ہے اس کا ثبوت دیں بلکہ ہمارے فریق مخالف کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ ایک شخص حد مقررہ فطرۃ اللہ تک فوت نہیں ہوا، بلکہ دراصل اب تک زندہ ہے اور صدہا برس کے مرور زمانہ نے اس پر ذرہ اثر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کئی انبیاء وغیرہ کا ذکر کر کے ان کی موت کا کچھ بیان نہیں کیا، تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ بلکہ زندگی کسی کی جب ہی ثابت ہو گی کہ جب زندگی کا ثبوت دیا جائے گا ورنہ موت و حیات کے ترکِ ذکر سے موت ہی سمجھی جائے گی۔

اب جب کہ یہ بات فیصلہ پا چکی ہے کہ ہمارے ذمہ یہ بار ثبوت نہیں کہ مسیح ابن مریم جو اوروں کی طرح انسان تھا، وہ کیوں اور انسانوں کی طرح عمر طبعی کے دائرے کے اندر اندر فوت ہو گیا، بلکہ حضرت مولوی صاحب کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ مسیح ابن مریم انسان ہو کر اور تمام انسانوں کے خواص اپنے اندر رکھ کر اب تک برخلاف نصوص عامہ قرآنیہ وحدیثیہ وبرخلاف قانون فطرت مرنے سے بچا ہوا ہے اور زمانہ نے اس پر اثر کر کے ارذل عمر تک بھی نہیں پہنچایا۔ تو اب دیکھنا چاہیے کہ مولوی صاحب نے اس

بارہ میں کیا ثبوت دیا ہے اور کن آیات قطعیۃ الدلالۃ اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کے کھلے کھلے منطوق سے اس عظیم الشان دعوی کو بپایہ ثبوت پہنچایا ہے۔

سو واضح ہو کہ مولوی صاحب نے سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سورۃ نساء کی یہ آیت کہ و ان من اهل الكتاب الّا ليؤمننّ به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً۔ حضرت مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی پر شاہد ناطق ہے اور چونکہ حضرت مولوی صاحب کے دل میں یہ دھڑ کا تھا کہ یہ آیت تو ذوالوجوہ ہے اور تمام مفسر کئی کئی معنے اس کے کر گئے ہیں اور کسی مبسوط تفسیر میں اس کو ایک ہی معنی میں محدود نہیں رکھا گیا، لہذا حضرت مولویصاحب نے اس کو قطعیۃ الدلالت بنانے کے لئے بہت سی کوشش کی ہے اور پوری جانفشانی سے ناخنوں تک زور لگایا ہے لیکن افسوس کہ وہ اس قصد میں ناکام رہے اور قطعیۃ الدلالت نہ بنا سکے بلکہ اور بھی شبہات ڈال دیئے۔

مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا قطعیۃ الدلالت ہو جائے، یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ ليؤمننّ میں نون تاکید ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کے لئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر کئی ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال کے لئے ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس تفتیش میں ناحق وقت ضائع کیا کیونکہ اگر فرض کے طور پر یہ مان لیا جائے کہ آیت موصوفہ میں لفظ ليؤ منن ّ استقبال کے ہی معنی رکھتا ہے پھر بھی کیونکر یہ آیت مسیح کی زندگی پر قطعی الدلالۃ ہو سکتی ہے۔ کیا استقبالی طور پر یہ دوسرے معنی بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے کیونکہ آیت اپنے نزول کے بعد کے زمانہ کی خبر دیتی ہے بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے۔ اس واسطے کہ دوسری قرأت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے الّا ليؤ منن ّ به قبل موتهم جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح ابن مریم پر ایمان لے آویں گے۔ اب دیکھئے کہ قبل موته کی ضمیر جو آپ حضرت مسیح کی طرف پھیرتے تھے، دوسری قرأت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت

مسیح کی طرف نہیں بلکہ اہل کتاب فرقہ کی طرف پھرتی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ قرأت غیر متواترہ بھی حکم حدیث احاد کا رکھتی ہے،اور آیات کے معنوں کے وقت ایسے معنی زیادہ تر قبول کے لائق ہیں جو دوسری قرأت کے مخالف نہ ہوں۔آپ ہی انصاف فرمایئے کہ یہ آیت جسکی دوسری قرأت آپکے خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے کیونکر قطعیۃ الدلالت ٹھہر سکتی ہے۔

ماسوا اس کے آپ نے جو نون ثقیلہ کا قاعدہ پیش کیا ہے وہ سراسر مخدوش اور باطل ہے۔ حضرت! ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام میں نون ثقیلہ کے ملانے سے مضارع استقبال نہیں بن سکتا۔قرآن کریم کے لئے قرآن کریم کی نظیریں کافی ہیں۔اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ قرآن کریم کے مضارعات پر جب نون ثقیلہ ملا ہے،تو وہ استقبال کے معنوں پر مستعمل ہوئے ہیں،لیکن بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنی قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشترا کی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کی طرح مراد لئے گئے ہیں۔یعنی ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہاء تک بلاانقطاع برابر چلا گیا۔پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

ولنولّینّک قبلةً ترضا ھا فولِّ وجھک شطر المسجدِ الحرا م۔اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال ہی مراد ہے کیونکہ بمجرد نزول آیت کے بغیر توقف اور تراخی کے خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوگیا یہاں تک کہ نماز میں ہی منہ پھیر دیا گیا۔ اگر یہ حال نہیں تو پھر حال کس کو کہتے ہیں۔استقبال تو اس صورت میں ہوتا کہ خبر اور ظہور خبر میں کچھ فاصلہ بھی ہوتا۔سو آیت کے یہ معنی ہیں کہ ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں جس پر تو راضی ہے،سو تو مسجد حرام کی طرف منہ کر۔

اور ایسا ہی یہ آیت و انظر الی الھک الّذی ظلت علیه عا کفاً لنحرّ قنه ۔الخ، یعنی اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف تھا کہ اب ہم اس کو جلاتے ہیں۔

اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر بعد زمان کا ہونا شرط ہے۔مثلاً اگر کوئی کسی کو یہ کہے کہ میں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں،سو لے مجھ سے دس روپیہ،تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ اس نے استقبال کا وعدہ کیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کاروائی حال میں ہی ہوئی۔

اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر اشترا کی طور پر مشتمل ہیں، ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں:

پہلی یہ آیت والّذین جا ھدوا فینا لنھد ینّھم سبلنا۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور کریں گے ہم ان کو اپنی راہ دکھلا رہے ہیں اور دکھلائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرد استقبال مراد لیا جائے تو اس سے معنی فاسد ہو جائیں گے اور یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وعدہ صرف آیندہ کے لئے ہے اور حال میں جو لوگ مجاہدہ میں مشغول ہیں یا پہلے مجاہدات بجا لا چکے ہیں وہ خدا تعالی کی راہوں سے بے نصیب ہیں۔ بلکہ اس آیت میں عادت مستمرہ جاریہ دائرہ میں ازمنہ ثلاثہ کا بیان ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری یہی عادت ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں بلکہ سنت مستمرہ دائرہ سائرہ کا بیان ہے جس کے اثر سے کوئی زمانہ باہر نہیں۔

دوسری یہ آیت کتب اللّٰہ لاغلبنّ انا و رسلی یعنی خدا مقرر کر چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوتے رہیں گے۔

یہ آیت بھی ہر ایک زمانہ میں دائر اور عادت مستمرہ الہیہ کا بیان کر رہی ہے، یہ نہیں کہ آئندہ رسول پیدا ہوں گے اور خدا انہیں غالب کریگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ ہو حال یا استقبال یا گزشتہ ،سنت اللہ یہی ہے کہ رسول آخر کار غالب ہی ہو جاتے ہیں

تیسری آیت یہ ہے:

من عمل صالحاً مّن ذکرٍ او انثی و ھو مؤمن فلنحیینّہ حیوۃً طیّبۃً و لنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (النحل ۔ ۹۷) یعنی ہماری یہی عادت اور یہی سنت ہے کہ جو شخص عمل صالح بجا لاوے، مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن ہو، ہم اس کو ایک پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھا کرتے ہیں اور اس سے بہتر جزا دیا کرتے ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔

اب اگر اس آیت کو صرف زمانہ مستقبلہ سے وابستہ کر دیا جائے تو گویا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گذشتہ اور حال میں تو نہیں مگر آئندہ اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کو یہ جزا دی جائے گی۔ اس طور کے معنوں سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالی نے آیت کے نزول

کے وقت تک کسی کو حیات طیبہ عنایت نہیں کی تھی ۔ فقط یہ آئندہ کے لئے وعدہ تھا۔لیکن جس قدران معنوں میں فساد ہے وہ کسی عقل مند پر مخفی نہیں ۔

چوتھی آیت یہ ہے و لینصرنّ اللّٰہ من یّنصرہ انّ اللّٰہ لقویّ عزیز ۔ (حج ۔ ۴۰)یعنی وہ جو خدا تعالی کی مدد کرتا ہے خدا تعالی اس کی مدد کرتا ہے ۔

اب حضرت دیکھئے آیت کے لفظ لینصرنّ کے آخر میں نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس آیت کے یہ معنی کریں کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کوئی ہماری مدد کرے گا تو ہم اس کی مدد کریں گے تو یہ معنی بالکل فاسد اور خلاف سنت مستمرہ الہیہ ٹھہریں گے کیونکہ اللہ جل شانہ کی قدیم سے اور اسی زمانہ سے کہ جب بنی آدم پیدا ہوئے یہی سنت مستمرہ ہے کہ وہ مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے ۔ یوں کیونکر کہا جائے کہ پہلے تو نہیں مگر آئندہ کسی نامعلوم زمانہ میں اس قاعدہ کا پابند ہو جائے گا اور اب تک تو صرف وعدہ ہی ہے عمل درآمد نہیں ۔ سبحانہ ھذا بہتان عظیم

پانچویں آیت یہ ہے والّذین آمنوا وعملوا الصّالحات لندخلنّھم فی الصّالحین ۔ (عنکبوت ۔ ۹)۔ یعنی ہماری یہی سنت مستمرہ قدیمہ ہے کہ جولوگ ایمان لاویں اور عمل صالح کریں، ہم ان کو صالحین میں داخل کرلیا کرتے ہیں ۔

اب حضرت مولوی صاحب دیکھئے کہ لندخلنّھم میں نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس جگہ آپ کی طرز پر معنی کئے جائیں تو اس قدر فساد لازم آتا ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یہ قاعدہ آئندہ کے لئے باندھا گیا ہے اور اب تک کوئی نیک اعمال بجا لاکر صلحاء میں داخل نہیں کیا گیا۔ گویا آئندہ کے لئے گنہ گار لوگوں کی توبہ منظور ہے اور پہلے اس سے دروازہ بند رہا ہے ۔ سو آپ سوچیں کہ ایسے معنی کرنا کس قدر مفاسد کا مستلزم ہے ۔ حضرت! قرآن کریم میں اس کے بہت نمونے ہیں کہ نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع کو بیان کر کے ازمنہ ثلاثہ اس سے مراد کئے گئے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے انکار کر کے بحث کو طول نہیں دیں گے کیونکہ یہ تو اجلی بدیہات میں سے ہے، انکار کی کوئی جگہ نہیں ۔

اب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ مخواہ اور ہر ایک جگہ خالص طور پر استقبال کے معنی ہی ہوا کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ

تمام مفسر قدیم و جدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمنن ّ کے لفظ میں حال کے معنی بھی کرتے ہیں۔ معالم وغیرہ تفسیریں آپ کو معلوم ہیں حاجت بیان کی نہیں۔ وہ لوگ بھی تو آخر قواعد دان اور علم ادب اور محاورہ عرب سے واقف تھے۔ کیا وہ آپ کے اس قاعدہ سے بے خبر رہے۔ اور آپ نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسی ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد اس پر ایمان نہیں لاوے گا۔ یہ بیان آپ کے لئے کچھ مفید نہیں۔ اول تو آپ سے آیات قطعیۃ الدلالت اور احادیث صحیحہ مرفوعہ کا مطالبہ ہے اور پھر اس قول کو ما نحن فیہ سے تعلق کیا ہے، نزول سے کہاں سمجھا جاتا ہے جو آسمان سے نزول ہو۔ خدا تعالی نے فرمایا ہے انزلنا الحدید کہ ہم نے لوہا اتارا۔ ہم نے لباس اتارا۔ ہم نے چارپائے گھوڑے گدھے وغیرہ اتارے۔ کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ یہ سب آسمان سے ہی اترے تھے۔ کیا کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب درحقیقت آسمان سے ہی اترے ہیں۔ پھر ہم نے تسلیم کیا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں نزول کا لفظ آیا ہے مگر حضرت میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس لفظ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مسافر کے طور پر جو شخص دوسری جگہ جاتا ہے اس کو بھی نزیل ہی کہتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیات موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں، اٹھا نہیں سکے، بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کیا۔ آپ کے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور لیؤمنن ّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی۔ اب فرض کے طور اگر آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ حضرت عیسے کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنی کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے نزول کے بعد ہزار ہا لوگ کفر کی حالت میں مریں گے۔ اب اگر آپ ان کفار کو جو کفر پر مرگئے، مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوی پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے۔ حدیث میں تو صرف کفر پر مرنا ان کا لکھا ہے۔ یہ آپ نے کہاں سے اور کس جگہ سے نکال لیا کہ کفر پر تو مریں گے مگر ان کو حضرت عیسی کی

رسالت پر یقین ہوگا۔ کس نص قرآن یا حدیث سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایمان سے مراد حقیقی ایمان نہیں بلکہ یقین مراد ہے۔ ظاہر لفظ ایمان کا حقیقی ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ اور صرف عن الظاهر کیلئے کوئی قرینہ آپ کے پاس چاہیے۔ جب کہ لفظ آیت میں یہ شبہات ہیں تو پھر آیت قطعی الدلالت کیونکر ہوگی۔ اگر آپ لیؤمننّ سے بغیر کسی قرینہ کے مجازی ایمان مراد لیں گے تو آپ کے مخالف کا حق ہوگا کہ وہ حقیقی معنی مراد لیوے۔ آپ کو سوچنا چاہیے کہ ایسے ایمان سے فائدہ ہی کیا ہے اور مسیح کی خصوصیت کیا ٹھہری۔ ایسا تو ہر ایک نبی کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے کہ بدبخت لوگ زبان سے اس کے منکر ہوتے ہیں اور دل سے یقین کر جاتے ہیں۔ حضرت موسی کی نسبت اللہ جل شانہ فرماتا ہے و جحدوا بها واستيقنتها انفسهم (النمل ۔ ۱۴) یعنی انہوں نے موسی کے نشانوں کا انکار کیا لیکن ان کے دل یقین کر گئے۔ اور ہمارے سید و مولا نبی ﷺ کی نسبت فرماتا ہے یعرفونه كما يعرفون ابناء هم یعنی کافر لوگ جو اہل کتاب ہیں، ایسے یقینی طور پر اس کو شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ پس اگر ایمان سے مراد ایسا ہی ایمان ہے جو و جحدوا بها واستيقنتها انفسهم کا مصداق ہے تو پھر ہمارے علماء نے کیوں شور مچا رکھا ہے کہ اس وقت اسلام ہی اسلام ہو جائے گا۔ بلاشبہ قرآن شریف کا یہ منشاء نہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تاویل کو خود رکیک سمجھ کر اسی وجہ سے دوسرا جواب دیا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اس زمانہ کے اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اس زمانہ سے پہلے کفر پر مرنے والے کفر پر مریں گے۔ اب حضرت آپ انصافاً فرماویں کہ ان معنوں سے جو آیت لیومننّ کی نسبت آپ بیان فرماتے ہیں موافقت ہے یا مخالفت۔ ابھی آپ قبول فرما چکے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اب آپ نے اس قبول کردہ بات سے رجوع کر کے یہ نئے معنی نکالے کہ نزول کے بعد ضروری نہیں کہ تمام کفار ایمان لے آویں بلکہ بہتیرے کفر پر بھی مریں گے۔ حضرت! آپ اس جگہ خود سوچیں کہ ان کا حرف کل اہل کتاب کو ایمان داروں میں شامل کرتا ہے یا کسی کو باہر رکھتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان کا لفظ تو ایسا کامل حصر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے

تو یہ لفظ بے کار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے۔ اول، تو آپ نے ان کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر رکھا پھر آپ نے زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا۔ تو پھر اس لفظ لانے کا فائدہ کیا تھا اور یہ تاویلیں آپ کو کسی حدیث یا آیت سے ملیں یا حضرت کا اپنا ہی ایجاد ہے۔

یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں شاید خدا تعالیٰ انہیں کا اثر آپ کے دل پر ڈالے اللہ جل شانہ فرماتا ہے یا عیسی انی متوفّیک و رافعک الی و مطھّرک من الّذین کفروا وجاعل الذ ین اتبعوک فو ق الذین کفروا الی یوم القیا مۃ (آل عمران۔ ۵۵) اب دیکھئے کہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار کے باقی رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ درمیان میں کوئی ایسا زمانہ بھی آوے کہ کفار بالکل زمین پر سے نابود ہو جائیں۔ پھر اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

فاغرینا بینھم العداوۃ و البغضاء الی یوم القیا مۃ (مائدہ۔ ۱۴) یعنی قیامت کے دن تک ہم نے یہود و نصاری میں عداوت ڈال دی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت سے پہلے بھی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جائے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی۔ حضرت ان نصوص صریحہ بینہ سے تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفر کو اختیار کرنے والے قیامت کے دن تک رہیں گے۔ پھر اس کے یہ معنی کیوں کر ٹھہر سکتے ہیں۔ کچھ سوچ کر جواب دیں۔

دوسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ

یکلّم النّا س فی المھد و کہلا (ال عمران۔ ۴۶) اور آپ کہل کے لفظ سے درمیانی عمر کا آدمی مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کہل کے معنی جوان مضبوط کے لکھے ہیں اور یہی معنی قاموس اور تفسیر کشاف وغیرہ میں موجود ہیں، اور سیاق وسباق آیات کا بھی انہی معنوں کو چاہتا ہے کیونکہ اللہ جل شانہ کا اس کلام سے مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم نے خوردسالی کے زمانہ میں کلام کر کے اپنے نبی ہونے کا اظہار کیا پھر ایسا ہی جوانی میں بھر کر اور مبعوث ہو کر اپنی نبوت کا اظہار کرے گا۔ سو کلام سے مراد وہ خاص کلام

ہے جو حضرت مسیح نے ان یہودیوں سے کیا تھا جو یہ الزام ان کی والدہ پر لگاتے تھے اور جمع ہو کر آئے تھے کہ اے مریم تو نے یہ کیا کام کیا۔ پس یہی معنی منشاء کلام الٰہی کے مطابق ہیں اگر ادھیڑ عمر کے زمانہ کا کلام مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ آیت نعوذ باللہ لغو ٹھہرتی، گویا اس کے یہ معنے ہوتے کہ مسیح نے خوردسالی میں کلام کی اور پھر پیرانہ سالی کے قریب پہنچ کر کلام کرے گا اور درمیان کی عمر میں بے زبان رہے گا۔ مطلب تو صرف اتنا تھا کہ دومرتبہ اپنی نبوت پر گواہی دے گا۔ منصف کے لئے ایک بخاری کا دیکھنا ہی کافی ہے۔ پھر جس حالت میں آپ خود مانتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں اور جس آیت کا سہارا اس کو دیا گیا تھا وہ آپ کی مخالف ثابت ہوگئی تو پھر یہ آیت جو خود آپ کے اقرار سے قطعیۃ الدلالت نہیں کیا فائدہ آپ کو پہنچا سکتی ہے۔

تیسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ سورہ نساء میں ہے وما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ وکان اللّٰہ عزیزاً حکیماً (نساء۔ ۱۵۷۔۱۵۸)۔

آپ اس میں بھی قبول کرتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں مگر باوجود اس کے آپ کے دل میں یہ خیال ہے کہ اس رفع سے رفع مع الجسد مراد ہے، کیونکہ ما قتلوہ وما صلبوہ کے ضمیر کا مرجع بھی روح مع الجسد ہے۔ لیکن حضرت آپ کی یہ سخت غلطی ہے۔ نفی قتل اور نفی مصلوبیت سے تو صرف یہ مدعا اللہ جل شانہ کا ہے کہ مسیح کو اللہ جل شانہ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ اس وعدہ کے ایفاء کی طرف اشارہ ہے جو دوسری آیت میں ہو چکا ہے اور اس آیت کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھنے کے لئے اس آیت کو بغور پڑھنا چاہیے جس میں رفع کا وعدہ ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے:

یا عیسی انی متوفّیک ورافعک الیّ۔ حضرت اس رافعک الیّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا تھا یہ وہی وعدہ ہے جو آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ میں پورا کیا گیا۔ اب آپ وعدہ کی آیت پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ اسکے پہلے کون لفظ موجود ہیں، تو فی الفور آپ کو نظر آجائے گا کہ اس سے پہلے انی متوفّیک ہے۔ اب ان دونوں آیتوں کے ملانے سے جن میں سے ایک وعدہ کی آیت اور ایک ایفاء وعدہ کی آیت ہے آپ پر کھل جائے گا کہ جس طرز سے وعدہ تھا، اسی طرز سے وہ پورا ہونا چاہیے تھا۔ یعنی

وعدہ یہ تھا کہ اے عیسی میں تجھے مارنے والہ ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والہ ہوں ۔اس سے صاف کھل گیا کہ ان کی روح اٹھائی گئی ہے کیونکہ موت کے بعد روح ہی اٹھائی جاتی ہے نہ کہ جسم ۔خدا تعالی نے اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ میں تجھے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں بلکہ یہ کہا کہ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور جو لوگ موت کے ذریعہ سے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں ، اس قسم کے الفاظ ان کے حق میں بولے جاتے ہیں کہ وہ خدا تعالی کی طرف اٹھائے گئے یا خدا تعالی کی طرف رجوع کر گئے جیسا کہ اس آیت میں ہے ۔ یا ایتھا النّفس المطمئنّہ ارجعی الی ربّک راضیۃً مّرضیۃً ۔فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی (فجر ۔۲۷ ۔۳۰)

اور جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے انا للہ و انا الیہ راجعون

چوتھی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے

و انّہ لعلم للسّاعۃ فلا تمترن بہا (زخرف ۔ ۶۱) اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپ کے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے لیکن میں آپ کو محض للہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیح کے دوبارہ نزول سے شکی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں بات یہ ہے کہ مسیح کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھے پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا کہ ان کو سمجھانے کے لئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی اور یہ ان کے لئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ دوسری آیت میں فرماتا ہے و لنجعلہ آیۃً للنّاس ۔(مریم ۔ ۲۱)۔ اس جگہ النّاس سے مراد ہی صدوقی فرقہ ہے جو اس زمانہ میں بکثرت موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہ فرقہ مردوں کے جی اٹھنے سے بکلی منکر ہو گیا تھا۔اب تک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیح اپنی ولادت کی رو سے بطور علم الساعۃ کے ان کے لئے آیا تھا۔اب دیکھئے اس آیت کو نزولِ مسیح سے تعلق کیا ہے ۔اور آپ کو معلوم ہے کہ مفسرین نے کس قدر جدا جدا طور پر اس کے معنے لکھے ہیں ۔ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر انّہ کی پھیر دی ہے کیونکہ قرآن کریم سے روحانی طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ مخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کیلئے جو آنخضرت ﷺ

کے عہد میں تھے، نشان قیامت ٹھہرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہوگا اور جن کو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا، تم باوجود اپنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے؟ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں پھر یہ کہنا کس قدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ۔ شک مت کرو ہم نے دلیل قیامت کے آنے کی بیان کر دی

دلیل پنجم آپ نے بیان فرمائی ہے کہ حدیث بخاری و مسلم میں مسیح کے نزول کے بارے میں لکھا ہے اور ابو ہریرہ نے اس تقریب پر فرمایا ہے:

فاقرء وا ان شئتم و ان من اهل الكتاب... الخ۔

حضرت! یہ کچھ دلیل نہیں۔ نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے اور فہم ابو ہریرہ حجت کے لائق نہیں اور ابو ہریرہ نے فاقرأوا ان شئتم میں شک کا لفظ استعمال کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ وہی صحابی ہیں جو حدیث دخول فی النار کو سن کو اس دھوکہ میں پڑے رہے جو ہم میں سے سب سے آخر مرنے والا دوزخ میں پڑے گا، پیش گوئی کو اجتہادی طور پر سمجھنے میں انبیاء نے بھی غلطی کھائی۔ فذهب وهلی کی حدیث آپ کو یاد ہوگی، پھر ابو ہریرہؓ نے اگر غلطی سے پیش گوئی کے الٹے معنی سمجھ لئے تو کیا حجت ہو سکتی ہے۔

پھر آپ ابن کثیر سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حسن سے روایت ہے کہ ان عيسى لم يمت و انه راجع اليكم یہ حدیث مرسل ہے پھر کیونکر قطعیۃ الدلالت ہوگی ماسوا اس کے یہ بخاری کی حدیث مرفوع متصل سے جو حضرت عیسی کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے پھر کیونکر سند کے لائق ہے۔

بعد اس کے آپ نے میرے دلائل وفات مسیح پر جرح کیا ہے۔ یہ جرح سراسر آپ کی عدم توجہ پر دلالت کری ہے میں اس وقت ایسے دلائل پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کے دلائل حیات مسیح کا فیصلہ کر کے پھر پیش کرونگا۔

(غلام احمد قادیانی)



محمد بشیر سہسوانی کا دوسرا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم -- امابعد

واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنی تحریر میں نہیں دیا ہے ناظرین کو مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا اور اصل اور عمدہ بحث خاکسار کی تحریر میں نون تاکید کی ہے۔ جناب مرزا صاحب نے اس کے جواب میں نہ کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ ان عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں، کچھ جرح کی۔فقط۔

اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل حیات مسیحؑ پر آیت اولی ہے میرے نزدیک یہ آیت اس مطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی ہے۔ دوسری آیات محض تائید کے لئے لکھی گئی ہیں۔ جناب مرزا صاحب کو چاہیے کہ اصل بحث، آیت اولی کی رکھیں دوسری ابحاث کو تبعی واسطرادی تصور فرمائیں۔فقط۔

قولہ (قادیانی)۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بار ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو۔

اقول (محمد بشیر)۔اس میں کلام ہے بچند وجوہ:

اول۔ یہ کہ جب حسب ارشاد آپ کے بار ثبوت حیات خود خاکسار نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، تو اب یہ بحث بے فائدہ ہے۔

دوم۔ بار ثبوت وفات کا آپ کے ذمہ نہ ہونا خاکسار کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ آپ نے توضیح مرام میں دعوی کیا ہے کہ مسیحؑ دنیا میں نہ آویں گے اور جو دلیل اس پر پیش کی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے اور جو کوئی وفات پا چکتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو جنت میں جاتا ہے وہ جنت سے نکالا نہیں جاتا۔ پس یہ دلیل متضمن تین مقدموں کو ہے اور دلیل کے ہر مقدمہ کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔

سوم۔آپ نے اپنے خط موسومہ مولوی محمد حسین صاحب نمبر۱۲ میں لکھا ہے۔

جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصل امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام یہ ہے کہ مسیح

ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو (اے مرزا) آیا ہے۔ سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔

پس وفات مسیح ابن مریم آپ کا مستقل دعوی ہے۔ اس لئے بار ثبوت وفات آپ کے ذمہ ہے۔ بالجملہ بار ثبوت وفات دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے۔ ایک اس حیثیت سے کہ یہ اصل دعوی آپ کا ہے۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ مسیح موعود ہونے کے دعوی کی دلیل کا یہ ایک مقدمہ ہے۔

چہارم۔ اگر بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے تو یہ کام عبث آپ نے کیوں کیا کہ آپ نے ادلّہ وفات مسیح توضیح مرام و ازالہ اوہام میں بہ بسط تمام بیان کئے۔

قولہ (قادیانی)۔ مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا قطعیۃ الدلالت ہو جاوے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ لیؤمننّ میں نون تاکید ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔ اس قاعدہ کو جدید کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ اگر مرزا صاحب میری ہی تحریر کو غور سے پڑھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ ازہری اور ملا جامی اور عبدالحکیم اور صاحب مغنی اور شیخ زادہ نے اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اور سب کتب نحو میں یہ قاعدہ مرقوم ہے۔ کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ میزان خواں اطفال بھی جانتے ہیں کہ نون تاکید مضارع کو بہ معنی استقبال کر دیتا ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کے لئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال ہو گیا ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔ خاکسار کی اصل دلیل اتفاق آئمہ نحات کا ہے اس قاعدہ پر، اس کا جواب مرزا صاحب نے مطلق نہیں دیا۔ ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کے لئے البتہ لکھی گئی ہیں۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس قاعدہ کو توڑنے کے لئے کوئی عبارت کسی کتاب معتبر نحو کی پیش کریں۔

قولہ (قادیانی)۔ کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل

کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔

اقول (محمد بشیر)۔مخفی نہ رہے کہ اس معنی کا مناط اس پر ہے کہ احتضار کے وقت ہر شخص پر وہ حق کھل جاتا ہے جس کو وہ نہ جانتا تھا، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور یہ امر نفس الامر میں تینوں زمانوں کو شامل ہے یعنی نزول آیت کے قبل کا زمانہ اور وقت نزول کا زمانہ اور بعد کا زمانہ ۔اب آیت اگر خالص استقبال کے لئے کیجئے گا، تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ امر زمانہ حال کو شامل نہیں ہے اور یہ خلاف نفس الامر ہے۔ پس اس کلام میں یہ عیب ہوا کہ خلاف نفس الامر کا موہم ہے اور فائدہ کوئی نہیں ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس آیت میں وعید ہے اہل کتاب کے لئے اور تحریض ہے ان کو ایمان پر قبل اس کے کہ مضطر ہوں اس کی طرف، جیسا کہ بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے اور اس وعید و تحریص سے وہی اہل کتاب منتفع ہو سکتے ہیں جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں، نہ وہ جو پہلے مر چکے اور نہ وہ جو وقت نزول کے زہوق روح کی حالت میں تھے۔اس فائدہ کے لئے تخصیص استقبال کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ اختیار جاتا جو تینوں زمانوں کو شامل ہوتا تو یہی وعید و تحریض ان اہل کتاب کی حاصل ہوتی جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں ۔اور خلاف نفس الامر کا بھی موہم نہ ہوتا ۔یعنی بجائے لیؤمننّ کے لفظ یؤ من اختیار کیا جاتا۔یعنی یوں کہا جاتا

وان من اهل الکتاب الّا لیؤمن به قبل موته ۔

یہ عبارت ایسی عمدہ ہے کہ اس میں وعید و تحریض جو مطلوب ہے، وہ بھی حاصل ہے اور موہم خلاف نفس الامر بھی نہیں ہے اور اختصار بھی حاصل ہے یعنی لام و نون نہیں ۔ پس قرآن مجید کی بلاغت جو حدّ اعجاز کو پہنچ گئی ہے خلاف ہے کہ ایسی عبارت کو چھوڑ کر بجائے اس کے لیؤمننّ اختیار کیا جاوے کہ جس میں ایہام خلاف نفس الامر ہے اور اطناب بلافائدہ اور یہ سب محذور خالص معنی استقبال پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

محصل کلام اس مقام پر یہ ہے کہ معنی دوم آیت کے بہر تقدیر باطل ہیں۔اگر خالص استقبال پر محمول کیجئے تو کلام الٰہی جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ چکا ہے بلاغت سے گرایا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔

قولہ (قادیانی) ۔ بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قرأت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے الا لیومننّ بہ قبل موتھم

اقول (محمد بشیر) ۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ:

اول یہ کہ اس قرأت کی بنا پر بھی معنی دوم صحیح نہیں ہوتے ہیں کیونکہ لیؤمننّ کو یا تو خالص استقبال پر محمول کیا جائے گا، تو کلام حق تعالی جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ گیا ہے، بلاغت سے نازل ہو جاتا ہے ۔اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے ۔

دوم یہ کہ یہ قرأت ہمارے معنی کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس قرأت پر یہ معنی ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لاوے گا اور یہ معنی ، معنی اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ۔ اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسے علیہ السلام مراد لیا جاوے ۔

سوم ۔ یہ کہ یہ قرأت غیر متواترہ ہے اور قرأت غیر متواترہ عموماً قابل احتجاج نہیں ہے ۔ بلکہ جب بسند صحیح متصل منقول ہو ۔ اور یہاں سند متصل صحیح اس کی مرزا صاحب نے تحریر نہیں فرمائی ۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس کی سند بیان فرماویں اور اس کے سب رجال کی توثیق کریں ۔ و دونہ خرط القتاد ۔

چہارم ۔ یہ کہ مرزا صاحب نے قبل موتہ کی ضمیر توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میں ، جو الہامی ہیں، حضرت عیسیٰؑ کی طرف راجع کی ہے اور یہ قرأت اس خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے ۔ مرزا صاحب یہ تو خیال فرماویں کہ وہ معنی کہ جس کی تصحیح وتقویت کے وہ آپ درپئے ہیں اور یہ محض بغرض توڑنے دعوی اس خاکسار کے ہے وہ خود نفس الامر میں ان کے نزدیک غیر صحیح ہیں ۔ کیونکہ اس تقدیر پر استدلال ان کا موت مسیح پر آیت و ان من اھل الکتاب سے مطلق غیر صحیح ٹھہرتا ہے ۔ پس کیا یہی مقتضائے دیانت و انصاف ہے کہ جس چیز کو وہ خود نفس الامر میں غیر صحیح جانتے ہیں اس کو بمقابلہ خصم صحیح بنا دیں ۔ یہ تو مناظرہ نہ ہوا محض مجادلہ ٹھہرا ۔

قولہ (قادیانی) ۔ پہلی آیات کی نظیر یہ کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے ولنولّینّک قبلۃً ترضاھا فولّ وجھک شطرالمسجد الحرام (بقرہ ۔ ۱۴۴) اب ظاہر ہے

کہ اس جگہ حال مراد ہے۔

اقول (محمد بشیر) قرآن مجید میں فلنولّینّک ہے نہ ولنولّینّک جیسا کہ مرزا لکھتے ہیں۔ یہاں ارادہ حال محض غلط ہے بلکہ یہاں خالص مستقبل مراد ہے۔ بچند وجوہ:

اول یہ کہ بیضاوی میں مرقوم ہے: فولّ وجھک و اصرف وجھک شطر المسجد الحرام۔ و نحوہ عبدالحکیم و اصرف وجھک کے تحت میں لکھتے ہیں:

و لم یجعله من المتعدی الی المفعولین بان یّکون شطر مفعوله الثانی لان تربته بالفاء وکونه انجازا للوعد بان اللّه تعالی یجعل النّبیّ متقبلا القبلة او قریباً من سمتها بان یأمر بالصّلوة الیها یناسبه ان یکون النّبیّ ما موراً بصرف الوجه الیها لا بان یجعل نفسه مستقبلاً ایّاھا او قریباً من جھتها۔

اس عبارت میں صاف ظاہر ہے کہ حق تعالی نے اپنے قول فلو لّینّک میں وعدہ فرمایا۔ اور فولّ وجھک کے ساتھ اس کا انجاز کیا۔

دوم یہ کہ اگر یہاں حال مراد لیا جائے تو فلنو لّینک کے یہ معنی ہوں گے: پس البتہ پھیرتے ہیں ہم تجھ کو۔ اور پھیرنے سے یہ تو مراد ہی نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کے قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر قول اللہ تعالی کا فولّ وجھک زائد ولا طائل ہوگا۔

سوم۔ یہ کہ شاہ ولی اللہ، و شاہ رفیع الدین، و شاہ عبدالقادر نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنی مستقبل کیا ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہ کی یہ ہے:

پس متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔

لفظ شاہ رفیع الدین کا یہ ہے: پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کو کہ پسند کرے اسکو

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ یہ ہے: سو البتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہو

قولہ (قادیانی)۔ اور ایسا ہی یہ آیت و انظر الی الھک الّذی ظلت علیه عاکفاّ لنحرّقنّه (طه۔ ۹۷)

اقول (محمد بشیر) ارادہ حال اس آیت میں غلط ہے، بدو وجہ۔

اول یہ کہ آیت میں وعید ہے اور جس چیز کی وعید کی جاتی ہے وہ اس کے بعد متحقق ہوتی

ہے۔ پس استقبال یہاں متعین ہوا۔

دوم یہ کہ تراجم ثلاثہ سے معنی استقبال واضح ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ کی یہ ہے:

البتہ بسوزانیم آنرا پس پراگندہ سازیم آنرا۔

لفظ شاہ رفیع الدینؒ کا یہ ہے: ابھی جلادیں گے ہم اس کو پھر اڑا دیں گے ہم اس کو۔

لفظ شاہ عبدالقادرؒ کا یہ ہے: ہم اس کو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے۔

ان دونوں آیتوں میں جو مرزا صاحب نے حال کے معنی سمجھے تو منشاء غلط یہ معلوم ہوتا ہے کہ استقبال دو طرح کا ہوتا ہے، ایک استقبال قریب دوسرا استقبال بعید۔ مرزا صاحب استقبال قریب کو قرب کی وجہ سے حال سمجھ گئے ہیں۔

واضح ہو کہ آپ نے جو آیات مذکورہ میں سے بعض کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کیا ہے اس میں آپ متفرد ہیں اور محض اپنی رائے سے فرماتے ہیں یا سلف وخلف امت میں سے کسی نے یہ معنی کئے ہیں۔ بیّنوا توجروا

قولہ (قادیانی)۔ اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر استمرار کے طور پر مشتمل ہیں، ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ پہلی یہ آیت:

والّذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت۔ ۶۹)

اقول (محمد بشیر) اس میں کلام ہے بدو وجہ:

اول یہ کہ یہ امر مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتا ہے لیکن یہاں اس عادت کا بیان مقصود نہیں، مقصود بالذات صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب نے آیت و ان من اھل الکتاب کے معنی دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی، کی ہے حالانکہ اہل کتاب کا زہوق روح کے وقت ایمان لانا امر مستمر ہے خصوصیت کسی زمانہ کی اس میں نہیں۔

دوم یہ کہ تراجم ثلاثہ تعیین استقبال کرتے ہیں۔ لفظ شاہ ولی اللہؒ کا یہ ہے:

وآنانکہ جہاد کردند در راہ ما البتہ دلالت کنیم ایشاں را براہ ہائے خود

عبارت شاہ رفیع الدینؒ یہ ہے: اور جن لوگوں نے محنت کی بیچ راہ ہمارے کے البتہ دکھا دیں گے ہم ان کو راہیں اپنی۔

عبارت شاہ عبدالقادرؒ کی یہ ہے: اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ دوسری یہ آیت کتب اللّٰہ لا غلبنّ انا و رسلی۔

اقول (محمد بشیر) یہاں ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اور ارادہ استقبال متعین بدو وجہ۔

اول یہ کہ بیضاوی میں لکھا ہے کتب اللّٰہ فی اللّوح لاغلبنّ انا و رسلی بالحجّۃ۔ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا ہے اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ متصور نہیں ہے کیونکہ غلبہ کے لئے غالب و مغلوب ضروری ہے۔ اس وقت نہ رسل تھے نہ ان کی امت تھی۔ یہ سب بعد ان کے ہوئے ہیں۔

دوم۔ تراجم ثلاثہ استقبال پر دلالت کرتے ہیں لفظ شاہ ولی اللہؒ کا یہ ہے:

حکم کرد خدا البتہ غالب شوم من و غالب شوند پیغمبران من۔

لفظ شاہ رفیع الدینؒ کا یہ ہے:

لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آؤں گا میں اور پیغمبر میرے۔

لفظ شاہ عبدالقادرؒ کا یہ ہے:

اللہ لکھ چکا کہ میں زبر ہوں گا اور میرے رسول۔

قولہ (قادیانی)۔ تیسری آیت یہ ہے:

من عمل صالحاً من ذکر او انثی و ھو مؤمن فلنحیینّہ حیوۃً طیبۃً و لنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ (نحل۔ ۹۷)

اقول (محمد بشیر)۔ اس آیت میں بھی استقبال مراد ہے، بچند وجوہ:

اول یہ کہ یہ وعدہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے:

ھذا وعد من اللّٰہ تعالی فمن عمل صالحاً وھو العمل المتابع الکتاب اللّٰہ و سنّۃ نبیّہ ﷺ من ذکر او انثی من بنی آدم و قلبہ مؤمن باللّٰہ و رسولہ و ان ھذا العمل المعمور بہ مشروع من عند اللّٰہ بان یّحی اللّٰہ حیوۃً طیبۃً فی الدّنیا و ان یجزیہ با حسن ما عملہ فی الدار الآخرۃ۔ انتہی۔

اور جس کا وعدہ ہوتا ہے وہ چیز وعدہ کے بعد پائی جاتی ہے۔

دوم۔ تراجم ثلاثہ سے استقبال معلوم ہوتا ہے۔ لفظ شاہ ولی اللہؒ کا یہ ہے:

ہر کہ عمل نیک کرد مرد باشد یا زن واو مسلمان است ہرانیہ زندہ کنمش بزندگانی پاک۔

لفظ شاہ رفیع الدینؒ کا یہ ہے:

جو کوئی کرے اچھا مردوں سے یا عورتوں سے اور وہ ہو ایمان والہ، پس البتہ زندہ کریں گے ہم اس کو زندگی پاکیزہ۔

عبارت شاہ عبدالقادرؒ کی یہ ہے:

جس نے کیا نیک کام، مرد ہو یا عورت ہو، اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلادیں گے ایک اچھی زندگی۔

قولہ (قادیانی)۔ چوتھی آیت یہ ہے و لینصرنّ اللّٰہ من ینصرہ انّ اللّٰہ لقویّ عزیز (حج۔ ۴۰)

اقول (محمد بشیر) یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ:

اول یہ کہ یہ وعدہ مہاجرین وانصار سے ہے۔ قال البیضاوی و قد انجز وعدہ بان سلط المهاجرین والانصار علی صنادید العرب واکاسرۃ العجم و قیا صرتهم و اورثهم ارضهم و دیارهم۔ اور جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔

دوم یہ کہ تراجم ثلاثہ میں استقبال مصرح ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہؒ کی یہ ہے:

والبتہ نصرت خواہد داد خدا کسے را کہ قصد نصرت دین وے کند

لفظ شاہ رفیع الدینؒ کا یہ ہے:

اور البتہ مدد دیوے گا اللہ اس کو کہ مدد دیتا ہے اس کو۔

لفظ شاہ عبدالقادرؒ کا یہ ہے۔

اور اللہ مقرر مدد دے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔

قولہ (قادیانی)۔ پانچویں آیت یہ ہے والّذین آمنوا وعملوا الصّالحات لندخلنّهم فی الصّالحین (عنکبوت۔ ۹)

اقول (محمد بشیر) یہاں بھی مستقبل مراد ہے۔ بدو وجہ:

اول یہ کہ یہ وعدہ ہے اور جس چیز کا وعدہ دیا جاتا ہے وہ وقت وعدہ کی متحقق نہیں ہوتی ہے

بعد کو پائی جاتی ہے۔

دوم، تراجم ثلاثہ اس پر دال ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہؒ کی یہ ہے:

وآنانکہ ایمان آوردند کارہائے شائستہ کردند البتہ درآریم ایشاں را درزمرہء شائستگان۔

لفظ شاہ رفیع الدینؒ کا یہ ہے:

اور وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے البتہ داخل کرینگے ہم ان کو بیچ صالحوں کے

لفظ شاہ عبدالقادرؒ کا یہ ہے:

اور جولوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔

آپ کا محذور جب لازم آوے کہ یہ بیان ہو عادت کا، بلکہ یہ تو وعدہ ہے۔

قولہ (قادیانی)۔اب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ مخواہ اور ہر ایک جگہ خاص طور پر استقبال کے معنی ہی ہوا کرتے ہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ بالا معلوم ہوا کہ آپ نے جتنی آیتیں ذکر کی ہیں سب میں مراد صرف مستقبل ہے نہ حال اور نہ استمرار۔

قولہ (قادیانی)۔اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسرین قدیم وجدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمننّ کے لفظ کے حال کے معنی بھی کرتے ہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ان لوگوں کے کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں ہے، محتمل ہے کہ ان کی مراد استقبال ہو، جیسا کہ آپ خود اوپر لکھ چکے ہیں۔کیا استقبال کے طور پر دوسرے معنی بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے۔دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے۔اگر کوئی شبہ کرے کہ پھر اس دوسرے معنی کا ردّ قاعدہ مقررہ نحاۃ کے موافق کیسے ہوگا۔تو جواب یہ ہے کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقررہ کی بنا پر البتہ ردّ نہ ہوسکے گا بلکہ اس کا ردّ منوط ہوگا امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔یعنی یہ کہ اس صورت میں کلام الٰہی اعلیٰ درجہ بلاغت سے نازل ہوا جاتا ہے۔ فلیتأمّل فانّہ احری بالتأمّل۔

قولہ (قادیانی)۔اور آپ نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسیٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد اس پر ایمان نہیں لائے گا۔ یہ بیان آپ کے لئے کچھ مفید نہیں ...(الی قولہ)...اور پھر اس قول کو ما نحن

فیہ سے تعلق کیا ہے۔

اقول (محمد بشیر) اس مقام پر آپ نے میرے کلام کو غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ میرا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھے ہیں۔ میرا مطلب تو عبارت ابن کثیر کی نقل سے صرف اس قدر ہے کہ یہ معنی جو میں نے اختیار کئے ہیں اس طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے اور یہ امر میری تحریر میں مصرح ہے۔ چنداں غور کا بھی محتاج نہیں ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیت موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں، اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کر دیا۔

اقول (محمد بشیر) میرے ادلّہ کا قوی ہونا ابھی ثابت ہو چکا۔ پس یہ آپ کا فرمانا بجائے خود نہیں ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ آپ کے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا۔

اقول (محمد بشیر)۔ آپ نے نون ثقیلہ کے بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب ہباءً منبثاً ہو گیا

قولہ (قادیانی)۔ اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی۔

اقول (محمد بشیر)۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے تو اب تعمیم کہاں قائم رہی۔

قولہ (قادیانی)۔ اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنی لئے جاویں کہ حضرت عیسی کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنی کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ آپ نے اس معنی کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سے خطا کی ہے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیؑ کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے، سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیؑ کے نزول کے بعد اور ان کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہو گا کہ اس وقت کے اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے اور ابو مالکؒ کے کلام کا بھی یہی مطلب ہے ذرا غور

سے ملاحظہ فرمائیے۔

قولہ (قادیانی) ۔آپ تسلیم کر چکے ہیں...(الی قولہ).... پھر اس لفظ کے لانے سے فائدہ کیا ہے۔

اقول (محمد بشیر) حضرت من! اس مقام پر بھی آپ نے میرے مطلب پر مطلق غور نہیں کیا اس لئے میں پھر اس تقریر کا اعادہ کرتا ہوں ۔امید ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو سمجھ میں آجائے گا اور تسلیم بھی کر لیجئے گا۔

حاصل میری کلام کا یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کا جواب بدو طور ہے:

اول یہ کہ آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے نزول کے فوراً بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے بلکہ یہ کہ بعد نزول مسیح اور قبل موت مسیح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ میں سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے ۔پس احادیث صحیحہ اس کی منافی نہ ہوئیں کیونکہ جو کفار مسیح کے دم سے مرنے والے ہوں گے وہ پہلے مریں گے، باقی ماندہ سب ایمان لے آویں گے۔

دوم یہ کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی ۔اس تقدیر پر بھی احادیث صحیحہ آیت کے اس معنی کے معارض نہیں ٹھہرتی ہیں ۔الحاصل مقصود دفع تعارض ہے جو آپ نے آیت کے معنی اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہے۔آپ معلوم نہیں کہ کہاں سے کہاں چلے گئے ۔غور کر کے جواب لکھا کیجئے ۔اب انصاف سے غور فرمائیے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ ان کا لفظ تو ایسا کامل حصر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو لفظ بے کار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے، کیسا بے محل ہے کیونکہ جس زمانہ کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے اس کی نسبت پورا حصر ہے اور ایسا ہی یہ فرمانا کہ اول تو آپ نے ان کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر کیا ۔پھر اب زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا تو پھر اس لفظ کے لانے سے فائدہ ہی کیا تھا، محض بے موقع ہے کیونکہ خاکسار نے از خود زمانہ قبل از نزول کو باہر نہیں رکھا اور نہ زمانہ بعد از نزول میں پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا بلکہ یہ تو مقتضی نون ثقیلہ و لفظ بعد موتہ کا ہے جو کلام الہی میں واقع ہوا ہے ۔اور ایسا ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اب اگر ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوی پر آپ

کے پاس کیا دلیل ہے، محض بے ربط ہے۔ کیونکہ خاکسار اس مقام پر نہ مدعی ان کے ایمان کا ہے اور نہ مدعی اس امر کا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہے۔ مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپ نے درمیان آیت واحادیث کے سمجھا ہے۔ اس امر کے فیصلہ کے لئے خاکسار آپ کے دو معتقد خاص حکیم نور الدین اور مولوی سید محمد احسن امروہی کو حکم تسلیم کرتا ہے کہ آپ میری اس کلام کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔

قولہ (قادیانی)۔ یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں ...(الی قولہ)..اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار باقی رہیں گے۔

اقول (محمد بشیر) اس میں کلام ہے، بدو وجہ:

اول یہ کہ آیت و ان من اھل الکتاب (نساء۔ ۱۵۹) میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسیٰؑ کے سب اہل کتاب مومن ہو جائیں گے۔ پس یہ آیت مخصص ہے آیت و جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران۔ ۵۵) کی۔

دوم احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قبل قیامت سب شریر رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ پھر اللہ جل شانہ فرماتا ہے فاغرینا بینھم العداوۃ و البغضاء الی یوم القیامۃ (مائدہ۔ ۱۴) اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت کے پہلے ہی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جاوے تو پھر عداوت کیونکر باقی رہے گی۔

اقول (محمد بشیر) یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے۔ مخصص اس کی آیت وان من اھل الکتاب ہے

قولہ (قادیانی)۔ دوسری آیت آپ نے پیش کی ہے:

یکلّم النّاس فی المھد و کھلاً۔ (آل عمران۔ ۴۶)

اقول (محمد بشیر) کہل کے معنی میں فی الواقع اہل لغت نے اختلاف کیا ہے، اسی واسطے اس آیت کو قطعیّۃ الدّلالۃ لذاتھا نہیں کہا گیا، بلکہ قطعیّۃ الدّلالۃ لغیرھا کہا گیا، یعنی بانضمام آیت وان من اھل الکتاب جو قطعیۃ الدلالت ہے، یہ بھی

قطعی ہو جاتی ہے اور آپ نے جو شبہ وان من اھل الکتاب کے قطعیۃ الدلالت ہونے میں کیا ہے وہ بالکل مرتفع ہو گیا۔

قولہ (قادیانی)۔ صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کہل کے معنی جوان مضبوط کے ہیں۔

اقول۔(محمد بشیر) عبارت بخاری کی یہ ہے: وقال مجاھد الکھل الحلیم، آپ پر واجب ہے کہ یہ امر ثابت کیجئے کہ اس سے جوان مضبوط کس طرح سمجھا جاتا ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ حضرت اس رافعک الیّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا ہے یہ وہی وعدہ تھا جو آیت بل رفعه اللّٰه میں پورا کیا گیا۔

اقول (محمد بشیر)۔ مسلّم ہے کہ آیت انّی متوفّیک و رافعک میں جو وعدہ تھا وہ آیت بل رفعه اللّٰه میں پورا کیا گیا۔ لیکن انّی متوفّیک میں موت مراد ہونا غیر مسلّم ہے جیسا کہ اس کی تقریر تحریر اول میں لکھ چکا ہوں اور آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔

قولہ (قادیانی)۔ نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے۔

اقول (محمد بشیر) آپ کو نزول عیسی بن مریم سے انکار ہے اور حالانکہ تحریر اول میں لکھا گیا ہے کہ حدیث میں لفظ ابن مریم جس کے معنی حقیقی عین ابن مریم ہے موجود ہے اور صارف یہاں کوئی پایا نہیں جاتا ہے۔ آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

قولہ۔ اور فہم ابو ہریرہ حجت کے لائق نہیں۔

اقول (محمد بشیر) فہم ابو ہریرہ کو میں حجت نہیں کہتا، استدلال تو لفظ ابن مریم سے ہے جو حدیث میں واقع ہے۔

قولہ۔ یہ حدیث مرسل ہے پھر کیونکر قطعیۃ الدلالت ہوگی۔

اقول (محمد بشیر) اس حدیث کو قطعیۃ الدلالت نہیں کہا گیا صرف تائید کیلئے لائی گئی ہے

قولہ (قادیانی)۔ یہ بخاری کی حدیث مرفوع متصل سے جو حضرت مسیح کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔

اقول (محمد بشیر) آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل بیان فرمائیے تاکہ اس میں نظر کی جاوے اور مخالفت تعلیم قرآن غیر مسلم ہے و من یدعی فعلیه البیان۔

محمد بشیر عفی عنہ۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء



مرزا قادیانی کا دوسرا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ..... اما بعد

واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر نے اپنے جواب الجواب میں باوجود اس کے کہ اپنے ذمہ بار ثبوت حیات مسیحؑ قبول فرما چکے تھے پھر اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وفات ابن مریمؑ کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے کیونکہ آپ کی طرف سے یہ مستقل دعوی ہے کہ حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں۔ اور اصل امر آپ کے الہام میں یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اگر آپ کے ذمہ بار ثبوت نہیں تھا تو یہ عبث کام آپ نے کیوں کیا کہ توضیح مرام و ازالہ اوہام میں دلائل وفات مسیح بہ بسط بیان کئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنی استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازعہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔ سو وہ اپنے پہلے اقرار سے ہی پکڑا جاتا ہے اور اس مؤاخذہ کے لائق ٹھہر جاتا ہے کہ جس امر کو وہ کسی دوسری صورت یا دوسرے وقت اور مقام میں آپ ہی مانتا اور قبول کرتا تھا، اب اس سے کیوں انکار کر کے ایک مستحدث اور نئے دعوی کی طرف رجوع کر گیا ہے۔ سو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی کا لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے پہلے اقرار سے منحرف ہو کر ایک نئے اور جدید امر کا دعوی کرتا ہے اور اسی وجہ سے بار ثبوت اس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے منہ کے اقرار سے ہی اپنی جدت دعوی کا قائل ہوتا ہے۔ یعنی اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہوا ہوتا ہے کہ یہ دعوی اس کا نیا ہے اور اس کے اس قدیم اقرار سے قطعاً مخالف ہے جس سے اب بھی اس کو انکار نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی عدالت میں دعوی کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے دو ہزار روپئہ قرضہ لینا ہے اور خود اس بات کا اقرار کر دیتا ہے کہ فلاں تاریخ میں نے اس کو بطور قرضہ روپئہ دیا تھا اور اس تاریخ سے پہلے میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں تھا اور یہ میرا دعوی نیا ہے جو فلاں تاریخ سے پیدا ہوا۔ سو اسی وجہ سے وہ مدعی کہلاتا ہے اور ثبوت اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ

وہ بعد اس اقرار کے کہ فلاں تاریخ سے پہلے فلاں شخص میرا قرض دار نہیں تھا، پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان کے یہ دعوی کرتا ہے کہ فلاں تاریخ سے وہ میرا قرضدار ہے۔ پس اس سے عدالت اسی وجہ سے ثبوت مانگتی ہے کہ وہ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتا ہے اوراس کے دعوی میں ایک جدت ہے جس کا وہ آپ ہی قائل ہے کیونکہ وہ خود قبول کر چکا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب کہ وہ شخص، جس کو اب مقروض ٹھہرایا گیا ہے، مقروض نہیں تھا۔ سو اس اقرار کے بعد انکار کر کے وہ اپنی گردن پر آپ بارِ ثبوت لیتا ہے۔ غرض واقعی اور حقیقی طور پر اسی شخص کو مدعی کہتے ہیں جو ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر اسی بات کا انکار کرتا ہے اور بارِ ثبوت اس پر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے پہلے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ تمام عدالتیں اسی اصول محکم کو پکڑ کر مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرتے ہیں اگر یہ اصول مدنظر نہ ہوتو ایسا حاکم اندھے کی طرح ہوگا اوراس کو معلوم نہیں ہوگا کہ واقعی طور پر مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون۔

خلاصہ کلام یہ کہ مدعی ہونے کی فلاسفی یہی ہے جو ہم نے اس جگہ بیان کردی ہے اور ظاہر ہے کہ بارثبوت اسی پر ہوگا جو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی ہو، یعنی ایسی حالت رکھتا ہو کہ ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں برخلاف اس اقرار کے بیان کرے۔

اب اس معیار کو مدنظر رکھ کر ہر یک منصف دیکھ لے کہ کیا واقعی طور پر حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کے بارے میں اس عاجز کا نام مدعی رکھنا چاہیے؟ یا حضرت مولوی محمد بشیر اوران کے ہم خیال مولوی سید محمد نذیر حسین وغیرہ حیات جسمانی مسیح ابن مریم کے بارے میں مدعی ٹھہرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ہم مدعی کی تعریف ابھی بیان کر چکے ہیں یعنی یہ کہ حقیقی اور واقعی مدعی کے لئے ایسی حالت کا پایا جانا ضروری ہے کہ ایک صورت میں ایک بات کا علی وجہ البصیرت ہمیشہ کے لئے اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اس بات کا انکار کرے، یہ تعریف میرے پر صادق نہیں آسکتی۔ کیونکہ میرا بیان تو اس طرز پر نہیں کہ پہلے حضرت مسیح ابن مریم کی یہ غیر طبعی حیات قبول کر کے پھر اس سے انکار کر گیا ہوں۔ تا بوجہ جدّت دعوی اور مخالفت پہلے اقرار کے بارثبوت میرے پر ہو؟ لیکن مدعی ہونے کی یہ تعریف حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اوران کے گروہ پر صادق

آتی ہے کیونکہ پہلے ان کو اب تک اس بات کا اقرار ہے کہ یہ حیات مسیح کی، جس کی نسبت دعوی ہے، ایک غیر طبعی حیات ہے جو اللہ تعالی کے عام قانون قدرت اور دائمی سنت اللہ سے مغائر و مخالف پڑی ہوئی ہے اور نہ صرف سنت اللہ کے مخالف بلکہ نصوص صریحہ بینہ قطعیہ قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ قرآن کریم نے جو عام طور پر انسان کی بے ثبات ہستی کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے وہ یہی ہے جو انسان اپنی عمر طبعی کی حد کے اندر مر جاتا ہے اور اگر جوانی اور درمیانی حالت میں نہیں تو ارزل عمر تک پہنچ کر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور زمانہ اس پر اثر کرکے اور انواع اقسام کے تغیرات اس پر وارد کرکے ارذل عمر تک اس کو پہنچا تا ہے یا وہ شخص پہلے ہی مر جاتا ہے۔ اس اقرار کے بعد مولوی صاحب موصوف اور ان کے گروہ کا یہ بیان ہے کہ مسیح ابن مریم جو انسان تھا اور انسانوں میں بلاکم و بیش داخل تھا اب تک نہیں مرا بلکہ صدہا برس سے زندہ چلا آتا ہے، بڈھا بھی نہیں ہوا اور نہ ارزل عمر تک پہنچا، اور نہ زمانہ نے کچھ بھی اس پر اثر کیا۔ سو مولوی صاحب موصوف نے پہلے جس بات کا اقرار کیا تھا اسی بات کا پھر انکار کر دیا، اس لئے حسب قاعدہ متذکرہ بالا حقیقی اور واقعی طور پر وہ مدعی ٹھہر گئے کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ حقیقی اور واقعی طور پر مدعی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ کسی امر کی نسبت ایک صورت میں اقرار کرکے پھر دوسری صورت میں اسی امر کا انکار کر دے۔ کیا مولوی صاحب فقہ کے قوانین پر نظر ڈال کر یا دنیوی عدالتوں کے مقدمات پر نگاہ کرکے کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ کسی شخص کو حقیقی طور پر مدعی تو کہا جائے مگر وہ اس تعریف سے باہر ہو۔ اور اگر اس عاجز نے مسیح ابن مریم کی وفات پر دلائل لکھے ہیں یا اس کی وفات کی نسبت اپنا الہام بیان کیا ہے تو اس کو حقیقی طور پر مدعی ہونے سے کیا تعلق ہے۔ وہ تمام دلائل تو محض بطریق تنزل لکھے گئے جیسے ایک مدعا علیہ کسی مدعی کا افتراء ظاہر کرنے کے لئے کسی عدالت میں ایسی سند پیش کر دیوے جس سے اور بھی اس مدعی کی پردہ دری ہو تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ درحقیقت اس پر وہ تمام ثبوت پیش کرنا واجب ہو گیا۔ جو ایک واقعی مدعی پر واجب ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس مسئلہ شناخت مدعی و مدعا علیہ پر نظر غور نہیں کی۔ حالانکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جو قاضیوں اور حکام اور علماؤں کو دھوکوں اور لغزشوں

سے بچاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیاتِ جسمانی مسیح ابن مریم آیات قطعیۃ الدلالت سے پیش کریں گے لیکن بحث کے وقت اس دعویٰ سے نومیدی پیدا ہوگئی اس لئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں ۔ لہذا مولوی صاحب کو یاد رہے کہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں حقیقی اور واقعی طریق عدالت یہی ہے کہ جو شخص حیات غیر طبعی مسیح ابن مریم کا مدعی ہے اسی پر واجب ہے کہ وہ آیات قطعیۃ الدلالت اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے حضرت مسیح کی حیاتِ جسمانی ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو یہ اول دلیل ہوگی کہ مسیح فوت ہوگیا۔ بلاشبہ قوانین عدالت کی رو سے حقیقی اور واقعی طور پر آپ مدعی ہیں کیونکہ طبعی اور مسلّم امر کو چھوڑ کر ایک ایسا عقیدہ آپ نے اختیار کیا ہے جس کا ماننا اور قبول کرنا محتاج دلیل ہے۔ لیکن کسی انسان کا اپنی عمر طبعی تک مر جانا ، اور صدہا برس تک زندہ نہ رہنا محتاج دلیل نہیں بلکہ اس کے مرنے پر قانون قدرت اور سنت اللہ خود محکم دلیل ہے۔ غور فرماویں کہ اگر مثلاً کسی مفقود الخبر کی اٹھارہ سو برس تک خبر نہ ملے کہ وہ مرا ہے یا نہیں؟ تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اب تک زندہ ہے؟ اور کیا شریعت غرّا محمدیہ کسی تنازع کے وقت اس کی نسبت وہی احکام صادر کرے گی جو ایک زندہ کی نسبت صادر کرنے چاہییں ۔

پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بینہ قرآن اور حدیث سے نومید ہو کر دوبارہ آیت لیؤمننّ کے نون ثقیلہ پر زور مارا ہے اور جمہور مفسرین اور صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کے لئے ہوگئی ہے جس کے فقط یہی ایک معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت عیسے کے نزول کے بعد کسی خاص زمانہ کے لوگ سب کے سب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اپنی اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی جو قال اللّٰہ اور قال الرّسول سے باہر نہیں جائیں گے، اور نہ ان بزرگوں کی عزت و مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہیے اور اہلِ

زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو وصرف کے بناوٹی قاعدہ کو ردّ کر دیتی ہے۔ ہمارے پر اللہ اور رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خودتراشیدہ قواعدِ صرف و نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنی کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں اس بدعت کے التزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلا دیں۔

نحو اور صرف کے قواعد اطراد بعد الوقوع ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں بکلی غلطی سے معصوم ہیں۔ اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچ گئی ہیں جس کے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ان ھذا ن لسا حرا ن (طہ۔ ۶۳) بھی آیت موجود ہے لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے ان ھذ ین کے ان ھذا ن لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعوی بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف ونحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزام قواعد مخترعہ صرف ونحو کا حجج شرعیہ میں سے نہیں۔ یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ خواص علم لغت ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ افسوس کہ ہماری صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کر سکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے۔ ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہرا ویں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کھلنے چاہییں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کرلیں۔

یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر یک زبان ہمیشہ گردش میں رہتی ہے اور گردش میں رہے گی جو شخص اب ملک عرب میں جا کر مشاہدہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر

پہلی زبانوں سے اب عربی زبان میں فرق آ گیا ہے یہاں تک کہ اقعد کی جگہ اگد بولا جاتا ہے۔ ایسا ہی کئی محاورات بدل گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ جس زمانہ میں صرف و نحو کے قواعد مرتب کرنے کے لئے توجہ کی گئی وہ زمانہ کس قدر آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے فرق کر گیا تھا اور کیا کچھ محاورات میں تبدل واقع ہو گیا تھا۔ نحوی اور صرفی اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ باوجود ترتیب قواعد کے ایک حصہ کثیرہ خلاف قیاس الفاظ اور خلاف قیاس ترتیب الفاظ کا بھی ہے جس کی حد ابھی غیر معلوم ہے جو ابھی تک کسی قاعدہ کے نیچے نہیں آ سکا۔

غرض یہ صرف اور نحو جو ہمارے ہاتھ میں ہے صرف بچوں کو ایک موٹے قواعد سکھلانے کے لئے ہے۔ اس کو ایک رہبر معصوم تصور کر لینا اور خطا اور غلطی سے پاک سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو بجز اللہ و رسول کے کسی اور کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے ہمیں یہ فرمایا ہے

فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ و الرّسول ۔یعنی اگر تم کسی بات میں تنازع کرو، تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف ردّ کرو اور صرف اللہ اور رسول کو حکم بناؤ۔ نہ کسی اور کو۔

اب یہ کیونکر ہو سکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا حکم بنایا جائے کیا اس پر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کی طرف بجز سرچشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا ہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلایئے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے حجت شرعی نہیں۔

میں ثابت کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ نون ثقیلہ سے مضارع خالص مستقبل کے معنوں میں آ جاتا ہے اور کبھی اور کسی مقام اور کسی صورت میں اس کے برخلاف نہیں ہوتا تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کر رہا ہے۔ اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت! انسانوں کی اور کوششوں کی طرح نحویوں کی کوششیں بھی خطا سے خالی نہیں۔ آپ حدیث اور قرآن کو

چھوڑ کر کس جھگڑے میں پڑ گئے۔ اور اس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی کہ وہ سب تفسیر آیت لیؤمننّ به میں غلطی کرتے رہے۔ ابھی میں انشاء اللہ القدیر آپ پر ثابت کروں گا کہ آیت لیؤمننّ به آپ کے معنوں پر اس صورت میں قطعی الدلالت ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی قطعیۃ الجہالت ہونے پر فتویٰ لکھا جائے اور نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی ان میں داخل کر دیا جائے۔ ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں قطعیۃ کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور کوئی تقویٰ شعار علماء میں سے اس قطعیۃ کے دعویٰ میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور کیونکر شریک ہو۔ شریک تو تب ہو کہ بہت سے بزرگوں اور صحابہ کو جاہل قرار دیوے اور نبی ﷺ معصوم پر بھی اعتراض کرے۔ سبحانه هذا بهتان عظیم۔

اب میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کے نزول کے لئے قطعیۃ الدلالت قرار دیا ہے یا کچھ اور ہی معنی لکھے ہیں۔ سو واضح ہو کہ کشاف، صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمننّ به کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے:

جملة قسمية واقعة صفة لموصوف محذوف تقديره و ان من اهل الكتاب احد الّا ليؤمننّ به قبل موته بعيسى و بانّه عبد اللّه و رسوله يعنى اذا عاين قبلان تزهق روحه حين لا ينفعه ايمانه لانقطاع وقت التكليف و عن شهر بن حوشب قال لى الحجاج آ ية ما قرأتها الّا تخالج فى نفسى منها يعنى هذه ا لآية انى اضر ب عنق الاسير من اليهود والنصارى فلااسمع منه ذلك فقلت ان اليهودى اذا حضره الموت ضر بت الملائكة دبره و وجهه و قالوا يا عدوّ اللّه اتاك عيسے نبيّاً فكذ بت به فيقول آ منت انّه عبد نبى و يقول للنّصرا نى اتاك عيسے نبياً فزعمت انّه اللّه او ابن اللّه فيؤمن انّه عبد اللّه ورسوله و عن ابن عباس انه فسره كذلك فقال له عكرمة فان اتاه رجل فضرب عنقه ۔ قال لا تخر ج نفسه حتى يتحرك بها شفتيه قال عكر مة و ان خرّ من فوق بيت او احترق او اكله سبع، قا ل يتكلم بها فى الهواء لا تخر ج روحه حتى يؤمن به و

تدلّ علیه قرأۃ ابی الا لیؤمنن به قبل موتھم بضمّ النّون علی معنی و ان فھم احد الا لیؤمنن قبل موتھم ۔ و قیل الضمیر ان العیسی یعنی و ان فھم احد الا لیؤمنن یعنی قبل موت عیسے اھم اھل الکتب الذین یکونو ن فی زمان نزوله ، روی انه ینز ل فی آخر الزّمان فلا یبقی احد من اھل الکتب ا لا یومن به حتی تکو ن حالة واحدۃ و ھی ملة الاسلا م و قیل الضّمیر فی به یر جع الی اللّه تعالی و قیل الی محمد ﷺ ۔

تر جمہ ۔ یعنی لیؤمننّ به جملہ قسمیہ ہے اور آ یت موصوف محذو ف کے لئے صفت ہے اور محذو ف کو ملا نے کے ساتھ اصل عبارت یوں ہے کہ کوئی اہل کتاب میں سے نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسی پر ایما ن نہ لا وے ۔ اور نیز اس با ت پر ایمان لا وے کہ وہ اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہے یعنی جس وقت جان کندن کا وقت ہو جب کہ ایمان بوجہ انقطاع وقت تکلیف کے کچھ نفع نہیں دیتا ۔ اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھے حجاج نے کہا کہ ایک آیت ہے کہ جب کبھی میں نے اس کو پڑ ھا تو اس کی نسبت میرے دل میں ایک خلجان گذرا ، یعنی یہی آ یت ، اور خلجان یہ ہے کہ مجھے کتابی اسیر قتل کر نے کے لئے دیا جاتا ہے اور میں یہود و نصاری کی گر دن مارتا ہوں اور میں اس کے مرنے کے وقت یہ نہیں سنتا کہ میں عیسی پر ایمان لا یا ۔ ابن حوشب کہتا ہے کہ میں نے اس کو کہا کہ اصل با ت یہ ہے کہ جب یہو دیوں پر جا ن کند ن کا وقت آ تا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا تیرے پاس عیسی نبی آ یا اور تو نے اس کی تکذ یب کی ۔ پس وہ کہتا ہے کہ اب میں عیسیؑ پر ایما ن لا یا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہے ۔ اور نصرانی کو فر شتے کہتے ہیں کہ تیرے پاس عیسیؑ نبی آ یا اور تو نے اس کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ۔ تب وہ کہتا ہے کہ اب میں نے قبول کیا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے ۔ اور ابن عباسؓ سے روا یت ہے کہ اس نے ایک موقع پر یہی تفسیر کی تب عکرمہ نے اس کو کہا کہ اگر نا گاہ کسی شخص کی گردن کا ٹ دی جائے تو کس وقت اور کیونکر وہ عیسیؑ کی نبوت کا اقرار کر ے گا ۔ تب ابن عباسؓ نے کہا کہ اس کی اس وقت تک جان نہیں نکلے گی جب تک اس کے لبوں پر کلمہ اقرار نبوت مسیح کا جاری نہ ہو لے ۔ پھر عکر مہ

نے کہا کہ اگر وہ گھر کی چھت پر سے گرے یا جل جائے یا کوئی درندہ اس کو کھا لیوے، تو کیا پھر بھی اقرار نبوت عیسےؑ کا اس کو موقع ملے گا؟ تب ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وہ گرتے گرتے ہوا میں اقرار کرے گا۔ اور جب تک یہ اقرار نہ کر لے تب تک اس کی جان نہیں نکلے گی اور اسی پر دلالت کرتی ہے قرأت ابی بن کعب کی الا لیؤمننّ به قبل موتهم ۔ بضمّ النّو ن ۔ یعنی دوسری قرأت میں بجائے قبل موته کے قبل موتهم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت موته کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ۔ اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں به اور موته کی حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہیں جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عیسےؑ کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان کی نبوت پر ایمان لے آویں گے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر به کی اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے حضرت محمد ﷺ کی طرف ضمیر به کی پھرتی ہے۔

پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے:

ذهب كثيرو ن بل اكثرون الى انّ الضّمير فى آ ية الّا ليؤمننّ به يعود الى اهل الكتب و يؤيّد هذا ايضاً قرأة من قر أ قبل موتهم ۔

یعنی بہت سے لوگ بلکہ نہایت کثرت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ آیت الّا ليؤمننّ به میں به کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور اسی کی مؤید قرأت قبل مو تهم ہے

پھر مدارک میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

و المعنى ما من اليهود و النّصارى احد الا ليؤمننّ قبل موته بعيسى و بانّه عبد اللّه و رسوله و روى ان الضّمير فى به يرجع الى اللّه او الى محمّد ﷺ و الضّمير الثّانى الى الكتابى

یعنی اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور اس کی رسالت اور عبدیت کو قبول نہ کرے اور یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر به کی اللہ کی طرف پھرتی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ محمد ﷺ کی طرف پھرتی ہے۔

ایسا ہی بیضاوی میں زیر آیت لیؤمننّ به یہ تفسیر کی ہے:

والمعنی ما من الیهود والنّصاری احد الا لیؤمننّ بان عیسی عبد اللّه و رسوله قبل ان یموت و یؤیّد ذلک ان قریء الا لیومننّ به قبل موتهم وقیل الضّمیران لعیسی

یعنی اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسےٰ پر ایمان نہ لاوے اور قبل موتهم کی قرأت انہیں معنوں کی مؤید ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں عیسیٰ کی طرف پھرتی ہیں۔

اور تفسیر مظہری زیر آیت لیؤمننّ به ...کے لکھا ہے:

روی عن عکرمه ان الضمیر فی به یرجع الی محمد و قیل راجعة الی اللّه عز وجل و المآل واحد فانّ الایمان باللّه لا یعتد مالم یؤمن بجمیع رسله و الایمان بمحمد ﷺ یستلزم الایمان بعیسی۔ قبل موته ۔ ای قبل موت ذلک الاحد من اهل الکتاب عند معائنة ملائکة العذاب عند الموت حین لا ینفعه ایمانه هذا روایة علی بن طلحه عن ابن عباس قال فقیل لابن عباس ارأیت ان خرّ من فوق البیت قال یتکلم فی الهواء فقیل ارأیت ان ضرب عنقه قال تلجلج لسانه والحاصل انه لا یموت کتابی حتی یؤمن باللّه عزّ وجل وحده لا شریک له و انّ محمداً ﷺ عبده و رسوله و ان عیسی عبد اللّه ورسوله قیل یؤمن الکتابی فی حین من الاحیان ولو عند معاینة العذاب ۔ و قال الضمیران لعیسی والمعنی انه اذا نزل آمن به اهل الکتاب اجمعون ولا یبقی احد الا لیؤمننّ به وهذا التّاویل مروی عن ابی هریرة امکن کونه مستفاداً من هذه الآیة و تاویل الآیة بارجاع الضمیر الثانی الی عیسی ممنوع انما هوزعم من ابی هریرة لیس ذلک فی شیء من الاحادیث المرفوعة و کیف یصح هذا التاویل مع ان کلمة ان من اهل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی ﷺ البتة سواء کان هذا الحکم خاصاً بهم اولاً فان حقیقة

الکلا م للحال ولا و جه لان یّراد فر یق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسیٰؑ فالتاویل الصحیح ھوالاول و یؤیّدہ قرآ ن ابی بن کعب اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم و عروۃ قال فی مصحف ابی بن کعب و ان من اھل الکتا ب ا لا لیؤمننّ بہ قبل موتھم

تر جمہ۔ عکرمہ سے روایت ہے آیت لیو منن بہ میں بہ کی ضمیر حضرت محمد ﷺ کی طرف پھرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کی طرف راجع ہے اور مآل واحد ہے کیونکہ ایمان باللہ معتبر نہیں جب تک تمام رسولوں پر ایمان نہ لایا جائے اور محمد ﷺ پر ایمان لانا عیسی پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ اور قبل موتہ کی یہ تفسیر ہے کہ ہر ایک کتابی اپنی موت سے پہلے عذاب کے فرشتوں کے دیکھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے گا جب کہ اس کو ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ یہ علی بن طلحہ کی روایت ہے ابن عباسؓ سے۔ علی بن طلحہ کہتا ہے کہ ابن عباس کو کہا گیا کہ اگر کوئی چھت سے گر پڑے تو پھر وہ کیونکر ایمان لائے گا۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وہ ہوا میں اس اقرار کو ادا کرے گا پھر پوچھا گیا کہ اگر کسی کی گردن ماری جاوے تو وہ کیونکر ایمان لاوے گا تو ابن عباسؓ نے کہا کہ اس وقت بھی اس کی زبان میں اقرار کے الفاظ جاری ہو جائیں گے۔ حاصل کلام یہ کہ کتابی نہیں مرے گا جب تک اللہ جل شانہ اور محمد ﷺ اور عیسی پر ایمان نہ لاوے۔ بعض کہتے ہیں کہ کتابی فی حین من الا حیا ن ایمان لائے گا۔ اگر چہ عذاب کے معاینہ کے وقت ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں ضمیریں عیسی کی طرف پھرتی ہیں اور یہ معنی لیتے ہیں کہ جب عیسی نازل ہوگا تو تمام اہل ملل اس پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی منکر باقی نہ رہے گا اور یہ تاویل ابو ہریرہ سے مروی ہے لیکن آیت لیؤمننّ بہ سے یہ معنی جو ابو ہریرہ نے خیال کئے ہیں ہرگز نہیں نکلتے اور قبل موتہ کی ضمیر عیسی کی طرف کسی طرح پھر نہیں سکتی یہ صرف ابو ہریرہ کا گمان ہے احادیث مرفوعہ میں اس کا کوئی اصل صحیح نہیں پایا جاتا اور کیونکر یہ تاویل صحیح ہوسکتی ہے باوجودیکہ کلمہ ان موجودین کو بھی تو شامل ہے یعنی ان اہل کتاب کو جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ خواہ یہ کلمہ خاص ہو یا خواص نہ ہو لیکن حقیقت کلام کا مصداق ٹھہرانے کیلئے حال سب زمانوں سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور کوئی وجہ اس بات کی نہیں پائی جاتی کہ

کیوں وہی اہل کتاب خاص کیئے جائیں جو حضرت عیسی کے نزول کے وقت موجود ہوں گے۔ پھر صحیح تاویل وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی ضمیر بہ کی عیسی کی طرف نہیں پھرتی بلکہ کتابی کی طرف پھرتی ہے اور اسی کی قرأت ابی بن کعب مؤید ہے جس کو ابن امنذر نے ابی ہاشم سے لیا ہے اور نیز عروہ سے بھی اور وہ قرأت یہ ہے و ان من اهل الكتاب الّا ليؤمننّ به قبل موتهم یعنی اہل کتاب اپنی موت سے پہلے محمد ﷺ اور عیسی پر ایمان لاویں گے۔ اسی کے قریب قریب ابن کثیر اور تفسیر کبیر اور فتح البیان و معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر میں لکھا ہے۔

اب دیکھئے کہ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس اور علی بن طلحہ رضی الله عنهم یہی تاویل ليؤمننّ به کی کرتے ہیں کہ پہلی ضمیر محمد ﷺ اور عیسی کی طرف پھرتی ہے اور دوسری ضمیر قبل موته اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور قرأت قبل موتهم کس قدر وثوق سے ثابت ہوتی ہے۔ پھر باوجودیکہ یہ تاویل صحابہ کرام کی طرف سے ہے اور بلاشبہ قرأت شاذہ حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے مگر آپ اس کو نظر انداز کر کے اور نحوی قواعد کو اپنے زعم میں اس کے مخالف سمجھ کر تمام بزرگ اور اکابر قوم اور صحابہ کرام کی صریح ہجو اور توہین کر رہے ہیں گویا آپ کے نحوی قواعد کی صحابہ کو خبر نہ تھی اور ابن عباسؓ جیسا صحابی جس کے لئے نبی ﷺ کی طرف سے فہم قرآن کی دعا بھی ہے وہ بھی آپ کے ان عجیب معنوں سے بے خبر رہا۔ آپ پر قرأت قبل موتهم کا بھی وثوق کھل گیا اب فرض کے طور پر اگر قبول کر لیں کہ ابن عباس اور علی بن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہ ان معنوں کے سمجھنے میں خطا پر تھے اور قرأت ابی بن کعب بھی یعنی قبل موتهم کامل درجہ پر ثابت نہیں تو کیا آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت ليؤمننّ به پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ کیا وہ دعوی جس کے مخالف صحابہ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیۃ الدلالت ہے۔

یا اخی اتّق اللّه!

ولا تقف ما ليس لک به علم۔انّ السّمع و البصر و الفؤاد كلّ اولئک کان عنه مسئولاً ۔ (بنی اسرائیل ۔ ۳۶)۔

اور جب ان روایتوں کے ساتھ وہ روایتیں بھی ملا دیں جن میں انی متوفّیک کے معنی ممیتک لکھے ہیں جیسے ابن عباسؓ کی روایت اور وہب اور محمد بن اسحاق کی روایت، کہ کوئی ان میں سے عام طور پر حضرت مسیح کی موت کا قائل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ تین گھنٹہ تک مر گئے تھے اور کوئی سات گھنٹہ تک ان کی موت کا قائل ہے اور کوئی تین دن تک جیسا کہ فتح البیان اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر وغیرہ سے ظاہر ہے، تو پھر اس صورت میں اس وہم کی اور بھی بیخ کنی ہوتی ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔

غرض آپ کا نور قلب شہادت دے سکتا ہے کہ جس قدر میں نے لکھا ہے آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت کے توڑنے کے لئے کافی ہے۔ قطعیۃ الدلالت اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال پیدا نہ ہو سکے، مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین کے گروہ نے آپ کے معنی قبول نہیں کئے اور مفسرین نے جا بجا اس آپ کی تاویل کو قیل کے لفظ سے بیان کیا ہے جو ضعف روایت پر دلالت کرتا ہے۔ عام رائے تفسیروں کی یہی پائی جاتی ہے کہ قرأت قبل موتھم کے موافق معنے کرنے چاہیے اور ضمیر بہ کو نہ صرف حضرت عیسیٰ کی طرف بلکہ ہمارے نبی ﷺ اور اللہ جل شانہ کی طرف پھیرتے ہیں، اب آپ کی رائے کی قطعیت کیونکر باقی رہ سکتی ہے۔ برائے خدا خوف الٰہی کو ہاتھ سے نہ دیں۔ آپ کے منہ کی طرف صدہا آدمی دیکھ رہے ہیں اس زمانہ میں تمام لوگ اندھے نہیں فریقین کے بیانات شائع ہونے کے بعد پبلک خود فیصلہ کر لے گی لیکن جن لوگوں کے دلوں پر آپ کی رائے کا اثر پڑے گا اس کے ذمہ وار اور اس کے مواخذہ کے جواب دہ آپ ٹھہریں گے۔ اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا ہے تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل و نادان قرار دینا پڑتا ہے۔ اور قرأت قبل موتھم کو خواہ نخواہ افتراء قرار دینا پڑے گا۔ اور آپ کے نحویوں کو معصوم عن الخطا ماننا پڑے گا۔ آپ تو اللہ، رسول کے متبع تھے، سیبویہ اور خلیل کے کب سے متبع ہو گئے۔

اب میں آپ کے اقوال باقی ماندہ کو بطرز قولہ، اقول کے رد کرتا ہوں۔

قولہ (محمد بشیر) ایسے معنی کرنا فاسد ہے کہ یہ کہا جائے کہ کوئی اہل کتاب میں ایسا نہیں

جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا کیونکہ یہ معنی نفس الامر میں تینوں زمانوں پر شامل ہیں۔

اقول (قادیانی) جب کہ یہ معنی ابن عباس اور عکرمہ اور علی بن طلحہ وغیرہ صحابہ و تابعین کرتے ہیں اور قرآن ابی بن کعب انہی معنوں کے مطابق ہے، تو کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے؟ اور کیا صدہا مفسرین بلکہ ہزارہا جواب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے؟ جب تک ان ہزاروں اکابر کا نام آپ قطعی طور پر جاہل نہ قرار دے دیں، تب تک آپ کے یہ معنی جس میں آپ منفرد ہیں، کیونکر قطعی بن سکتے ہیں۔ کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم رکھا۔ تیرہ سو برس کی تفسیریں اکٹھی کرو اور ان پر نظر ڈال کر دیکھو، کیا کوئی بھی آپ کی طرح ان معنوں کو ناجائز ٹھہراتا ہے۔ بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو خفیف ٹھہراتے ہیں۔

قولہ (محمد بشیر) قبل موتھم کی قرأت پر بھی معنی دوم صحیح نہیں ہوتے اور یہ قرأت ہمارے معنی کے مخالف بھی نہیں ہے کیونکہ اس قرأت پر یہ معنی ہوں گے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لائے گا اور یہ معنی اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول مسیح مراد لیا جائے گا۔

اقول (قادیانی)۔ حضرت اس قرأت سے مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی۔ آپ تو قبل موته کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسیح کی موت سے پہلے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اب جب کہ قبل موته کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھیری گئی تو مسیح کی زندگی جس کا ثابت کرنا آپ کا مدعا تھا کہاں اور کن الفاظ سے ثابت ہوئی؟ مجرد ایمان لانے میں تو بحث نہیں۔ بحث تو اس امر میں ہے کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے یا نہیں؟

قولہ (محمد بشیر) قرأت قبل موتھم غیر متواترہ ہے۔

اقول (قادیانی) ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی سند پیش کر دی ہے۔ ابن عباس بھی اسی موافق کہتے ہیں جمہور علماء کا اسی کو مقدم رکھتا آیا ہے یعنی اسی کے مطابق معنے کرتا چلا آیا ہے۔ پس اسی قدر ثبوت آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت توڑنے کے

لئے کافی ہے۔ بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو۔ تفسیر مظہری کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ الہامی معنے جو میں نے کیئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں اگرچہ وہ بجائے خود ایک معنی ہیں چونکہ آیت ذوالوجوہ ہے اس لئے جب تک سخت تعارض نہ ہو ہر یک معنے قبول کے لائق ہیں۔

قولہ (محمد بشیر) آیت فلنولّینّک میں پڑھنے سے یہ مراد نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کر قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنی مستقبل کیا ہے۔ مگر مستقبل قریب ہے۔

اقول (قادیانی) آپ اس بات کے تو قائل ہو گئے کہ یہ مستقبل بعید نہیں ہے بلکہ قریب ہے اور ایسا قریب کہ ایک طرف حکم ہوا اور ساتھ ہی اس کے عمل بھی ہو گیا، تو گویا آپ ایک صورت سے ہمارے بیان کو مان گئے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں اور نہ زمانہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ٹھہر سکے، بلکہ وقت مقدار غیر قار کا نام ہے۔ پھر حال اپنے معنوں کی رو سے کیونکر متحقق ہو کیونکہ جب زمانہ غیر قار ہے تو ماضی کے بعد ہر دم استقبال ہی استقبال ہے۔ لیکن جب حال بولا جاتا ہے تو اس کے معنے ہرگز حقیقی نہیں لئے جاتے کیونکہ حقیقی معنوں کا مراد رکھنا محال ہے۔ اس وقت تک کہ ہم حال کا لفظ زبان پر جاری کریں، کئی باریک حصے زمانہ کے گذر جاتے ہیں۔ پھر حال کا وجود کہاں اور کیونکر متحقق ہے؟ بلکہ حال سے مراد مجازی طور پر وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو ہماری نظر کے سامنے واقع ہے جو کسی دوسرے حصہ زمانہ میں تصور نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں تو ہماری اور آپ کی نزاع لفظی ہی نکلی اور جس زمانہ کا نام ہم حال رکھتے ہیں اسی کا نام آپ نے مستقبل رکھ لیا۔ اور اتفاق رائے سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک کوئی زمانہ حقیقی معنوں کی رو سے بھی حال ہے تو پہلے مہربانی فرما کر وقت کی تعریف فرمایئے۔ میں تو ابتداء سے یہ سنتا آیا ہوں کہ وقت کی تعریف یہی ہے کہ الوقت مقدار غیر قار یعنی وقت اسی مقدار کا نام ہے جس کو ذرہ قرار نہیں۔ اب جب کہ وقت کو قرار نہیں تو حقیقی طور پر حال کیونکر پیدا ہوا۔ آپ سوچ کر جواب

دیں اور شاہ ولی اللہ وغیرہ صاحبوں کا ترجمہ جو آپ نے پیش کیا ہے یہ ہمارے مضر نہیں جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں۔ اور آیت و انظر الی الھک (طه۔ ۹۷) میں وہی ہماری طرف سے جواب ہے جو اس میں جواب ہے۔

قولہ (محمد بشیر) و الّذین جا ھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا (عنکبوت۔ ۲۹) استمراری معنی پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس جگہ عادت مستمرہ کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ یہ تو صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے۔

اقول (قادیانی)۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے بلکہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کے لئے ہی خاص ہے اور اس نعمت سے وہ لوگ بے نصیب ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں یا حال میں مجاہدہ میں لگے ہوئے ہیں۔ حضرت یہ وعدہ بھی استمراری ہے جو ازمنہ ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ ضد نہ کیجئے اور خدا تعالی کے بندوں کو اس کے قانون قدرت سے جو مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مترتب ہوتی ہے محروم تصور نہ فرمایئے۔ ورنہ مطابق آپ کے معنوں کے ہر یک زمانہ جو حال کے نام پر موسوم ہوگا اس نعمت سے بکلی محروم قرار دینا پڑے گا۔ مثلاً ذرا غور کر کے دیکھئے کہ اس آیت کو نازل ہوئے تیرہ سو برس گذر گیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ برطبق مضمون اس آیت کے ہر یک جو اس عرصہ میں مجاہدہ کرتا رہا ہے وہ وعدہ لنھدینّھم سے حصہ مقسومہ لیتا رہا ہے اور اب بھی لیتا ہے اور آئندہ بھی لے گا۔ پھر آپ اس آیت کے استمراری معنوں سے جو ازمنہ ثلاثہ پر اپنا اثر ڈالتی چلی آئی ہے کیونکر منکر ہوتے ہیں۔

یہی میرا بیان باقی آیات پیش کردہ میری کے متعلق ہے علیحدہ لکھنے کی حاجت نہیں، پبلک خود فیصلہ کر لے گی۔

اور یاد رکھنا چاہیے یہ ترجمے کوئی توقیفی نہیں ہیں۔ آپ کے نون ثقیلہ ہرگز آپ کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے جس کی آپ کو خواہش ہے۔

قولہ (محمد بشیر)۔ حضرت عیسی کے نزول کے بعد اور ان کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اس وقت اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے۔

اقول (قادیانی) حضرت آپ کیوں تکلّفات رکیکہ کر رہے ہیں آپ کے ان تکلّفات

کوکون تسلیم کرے گا۔ قرآن کریم اس بات کا گواہ ہے کہ سلسلہ کفر کا بلا فصل قیامت کے دن تک قائم رہے گا اور یہ کبھی نہیں ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی مذہب پر ہو جائیں اور اختلاف کفر اور ایمان اور بدعت اور توحید کا درمیان سے اٹھ جائے۔ چنانچہ اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضروری الوجود انسانوں کی فطرت کے لئے قرار دیتا ہے اور کفر کا تخم قیامت تک قائم رہنے کے لئے یہ آیات صریحۃ الدلالت ہیں جو پہلے پرچہ میں لکھ چکا ہوں یعنی: وجاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران۔ ۵۵)۔ اور

فاغرینا بینھم العداوۃ و البغضاء الی یوم القیامۃ (مائدہ۔ ۱۴)

اب آپ دیکھئے کہ ان آیات سے ہی آپ کا دعوی قطعیۃ الدلالت ہونا آیت لیؤمننّ بہ کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے۔ ہر یک طرف سے آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی آپ پر زد ہے، پھر بھی آپ اس خیال کو نہیں چھوڑتے۔ آپ نے جب دیکھا کہ مسیح کے دم سے بہت لوگ کفر پر مریں گے تو آپ پہلے دعوی سے کھسک گئے لیکن آیات موصوفہ بالا سے آپ کسی طرح پیچھا چھڑا نہیں سکتے۔ آپ نے جو اس بارے میں جواب دیا ہے خود منصف لوگ دیکھیں گے حاجت اعادہ کی نہیں۔

قولہ (محمد بشیر)۔ آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ حلیم کے لفظ سے جوان مضبوط کیونکر سمجھا جاتا ہے۔

اقول (قادیانی) حضرت حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو اور جو حلم کے زمانہ تک پہنچے وہ جوان مضبوط ہی ہوتا ہے کیونکہ خورد سال کے کچے اعضاء شدت اور صلابت کے ساتھ بدل جاتے ہیں قاموس بھی ملاحظہ ہو اور کشاف وغیرہ بھی اور بالغ عاقل کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔

قولہ (محمد بشیر)۔ انی متوفّیک میں موت مراد ہونا غیر مسلّم ہے۔

اقول (قادیانی) غیر مسلّم ہے تو میرے اشتہار ہزار روپیہ کا جواب دیجئے جو ازالہ اوہام کے آخر میں ہے کیونکہ اس اشتہار میں غیر ثابت کرنے والے کے لئے ہزار روپیہ انعام کا وعدہ ہے۔

قولہ (محمد بشیر)۔ نزول عیسی ابن مریم سے آپ کو انکار ہے۔

اقول (قادیانی) جب کہ عیسی ابن مریم کی حیات ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے تو عیسی کے حقیقی معنی کیونکر مراد ہو سکتے ہیں و اطلاق اسم الشّیء علی ما یشابھہ فی اکثر خواصہ و صفاتہ جائز حسن (تفسیر کبیر ص ۲۸۹)۔ جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا، ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔

قولہ۔ (محمد بشیر) آپ بخاری کی وہ حدیث مرفوع متصل بیان فرمایئے جس میں مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ہوتی ہے۔

اقول (قادیانی) میں تو وہ حدیث ازالہ اوہام میں لکھ چکا اور آخری پرچہ میں تنزلاً ثبوت وفات کے وقت وہ حدیث بھی لکھونگا، ابھی تو دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسیح کی حیات کے بارے میں کون سی آیت قطعی الدلالت پیش کرتے ہیں۔ افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔ فقط میرزا غلام احمد۔

☆ محمد بشیر بھوپالی کا تیسرا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔ حامداً مصلیاً مسلماً۔

قولہ (قادیانی)۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنی استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارِ ثبوت کسی امر متنازع فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور پر ایک مقام میں اقرار کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔

اقول (محمد بشیر) یہاں کلام ہے، بچند وجوہ:۔

اول یہ کہ آپ قبل ادعاء مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں اور اب آپ حیات کا انکار کرتے ہیں تو موافق اپنی تعریف کے آپ مدعی ٹھہرے۔

دوم خاکسار آپ سے سوال کرتا ہے ایماناً اس کا جواب دیجئے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ مسیحؑ وفات پا چکے، بعد آپ کے اس الہام کے پیدا ہوا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا یا قبل اس کے۔ اگر بعد پیدا ہوا ہے، تو گویا یہ کہنا ہوا کہ الہام سے پہلے میرا اس خیال

سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ میرا دعوی نیا ہے جو وقت الہام کے پیدا ہوا، اس وجہ سے آپ مدعی ہوئے اور ثبوت آپ کے ذمہ ہوا کہ آپ بعد اس اقرار کے کہ الہام سے پہلے مجھ کو اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان کے یہ دعوی کرتے ہیں کہ وقت الہام سے مجھ کو یہ خیال ہے کہ مسیح فوت ہو گیا۔ پس اس وجہ سے آپ سے ثبوت مانگا جاتا ہے کہ آپ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتے ہیں۔ اور اس دعوی میں ایک جدت ہے جس کے آپ خود قائل ہیں۔ اور اگر قبل سے یہ خیال تھا تو اس خیال کا یقین قانون قدرت یعنی سنت اللہ و آیات قرآن سے آپ کو حاصل ہو گیا تھا یا نہیں؟

برتقدیر اول آپ نے قبل الہام مذکور براہین وغیرہ میں اس کو کیوں نہیں ظاہر فرمایا اور اپنے پرانے باطل خیال پر باوجود یقین بطلان کے کیوں اڑے رہے؟

اور برتقدیر ثانی بعد الہام کے اس خیال کا یقین آپ کو حاصل ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو صرف ایک ظنی یا شکی یا وہمی بات پر اصرار خلاف دیانت ہے اور اگر بعد الہام کے یقین اس خیالی وفات کا آپ کو حاصل ہوا تو ظاہر ہے کہ مفید یقین اس وقت آپ کا الہام ہوا نہ سنت اللہ و آیات قرآن کریم، اور آپ کا ملہم ہونا ابھی تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ اس تقدیر پر آپ پر واجب ہے کہ پہلے اپنا ملہم ہونا ثابت کیجئے پھر ہر الہام کا حجت ہونا ملہم وغیر ملہم پر ثابت کیجئے۔ بعد اثبات ان دونوں امر کے دعوی وفات مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کا پیش کیجئے۔ بغیر اس کے آپ کا دعوی وفات مسیح و مسیح موعود ہونے کا عند العقلاء ہرگز لائق سماعت نہیں ہے۔

سوم۔ اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں؟ برتقدیر ثانی آپ کا ان کو صریحہ بینہ قطعیہ کہنا باطل ہے اور برتقدیر اول لازم آتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ سب صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور تمام مسلمین الی یومنا جو حیات مسیح کے قائل ہیں اعاذنا اللّٰہ منہ کافر ہوں اور آپ خود بھی جس زمانہ میں اعتقاد حیات مسیح کا رکھتے تھے، کافر ہوں کیونکر منکر نصوص صریحہ بینہ قطعیہ کا کافر ہوتا ہے۔

چہارم آپ نے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے یہ محض اپنی رائے سے بیان کی ہے یا کوئی دلیل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اس کے لئے ہے۔ یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا محدث یا کسی فقیہہ کا اس کے ثبوت کے لئے پیش کیجئے۔

پنجم یہ تعریف مدعی کی، مخالف ہے اسکے جس کو علماء مناظرہ نے لکھا ہے، رشیدیہ میں ہے:
والمدّعی من نصب نفسه لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الجزی الّذی تکلّم به من حیث انّه اثبات بالدّلیل او التّنبیه
مولانا عصام الملۃ والدین نے شرح رسالہ عضدیہ میں لکھا ہے:
المدّ عی من یفید مطابقة النّسبة الوا قع

اور یہ دونوں تعریفیں آپ پر صادق آتی ہیں اور آپ کی تعریف مخالف ہے ان دونوں تعریفوں کے۔

قولہ (قادیانی)۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعوی تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات قطعیۃ الدلالت سے پیش کریں گے لیکن بحث کے وقت اس دعوی سے نا امیدی پیدا ہوگئی اس لئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ یہ آپ کا سوءظن ہے اور ہر مسلم مامور ہے اپنے بھائی کے ساتھ حسنِ ظن کرنے کے لئے، چہ جائے کہ آپ ساشخص مدعی الہام ومجددیت ومسیحیت۔ آپ کو بالاولی حسنِ ظن چاہیے۔ میں نے صرف ایک امرنفس الامری کا اظہار کر دیا ورنہ میں تو بارثبوت حیات اپنے ذمہ لے چکا ہوں اور اس کا ثبوت ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کی بنا پر آپ کے روبرو پیش کیا گیا مگر افسوس کہ آپ نے اس قاعدہ اجماعیہ کے انکار میں کچھ حیاء کو کام نہ فرمایا۔

اب میں اس قاعدہ سے قطع نظر کر کے عرض کرتا ہوں بفضلہ تعالی میرا دعوی حیات مسیح آپ کے اقرار سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آپ نے توضیح المرام وازالہ اوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہ کی، طرف حضرت عیسیؑ کے راجع ہے۔ اب آپ چاہے قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو مانیئے نہ مانیئے، ہرطرح میرا مدعا ثابت ہے کیونکہ یا تو آپ لیؤمنن ّکو بمعنی استقبال لیجئے گا یا بمعنی حال یا بمعنی استمرار یا بمعنی ماضی۔

شق اول میں تو میرے مطلوب کا حاصل ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

شق ثانی، اول تو بدیہی البطلان ہے، سوا اس کے مطلوب اس سے بھی حاصل ہے

کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول آیت میں سب اہل کتاب حضرت عیسی پر قبل ان کی موت کے ایمان لاتے تھے ۔ پس معلوم ہوا کہ زمان نزول آیت تک زندہ تھے اور رفع یقیناً اس سے پہلے ہوا تو معلوم ہوا کہ زندہ اٹھائے گئے ۔ وھوالمطلوب ۔

شق ثالث، اول تو بدیہی البطلان ہے ۔ سوا اس کے اس شق مدعا کا ثبوت شق اول سے بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ سب اہل کتاب زمانہ گذشتہ و حال واستقبال میں حضرت عیسیٰؑ پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں ۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی وحال میں زندہ تھے اور استقبال میں بھی ایک زمانہ تک زندہ رہیں گے ۔ رفع کے وقت زندہ تھے ۔

(شق) رابع باطل ہے اس لئے کہ ایسا مضارع کہ اس کے اول میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ہو، بمعنی ماضی کہیں نہیں آیا ۔ آپ قواعد نحو کو مانتے ہی نہیں ایسے مضارع کا بمعنی ماضی آنا قرآن یا صحیح حدیث سے ثابت کیجئے ۔ و دونہ خرط القتاد ۔

افسوس کہ آپ کو جب الزام موافق قواعد نحویہ اجماعیہ کے دیا جاتا ہے تو اس کو آپ تسلیم نہیں کرتے اور اگر آپ کے مسلّمات سے آپ کو الزام دیا جاتا ہے تو بھی آپ قبول نہیں کرتے ۔ یہ امر اول دلیل ہے اس بات پر کہ آپ کو احقاق حق اور اظہار صواب ملحوظ نظر نہیں ہے ۔

قولہ (قادیانی) پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بینہ قرآن وحدیث سے نو امید ہوکر دوبارہ آیت لیؤمننّ کے نون ثقیلہ پر زور دیا ہے ۔

اقول (محمد بشیر) ۔ ان من اھل الکتاب صریح و بین ہے اور نون ثقیلہ کا بمعنی استقبال کر دینا اس کے قطعیہ میں مخل نہیں ہے ۔

قولہ (قادیانی) ۔ اور جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کے لئے ہوگئی ہے ۔

اقول (محمد بشیر) ۔ یہ قول غلط محض ہے جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین نے اس آیت کو ہرگز بمعنی حال یا استمرار نہیں لیا ہے ۔ اگر سچے ہو تو ثابت کرو ۔ رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے ضمیر کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے معنی حال یا استمرار لینا کسی طرح

لازم نہیں آتا۔ سوائے آپ کے کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ علاوہ ازیں اس تقدیر پر بھی استقبال ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ پہلی تحریر میں اقرار کر چکے ہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی کہ قال اللہ و قال الرسول سے باہر نہیں جائیں گے۔

اقول (محمد بشیر)۔ ایک قاعدہ نحو یہ اجماعیہ کو قال اللّٰہ میں جاری کرنا قال اللّٰہ سے کسی کے نزدیک خارج ہونا نہیں۔ یہ صرف آپ کا اجتہاد ہے جس کا ثبوت آپ نہیں دے سکتے بلکہ یہ خروج بقول آپ کے آپ پر لازم آگیا کیونکہ آپ خود ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں اس کے مرتکب ہوئے ہیں عبارت آپ کی یہ ہے:

وہ نہیں سوچتے کہ آیت فلمّا توفّیتنی سے پہلے یہ آیت ہے:

و اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم ءانت قلت للنّاس ۔ الخ (مائدہ ۔ ۱۱۶) ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول اذ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے۔ انتہی

اتأمرون النّاس بالبرّ و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون ۔ (بقرہ ۔ ۴۴)

قولہ (قادیانی)۔ اور نہ ان بزرگوں کی عزت و مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔

اقول (محمد بشیر)۔ آپ ایسی باتیں کرنے سے لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں، بھلا صاحب اس قاعدہ کے جاری کرنے سے ان بزرگوں کی عزت و مرتبت میں معاذ اللّٰہ کس طرح نقصان آسکتا ہے؟ ان کے کلام میں تصریح حال یا استمرار کی کہاں ہے؟ یہ تو صرف آپ کا اجتہاد ہے، آپ اپنے ساتھ ان بزرگوں کو ناحق شریک کرتے ہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ ہمارے اوپر اللہ و رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف و نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ اس پر کافی و کامل طور پر کسی آیت کے معنی کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے، تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف و نحو کو ترک نہ کریں۔

اقول (محمد بشیر) ۔ یہ بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے ۔ کافی و کامل طور پر آیت کے معنی کا کھل جانا اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت کا ملنا غیر مسلّم ہے و وجھہ مرا نفاً ۔ فتذکر ۔ علاوہ اس کے آپ نے جو باوجود نہ کھلنے معنی آیت کے اور عدم شہادت اکابر مومنین اہل زبان کے ایک قاعدہ نحو یہ اجماعیہ کا محض اپنی بات بنانے کی غرض سے انکار کیا ہے اس سے یہ احتمال قوی پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو الزام علوم لغت وصرف ونحو ومعانی اصول فقہ واصول حدیث سے، جو کہ خادم کتاب سنت ہیں، دیا جاوے گا تو آپ فوراً اس قاعدہ کا انکار کر جائیں گے اور یہ بات آپ کی علم و دیانت سے خلاف ہے کیونکہ اہل علم کو ان علوم سے چارہ نہیں ہے اور ہم کو الفاظ قرآن وحدیث کے موافق لغت ومحاورہ عرب کے سمجھنا ضروری امر ہے ورنہ کسی مسئلہ پر استدلال نہیں ہوسکتا ہے اور یہ امر فی زماننا غیر ممکن ہے کہ خود عرب جا کر ہر لغت ومحاورہ اور جمیع قواعد صرف ونحو ومعانی وغیرہ کی تحقیق کی جاوے ۔ پس اگر آپ کو کسی اہل اسلام سے مباحثہ کرنا منظور ہے، تو پہلے ان دو کاموں سے ایک کام کیجئے ۔ اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر آپ کی گریز پر محمول ہوگا ۔

یا تو لغت صرف ونحو ومعانی واصول فقہ واصول حدیث کی اجماعی باتوں کو تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے ۔ یا

بالفعل مناظرہ سب اہل اسلام سے موقوف کر کے ایک الگ کتاب علوم مذکورہ میں تصنیف فرمایئے اور جو کچھ اول علموں میں آپ کو ترمیم کرنا ہو وہ کر لیجئے ۔ اس کے بعد مباحثہ کیجئے تاکہ آپ کی مسلّمات سے آپ کو الزام دیا جاوے، ورنہ موافق اس طریق کے جو آپ نے اختیار کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا ۔

قولہ (قادیانی) ۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ان ھذان لساحران آیت موجود ہے ۔

اقول (محمد بشیر) اس کا جواب عامہ تفاسیر میں موجود ہے ۔ عبارت بیضاوی کی اس مقام پر نقل کی جاتی ہے:

و ھذان اسم انّ علی لغۃ بلحارث ابن کعب فانّھم جعلوا الالف للتّثنیۃ و اعربوا المثنی تقدیراً وقیل اسمھا ضمیر الشان المحذوف و ھذان

لساحران خبرها وقيل ان بمعنى نعم و ما بعد ها مبتداء و خبر فيهما ان اللام لا يدخل خبر المبتداء و قيل اصله انه هذا ن لهما ساحرا ن فحذ ف الضمير و فيه ان المؤكد با للام لا يليق به الحذ ف ۔

قولہ (قادیانی) جس میں بجائے ان هذا ن کے ان هذ ين لکھا ہو۔

اقول (محمد بشیر) یہ خطائے فاحش ہے ۔صواب یہ ہے کہ جس میں بجائے ان هذين کے ان هذا ن لکھا ہو۔

قولہ ۔(قادیانی) آپ کو یاد ہوگا کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف ونحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم ومکمل ہیں ۔

اقول (محمد بشیر) ۔ یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت کہی جائے تو مسلّم ہے، لیکن قواعد اجماعیہ کی نسبت ایسا کہنا گویا دروازہ الحاد کا کھولنا اور سب احکام شرعیہ کا باطل کرنا ہے، کیونکہ قواعد جب غلط ٹھہرے خود عرب میں جا کر فی زمانناتحقیق لغت وقواعد صرف ونحو غیر ممکن ۔ پس پابندی قواعد کی باقی نہ رہے گی ہر شخص اپنی ہوا کے موافق قرآن وحدیث کے معنی کرے گا آپ کو چاہیے کہ قواعد اجماعیہ کے تسلیم کا جلد اشتہار دے دیجئے یا کوئی کتاب لغت وقواعد صرف ونحو موافق قرآن وحدیث کے اپنے اجتہاد سے بنا کر جلد شائع کیجئے تاکہ انہی قواعد کے بنا پر آپ سے بحث کی جاوے ۔

قولہ (قادیانی)۔قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کرتا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ سبحا نک هذا بهتا ن عظيم (النور ۔ ۱٦)

قولہ (قادیانی)۔اور اس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی۔

اقول (محمد بشیر)۔ آپ ان اکابر کا مطلب نہیں سمجھے ۔ فافهم ۔

قولہ (قادیانی) ۔ابھی میں انشاءاللہ تعالی یہ آپ پر ثابت کردونگا کہ آیت ليؤمننّ به آپ کے معنوں پر اس صورت میں قطعیۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے جب ان سب بزرگوں کے قطعی الجہالت ہونے پر فتوی لکھا جاوے ۔اور نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی اس میں داخل کر دیا جائے ۔

اقول (محمد بشیر) توضیح مرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت و ان من اهل الکتا ب الّا لیؤمننّ به قبل موته بتصریح وفات مسیح پر دلالت کرتی ہے۔

صفحہ ۸ میں مرقوم ہے:

اور قرآن شریف میں اگر چہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بتصریح کہیں ذکر نہیں لیکن ان کے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے۔

حاشیہ میں وہ تین آیتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں سے آیت

و ان من اهل الکتا ب بھی ہے۔

ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں ہے:

غرض قرآن شریف میں تین جگہ مسیح کا فوت ہو جانا بیان کیا گیا ہے۔

ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۶ میں ہے:

چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ ان من اهل الکتا ب الا لیؤمننّ به قبل مو ته۔

جاننا چاہیے کہ آپ کی یہ تقریر با دنی تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ آیت لیؤ مننّ کے وفات مسیح پر اس وقت صریحۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی جہالت پر فتوی لکھا جاوے نعوذ باللّٰہ نبی معصوم کو بھی ان میں داخل کیا جاوے ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں دلالت کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

قولہ (قادیانی)۔ اب میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسی کے نزول کے لئے قطعیۃ الدلالۃ قرار دیا ہے یا کچھ اور بھی معنی لکھے ہیں۔

اقول (محمد بشیر) یہ طعن با دنی تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں بلکہ جو آپ نے طعن کی ہے، اس سے اشد ہے۔ یعنی آپ نے فرمایا ہے کہ آیت و ان من اهل الکتا ب موت مسیح پر دلالت کرتی ہے اور آپ کے بعض عبارات سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ دلالت صریحی ہے۔ پس کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسی کی وفات پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ ایک نے بھی نہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ کشاف صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمننّ به کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے ....

اقول (محمد بشیر)۔ اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مفسرین نے قطعیۃ

الدلالۃ ہونے کی تصریح نہیں کی اس کے معنی لکھے ہیں لیکن مفسرین کا قطعی الدلالۃ تصریح نہ کرنا قطعیۃ کو باطل نہیں کرتا۔آپ کے نزدیک انّی متوفّیک اور لمّا توفّیتنی قطعیۃ الدلالت ہے موت حضرت عیسی علیہ السلام پر حالانکہ مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسی کی موت کے لئے قطعی الدلالۃ نہیں قرار دیا ہے۔ کچھ اور ہی معنی لکھے ہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔نووی کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اکثروں نے ضمیر موتہ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے آپ کے نزدیک بھی قطعیۃ الدلالۃ میں فرق نہیں ہوتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک آیت و انّی متوفّیک وآیت فلمّا توفّیتنی قطعیۃ الدلالۃ ہے وفات مسیح پر حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے :

و قال الاکثرون المراد بالوفاۃ ھھنا النوم۔

اور ایسا ہی آپ کے نزدیک آیت و ان من اھل الکتاب دلیل صریح ہے وفات مسیح پر اور حالانکہ وفات مسیح کا اس میں رائحہ بھی نہیں ہے۔ نہ بر تقدیر اس قول کے جس کو نووی نے اکثرین کا قول قرار دیا ہے اور نہ بر تقدیر قول آخر کے جو اس کا مقابل ہے۔ اس کے بعد آپ نے عبارت مدارک اور بیضاوی و تفسیر مظہری کی نقل کی ہے اور ہر ایک کا ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے اور حالانکہ ان سب سے اور کسی امر جدید کا فائدہ نہیں ہوا۔ سوائے اس کے ضمیر موتہ میں اختلاف ہے اور او پر ثابت ہوا کہ مجرد اختلاف معانی قطعیت و دلالت صریحہ کے مخالف نہیں۔ ورنہ چاہیے کہ آپ سے ادلہ وفات آیت انّی متوفّیک اور آیت فلمّا توفّیتنی اور آیت وان من اھل الکتاب ادلہ قطعیہ اور دلیل صریح نہ ہوں و ھو خلاف ما ادعیتم۔

اور تفسیر مظہری والے کا یہ قول

و کیف یصحّ ھذا التّاویل ما ان کلمۃ ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النّبیّ ﷺ البتہ سواء کان ھذا الحکم خاصاً بھم اولا فان حقیقۃ الکلام المحال ولا وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسی علیہ السلام

مخدوش ہے اور مخالف ہے عامہ تفاسیر کے، کیونکہ کلام کا حال کے لئے حقیقت ہونا اس

تقدیر پر ہے کہ کوئی صارف نہ پایا جائے اور یہاں نون تاکید صارف موجود ہے اور یہی وجہ ہے اس امر کی کہ اہل کتاب سے ایک فریق خاص مراد لیا جاوے۔

اور یہ جو تفسیر مظہری میں ہے

اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم و عروۃ قال فی مصحف ابی بن کعب و ان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتھم

مخدوش ہے کہ تفسیر مظہری میں اس قرأت کی پوری سند مذکور نہیں۔ ابن کثیر نے اس قرأت کو اس طرح پر روایت کیا ہے

حدثنی اسحاق بن ابراھیم ابن حبیب الشھید حدثنا عتاب بن بشیر عن خصیف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس و ان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتھم۔

اس میں دو راوی مجروح ہیں۔ اول خصیف۔ دوم عتاب ابن بشیر۔

خصیف کے ترجمہ میں تقریب میں لکھا ہے:

صدوق سیّء الحفظ خلط بآخرہ رمی بالارجاء

میزان میں ہے:

ضعفہ احمد و قال ابو حاتم تکلم فی سوء حفظہ و قال احمد ایضاً تکلم فی الارجاء وقال عثمان بن عبد الرحمان رأیت علی خصیف ثیاباً سوداکان علی بیت المال۔ انتھی ملخصاً

عتاب کے ترجمہ میں میزان میں مرقوم ہے:

قال احمد اتا عن خصیف بمناکیر اراھا من قبل خصیف قال النّسائی لیس ھذا لک فی الحدیث و قال ابن المدینی کان اصحابنا یضعفونہ و قال علی ضربنا علی حدیثہ۔ انتھی ملخصاً

قولہ (قادیانی) اور بلاشبہ قرأت شاذہ حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔ عموماً یہ بات غلط ہے۔ ہاں قرأت شاذہ جو بسند صحیح متصل کہ شذوذ دیگر علل خفیفہ غامضہ قادحہ سے خالی ہو البتہ حکم حدیث صحیح کا رکھتی ہے اور ابھی واضح ہوا کہ اس کی سند میں دو رجال مجروح ہیں۔

قولہ (قادیانی)۔اب فرض کے طور پر اگر قبول کر لیں کہ اگر ابن عباس ؓ اور علی ابن طلحہ ؓ اور عکرمہ ؓ وغیرہ صحابہ ان معنوں کی سمجھ میں خطا پر تھے اور قرأت ابی ؓ بن کعب بھی یعنی قبل موتھم کامل درجہ پر ثابت نہیں تو کیا آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ به پر اس کا کچھ بھی اثر ٹھہرا۔کیا وہ دعوی جس کے مخالف صحابہ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیۃ الدلالۃ ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔نہ صحابہ کا اتفاق خلاف پر ہے اور نہ تمام تفسیروں کا۔ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موته میں البتہ منقول ہیں، اس سے البتہ قطعیۃ الدلالۃ اور صریح الدلالۃ ہونے میں فرق نہیں آتا ہے، اس کے نظائر کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں۔ من شاء فلیرجع الیها ۔علاوہ اس کے اس بنا پر آپ کے ادلّہ وفات میں سے آیت انّی متوفّیک آیت فلمّا توفّیتنی و آیت و ان من اهل الکتاب بھی نہ قطعیۃ الدلالت ٹھہرتی ہے نہ صریحۃ الدلالۃ ۔کیونکہ ان آیات میں چند اقوال منقول ہیں فما هو جوابکم فهو جوابنا

قولہ (قادیانی)۔مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین سے کسی گروہ نے آپ کے معنی قبول نہیں کئے ہیں۔

اقول (محمد بشیر) یہ کذب صریح ہے۔تحریر اول میں عبارت ابن کثیر نقل کی گئی ہے اس سے ابن عباس ؓ وابو مالک وحسن بصری ی وقتادہ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرواحد کا اس معنی کو قبول کرنا ثابت ہے اور ابو ہریرہ کا اس معنی کو قبول کرنا صحیحین میں مصرح ہے ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ معنی بدلیل قاطع ثابت ہیں اور بھی ابن کثیر میں ہے:

و اولی هذه الاقوال بالصّحة القول الاوّل و هو انه لا یبقی احد من اهل الکتاب بعد نزول عیسی علیه السلام الّا آمن به قبل موت عیسی ولا شکّ انّ هذا الّذی قاله ابن جریر هو الصّحیح المقصود من سباق الآی فی تقریر بطلان ما ادعته الیهود من قتل عیسی و صلبه و تسلیم من سلم لهم من النّصاری الجهلة ذلک۔انتهی

قولہ (قادیانی) اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اس کی یہ

وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کرلیا جاوے نعوذ باللّٰہ بقول آپ کے ابن عباسؓ جیسے صحابی کو جاہل و نادان قرار دینا پڑے گا۔

اقول (محمد بشیر) میں نے تو وہی معنی جو تمام صحابہ و تابعین وغیرھم سے منقول ہیں، اور وہی قاعدہ جو عامہ مسلمین کا معمول رہا ہے، لکھے ہیں۔ البتہ آپ کے مسائل مخترعہ کی بنا پر سارے صحابہ کو جاہل ماننا پڑتا ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابی۔

علاوہ اس کے اول صحابہ کے کلام میں کہیں تصریح معنی حال کی نہیں ہے ان کا کلام معنی مستقبل پر بھی محمول ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ تحریر اول میں اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جن لوگوں نے ضمیر کتابی کی طرف پھیری ہے وہ اس امر میں خطا پر ہیں یہ کوئی مقام استبعاد نہیں۔ آپ بہت سے صحابہ کو اکثر مسائل میں خطا پر جانتے ہیں۔

قولہ (قادیانی)۔ اور قرأت قبل موتھم کو خواہ نخواہ افتراء قرار دینا پڑے گا۔

اقول (محمد بشیر)۔ خواہ نخواہ چہ معنے دارد۔ قرأت مذکور فی الواقع ضعیف ہے لائق احتجاج نہیں کما مرّ بیانہ آنفاً۔

قولہ (قادیانی)۔ کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین کو بلکہ ہزارہا جواب تک یہ معنی کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے۔

اقول (محمد بشیر)۔ سراسر مبنی سوءفہم پر ہے معنی مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں کہ وہ مخالف ہے قاعدہ نحو کے بلکہ یہ معنی تو سراسر موافق ہیں قاعدہ نحو کے کیونکہ اس معنی پر تو مضارع صریح بمعنی استقبال کیا گیا ہے ذرا سوچ کر جواب دیجئے۔

قولہ (قادیانی) کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم نہ رکھا ... (الی قولہ) ... بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔

اقول (محمد بشیر)۔ دو بڑی تفسیریں معتبر پرانی پیش کرتا ہوں ایک تفسیر ابن کثیر دوسری تفسیر ابن جریر۔ کہ ان دونوں نے معنے مذکور کو مقدم نہیں رکھا اور نہ میرے معنی کو ضعیف کہا، بلکہ صحت کی تصریح کی ہے۔ پس اس مقام پر کذب اس قول کا کالشّمس فی نصف النّہار ظاہر ہوگیا۔

قولہ۔(قادیانی) حضرت اس قرأت سے حضرت مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی۔(آپ نے) تو قبل موته کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرنی تھی۔
اقول (محمد بشیر)۔ یہ قول بھی سوء فہم پر مبنی ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ قرأت مذکورہ سے مسیح بن مریم کی زندگی ثابت ہے۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ قرأت مذکورہ مخالف ہمارے معنی کے نہیں۔ بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہے نہ اثبات دعوی وبینهما فرق۔
قولہ (قادیانی)۔ ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی اسناد پیش کر دی ہیں۔
اقول (محمد بشیر)۔سند میں جو جرح ہے وہ میں نے اوپر بیان کر دی۔ فتذکر
قولہ (قادیانی) بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو۔
اقول (محمد بشیر)۔تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنی کی صحت پر معترض ہیں۔
قولہ (قادیانی) الہامی معنی جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں
اقول (محمد بشیر) یہ محض غلط ہے کیونکہ الہامی معنی کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موته کی راجع طرف عیسی کے ہے اور معنی مذکور کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موته کی راجع طرف کتابی کے ہے۔پس سخت تعارض وبیّن تخالف موجود ہے۔ مجھ کو سخت تعجب ہے آپ کی دیانت سے کہ آپ باوجود یکہ ضمیر موته کا مرجع عیسی ہونا اپنی کتب میں تسلیم کر چکے ہیں اور آیت وان من اهل الكتاب کو صریحۃ الدلالت وفات عیسی پر کہتے ہیں پھر اس اقراری حق سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور جحدوا بها و استيقنتها انفسهم کی وعید سے نہیں ڈرتے۔
قولہ (قادیانی) کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں ہے۔
اقول۔(محمد بشیر) یہ امر مسلّم ہے بے شک زمانہ، نام مقدار غیر قار کا ہے اور حال ایک فرد ہے زمانہ کا، اور حد حقیقی حال کی باعتبار عرف کے یہی ہے کہ تکلم فعل کے پہلے زمانہ کا تو ماضی ہے اور تکلم فعل کے بعد کا زمانہ مستقبل ہے، اور تکلم فعل کے مبداء سے منتہی تک زمانہ حال ہے۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ استقبال قریب ہرگز حال نہیں ہوسکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قول کے تکلم کا زمانہ بعد ہے زمانہ تکلم فلنولّینّک سے۔ پس اس کے استقبال ہونے میں کیا شک ہے۔

قولہ (قادیانی) جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں

اقول (محمد بشیر)۔فرق نہ کرنا درمیان مستقبل قریب و حال کے محصلین سے بعید ہے جیسا کہ ماہر علم نحو پر بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں ہے۔

قولہ (قادیانی)۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے مگر یہ کہاں سے ثابت ہے کہ وعدہ آنے والے لوگوں کے لئے خاص ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔ یہ کس نے کہا کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کے لئے خاص ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کا ایفاء زمانہ آئندہ ہی میں ہوسکتا ہے، نہ حال میں۔اوراس بات میں جو آپ نے طول کیا ہے اس کو اصل مطلب سے کچھ علاقہ نہیں اور ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے۔صرف بحث اس میں ہے کہ یہ سنت اللہ ان آیات وعد و وعید سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے دوسری آیات دلیل ہیں۔

قولہ (قادیانی) اب دیکھئے کہ ان آیات سے بھی آپ کا دعوی قطعیۃ الدلالت ہونا آیت لیؤمنن بہ کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے

اقول (محمد بشیر)۔آیات منافی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ کے نہیں، بلکہ آیت لیؤمننّ آیات مذکورہ کی مخصص واقع ہوئی ہے۔

قولہ۔حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو۔

اقول۔ یہ حصر غیر مسلّم ہے کیونکہ حلیم قرآن مجید میں صفت غلام کی آئی ہے فرمایا اللہ تعالی نے فبشر ناہ بغلام حلیم ۔اور غلام کے معنی کودک صغیر کے ہیں کما فی الصّراح ۔ پس محتمل ہے کہ حلیم اس مقام پر ماخوذ حلم سے ہو جو آہستگی و برد باری کے معنی میں ہے کما فی الصّراح۔

قاموس میں ہے و الحلم بالکسرا لانائۃ و العقل جمعہ احلام و حلوم و منہ ام تا مر ھم احلامھم و ھو حلیم جمع حلماً و احلاما۔

قولہ۔ (قادیانی) جب کہ عیسی بن مریم کی حیات ہی ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے،تو عیسی کے حقیقی معنی کیونکر مراد ہو سکتے ہیں؟

اقول۔ (محمد بشیر) اس کلام میں بدو وجہ شک ہے۔اول یہ کہ آیت و ان من اھل

الکتاب سے آپ کے اقرار سے صراحتاً موت ثابت ہے کیونکہ آپ نے توضیح المرام وازالہ اوہام میں اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہ عیسی کی طرف راجع ہے اور بعد اقرار اس امر کے حیات کا اقرار لازم آتا ہے کما مرّ تقریرہ بحیث لا یحوم حولہ

دوم بر تقدیر موت بھی نزول خود حضرت عیسی کا نہ محال ہے اور نہ محال عادی۔اور جو چیز محال عادی وعقلی نہ ہو اور مخبر صادق اس کی خبر دے تو اس سے انحراف جائز نہیں اور احادیث صحیحہ میں نزول عیسی کی خبر متواتر موجود ہے۔

قولہ (قادیانی)۔جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا۔

اقول (محمد بشیر)۔اس میں کچھ ملازمت نہیں۔ بر تقدیر وفات بھی نزول کے نہ ماننے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔

قولہ (قادیانی) ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے ان سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے۔

اقول (محمد بشیر)۔ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر احادیث بھی بخاری میں ایسی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔پس آپ کو چاہیے کہ براہ عنایت ان احادیث کو نقل فرمائیے تاکہ اس میں نظر کی جاوے کہ وہاں مثیل مراد لیا گیا ہے یا نہیں۔

قولہ (قادیانی)۔افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔

اقول (محمد بشیر)۔افسوس کہ باوجود اس کے کہ آپ کے اقرار سے حیات مسیح آیت و ان من اھل الکتاب سے صراحتً ثابت ہوگئی، پھر بھی آپ ایسا فرماتے ہیں انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون ۔ و الی اللّٰہ المشتکی۔

اب سنئے یہ تو آپ کی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا۔اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنے والا جواب دیا جاتا ہے۔آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں۔ایسا کریں گے تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سے آپ کو غرض نہیں ہے، وہ جواب یہ ہے کہ

میں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے ان جملہ دلائل کو جن کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا ہوں یک بارگی قلم بند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میرا اصل متمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے اور اس کے قطعیۃ الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحو یہ اجماعیہ کو پیش کیا۔ آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہوتے تو اس کے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرتے۔ یا تو میرے جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کرتے اور ان میں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑتے۔ یا صرف میری اصل دلیل سے تعرض فرماتے، اس کے سوا کسی بات کے جواب سے معترض نہ ہوتے۔ آپ نے پہلی صورت اختیار کی نہ دوسری۔ بلکہ میری اصلی دلیل کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کیا مگر ان کو بھی ادھورا چھوڑا، اور بہت سی باتوں کا حوالہ آئندہ پر چھوڑا، اور ان کے مقابلہ میں اپنے دلائل احادیث بخاری وغیرہ کے بیان کو بھی آپ نے آئندہ پرچہ پر ملتوی کیا، اور جو کچھ بیان کیا، ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکہ کھائیں اور خواص ناخوش ہوں۔ اس کی مثال آپ کی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحب من! جس حالت میں، میں خود مدعی ہو کر دلائل پیش کر چکا تھا تو آپ کو اس بحث کی کیا ضرورت تھی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کا ذکر بے موقع کر کے لوگوں کو پھر جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ کے مخاطب ہیں۔ حالانکہ شیخ الکل کی بحث سے فرار اختیار کر کے آپ نے مجھے مخاطب بحث بنایا تھا۔ لہذا شیخ الکل کا ذکر میرے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا۔

تیسری مثال یہ ہے کہ آپ نے چند تفاسیر کی عبارات و اقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ و تابعین مسئلہ حیات و وفات مسیح میں آپ کے موافق اور ہمارے مخالف ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے۔ کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت مسیح ابن مریمؑ اس وقت زندہ نہیں ہیں۔

چوتھی مثال آپ کا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون یؤمننّ کو استقبال کے لئے ٹھہرانا

تمام صحابہ ومفسرین کو جاہل قرار دینا ہے جو سراسر آپ کا دھوکا ومغالطہ ہے۔

آپ کی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ تو جواب ترکی بترکی دے چکا آئندہ بھی یہ ہی طریقہ جاری رہا تو اس سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جائے گی اور آپ کے اتباع میں آپ کی جواب نویسی ثابت ہو جائے گی۔ مگر اس میں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ ان پر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپ کا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد وفات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو ادھر ادھر لے جا کر ٹلا رہے ہیں۔

لہذا آئندہ آپ کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہو تو

زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل دلیل پر کلام و بحث کو محدود ومحصور کریں۔

اور جو میں بہ شہادت قواعد نحو یہ اجماعیہ مضمون آیت کا زمانہ استقبال سے مخصوص ہونا اور بصورت صحت تخصیص اس مضمون کا وقت نزول مسیح سے مخصوص ہونا ثابت کیا ہے، اس کا جواب درصورت تسلیم قواعد نحو یہ اجماعیہ دوحرفی دیں کہ تمام قواعد نحوی بے کار و بے اعتبار ہیں یا خاص کر یہ قاعدہ غلط ہے، اور اس کو فلاں شخص نے غلط قرار دیا ہے، اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال عرب عرباء سے یہ دلیل ہے، اور بجائے اس کے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے۔

یا یہ کہ فہم معنی قرآن کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے جس طرح کوئی چاہے قرآن کے معنی گھڑ سکتا ہے۔

اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تخصیص مضمون آیت بزمانہ استقبال اس مضمون کے تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے باطل ہے یا اس تخصیص سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور معنی سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہو سکتا ہے۔

اور اگر مجرد اختلاف مفسرین تفسیر آیت میں اسی تخصیص کا مبطل ہو سکتا ہے اور مجرد اقوال مفسرین آپ کے نزدیک لائق استدلال و استناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ وتابعین کے ان اقوال کو جو درباب حیات مسیح وارد ہیں، قبول کریں یا ان کے ایسے معنی بتاویں جن سے وفات مسیح ثابت ہو۔

ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ وتابعین ہمارے ساتھ ہیں۔ ان میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ مسیح ابن مریم اب زندہ نہیں ہیں۔آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کر دیں کہ حضرت مسیح اب زندہ نہیں ہیں تو ہم دعوی حیات مسیح سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے اب اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے تو ہم سے جملہ مفسرین وصحابہ وتابعین کے اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ پرچہ میں نقل کریں گے۔آپ مانیں یا نہ مانیں۔ عام ناظرین تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس سے نتیجہ بحث نکالیں گے۔ آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں گے اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف دوحرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ محمد بشیر عفی عنہ۔ ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔

☆ غلام احمد قادیانی کا تیسرا پرچہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔ .... امّا بعد

اے ناظرین! آپ صاحبوں پر واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر نے مجھ سے تحریری مباحثہ شروع کر کے اس بات کا ثابت کرنا اپنے ذمہ لیا تھا کہ حضرت عیسی بن مریم زندہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اب اے ناظرین یہ عاجز آپ صاحبوں کی خدمت میں صاف اور سہل اور مختصر طور پر اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے دعوی کا اپنے تین پرچوں میں کیا ثبوت دیا اور میری طرف سے اس ثبوت کے باطل اور ہیچ اور لغو محض ہونے پر اپنے اس تیسرے پرچہ تک کیا کیا ثبوت پیش ہوا تا آپ لوگ خود منصف بن کر دیکھ لیں کہ کیا درحقیقت مولوی صاحب نے کسی قطعیۃ الدلالت آیت سے جیسا کہ ان کا دعوی تھا حضرت مسیح ابن مریم کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہونا ثابت کر دکھایا ہے یا وہ ایسے قطعی ثبوت پیش کرنے سے ناکام رہے اور کوئی ایسی آیت پیش نہ کر سکے کہ جو یقینی اور قطعی طور پر حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر دلالت کرتی ہو اور بنظر

تحقیق کوئی دوسرے معنے مخالف ان معنوں کے اس سے نکل نہ سکتے ہوں۔

سو میں آپ صاحبوں کو سناتا ہوں کہ اول حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس دعوی کی تائید میں کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں پانچ آیتیں اپنی طرف سے پیش کی تھیں۔ پھر چار آیتوں کو تو خود اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دیا کہ ان سے حضرت مسیح کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ یعنی یہ کئی احتمال رکھتی ہیں اور قطعیۃ الدلالت نہیں ہیں اور تمام مدار اپنے دعوی کا اس آیت پر رکھا کہ جو سورت نساء میں موجود ہے اور وہ یہ ہے و ان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ به قبل موته (نساء۔ ۱۵۹) مولوی صاحب اس آیت کو حضرت عیسی کی جسمانی زندگی پر قطعیۃ الدلالت قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے قطعی طور پر یہی معنی ہیں کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ جو عیسی پر اس کی موت سے پہلے ایمان نہیں لائے گا۔ اور چونکہ اب تک تمام اہل کتاب، کیا عیسائی اور کیا یہودی، حضرت عیسی پر سچا اور حقیقی ایمان نہیں لائے بلکہ کوئی ان کو خدا قرار دیتا ہے اور کوئی ان کی نبوت کا منکر ہے اس لئے ضروری ہے کہ حسب منشاء اس آیت کے حضرت عیسی کو اس زمانہ تک زندہ تسلیم کرلیا جائے جب تک کہ سب اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔

مولوی صاحب اس بات پر حد سے زیادہ ضد کر رہے ہیں کہ ضرور یہ آیت موصوفہ بالا حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح معنے اس کے ہیں کسی دوسرے معنے کا احتمال اس میں ہرگز نہیں اور اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گویا بعض صحابہ اور تابعین اور مفسرین نے اور بھی کتنے معنی اس آیت کے کئے ہیں مگر وہ معنی صحیح نہیں ہیں۔ کیوں صحیح نہیں؟ اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ اس جگہ لیؤمننّ کا صیغہ نون ثقیلہ کے لگنے کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہوگیا ہے اور خالص استقبال کے معنے صرف اسی طریق بیان سے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسی کا کسی آئندہ زمانہ میں نازل ہونا قبول کر کے پھر اس زمانہ کے اہل کتاب کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب کے سب حضرت عیسی پر ایمان لے آویں گے اور فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ نے اس کے مخالف معنی کئے ہیں اور قبل موته کی ضمیر کتابی کی طرف پھیر دی ہے یہ معنی ان کی نحو کے اجماعی قاعدہ کے مخالف ہیں۔

کیوں مخالف ہیں؟ اس وجہ سے کہ ایسے معنوں کے کرنے سے لفظ لیؤمنن ؔ کا خالص استقبال کے لئے مخصوص نہیں رہتا۔ سو مولوی صاحب کی اس تقریر کا حاصل کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابن عباس اور عکرمہ اور ابی بن کعب وغیرہ صحابہ نحو نہیں پڑھے ہوئے تھے اور نحو کے وہ اجماعی قواعد جو مولوی صاحب کو معلوم ہیں، انہیں معلوم نہیں تھے اس لئے وہ ایسی صریح غلطی میں ڈوب گئے جو انہیں وہ قاعدہ یاد نہ رہا جس پر تمام نحویوں کا اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا بلکہ انہوں نے اپنی زبان کا قدیمی محاورہ بھی چھوڑ دیا جس کی پابندی طبعًا ان کی فطرت کے لئے لازم تھی۔ ناظرین برائے خدا غور فرماویں کہ کیا مولوی صاحب اس بات کے مجاز ٹھہر سکتے ہیں کہ ابن عباس جیسے جلیل الشان صحابی کو نحوی غلطی کا الزام دیویں۔ اور اگر مولوی صاحب نحوی غلطی کا ابن عباس پر الزام قائم نہیں کرتے تو پھر کیا کوئی اور بھی وجہ ہے کس کے رو سے مولوی صاحب کے خیال میں ابن عباسؓ کے وہ معنی اس آیت متنازع فیہ میں رد کے لائق ہیں جن کی تائید میں ایک قرائت شاذہ بھی موجود ہے۔ یعنی قبل موتھم۔ فرض کرو کہ وہ قرائت بقول حضرت مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے۔ یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افتراء ہے۔ پس وہ کیا ابن عباسؓ کے معنوں کو ترجیح دینے کے لئے کچھ بھی اثر نہیں ڈالتی۔ یہ کس قسم کا تحکم ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ ابن عباسؓ کے یہ معنی نحوی قاعدہ کے مخالف ہیں۔ اور قرائت قبل موتھم کسی راوی کا افتراء ہے۔ ابن عباسؓ اور عکرمہ پر یہ الزام دینا کہ وہ نحوی قاعدہ سے بے خبر تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مولوی صاحب یا کسی اور کا (کیا) حق (ہے) کہ ان بزرگوں پر ایسا الزام رکھ سکے جن کے گھر سے ہی نحو نکلی ہے۔ ظاہر ہے کہ نحو کو ان کے محاورات اور ان کے فہم کے تابع ٹھہرانا چاہیے نہ کہ ان کی بول چال اور ان کے فہم کا محک اپنی خود تراشیدہ نحو کو قرار دیا جائے۔

اب اگر مولوی صاحب اپنی ضد کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے اور ابن عباسؓ اور عکرمہ کو نحو کے اجماعی قاعدہ سے بے خبر ٹھہراتے ہیں اور قرائت ابی بن کعب کو بھی، جو قبل موتھم ہے، بکلی مردود اور متحقق الافتراء خیال کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ صرف ان کے دعوی سے ہی یہ ان کا بہتان قابل تسلیم نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اگر وہ اپنے معنوں کو قطعیۃ الدلالت بنانا چاہتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ ان دونوں باتوں کا قطعی

طور پر پہلے فیصلہ کر لیں کیونکہ جب تک ابن عباسؓ اور عکرمہؒ کے مخالفانہ معنوں کا احتمال صحت باقی رہے اور ایسا ہی گو حدیث قرأت شاذہ بقول مولوی صاحب ضعیف ہے مگر احتمال صحت رکھتی ہے تب تک مولوی صاحب کے معنے باوجود قائم ہونے ان تمام احتمالات کے کیونکر قطعی ٹھہر سکتے ہیں۔

ناظرین آپ لوگ خود سوچ لیں کہ قطعی معنی تو انہی معنوں کو کہا جاتا ہے جن کی دوسری وجوہ سرے سے پیدا نہ ہوں، یا پیدا تو ہوں لیکن قطعیت کا مدعی دلائل شافیہ سے ان تمام مخالف معنے کو توڑ دے۔ لیکن مولوی صاحب نے اب تک ابن عباسؓ اور عکرمہ کے معنوں اور قبل موتھم کی قرأت کو توڑ کر نہیں دکھلایا۔ ان کا توڑنا تو صرف ان دو باتوں میں محدود تھا۔ اول یہ کہ مولوی صاحب صاف بیان سے اس بات کو ثابت کر دیتے کہ ابن عباسؓ اور عکرمہؒ ان کے اجماعی قاعدہ نحو سے بکلی بے خبر اور غافل تھے اور انہوں نے سخت غلطی کی کہ اپنے بیان کے وقت نحو کے قواعد کو نظر انداز کر دیا۔ دوسرے مولوی صاحب پر یہ بھی فرض تھا کہ قرأت شاذہ قبل موتھم کے راوی کا صریح افتراء ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ فخر الآئمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں؟ اور کیا وہ محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں۔

ناظرین متوجہ ہو کر سنو! اب میں اس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر فرض کے طور پر ابن عباسؓ اور عکرمہؒ اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے معنی، جو مخالف مولوی صاحب کے معنوں کے ہیں، غلط ٹھہرائے جاویں اور قبول کیا جاوے کہ یہ تمام اکابر اور بزرگ مولوی صاحب کے اجماعی قاعدہ نحو سے عمداً یا سہواً باہر چلے گئے تو پھر بھی مولوی صاحب کے معنی قطعیۃ الدلالت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس کی وجوہ یہ ہیں:

اول۔ یہ کہ مولوی صاحب کے ان معنوں میں کئی امور ہنوز قابل بحث ہیں جن کا وہ یقینی طور پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان کا ایک ہی معنوں پر قطعیۃ الدلالۃ ہونا پایہ

ثبوت پہنچا چکے ہیں۔

ازانجملہ ایک یہ کہ اہل کتاب کا لفظ اکثر قرآن کریم میں موجودہ اہل کتاب کے لئے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، بیان فرمایا گیا ہے اور ہر ایک ایسی آیت کا جس میں اہل کتاب کا ذکر ہے وہی مصداق اور شان نزول قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر مولوی صاحب کے پاس باوجود اس دوسرے معنے ابن عباسؓ اور عکرمہؓ کے کون سی قطعی دلیل اس بات پر ہے کہ اہل کتاب سے مراد اس زمانہ نا معلوم کے اہل کتاب ہیں جس میں تمام وہ لوگ حضرت عیسی پر ایمان لے آئیں گے۔

ازانجملہ ایک یہ کہ مولوی صاحب نے یقین مرجع لیؤمننّ بہ میں کوئی قطعی ثبوت پیش نہیں کیا۔ کیونکہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر معتبرہ میں حضرت عکرمہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنھم سے یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہ کی جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی طرف پھرتی ہے اور یہ روایت قوی ہے کیونکہ مجرد مسیح ابن مریم پر ایمان لانا موجب نجات نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لانا بلاشبہ موجب نجات ہے کیونکہ وہ ایمان تمام نبیوں پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ پس اگر حضرت عیسی کو بہ کی ضمیر کا مرجع ٹھہرایا جائے تو اس کا فساد ظاہر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی اہل کتاب شرک سے توبہ کر کے صرف حضرت عیسی کی رسالت اور عبدیت کا قایل ہو لیکن ساتھ اس کے ہمارے سید و مولی حضرت محمد ﷺ کی رسالت سے قطعاً منکر ہو، تو کیا وہ اسی ایمان سے نجات پا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر یہ ضمیر بہ کی حضرت عیسی کی طرف آپ کے معنوں کی رو سے کیونکر پھر سکتی ہے۔ اگر یہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی تو ہم یہ خیال کر لیتے اس میں حضرت عیسی بھی داخل ہیں لیکن ضمیر تو واحد کی ہے صرف ایک کی طرف پھرے گی۔ اور اگر وہ ایک بجز ہمارے نبی ﷺ کے کوئی دوسرا ٹھہرایا جائے تو معنی فاسد ہوتے ہیں۔ لہذا بالضرورت ماننا پڑے گا کہ اس ضمیر کا مرجع ہمارے نبی ﷺ ہیں۔ اس صورت میں موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیری جائے گی۔

اور اگر آپ اس جگہ یہ اعتراض کریں کہ ایسے معنوں سے لیؤمنن کا لفظ استقبال کے خالص معنوں میں کیونکر رہے گا، تو میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ جیسے آپ کے معنوں میں رہا ہوا ہے۔ اس وقت ذرہ آپ متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں اور اس قادر سے مدد چاہیں

جو سینوں کو کھولتا اور دلوں میں سچائی کا نور نازل کرتا ہے۔

حضرت سنئے! آپ اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ایک زمانہ قبل موت عیسی کے ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب حضرت عیسی پر ایمان لے آئیں گے اور بموجب روایت عکرمہ برعایت آپ کے نحوی قاعدہ کے یہ معنی ٹھہریں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب نبی خاتم الانبیاء ﷺ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے۔ جس ایمان کے طفیل مسیح ابن مریم پر بھی ایمان لانا انہیں نصیب ہو جائے گا۔ اب حضرت! اللہ جلّ شانہ سے ڈر کر فرمایئے کہ کیا آپ کے قطعیۃ الدلالت ہونے کا دعوی بکلی نابود ہو گیا، یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ آپ خوب سوچ کر اور دل کو تھام کر بیان فرماویں کہ آپ کی طرز تاویل میں کون سی خالص استقبال کی علامت خاص طور پر پائی جاتی ہے جو اس تاویل میں وہ نہیں پائی جاتی۔ ناظرین! برائے خدا آپ بھی ذرا سوچیں۔ بہت صاف بات ہے ذرہ توجہ فرماویں۔ اے ناظرین آپ لوگ جانتے ہیں کہ کئی دن سے مولوی صاحب سے یہی بحث لگی ہوئی تھی اور فقط اسی بات پر ان کی ضد تھی کہ لفظ لیؤمننّ لام اور نون ثقیلہ کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہو گیا ہے۔ اور مولوی صاحب اپنے گمان میں یہ سمجھ رہے تھے کہ خالص استقبال صرف اس طور کے معنے کرنے سے متحقق ہوتا ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر مسیح ابن مریم کی طرف پھیریں اور اس کی حیات کے قائل ہو جائیں۔ اور اب اے بھائیو! میں نے ثابت کر کے دکھلا دیا کہ خالص استقبال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسی کی طرف پھیری جائے بلکہ اس جگہ حضرت عیسی کی طرف ضمیر بہ ضمیر قبل موتہ پھیرنے سے معنی ہی فاسد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ فقط عیسی پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ سچے اور واقعی معنے اس طرز پر یہی ہیں کہ ضمیر بہ کی ہمارے سید و مولا خاتم الانبیاء ﷺ کی طرف پھیری جائے اور ضمیر قبل موتہ کی کتابی کی طرف۔ اور آنحضرت ﷺ کے ضمن میں خود حضرت عیسی وغیرہ انبیاء سب ہی آجائیں گے۔

نام احمد نام جملہ انبیاء است۔ چونکہ صد آمد نود ہم نزد ماست

بھائیو! برائے خدا خود سوچ لو کہ ان معنوں میں اور حضرت مولوی صاحب کے

معنوں میں خالص مستقبل ہونے میں برابری کا درجہ ہے یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔
بھائیو! میں للہ آپ لوگوں کے سمجھانے کے لئے پھر دہرا کر کہتا ہوں کہ مولوی صاحب آیت لیؤمننّ بہ کے معنی یوں کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب حضرت عیسی کی موت سے پہلے سب کے سب ان پر ایمان لے آئیں گے اور میں حسب روایت حضرت عکرمہؓ جیسا کہ معالم وغیرہ میں لکھا ہے، مولوی صاحب کی ہی طرز پر یہ معنی کرتا ہوں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب موجودہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ہمارے نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ بھائیو! برائے خدا ذرہ نظر ڈال کر دیکھو کہ کیا خالص استقبال میری تاویل اور مولوی صاحب کی تاویل میں برابر کا درجہ ہے یا ابھی فرق رہا ہے۔ اب بھائیو! انصافاً دیکھو کہ ان معنوں میں بہ نسبت مولوی صاحب کے معنوں کے کس قدر خوبیاں جمع ہیں۔ وہ اعتراض جو مولوی صاحب کی طرز پر ضمیر بہ کے تعین مرجع میں ہوتا تھا وہ اس جگہ نہیں ہوسکتا۔ قرأت شاذہ اس تاویل کی مؤید ہے۔ اور بایں ہمہ خالص استقبال موجود ہے۔ اب اے حاضرین مبارک! مولوی صاحب کے دعوی قطعیت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ مگر تعصب اور طرف داری سے خالی ہو کر غور کرنا۔

مولوی صاحب نے اس بحث حیات مسیح کا حصر پانچ دلیلوں پر کیا تھا۔ چار دلیلوں کو تو انہوں نے خود چھوڑ دیا اور پانچویں کو خدا تعالی نے حق کی تائید کر کے نیست و نابود کیا۔

جاء الحق و زهق الباطل ۔ انّ الباطل كان زهوقاً

اب اے حاضرین! اے خدا تعالی کے نیک بندو! سوچ کر دیکھو اور ذرہ اپنے فکر کو خرچ کر کے نگاہ کرو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب کا کیا دعوی تھا؟ یہی تو تھا کہ آیت لیؤمننّ بہ کے وہ سچے اور صحیح معنے ٹھہر سکتے ہیں جن میں لفظ لیؤمننّ کو خالص مستقبل ٹھہرایا جائے اور مولوی صاحب نے اپنے مضمون کے صفحوں کے صفحے اسی بات کے ثابت کرنے کے لئے لکھ مارے کہ نون ثقیلہ مضارع کے آخر مل کر خالص مستقبل کے معنوں میں لے آتا ہے۔ اسی دھن میں مولوی صاحب نے ابن عباسؓ کے معنوں کو قبول نہیں کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ معنی بھی نحویوں کے اجماعی عقیدہ کے برخلاف ہیں سو ہم نے مولوی صاحب کی خاطر سے ابن عباسؓ کے معنوں کو پیش کرنے سے موقوف

رکھا اور روایت عکرمہ کی بنا پر وہ معنی پیش کیئے جو خالص مستقبل ہونے میں بکلی مولوی صاحب کے معنوں سے ہم رنگ اور ان نقصوں سے مبرا ہیں جو مولوی صاحب کے معنوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کے وقت ہمارے سید و مولا خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے ضمن میں ہر یک نبی پر ایمان لانا داخل ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس ایمان کیلئے حضرت مسیح کو آسمانوں کے دار السرور سے اس دار الابتلاء میں دوبارہ لایا جائے۔ مثلاً دیکھئے کہ جو لوگ بقول آپ کے آخری زمانہ میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں گے یا اب ایمان لاتے ہیں کیا ان کے ایمان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ خود تشریف لے آویں۔ پس ایسا ہی یقین کیجئے کہ حضرت مسیح پر ایمان لانے کے لئے بھی دوبارہ ان کا دنیا میں آنا ضروری نہیں اور ایمان لانے اور دوبارہ آنے میں کچھ تلازم نہیں پایا جاتا۔ اور اگر آپ اپنی ضد نہ چھوڑیں اور ضمیر لیؤمننّ بہ کو خواہ مخواہ عیسیٰ کی طرف ہی پھیرنا چاہیں باوجود اس فساد معنی کے جس کا نقصان آپ کی طرف عاید ہے۔ ہماری طرز بیان کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ ہمارے طور پر برعایت خالص استقبال کے پھر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسےٰ پر ایمان لے آویں گے۔ سو یہ معنے بھی خالص استقبال ہونے میں آپ کے معنی کے ہم رنگ ہیں کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ابھی تک وہ زمانہ نہیں آیا جو سب کے سب موجودہ اہل کتاب حضرت عیسی یا ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لے آئے ہوں۔ لہذا خالص استقبال کے رنگ میں اب تک یہ پیش گوئی موافق ان معنوں کے چلی آتی ہے۔ اب اگر ہماری اس تاویل میں آپ کوئی جرح کریں گے تو وہی جرح آپ کی تاویل میں ہوگی یہاں تک کہ آپ پیچھا نہیں چھوڑا سکیں گے جن باتوں کو آپ اپنے پر چوں میں قبول کر بیٹھے ہیں انہیں کی بنا پر میں نے یہ تطبیق کی ہے۔ اور جس طرز سے آپ نے آخری زمانہ میں اہل کتاب کا ایمان لانا قرار دیا ہے اسی طرز کے موافق میں نے آپ کو ملزم کیا ہے۔ اور اسے خالص استقبال کے موافق خالص استقبال پیش کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کے وقت سے اس آیت کو ذوالوجوہ قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ ابن کثیر نے زیر ترجمہ اس آیت کے یہ لکھا ہے

قال ابن جریر اختلف اھل التّاویل فی معنی ذلک فقال بعضھم معنی ذلک و ان من اھل الکتا ب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ .. یعنی قبل مو ت عیسی و قال آ خرون یعنی بذلک و ان من اھل الکتاب لیؤمننّ بعیسی قبل موت الکتابی ذکر من کان یو جہ ذلک الی انّہ اذا عاین علم الحق والباطل ۔ قال علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس فی الآیۃ قال لا یموت یھودی حتی یؤمن بعیسی و کذا روی ابو دا ؤد الطیالسی عن شعبۃ عن ابی ھارون الغنوی عن عکرمۃ عن ابن عباس فھذہ کلّھا اسانید صحیحہ الی ابن عباس و قال آخر و ن معنی ذلک و ان من اھل الکتا ب الّا لیؤمننّ بمحمّد قبل مو ت الکتا بی ۔

یعنی اس آیت کے معنی میں اہل تا ویل کا اختلاف چلا آ یا ہے ۔کو ئی ضمیر قبل موتہ کی عیسی کی طرف پھیرتا ہے اور کو ئی کتا بی کی طرف اور کو ئی بہ کی ضمیر حضرت عیسی کی طرف پھیرتا ہے اور کو ئی آنحضرت ﷺ کی طرف ۔ پس گو ابن جریر یا ابن کثیر کا اپنا مذہب کچھ ہو، یہ شہا دت تو انہوں نے بڑی بسط سے بیا ن کر دی ہے کہ اس آیت کے معنے اہل تا ویل میں مختلف فیہ ہیں اور ہم او پر ثا بت کر آ ئے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات پر قطعی دلالت اس آیت کی ہرگز نہیں ۔ اور یہی ثا بت کر نا تھا ۔

اب بعد اس کے کسی قدر بطو ر نمونہ مسیح ابن مریم کی وفات پر دلائل لکھے جا تے ہیں ۔ وا ضح ہو کہ قر آ ن کریم میں یا عیسی انی متوفّیک و را فعک الیّ (آل عمرا ن ۔ ۵۵) موجو د ہے ۔ قر آ ن کریم کے عموم محا ورہ پر نظر ڈا لنے سے قطعی اور یقینی طور پر ثا بت ہوتا ہے کہ تمام قر آ ن میں تو فّی کا لفظ قبض روح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے ۔ یعنی اس قبض رو ح میں جو موت کے وقت ہوتا ہے ۔ دو جگہ قر آ ن کریم میں وہ قبض رو ح بھی مراد لیا ہے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے لیکن اس جگہ قرینہ قائم کر دیا ہے جس سے سمجھا گیا ہے کہ حقیقی معنے تو فی کے موت لئے ہیں ۔ اور جو نیند کی حالت میں قبض رو ح ہوتا ہے وہ بھی ہمارے مطلب کے مخا لف نہیں کیونکہ اس کے تو یہی معنی ہیں کہ کسی وقت تک انسان سوتا ہے اور اللہ تعا لی اس کی رو ح کو اپنے تصرف

میں لے لیتا ہے اور پھر انسان جاگ اٹھتا ہے۔ سو یہ وقوعہ ہی الگ ہے اس سے ہمارے مخالف کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بہرحال جب کہ قرآن میں لفظ توفّی کا قبض روح کے معنوں میں آیا ہے اور احادیث میں ان تمام مواضع میں جو خدا تعالیٰ کو فاعل ٹھہرا کر اس لفظ کو انسان کی نسبت استعمال کیا ہے جا بجا موت ہی معنی لئے ہیں، تو بلاشبہ یہ لفظ قبض روح اور موت کے لئے قطعیۃ الدلالت ہوگیا۔ اور بخاری جو اصح الکتب ہے اس میں بھی تفسیر آیت فلمّا توفیتنی کی تقریب میں متوفّیک کے معنی ممیتک لکھا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موت اور رفع میں ایک ترتیب طبعی واقع ہے ہر یک مومن کی روح پہلے فوت ہوتی ہے پھر اس کا رفع ہوتا ہے اسی ترتیب طبعی پر یہ ترتیب وضعی آیت کی دلالت کر رہی ہے کہ پہلے انّی متوفّیک فرمایا اور پھر بعد اس کے رافعک کہا اور اگر کوئی کہے کہ رافعک مقدم اور متوفّیک مؤخر ہے، یعنی رافعک آیت کے سر پر اور متوفّیک فقرہ جاعل الذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا کے بعد اور بیچ میں یہ فقرہ محذوف ہے ثم منزلک الی الارض سو یہ ان یہودیوں کی تحریف ہے جن پر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے کیونکہ اس صورت میں اس آیت کو اس طرح زیروزبر کرنا پڑے گا۔

یا عیسی انی رافعک الی السّماء و مطھّرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامہ ثم منزلک الی الارض و متوفّیک۔

اب فرمایئے کیا اس تحریف پر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے۔ یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنی کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیتے تھے جن کی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یحرّفون الکلم عن مواضعہ (مائدہ ۔ ۱۳) ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہیے۔ اگر کسی حدیث صحیح میں ایسی تحریف کی اجازت ہے تو بسم اللہ وہ دکھلایئے۔ غرض آیت یا عیسی انی متوفّیک میں اگر قرآن کریم کا عموم محاورہ ملحوظ رکھا جائے اور آیت کو تحریف سے بچایا جائے تو پھر موت کے بعد اور دوسرے معنی کیا نکل

سکتے ہیں؟ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آیت میں رافعک الیّ وارد ہے رافعک الی السّماء وارد نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ روح کوئی مکانی چیز نہیں بلکہ اس کے تعلقات مجھول الکنہ ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد ایک تعلق روح کا قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور کشف قبور کے وقت ارباب مکاشفات پر وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبور اپنی اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان سے صاحب کشف کے مخاطبات ومکالمات بھی واضح ہو جاتے ہیں یہ بات احادیث صیحہ سے بھی بخوبی ثابت ہے۔ صلوۃ فی القبر کی حدیث مشہور ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ مردے جوتی کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور السلام علیکم کا جواب دیتے ہیں۔ باوجود اس کے ایک تعلق ان کا آسمان سے بھی ہوتا ہے اور اپنے نفسی نقطہ کے مکان پر ان کا تمثل مشاہدہ میں آتا ہے اور ان کا رفع مختلف درجات سے ہوتا ہے۔ بعض پہلے آسمان تک رہ جاتے ہیں بعض دوسرے تک بعض تیسرے تک لیکن موت کے بعد رفع روح بھی ضرور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح اور آیت لا تفتح لھم ابواب السّماء (اعراف) صریح اشارہ کر رہی ہے۔ لیکن ان کا آسمان پر ہونا یا قبروں میں ہونا ایک مجھول الکنہ امر ہے۔ عنصری خاکی جسم تو ان کے ساتھ نہیں ہوتا کہ خاکی اجسام کی طرح ایک خاص اور حیز اور مکان میں ان کا پایا جانا ضروری ہو۔ اسی وجہ سے خدا تعالی نے رافعک الیّ فرمایا رافعک الی السّماء نہیں کہا کیونکہ جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں وہ خاص طور پر کسی مکان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے بلکہ فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مّقتدر (القمر۔ ۵۵) ہوتے ہیں یعنی اگر ان کا کوئی خاص مکان ہے تو یہی مکان ہے کہ خدا کے قرب کا مکان ہو جو حسب استعداد ان کو ملتا ہے۔ اب جب کہ قرآن کریم میں رافعک الیّ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اگر جسمانی طور پر رفع مراد لیا جائے تو سخت اشکال پیش آتا ہے کیونکہ احادیث صیحہ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح معہ اپنے خالہ زاد بھائی کے دوسرے آسمان پر ہیں۔ تو کیا خدا دوسرے آسمان میں بیٹھا ہوا ہے تا دوسرے آسمان میں ہونا رافعک الیّ کا مصداق ہو جائے۔ بلکہ اس جگہ روحانی رفع مراد ہے جس کا حسب مراتب ایک خاص آسمان سے تعلق ہے۔ بخاری میں حدیث معراج کی پڑھو اور

غور سے دیکھو۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ ان تمام وجوہات کے رو سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسی وفات پا گئے ہیں بلا شبہ آیت انی متوفیک حضرت عیسی کی وفات پر قطعیۃ الدلات ہے۔ عموم محاورہ قرآن شریف کا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت سے متوفّیک کے معنی ممیتک لکھے ہیں اور بخاریؒ نے کسی صحابی کی روایت سے کوئی دوسرے متوفّیک کے معنی ہرگز اپنی صحیح میں نہیں لکھے اور نہ مسلمؒ نے لکھے ہیں۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خدا تعالی کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی حالت میں بجز قبض روح کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر میں نے ہزار روپیہ کا اشتہار بھی دیا ہے۔ اب اگر یہ آیت مسیح ابن مریم کی وفات پر قطعیۃ الدلالت نہیں تو دلائل مذکورہ بالا اور نیز دلائل مفصلہ مبسوط ازالہ اوہام کا جواب دینا چاہیے تا آپکو ہزار روپیہ بھی مل جائے اور اپنے بھائیوں میں علمی شہرت بھی حاصل ہو جائے۔

دوسری دلیل مسیح ابن مریم کی وفات پر خود جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے جس کو امام بخاری اپنی کتاب التفسیر میں اسی غرض سے لایا ہے کہ تا یہ ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے معنی لمّا امتّنی ہے اور نیز اسی غرض سے اس موقع پر ابن عباسؓ کی روایت سے متوفّیک ممیتک کی بھی روایت لایا ہے تا ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے وہی معنی ہیں جو انّی متوفّیک کے معنی ابن عباسؓ نے ظاہر فرمائے ہیں۔ اس مقام پر بخاری کو غور سے دیکھ کر ادنی درجہ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ توفّیتنی کے معنی امتنی ہیں یعنی تو نے مجھے مار دیا۔ اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ پھر جب کہ آنحضرت ﷺ نے وہی لفظ فلمّا توفّیتنی کا حدیث بخاری میں اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اپنے حق میں ویسا ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ وہ حضرت عیسی کے حق میں مستعمل تھا، تو کیا اس بات کو سمجھنے میں کچھ کسر رہ گئی کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے ویسا ہی مسیح ابن مریم بھی وفات پا گئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور مفہوم آیات میں کسی طور پر تحریف جائز نہیں۔ اور جو کچھ اصل منشاء اور اصل مفہوم اور اصل مراد ہر یک لفظ کی ہے اس سے عمداً اس کو اور معنوں کی طرف پھیر دینا ایک الحاد

ہے جس کے ارتکاب کا کوئی نبی یا غیر نبی مجاز نہیں ہے اس لئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نبی معصوم بجز حالت تطابق کلی کے جو فی الواقع مسیح کی وفات سے اس کی وفات کو تھی لفظ فلمّا توفّیتنی کو اپنے حق میں استعمال کرسکتا اور نعوذ باللہ تحریف کا مرتکب ہوتا۔ بلکہ ہمارے سید و مولا ﷺ امام المعصومین و سید المحفوظین نے (روحی فداہ سبیلہ) لفظ فلمّا توفّیتنی کا نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انہیں مقررہ معینہ معنوں کے ساتھ اپنے حق میں استعمال کیا ہے کہ جیسا کہ وہ بعینہ حضرت عیسی کے حق میں وارد ہے۔ اب بھائیو اگر حضرت سیدنا و مولانا بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور مدینہ میں ان کا مزار مطہر نہیں، تو گواہ رہو کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ ایسا ہی حضرت عیسی بھی آسمان کی طرف بجسدہ العنصری اٹھائے گئے ہوں گے اور اگر ہمارے سید و مولے و سید الکل ختم المرسلین افضل الاولین والآخرین اول المحبوبین و المقربین درحقیقت فوت ہو چکے ہیں تو آؤ خدا تعالی سے ڈرو اور فلمّا توفیتنی کے پیارے لفظوں پر غور کرو جو ہمارے سید و مولی ﷺ نے اپنے میں اور اس عبد صالح میں مشترک بیان کئے جس کا نام مسیح ابن مریم ہے۔ بخاری اس مقام میں سورہ آل عمران کی یہ آیت انّی متوفّیک کیوں لایا اور کیوں ابن عباسؓ سے روایت کی کہ متوفّیک ممیتک اس کی وجہ بخاری کے صفحہ ۶۶۵ میں شارح بخاری نے یہ لکھی ہے: ھذہ الآیۃ متوفّیک من سورۃ آل عمران ذکر ھھنا لمناسبۃ فلمّا توفّیتنی

یعنی یہ آیت انی متوفّیک سورت آل عمران میں ہے اور بخاری نے جو اس جگہ اس آیت کے ابن عباس سے یہ معنی کئے کہ متوفّیک ممیتک تو اس کا یہ سبب ہے کہ بخاری نے فلمّا توفّیتنی کے معنی کھولنے کے لئے بوجہ مناسبت یہ فقرہ لکھ دیا ورنہ آل عمران کی آیت کو اس جگہ ذکر کرنے کا کوئی محل نہ تھا۔

اب دیکھئے شارح نے بھی اس بات کو قبول کرلیا ہے کہ امام بخاری انّی متوفّیک ممیتک کے لفظ کو شہادت کے طور پر بہ تقریب تفسیر آیت فلمّا توفّیتنی لایا ہے اور کتاب التفسیر میں جو بخاری نے ان دونوں متفرق آیتوں کو جمع کر کے لکھا ہے تو بجز اس کے اس کا اور کیا مدعا تھا کہ وہ حضرت عیسی کی وفات خاص رسول اللہ ﷺ کے قول

سے ثابت کر چکا ہے۔ اب جب کہ اصح الکتاب کی حدیث مرفوع متصل سے جس کے آپ طالب تھے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت ہوئی اور قرآن کی قطعیۃ الدلالت شہادت اس کے ساتھ متفق ہوگئی اور ابن عباسؓ جیسے صحابی نے بھی موت مسیح کا اظہار کر دیا تو اس دوہرے ثبوت کے بعد اور کس ثبوت کی حاجت رہی۔

میں اس جگہ اور دلائل لکھنا نہیں چاہتا میری کتاب ازالہ اوہام موجود ہے آپ اس کو رد کر کے دکھلا دیں۔ خود حق کھل جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے اب آپ کسی طور سے ان کو زندہ نہیں کر سکتے

اب میں نے حضرت! اصل مدعا کا فیصلہ کر دیا۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ جب میری اور آپ کی تحریریں شائع ہوں گی منصف لوگ خود دیکھ لیں گے۔ آپ نے ایک ذوالوجوہ آیت کو جس کے قطعی طور پر ایک معنی ہرگز قائم نہیں ہو سکتے قطعیۃ الدلالۃ ٹھہرانا چاہا تھا۔ میں نے اس طرح کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے آپ کو دکھلا دیا کہ وہ آیت حضرت عیسی کی زندگی پر ہرگز ہرگز قطعیۃ الدلالت نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اس کے ضمیروں میں ہی کس قدر گڈ مڈ پڑا ہوا ہے۔ کوئی کسی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کسی طرف۔ نہ حال کے ایک معنی ٹھہر سکتے ہیں اور نہ خالص استقبال کے ایک معنی۔ پھر وہ قطعیۃ الدلالت کیوں کر ہوگئی؟ کیا قطعیۃ الدلالت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی اس کی ضمیر خدا تعالی کی طرف پھیرے اور کوئی ہمارے سید و مولا نبی عربی خاتم الانبیاء کی طرف پھیرے اور کوئی کتابی کی طرف، جب کہ تعین مرجع میں ہی ابتداء سے یہ تفرقہ چلا آیا ہے اور پھر اہل کتاب کے لفظ میں بھی تفرقہ اور اختلاف ہے کہ وہ کس زمانہ کے اہل کتاب ہیں اور پھر بقول آپکے ایمان لانے والوں کا زمانہ بھی ایک نشان دہی کے ساتھ مقرر اور معین نہیں۔ تو پھر انصافاً فرمایئے کہ باوجود ان سب آفتوں کے یہ آیت قطعیۃ الدلالت کیونکر ٹھہرے گی۔ قرآن کریم کے کئی مقامات سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس دنیا کے زوال تک کفار اہل کتاب باقی رہیں گے۔ پھر یہ تاویل کہ کسی وقت قیامت سے پہلے پہلے کل اہل کتاب مسلمان ہو جائیں کس طور سے صحیح ٹھہر سکتی ہے کیا کوئی اور بھی آیت اپنے کھلے کھلے اور بیّن منطوق سے اس بات کی مصدق ہے کہ ضرور ہے کہ آخری وقت میں قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب مسلمان ہو جائیں۔ قرآن کریم کی نصوص بیّنہ

قطعیۃ الدلالت کو محض ایک ذو الوجوہ اور متشابہ آیت پر نظر رکھ کر رد کر دینا دیانت کا کام نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ متشابہات کا اتباع وہ کرتے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور صراط مستقیم کے پابند نہیں ہیں۔ پھر وہب اور محمد بن اسحاق اور ابن عباس واقع موت کے قائل ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ موت مسیح پر صریح شہادت دیتے ہیں اور امام بخاری خود اپنا مذہب یہی ظاہر کرتے ہیں تو پھر باوجود ان مخالفانہ ثبوتوں کے قبل موتہ کی ضمیر کیونکر قطعی طور پر حضرت عیسی کی طرف پھر سکتی ہے۔ اور میں نے آپ کے خالص مستقبل کا بھی پورا پورا فیصلہ کر دیا ہے۔ طالب حق کے لئے کافی ہے۔

پھر آپ اپنے پرچہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین و جملہ صحابہ و تابعین مسیح ابن مریم کی موت سے منکر اور حیات جسمانی کے قائل ہیں۔ اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کوئی عامی اور بے خبر مفسر ہوگا ہمارے ساتھ اللہ جل شانہ اور اس کا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے۔ کیا اس حدیث کے موافق جو کتاب التفسیر میں امام بخاری نے لکھی ہے اور ابن عباس کا قول اس کی تائید میں ذکر کیا ہے آپ کے پاس اس پایہ کی کوئی حدیث ہے جس کے الفاظ متنازعہ فیہ کے بارے میں ابن عباس جیسے صحابی کی شرح ہی ہو تو وہ حدیث آپ کو شائع کرنی چاہیے اور جیسا کہ اصح الکتب بخاری میں ابن عباس سے انی متوفیک کی شرح انّی ممیتک منقول ہے بھلا ایسی اصح الکتب میں سے کسی اور صحابی کے حوالہ سے متوفّیک کے کوئی اور معنی بھی تو ثابت کر کے دکھلا دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ بخاری تنقید میں اول درجہ پر ہے اور وہ حضرت عیسےؑ کی وفات بیان کر چکا ہے اور اس کے صفحہ ۶۶۵ میں ایک جلیل الشان صحابی ابن عم رسول اللہ متوفّیک کے معنی ممیتک بتلا رہا ہے اور جو آنکھیں رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام بخاری اس آل عمران کی آیت کو بر موقعہ تفسیر فلما توفّیتنی کیوں لایا، اور ابن عباس کا قول کیوں پیش کیا، اور آیت فلما توفّیتنی کو کتاب التفسیر میں کیوں درج کیا؟ میں نے صحابی کیا، جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ بھی آپ کے سامنے رکھدیا اور صحابی بھی پیش کر دیا۔ آپ اگر سچے ہوں تو اسی کتاب اصح الکتب سے کوئی حدیث اس پایہ کی پیش کریں جس سے مسیح کی زندگی جسمانی ثابت ہوتی ہو۔ لیکن ایسا نہ کریں کہ آیت لیؤمننّ کی

طرح کوئی ذوالوجوہ اور محجوب المفہوم حدیث پیش کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آیت لیؤمننّ کے متعلق چند روز کسی قدر ہم دونوں کا وقت ضائع ہوا۔ اور آخر آپ کا دعوی قطعیۃ الدلالۃ صریح باطل نکلا اور آپ نے جن پانچ دلیلوں پر حصر کیا تھا وہ ھباءً منثورا کی طرح نابود ہو گئیں۔

حضرت آپ ناراض نہ ہوں اگر پہلے سے آپ سوچ لیتے تو میرا عزیز وقت ناحق آپ کے ساتھ ضائع نہ ہوتا۔ اب جب کہ آپ کے اول درجہ کے دلائل کی جن کو آپ نے تمام ذخیرہ سے چن کر پیش کیا تھا آخر میں یہ کیفیت نکلی تو میں کیونکر اعتبار کروں کہ آپ کے دوسرے دلائل میں کچھ جان ہو گی۔ اور آج جیسا کہ آپ کی طرف سے تین پرچے لکھے جا چکے ہیں میری طرف سے بھی تین پرچے ہو گئے۔ اب یہ چھ پرچے ہم دونوں کی طرف سے بجنسہ چھپ جانے چاہییں۔ پبلک خود فیصلہ کر لے گی کہ میں نے آپ کے دلائل پیش کردہ کو توڑ دیا ہے یا نہیں۔ اور آپ کی پیش کردہ آیت کیا درحقیقت قطعیۃ الدلالت ہے یا ذوالوجوہ۔ بلکہ آپ کے طور پر معنی کرنے سے قابل اعتراض ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ چونکہ مساوی طور پر ہم دونوں کے پرچے تحریر ہو چکے ہیں۔ تین آپ کی طرف سے اور تین میری طرف سے۔ اس لئے یہی پرچے بلاکم وبیش چھپ جائیں گے اور ہم دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ ہو گا کہ غائبانہ طور پر کچھ اور زیادہ یا کم کرے۔ یہ پھر یاد رہے کہ تین پرچوں پر طبعی طور پر فریقین کے بیانات ختم ہو گئے ہیں اور اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی مؤید ہو پیدا ہو جائے گی۔ تو اس تصفیہ کے لئے آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں لیکن اس تحریری بحث کے لئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں۔ جبکہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ میں مسافر ہوں۔ اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں۔

(غلام احمد قادیانی)

اس پرچے کے بعد کیا ہوا؟ مرزا بشیر احمد نے اپنے باپ مرزا غلام احمد کی سوانح میں لکھا ہے

. جامع مسجد (دہلی) والے قصہ کے تین چار دن بعد حضرت مسیح موعود (مرزا) کے اپنے ہی مکان مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی کے ساتھ تحریری مباحثہ ہوا، جس میں باہم یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ فریقین کے پانچ پانچ پرچے ہوں گے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود (مرزا) نے دیکھا کہ مولوی صاحب کی طرف سے بار بار وہی دلیلیں دہرائی جا رہی ہیں تو آپ نے فریق مخالف کو یہ بات جتا کر کہ اب مناظرہ جاری رکھنا تضیع اوقات ہے، تین پرچوں پر ہی بحث کو ختم کر دیا اور فریق مخالف کے طعن واستہزا کی کوئی پرواہ نہ کی

(سیرۃ المہدی حصہ دوم۔ ص ۹۰۔۹۱)

☆ تیسرے پرچے کی آخری سطور بتا رہی ہیں کہ مرزا صاحب قادیانی کے دلائل ختم ہو گئے تھے اور اپنے پرچے کے جواب میں مولانا محمد بشیر صاحب کے دلائل سننے کا بھی انہیں حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اور انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ اس پرچے کا جواب مجھ قادیان یا لدھیانے بھیج دیا جائے تو میں اس کا جواب ارسال کر دوں گا۔ دہلی میں مزید قیام ان کے لئے ممکن نہیں تھا لیکن دورہ کر بھی تو مباحثے کو جاری رکھا جا سکتا تھا۔ وہ فرماتے کہ میں بوجہ مجبوری واپس جا رہا ہوں لیکن مباحثے کو تا اختتام (یا جانبین کے پانچ پانچ پرچے پورے ہونے تک) بذریعہ ڈاک جاری رکھوں گا۔

مرزا صاحب مناظرے، مباحثے عموماً بغیر حکم اور ثالث کے کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ عوام خود فیصلہ کر لیں گے کون جیتا اور کون ہارا۔ اس مباحثے کا انعقاد دہلی میں ہوا تھا، اور کافی شور شرابا بھی رہا۔ دہلی کے سب مسلمان اس مباحثے کی کاروائی ملاحظہ کر رہے تھے۔ کوئی مرزائی بتائے کہ اس مباحثے کے بعد کتنے اہل دہلی مرزا صاحب پر ایمان لائے یا ان کے معتقد ہوئے۔ دوسری طرف ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ مرزا کہا کرتے تھے کہ دہلی کی زمین بہت سخت ہے۔ مرزا صاحب دہلی سے بھاگ نکلے تھے۔ یہاں سسرالی عزیز ہونے کے باوجود ۱۹۰۵ء تک دوبارہ ادھر نہ آئے اور ۱۹۰۵ء میں بھی مزاروں کی زیارتیں وغیرہ ہی کرتے رہے۔ نیز ہمیں یہ بھی بتایا جایا جاتا ہے کہ قادیانیت میں مرزا صاحب کے اخصّ مرید صوفی عباس علی لدھیانوی مباحثہ دلی کے بعد مرزائیت سے تائب ہو گئے تھے۔

قادیانی دعوی ممات مسیح

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔ اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ازالہ اوہام (طبع ذی الحج ۱۳۰۸ھ) کے صفحات ۵۹۸ تا ۶۲۷ پر تیس آیات قرآن پیش کیں۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دہلی میں ان کا مباحثہ مولانا محمد بشیر سہسوانی سے ہوا تو انہوں نے اپنے تیسرے پرچے میں چیلنج کیا کہ اس کا جواب دیا جائے۔ پرچے کا جواب سننے کے لئے چونکہ ان کے پاس وقت نہیں تھا، اس لئے وہ مباحثہ کو نا تمام چھوڑ کر (اور طے شدہ شرط کہ فریقین پانچ پانچ پرچے لکھیں گے) تین پرچوں کے بعد دہلی سے چلے آئے۔ یوں مولانا محمد بشیر کو ان کا جواب لکھنے کو موقع نہ رہا۔ تاہم قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ۱۸۹۸ء میں طبع ہونے والی اپنی کتاب تائید الاسلام میں مرزا صاحب کے بیان کا مفصل جواب دیا۔ ان کے بعد جناب محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی جواب دیا اور جناب ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر میں اس حیات و وفات مسیح کے مسئلہ پر قلم اٹھایا اور مرزا صاحب کے دعوی کا مسکت جواب دیا۔

ذیل میں ہم ازالہ اوہام سے مرزا صاحب کا بیان نقل کر کے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی جوابی گذارشات تائید الاسلام سے نقل کرتے ہیں (بعض مقامات پر بائیبل سے انگریزی عبارات کا اضافہ ہم نے خود کیا ہے۔ بہاء)۔

قادیانی دعوی کا سلیمانی جواب

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں۔
قرآن شریف کی وہ تیس آیات جن سے مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے

☆ (۱) پہلی آیت۔ یا عیسی انی متوفیک و رافعک الیّ و مطهّرک من الّذین کفروا و جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامة۔ (آل عمران۔ ۵۵) یعنی اے عیسی میں تجھے وفات دینے والہ ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والہ اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنے والہ ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والہ ہوں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۵۹۸)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مرزا صاحب نے وفات مسیح پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، صرف آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔ نیز اس آیت کی نسبت انہوں نے ازالہ اوہام صفحہ ۳۹۴ پر یہ اقرار کر لیا ہے کہ آیت وعدہ وفات ہے (یعنی دلیل وخبر وفات نہیں)۔ میں حیران ہوں کہ وعدہ وفات دینے میں خدا کی کیا مصلحت ہوسکتی ہے؟ کیا مسیح کبھی یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ان پر موت وارد نہ ہوگی؟

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھانا چاہا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جو صلیب پر لٹکا یا گیا وہ لعنتی ہے۔ اللہ نے یہود کے اس ارادہ فاسد کے مقابلہ میں مسیح کا اطمینان فرمایا کہ تم صلیب پر نہیں مرو گے بلکہ اپنی موت سے مرو گے۔ عزت پاؤ گے ان یہود کے ارادہ فاسد سے پاک رہو گے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مرزا صاحب کی یہ وجہ بودی ہے۔
مرزا مانتے ہیں کہ

مسیح صلیب پر لٹکائے گئے، صلیب کی سختیوں سے ایسے قریب بہ مرگ ہو گئے کہ یہود نے مر جانے کا خیال کر لیا۔ سبت بھی قریب تھا جلدی سے اتار کر دفن کر گئے۔ مسیح کے احباب نے آ کر انہیں نکال لیا پھر وہ خفیہ زندہ رہے اور اپنی موت مرے۔

اقتضائے مقام یہ تھا کہ اللہ انہیں وعدہ نجات دیتا کہ یہود تو تجھے بے عزتی کے ساتھ صلیب پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں مگر میں تجھے ان کے ہاتھ سے بچاؤں گا، نہ کہ یہ کہتا کہ میں تجھے ماروں گا اور وفات دوں گا۔

ہمارے اس اعتراض کا صحیح ہونا مرزا کو بھی تسلیم ہے۔ کہتے ہیں:

واضح ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدا کی طرف اٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا جو مسیح پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن میں انّی متوفّیک و رافعک الیّ وارد ہے۔ سو اس سخت گھبراہٹ کے وقت میں مسیح نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا۔ چونکہ مسیح ایک انسان تھا اور اسنے دیکھا کہ تمام سامان میرے مرنیکے موجود ہو گئے لہذا اسلئے بر عایت اسباب گمان کیا کہ شائد آج میں مر جاؤں گا (ازالہ اوہام ص ۳۹۴)

مسیح ایک انسان تھا . کہہ کر مرزا صاحب اپنے معنی کا نقص چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر مسیح ایک رسول تھا جس کے پاس یہود کے ہاتھوں سے نجات پا جانے کا وعدہ حتمی اللہ کے پاس سے آ چکا تھا۔ اس لئے لازمہ نبوت تھا کہ وہ بندوں کے اسباب کو بیت العنکبوت سے زیادہ کمزور خیال کرتا اور ذرا گھبراہٹ اس کے لاحق حال نہ ہوتی۔

نیز مرزا صاحب کی بیان کردہ وجہ اس لئے بھی غلط ہے کہ مسیح کو یہ تو اپنی پیدائش کے دن ہی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ نہ قتل کئے جائیں گے نہ صلیب پر لٹکائے جائیں گے، بلکہ سلامتی کی موت کے ساتھ اپنے انفاس حیات پورے کریں گے۔ فرمایا

و سلام علیّ یوم ولدتّ و یوم اموت و یوم ابعث حیّاً

یہ آیت بتا رہی ہے کہ انّی متوفّیک کے معنی موت دونگا، ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب کا ترجمہ اپنی غلطی پر اندرونی شہادت رکھتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ الفاظ ربانی کے ایسے معانی کرنا جس کے ایک پہلو سے اللہ پر فعل عبث اور کلام بے محل کا الزام آتا ہو اور دوسرے پہلو سے عیسی پر غلط فہمی کا اعتراض قائم ہوتا ہو، بالکل بے بصیرتی ہے اور اللہ کے کلام پاک کو اس کے درجہ علیا سے نیچے کر دینا ہے۔ اور متوفّیک کا ترجمہ . تجھے ماروں گا .

کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ترجمہ و رافعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا پہلے الفاظ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ جس عزت کی موت کا وعدہ تھا، یا تو وہ عزت جسمانی ہوسکتی ہے جو بقول آپ کے مسیح کو نصیب نہیں ہوئی، کیونکہ تا دم زیست یہود کے خوف سے چھپے ہی رہے۔ گمنامی کے ساتھ زندگی بسر کر کے معمولی طور پر مرجانا جسمانی لحاظ سے باعزت موت نہیں ہوسکتی، ایسی کہ اس کا وعدہ بھی منجانب اللہ دیا گیا ہو۔ اور یا وہ عزت روحانی ہوسکتی ہے یعنی اعلی علیّین میں روح کا جاگزین ہونا وغیرہ، تو یہ سب امور تو انبیا کو یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو سوء خاتمہ کا خوف ہو، یا سلب ایمان کا ڈر۔ پس اس اعتبار سے بھی یہ وعدہ الٰہی ایک فعل لایعنی ہوا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ یہود کی مخالفت دیکھ کر خود حضرت مسیح کو بھی اپنی صداقت اور نبوت میں شک ہوگیا تھا جس کا دفعیہ خدا کو کرنا پڑا کہ نہیں تو شک نہ کر، تو سچا ہے اور اس لئے عزت کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا۔ متوفّیک کے ترجمہ ۔ماروں گا ۔ کی غلطی تو لفظ مطھّرک من الّذین کفروا بھی ظاہر کرتا ہے، جب مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ مسیح یہود کے ہاتھوں صلیب پر لٹکائے گئے (گو ان کو صلیب پر وفات پانے کا انکار ہے) اور توریت کے خاص الفاظ یہی ہیں کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا (دیکھو صلیب پر لٹک کر مر گیا، توریت بھی نہیں کہتی) وہ لعنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کو یہود کی آنکھوں میں تطہیر حاصل نہیں ہوئی حالانکہ وعدہ تطہیر کا تھا۔

اب ناظرین یہ بھی خیال فرمائیں کہ مرزا صاحب نے ان ہر چہار فعلوں میں ترتیب طبعی کو تسلیم کرلیا ہے حالانکہ ان کی بتلائی ہوئی وجہ سے جس کا ذکر اوپر ہوا و مطھّرک من الّذین کفروا کو متوفّیک و رافعک پر تقدم زمانی حاصل ہے کیونکہ تطہیر کے معنی ان کے نزدیک صلیب پر لٹکے ہوئے وفات نہ پانا ہے جو واقعہ تصلیب سے اگلے روز ہی ان کو حاصل ہوگئی تھی اور جب تقدم زمانی ثابت ہوئی تو پھر ان کا یہ مذہب کہ تقدیم و تاخیر الفاظ قرآنی میں صریح الحاد ہے، انہی پر لوٹ پڑے گا۔ غرض یہ ترجمہ ہی اپنے بطلان پر خود شاہد ہے۔

اس جگہ تقدیم و تاخیر کی نسبت بھی مجھے کچھ گذارش کرنا ضروری ہے۔ ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ متوفّیک کے معنی ممیتک ہیں۔ اس پر وہی اعتراض وارد ہوتے ہیں جو اب مرزا صاحب کے ترجمہ پر ہوئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ الفاظ متوفّیک و رافعک الیّ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مرزا صاحب اس مقام پر آکر غضب

میں بھر جاتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر الفاظ کا نام الحاد قرار دیتے ہیں۔ اگر انہیں نظم قرآنی پر غور کا موقع ملا ہوتا تو یہ حرف کبھی زبان پر نہ لاتے۔ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

النّوع الرّا بع والا ربعون فی مقدمه و مؤ خره و هو قسما ن ۔ ا لاوّل ما اشکل معناه بحسب الظّاهر فلمّا عرف انّه من باب التّقديم و التّاخير اتضع و هو جدير ان ينفرد با لتّصنيف و قد تعرض السّلف لذلک فی مات فاخرج ابن ابی حاتم عن قتاده فی قوله فلا تعجبک اموالهم ولا اولادهم انّما ير يد اللّه ليعذّ بهم بها فی الحيوة الدّنياقال هذا من تقاديم الکلام تقول لاتعجبک اموالهم ولااولادهم فی ا لحيوة الدّ نيا انّما ير يد اللّه ان يّعذ بهم بها فی الآخر ة ۔ و اخر ج عنه ايضاً فی قوله و لو لا کلمة سبقت من رّ بک لکان لزا ماً و اجل مّسمّی قال هذا من تقاديم الکلام تقول لولا کلمة واجل مّسمّی لکان لزا ماً و اخر ج عن مجاهد فی قوله انز ل علی عبده الکتا ب و لم يجعل لّه عوجاً قيماً۔ قال هذا من التّقديم والتّاخير انز ل علی عبده الکتاب قيما و لم يجعل لّه عوجاً و اخرج عن قتاده فی قوله انّی متوفّيک و را فعک الیّ قال هذا من المقدّم و المؤخّر انّی را فعک الیّ و متوفّيک و اخر ج عن عکر مة فی قوله لهم عذا ب شد يد بما نسوا يوم الحساب قال هذا من التّقديم و التّاخير يقول لهم يوم الحسا ب عذا ب شد يد بما نسوا ۔ و اخر ج ابن جر ير عن ابی زيد فی قوله ولولا فضل اللّه عليهم و رحمته لا تّبعتم الشّيطان ا لّا قليلًا۔ قال هذه الآ يت مقدّمة و مؤخّر ة انّما اذاعو به ا لّاقليلاً منهم و لو لا فضل اللّه عليکم و رحمته لم ينج قليل ولا کثير ۔ واخر ج ابن عباس فی قوله فقا لوا ا رنا اللّه جهرة فقال انهم اذا راوا للّه فقد رأ وه انّما قالوا جهرة ا رنا اللّه قال هو مقدّ م ومؤخّر قال ابن جر ير يعنی ان سوا لهم کان جهرة و من قوله واذ قتلتم نفساً فادّا رأتم فيها قال البغوی هذا اوّل القصّة و ان کان مؤخّرا فی التّلاوة و قال الوا حدی

كان الاختلاف فى القائل قبل ذبح البقر و انّما اخّر فى الكلام لما قال انّ اللّه يأمركم انّه علم المخاطبون انّ البقرة لا تذ بح الّا لدلالة على قاتل خفيت عينه عليهم فلما استقرّ علم هذا فى نفوسهم اتّبع بقوله و اذ قتلتم نفساً فادّارأتم فيها فسألتم موسى فقال انّ اللّه يأمركم ان تذبحوا بقرة و منه افرأ يت من اتّخذ الهه هوا ه والاصل هوا ه الهه لانّ من اتّخذ الهه هوا ه غير مذ موم فقدم المفعول الثّا نى للعناية به و قوله اخر ج المرعى فجعله غثاءً احوى على تفسير احوى بالخضر ۔ و جعله تخماً للمرعى ۔ اى ا خرجه احوى فجعله غثاءً و اخر رعايت للفاصلة وقوله غرا بيب سود والاصل سود غرابيب لانّ الغرابيب الشد يد السّوا د و قوله فضحكت فبشّرناها اى فبشّرناها فضحكت وقد الّف فيه العلّامة شمس الدّين ابن الصابع كتابه المقدّمة فى سرّ الالفا ظ المقد مة ۔ الخ(الاتقان۔ص۳۰۰)

ترجمہ۔چوالیسویں فصل قرآن کے الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے بیان میں۔

اس کی دوصورتیں ہیں۔اول یہ کہ ظاہر عبارت کے معنی کرنے مشکل ہوں مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے تو معنی واضح ہو جائیں۔ یہ قسم اس قابل ہے کہ اس میں جداگانہ تصنیف کی جائے۔ چنانچہ سلف نے بہت سے آیات میں توجہ بھی کی ہے۔ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ فلا تعجبک اموا لهم ولا اولادهم ... میں تقدیم ہے یعنی لا تعجبک اموا لهم ولا اولادهم فى الحيوة الدّنيا انّما يريد اللّه ان يعذّبهم بها فى الآخره ہے۔قتادہ سے ہی مروی ہے کہ ولولا كلمة سبقت من ربّک .... میں بھی تقدیم کلام ہے،گویایوں ہے لولا كلمة و اجل مّسمى لكان لزا ماً ۔ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے انز ل على عبده الكتاب ولم يجعل لّه عوجا قيما میں تقدیم وتاخیر ہے ۔گو یا یوں ہے انزل على عبد ه الكتاب قيماً ولم يجعل لّه عوجاً ۔اورقتادہ سے مروی ہے کہ انّى متوفّيک و را فعک میں تقدیم وتاخیر ہے گویایوں ہے انّى را فعک الىّ و متوفّيک ۔عکرمہ سے مروی ہے کہ لهم عذا ب شديد بما نسوا يوم

الحساب میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی لھم یوم الحساب عذاب شدید بما نسوا ہے۔اور ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے کہ اذ جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ و لو ردّوہ الی الرّسول ..... الا قلیلاً۔ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ یعنی الا قلیلًا جو آیت کے آخر میں ہے یہ اذاعو بہ کے متعلق ہے کیونکہ اگر فضل اور رحمت الٰہی نہ ہوتب تو کیا قلیل، کیا کثیر، کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔اور ابن عباس سے مروی ہے فقالوا ارنا اللّٰہ جھرۃً کی کیا ضرورت ہے۔ پس آیت اور معنی یہ ہیں قالوا جھرۃ ار نا اللّٰہ ۔انہوں نے کھلم کھلا آ کر کہا کہ ہم کو خداوند دکھلا دے۔ابن جریر نے تشریح کر دی ہے کہ ان کا یہ سوال بہ جہر تھا۔علی ہذا آیت و اذ قتلتم نفساً فادّارأتم فیھا ۔بغوی نے لکھا ہے کہ یہ اول قصہ ہے۔گو تلاوت اور نظم اور ترتیب کلام میں مؤخر ہے۔ واحدی نے بیان کیا کہ ذبح بقر سے پہلے قاتل میں اختلاف تھا اور اس کے مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ نے یأمرکم فرمایا تو مخالفین سمجھ گئے کہ بقر اس لئے ذبح ہوتا ہے کہ قاتل پر دلالت کرے۔ پہلے تو یہ بات ہی ان کی سمجھ میں نہ آئی مگر جب یہ علم ان کے نفوس میں قائم ہو گیا تب و اذ قتلتم نفساً ... الخ ۔فرمایا۔ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ افرأیت من اتّخذ الھہ ھواہ میں تقدیم وتاخیر ہے اور اصل میں من اتّخذ ھواہ الھہ ہے کیونکہ نظم موجودہ کی صورت میں یہ معنی ہیں کہ جو شخص اپنے معبود کو ہی اپنی خواہش بناتا ہے اور یہ غیر مذموم ہے اس جگہ مفعول ثانی کو اس پر عنایت کی راہ سے مقدم کیا ہے۔اس آیت اخرج المرعی فجعلہ غثاء احوی میں بھی تقدیم وتاخیر ہے جب کہ احوی کے معنی اخضر ہوں۔اس کو مؤخر صرف رعایت فواصل سے کیا گیا ہے اور اس آیت غرابیب سود میں بھی تقدیم وتاخیر ہے اور اصل میں سود غرابیب ہے کیونکہ غرابیب سخت سیاہ کو کہتے ہیں اور اس آیت فضحکت فبشّرنا ھا میں بھی تقدیم وتاخیر ہے یعنی فبشّرناھا فضحکت ہے۔ علامہ شمس الدین ابن الصائغ نے اسی مضمون میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام المقدمہ فی سرّ الالفاظ المقدمہ ہے۔

ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ ابن عباس کا یہ مذہب نہ صرف آیت متنازعہ فیہ میں یہ ہے کہ الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے بلکہ دیگر آیات میں بھی یہی مذہب ہے اور آئمہ ملت نے اس تقدیم وتاخیر کو ایسا مہتم بالشان سمجھا ہے کہ جداگانہ تصنیف اس کے لئے کی ہے اور تقدیم و

تاخیر الفاظ میں جو راز، دقیقہ اور بلاغت بالغہ ہے، اس کے انکشاف کی سعی فرمائی ہے۔

ناظرین مرزا صاحب کے الفاظ ترجمہ پر مکرر غور فرمائیں کہ اگر ان کے ترجمہ کے موافق متوفّیک سے وفات جسمی اور رفع سے عروج روحی مراد لی جائے تو لامحالہ عبارت میں یہ تقدیر ماننا پڑے گی انّی متوفّی جسدک و رافع روحک۔ حالانکہ معنی بنانے کے لئے قرآن کی عبارت میں الفاظ کی تقدیر مرزا صاحب کے مذہب میں الحاد اور کفر ہے۔

خیال کرنا چاہیے کہ اس جگہ چار فعل ہیں اور چاروں فعلوں کا فاعل باری تعالی ہے اور ان چاروں فعلوں میں مخاطب یا عیسی ہیں، جن پر ان افعال کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ اب یہ طے کر لینا چاہیے کہ لفظ عیسی جو اسم ہے یہ مسمی کے صرف جسم یا صرف روح پر دلالت کرتا ہے یا جسم و روح دونوں پر؟

مرزا صاحب کا مذہب بہت ہی عجیب ہے وہ انّی متوفّیک میں ک کا مرجع یا عیسی سے صرف جسم مراد لیتے ہیں کیونکہ توفّی کے معنی وہ روح قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتلاتے ہیں اور رافعک الیّ میں ک کا مرجع یا عیسی سے صرف روح عیسی مراد لیتے ہیں اور مطہّرک اور اتبعوک میں یا عیسی کا مرجع جسم و روح دونوں کو۔ اور اس طرح پر وہ آیت کا ترجمہ کر سکنے کے قابل ہوتے ہیں جو سراسر نظم قرآنی کے خلاف اور شان کلام ربانی سے بعید ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ براہین احمدیہ میں جس کو خدا کے حکم والہام سے مرزا صاحب نے لکھا اور جس کو کشف میں سیدہ فاطمہؓ نے مرزا صاحب یہ کہہ کر دیا کہ یہ تفسیر علی مرتضیٰؓ ہے، مرزا نے آیت یا عیسی انّی متوفّیک کا اپنے اوپر الہام ہونا لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے، اے عیسی میں تجھے پوری نعمت دوں گا۔

ظاہر ہے کہ اگر متوفّیک کے معنی حقیقی. تجھے ماروں گا. ہوتے تو الہامی کتاب اور کشفی تفسیر میں یہ ترجمہ اس کا نہ کیا جاتا۔ مرزا صاحب اس وقت بھی کچھ جاہل نہ تھے جو توفّی کے معنی نہ جانتے ہوں۔ پس اگر یہ ترجمہ ان کے لئے جائز اور صحیح ترجمہ تھا تو حضرت مسیح کے لئے کیوں یہ ترجمہ صحیح نہیں۔

اگر مرزا صاحب فرمائیں کہ اللہ کے الہام میں تو اس وقت بھی متوفّیک کے معنی. ماروں گا. مراد تھی، مگر ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی تو خیر یہ بھی سہی مگر ظاہر ہے کہ براہین

میں اس الہام کو چھپے (شائع) ہوئے یعنی مرزا صاحب کو خبر وفات من جانب باری تعالی ملے ہوئے پندرہ برس کا عرصہ ہو چکا ہے اور مرزا صاحب کو اب تک موت نہیں آئی (تائید الاسلام ۱۸۹۸ء کی تصنیف ہے اور اس وقت مرزا زندہ تھے)، تو اس سے واضح ہوا کہ جس طرح مرزا کیلئے بعد از خبر وفات پندرہ سال کا عرصہ اوپر گذر جانا جائز ہے، اسی طرح مسیح کیلئے صدیوں کا عرصہ گذر جانا بھی جائز ہے۔ اور اس صورت میں ابن عباسؓ کا مذہب ماننا پڑے گا۔ توفّی کی لغوی بحث آگے آتی ہے۔

☆ (۲)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

دوسری آیت جو مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے، یہ ہے بل رفعه اللّٰه اليه (نساء ۔ ۱۵۹)۔ یعنی مسیح ابن مریم مقتول اور مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت سے نہیں مرا، جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا خیال ہے۔ بلکہ خدا تعالی نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ جاننا چاہیے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت و رفعناه مكاناً عليّاً (مريم ۔ ۵۷) اس پر دلالت کرتی ہے۔ یہ آیت حضرت ادریسؑ کے حق میں ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہم نے ادریس کو موت دے کر مکان بلند میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اگر وہ بغیر موت کے آسمان پر چڑھ گئے تو پھر بوجہ ضرورت موت جو ایک انسان کے لئے ایک لازمی امر ہے، یہ تجویز کرنا پڑے گا کہ یا تو وہ کسی وقت اوپر ہی فوت ہو جائیں اور یا زمین پر آ کر فوت ہوں۔ مگر یہ دونوں شقیں ممتنع ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جسم خاکی موت کے بعد پھر خاک ہی میں داخل کیا جاتا ہے اور خاک ہی کی طرف عود کرتا ہے اور خاک ہی سے اس کا حشر ہوگا۔ اور ادریسؑ کا پھر زمین پر آنا اور دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے، مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو، جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت ان کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں۔ فی مقعدِ صدقٍ عند مليكٍ مّقتدر ۔ (القمر ۔ ۵۵) (ازالہ اوہام ۔ ۵۹۹)

قاضی سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے رفع سے مراد کا لفظ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ وہ اس جگہ مرادی ترجمہ کرتے ہیں اور ترجمہ آیت میں حسب مراد خود جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ نیز ثابت کر دیا کہ اس جگہ رفع کے لغوی معنی مرزا کے مذہب

کو دفع کر رہے ہیں۔ و رفعناہ مکاناً علیاً جو ادریسؑ کی شان میں وارد ہے، وہ نہ ان مرادی معنی پر دلالت کرتی ہے اور نہ مرزا صاحب کو کچھ مفید ہے کیونکہ یہاں رفع کا لفظ مکاناً علیّاً سے مضاف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے ادریسؑ کو رتبہ علیا پر فائز کیا اور منصب برتر پر ممتاز فرمایا۔ ایسا ہی دوسرے مقام پر خدا نے فرمایا:

تلک الرّسل فضّلنا بعضھم علی بعض منھم من کلّم اللّٰہ و رفع بعضھم درجات۔ (یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے اور بعض کے درجے ہم نے بلند کئے ہیں)

اس میں رفع کو درجات کی طرف مضاف کیا ہے۔ پس واضح ہو کہ مرزا صاحب نے یہ مرادی معنی تو اللہ تعالی کے مقصود و مطلوب کلام کے خلاف کئے ہیں۔ لہذا واضح ہوا کہ رفع کے معنی یہاں بھی وہی ہیں جو لغت میں ہیں اور جو ہر جگہ لئے اور سمجھے سمجھائے بولے جاتے ہیں، یعنی بلند کرنا۔ اب چونکہ یہاں رفع کا لفظ ہے اور وہ الیّ کی طرف مضاف ہے تو صاف اور سیدھے معنی جن کو لغت کی امان حاصل ہے، یہ ہیں کہ ہم نے عیسی کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ الیّ کے معنی میں فوق، جہت، علو کی بحث (جو مسئلہ صفات کا حصہ ہے) شامل کی جا سکتی ہے مگر مجھے امید ہے کہ مرزا صاحب ان صفات الہی سے منکر نہ ہوں گے۔

مرزا صاحب بجائے اس کے کہ اس آیت سے وفات مسیح ثابت کر سکتے، ان کو شروع ہی میں اپنے ضعف استدلال کا اقرار کرنا پڑا اور یہ ماننا لازمی ہوا کہ جو معنی ہم نے کئے ہیں وہ مرادی معنی ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ توفّی کے لفظ پر تو مرزا صاحب نے اتنا زور دیا ہے کہ گویا تمام بحث کا لبِّ لباب اور کل دلائل کا عطر مجموعہ یہی لفظ ہے اور سارا زور صرف اس بات پر ہے کہ توفّی کے لغوی اور اصلی معنی وفات کے ہیں، مگر رفع میں آ کر اس تمام جوش و خروش کو دبا کر اس کے لغوی اور اصلی معنی چھوڑ کر مرادی معنی لے لیں۔... حضرت وعدہ تو ہوا تھا انّی متوفّیک و رافعک الیّ اور اس کے ایفاء کی خبر دی تو بل رفعہ اللّٰہ سے۔ آپ نے ازالہ اوہام میں مختلف مقامات پر تسلیم کر لیا ہے کہ و رافعک الیّ کے معنی باعزت موت لینے کے لئے یہ قرینہ ہے کہ متوفّیک اس سے پہلے پڑا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر متوفّیک اس سے پہلے نہ ہوتا تو و رافعک الیّ کے معنی باعزت موت کے لینے جائز نہ تھے۔ لیجئے جناب خبر ایفائے وعدہ میں اللہ نے ان دو وعدوں کے لفظوں میں سے ایسے لفظ پر

اختصار فرمایا ہے جس کے معنی کو نہ حقیقۃً، نہ مجازاً، موت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیا آپ اس راز کو بیان کر سکتے ہیں؟ دیکھنا ابن عباس کا مذہب، جس کو آپ نے الحاد قرار دیا ہے، وہی صحیح نہ ہو جاوے کہ رافعک الیّ الآن و متوفیک بعد نزول علی الارض

ناظرین یہ مرزا کا دوسری مستدلہ آیت میں حال ہے کہ نصوص شرعیہ کے الفاظ کو مرادی معنی کے تابع کیا جاتا ہے۔

☆ (۳)۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

تیسری آیت جو حضرت مسیح ابن مریم کے مرنے پر کھلی گواہی دے رہی، یہ ہے فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم (مائدہ۔ ۱۱۷)۔ یعنی جب تو نے مجھے وفات دی تو، تو ہی ان پر نگہبان تھا۔

ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں توفّی کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بے کار چھوڑ دینا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے قل یتوفّاکم ملک الموت الّذی وکّل بکم۔ (سجدہ۔ ۱۱)۔ اور پھر فرماتا ہے ولکن اعبد اللّٰہ الّذی یتوفّاکم، (یونس۔ ۱۰۴) حتّی یتوفّھن الموت۔ (نساء۔ ۱۵)۔ پھر فرماتا ہے حتّی اذا جاء تھم رسلنا یتوفّونھم (اعراف۔ ۳۷)۔ اور پھر فرماتا ہے توفّته رسلنا (انعام۔ ۶۱)۔ ایسا ہی قرآن شریف کے تئیس مقام میں برابر توفی کے معنی اماتت اور قبض روح ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی رو سے اس جگہ توفّیتنی سے مراد رفعتنی لیا ہے اور اس طرف ذرہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں۔ پس یہی تو الحاد ہے کہ جن خاص معنوں کا قرآن کریم نے اول سے آخر تک التزام کیا ہے، ان کو بغیر کسی قرینہ قویہ کے ترک کر دیا ہے۔ توفّی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے معنوں پر ہی آتا ہے۔ ...افسوس کہ بعض علماء جب دیکھتے ہیں کہ توفّی کے معنی حقیقت میں وفات دینے کے ہیں تو پھر یہ دوسری تاویل پیش کرتے ہیں کہ آیت فلمّا توفّیتنی میں جس توفّی کا ذکر ہے وہ حضرت عیسی کے نزول کے بعد واقع ہوگی۔ لیکن تعجب کہ وہ اس قدر تاویلات رکیکہ کرنے سے شرم نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ آیت فلمّا توفّیتنی کے پہلے یہ آیت ہے واذ قال اللّٰہ یاعیسی أ انت قلت

للنّاس (مائدہ۔ ۱۱۶) اور ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول اذ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا، نہ زمانہ استقبال کا۔ اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسی کی طرف سے ہے یعنی فلمّا توفّیتنی وہ بھی بصیغہ ماضی ہے اور اس قصہ سے پہلے جو بعض دوسرے قصے قرآن کریم میں اسی طرز سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی انہیں معنوں کے مؤید ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ص ۶۰۰۔۶۰۲)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے محض ایک لفظ توفّیتنی کے معنی رفعتنی لینے سے سینکڑوں سال کے مرے ہوئے ہزاروں علماء پر فتوی الحاد جاری کر دیا اور ان کو ملحد کہنے میں ان کے ایمان و اسلام، اقرار شہادتین وغیرہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ پھر مرزا صاحب کو علمائے حال سے اپنے فتوی تکفیر کے بارہ میں کیا شکایت ہوسکتی ہے جنہوں نے ان کی تصانیف میں بے شمار ایسے نمونے پائے ہیں جن کو وہ، نیز پہلے مسلمان کفر سمجھتے رہے ہیں۔
کیا من صلّی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا کی حدیث کو مرزا صاحب صرف اپنا حصار سمجھتے ہیں، مگر خود حملہ کے وقت حریف کو اس کی آڑ لینے بھی نہیں دیتے؟ مولوی محمد احسن امروہی اپنی کتاب تحذیر المؤمنین عن اکفار المسلمین سب سے پہلے اپنے پیر و مرشد کے ملاحظہ کے لئے پیش کریں۔

☆ مرزا صاحب نے اس آیت کے ضمن میں توفّی کی زوردار بحث کی ہے۔اس پر ہماری گذارشات ملاحظہ ہوں:۔

لغت کی کتابوں میں دیکھئے۔صحاح میں ہے اوفاہ حقّہ (باب افعال سے) اور وفاہ حقّہ (باب تفعیل سے) اور استوفا حقّہ (باب استفعال سے) اور توفّاہ (باب تفعل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اس کا حق پورا دے دیا۔توفّاہ اللّٰہ کے معنی قبض روح ہیں اور توافی کے معنی نیند۔

۲۔ایفاء گزاردن حق کسے بہ تمام۔و یقال منہ اوفاہ حقّہ و وفاہ، استیفا و توفّی تمام گرفتن حق۔و توفّاہ اللّٰہ ای قبض روحہ وفاۃ مردن۔موافاۃ رسیدن وآمدن۔و توافی القوم ای تتاموا

۳۔قاموس میں ہے۔اوفا فلاناً حقّہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو پورا حق دے دیا

جیسے وفاہ اوراوفاہ اوراستوفاہ اورتوفاہ کے یہی معنی ہیں۔ وفات بمعنی موت ہے۔ توفّاہ اللّٰہ کے معنی قبض روح ہیں۔

مرزا صاحب کا دعوی یہ تھا کہ کتب مذکورہ بالا سے ان کو کوئی ایسی مثال یا محاورہ دکھلا دیا جائے جس میں لفظ توفی بمعنی قبض جسم بولا گیا ہو۔اب وہ توفّاہ حقّہ کے محاورہ پر غور کریں جس سے درہم ودینار وغیرہ اجسام کا قبض کرنا ثابت ہے۔

اب تفاسیر کی طرف آیئے:

تفسیر بیضاوی میں ہے توفّی کسی چیز کے پورا لینے کو کہتے ہیں۔مرزا صاحب جو توفّی کے معنی روح کو قبض کر کے جسم کو بے کار چھوڑ دینا بتاتے تھے اور کہتے تھے اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں، وہ اس لفظ پر خیال فرمائیں جو بیضاوی جیسے متبحر و ماہر نے لکھا ہے التوفی اخذاً وافیاً۔ مارنا اس کی ایک قسم ہے (اور نینداس کی دوسری قسم) ان دونوں قسموں کا اس قول ربانی میں ذکر ہے۔خدا جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں پورا لیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے)۔

تفسیر کبیر میں ہے توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔اس لفظ سے عرب کے محاورات یہ ہیں۔ وفانی فلان دراھمی۔ و اوفانی و توفّیتھا منه۔یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے پورے کر لئے (خیال فرمایئے یہ محاورہ قبض جسم کی مثال ہے، جس کے مرزا صاحب منکر ہیں) جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلان دراھمی الیّ و تسلمتھا منه۔یعنی فلاں شخص نے میرے درہم مجھے سپرد کر دیئے اور میں نے اس سے لے لئے۔اور کبھی توفّی بمعنی استوفی آتا ہے جس کے معنی پورا لینے کے ہیں۔ان دونوں معنی کے اعتبار سے (کہ خود توفی کے معنی بھی قبض کرنا ہے اور توفی کے معنی استوفی بھی ہیں) حضرت مسیح کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفّی ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب توفی بعینہ رفع جسم ہوا، تو متوفّیک کے بعد رافعک الیّ کہنا تکرار بلا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوفّیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے تحت میں کئی انواع واقسام پائے جاتے ہیں۔

۱۔موت (جس میں صرف روح کو قبض کرنا ہوتا ہے)۔

۲۔جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے)۔

۳۔نوم (جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے)۔

پس جب متوفّیک فرمانے کے بعد و را فعک الیّ بھی فرما دیا تو اس سے اس جنس کی ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

اسی تفسیر میں آیات زیر بحث کی تفسیر میں ہے یتوفّاکم باللّیل کے معنی ہیں، خدا تعالی تم کو رات کو سلا دیتا ہے اور تمہاری ان ارواح کو قبض کر لیتا ہے جن سے تم ادراک اور تمیز کر سکتے ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ خدا تعالی ارواح کو نیند کے ساتھ قبض کرتا ہے جیسا کہ موت کے ساتھ قبض کرتا ہے۔

لغات اور تفاسیر کے بعد آپ قرآن کی آیات ذیل پر غور فرمائیے:

و ھو الّذی یتوفّاکم باللّیل و یعلم ما جرحتم با لنّھار ثم یبعثکم فیه لیقضی اجل مسمّی۔ خدا وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پورا قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن کو کیا کرتے ہو، اس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے، تا کہ تمہاری میعاد حیات پوری کرے۔

مرزا صاحب نے جو ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۰ پر توفّی کے معنی صرف اما تت یعنی مار دینا اور روح کو قبض کر کے جسم کو بے کار چھوڑ دینا بتائے ہیں، اپنے ان معنی کو ملحوظ رکھ کر ذرا اس آیت کا ترجمہ تو کر دیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اگر اس شبانہ روزی موت کا آپ نے اقرار کر لیا تو آپ کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے گا۔

اللّه یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا فیمسک الّتی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجلٍ مسمّی ۔ ترجمہ۔ خدا موت کے وقت جانوں کو پورا قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی توفی نیند میں ہوتی ہے۔ یعنی نیند میں ان کو پورا قبض کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان میں جس پر موت کا حکم لگا چکتا ہے، اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو (جس کی موت کا حکم نہیں دیا) (نیند میں توفی کے بعد) ایک وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔

مرزا صاحب کو لازم ہے کہ اس آیت میں توفّی کے معنی ضرور ہی اماتت کے لیں کیونکہ یہاں نفس انسانی مفعول اور خدا فاعل بھی ہے۔ لیکن اگر ان کو اس جگہ توفّی کے معنی اماتت لینے میں کچھ پس و پیش ہوا (جیسا کہ ازالہ اوہام ص ۳۳۲ پر اس تذبذب کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے . یہ دو مؤخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں نیند نہیں مراد لی گئی) تو ان کو ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۱ پر لکھے ہوئے الفاظ سے شرم فرمانی چاہیے کہ

قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفّی کے معنی اماتت کا ہی التزام کیا گیا ہے۔

حوالہ کتب لغت اور نقل محاورات اور ثبوت آیات قرآنیہ کے بعد میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ازالہ اوہام صفحہ ۶۰۱ کے جواب میں اسی کا صفحہ ۳۳۲ پیش کردوں جس میں آپ نے توفّی کے معنی اس جگہ بظاہر نیند ہونا قبول کر لئے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ

اس جگہ توفی سے حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے، جو نیند ہے۔

ہم کو آپ کا اس قدر اقرار بس ہے، کیونکہ خواہ آپ نے لفظ بظاہر کی قید لگائی یا مجاز کی، بہرحال آپ کا دعویٰ کہ قرآن مجید میں لفظ توفّی بجز اماتت کے دوسرے معنی میں مستعمل ہی نہیں، غلط ثابت ہو گیا۔

لفظ توفّی پر اس قدر بحث و تحقیق کے بعد اب میں مرزا صاحب کی وجہ استدلال کی طرف توجہ کرتا ہوں جس سے آپ نے اس آیت کو تیسری دلیل وفات مسیح پر قرار دیا ہے۔ مرزا لکھتے ہیں:

فلمّا توفّیتنی سے پہلے یہ آیت ہے اذ قال اللّٰہ یا عیسی.. الخ۔ قال ماضی کا صیغہ ہے اور اذ جو خاص ماضی کے واسطے آتا ہے، اس سے پہلے موجود ہے۔ ثابت ہوا یہ قصہ نزول آیت کے وقت ایک ماضی کا قصہ تھا، نہ زمانہ استقبال کا۔ پھر جو جواب عیسی کی طرف سے ہے یعنی فلمّا توفّیتنی وہ بھی صیغہ ماضیہ ہے۔ غرض اس سے ثابت ہوا کہ عیسی مر چکے اور اس مرنے کا اقرار خود ان کی زبان کا موجود ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۶۰۲)

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم حضرت عیسیٰؑ اور ربّ العالمین کے اس سوال و جواب کو زمانہ مستقبل کا سوال و جواب ثابت کر دیں اور پھر توفیتنی کے جو معنی رفعتنی الی السّماء عامہ مفسرین نے لئے ہیں، اس کا قرینہ اسی آیت میں سے نکال دیں تو کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی ان کے حق میں بالکل بودی اور ضعیف ثابت ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ قال کے ماضی ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر یہ غلط ہے کہ اذ صرف ماضی کے واسطے آتا ہے، یا جب ماضی پر آتا ہے تو اس جگہ زمان مستقبل مراد ہونا ممتنع ہوتا ہے۔

دیکھو ولو تری اذ فزعوا۔ اور اذ تبرّأ الّذین اتّبعوا میں ماضی پر اذ آیا ہے۔ مگر ہے حال قیامت کے لئے۔

علی ہذا مضارع پر بھی اذ آیا ہے۔ پڑھو

و اذ یر فع ابرا ھیم القواعد ۔اور و اذ تقول للمؤمنین

مگر ہاں سنت اللہ یہ ہے کہ زمان مستقبل کے لئے جن امور کا ہونا یقینی اور ضروری ہے ان کو بصیغہ ماضی بیان کیا جا تا ہے۔جس شخص کو نظم قرآنی کے سمجھنے میں ذرا بھی مناسبت ہوگی وہ ہمارے بیان کی صداقت سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔قیامت کا ذکر خصوصیت سے ایسا ذکر ہے جس کو جا بجا صیغہ ماضی سے بیان کیا گیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح واقعات گذشتہ کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اسی طرح احوال قیامت میں کسی کو مجال انکار و مقام شبہ باقی نہ رہ جائے ۔مثلاً حدیث صحیح میں آیا ہے

جاء ت الرّا جفة تتبعها الرّا دفه ۔ پہلا نفخ صور آ گیا،اس کے ساتھ دوسرا بھی ہے۔

قرآن میں اتی امر اللّٰہ ۔ قیامت آ گئی۔

گو جاء ت اور اتی صیغہ ماضی ہیں مگر زمان مستقبل کی خبر دیتے ہیں ۔اس طرز کلام میں یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ ان امور کا واقع ہونا ذرا بھی غیر یقینی نہیں ۔

اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ پرسش وگزارش یہ سوال و جواب زمانہ ماضی کا ایک قصہ نہیں بلکہ یوم الدّین کے وقوعی امر کا اخبار ہے۔آپ قرآن کی طرف توجہ فرمائیں کہ شروع قصہ مسیح ابن مریم سے پہلے اللہ نے فرمایا ہے:

یوم یجمع اللّٰہ الرّسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علّام الغیو ب ۔ترجمہ۔جس دن خدا رسولوں کو اکٹھا کر کے فرمائے گا تم کو تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا،عرض کریں گے کہ ہم کو اس کی خبر نہیں ،تو علام الغیوب ہے۔

الرسل لانے کے بعد ایک اولوالعزم رسول کے ساتھ جو سوال و جواب ہونگے ،ان کی خصوصیت سے تصریح فرمادی اور اس سوال و جواب کے لکھنے سے پہلے مسئول عنہ کی قدر ومنزلت دکھلانے کے واسطے ان نعمتوں عزتوں کا شمار بھی فرمایا جو حضرت عیسی کو عطا کی گئی تھیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس ہولناک دن میں بھی کیسے کیسے ممتاز رسولوں کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور مشرکین کو ان کے معبود ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔

پھر دیکھو کہ اس سوال و جواب کے ختم ہونے اور حضرت عیسیٰؑ کی بے گناہی کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ : ان تغفر لھم فا نک انت العزیز الحکیم ۔ کا اللہ نے یہ جواب دیا:

هذا یو م ینفع الصّادقین صدقھم (آج تو وہ دن ہے کہ صادقین کو ان کا صدق نفع پہنچائیگا)

اب اس میں تو شک نہیں کہ ھذا یو م، اس سوال وجواب کے دن ہی کو کہا گیا ہے اوراس میں بھی شک نہیں کہ ینفع الصّادقین صدقھم کا ظہور قیامت کے روز ہی ہونا ہے، لہذا مرزا صاحب کو چاہیے کہ اب اذ قال کی کوئی اور توجیہہ پیش کریں۔

اب ناظرین آیت ومعنی آیت ملاحظہ فرمائیں:

وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم ۔ میں ان کی نگرانی کرتا رہا جب تک کہ ان کے درمیان موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو ان کا نگہبان اور رکھوالا تو تھا۔

واضح ہو کہ اللہ نے خبر دینے کے وقت انّی متوفّیک و رافعک الیّ فرمایا تھا ۔ توفّی کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا لینا۔ یہ ایک جنس ہے جس کے بہت انواع ہیں ۔ رفع بھی اسی کی ایک نوع ہے ۔ اس لئے اللہ نے بل رفعه اللّٰه الیه کے لفظ سے خبر دی تاکہ تعیین ہوجائے اور اس لئے جب مفسرین نے دیکھا کہ اللہ تعالی خود اس جنس سے تعین ایک نوع کی کر چکا ہے تو انہوں نے فلمّا توفّینتی کے معنی بھی مراد سبحانی وتعین ربانی کے موافق کئے، جس کو مرزا صاحب نے خود نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی کی وجہ سے سب مفسرین پر الحاد اور تحریف کرنے کا فتوی جاری کر دیا۔ حضرت! اس میں مفسرین کا کچھ قصور نہیں ۔ اگر تحریف اسی کا نام ہے تو وہ خود اس کلام پاک اور قدیم کے متکلم کی طرف سے وقوع میں آئی ہے۔ جو فتوی لگانا ہے اس پر لگایئے ۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خارجہ دلائل کو تائید میں لانے سے پہلے خود اس آیت کے اندر دلائل کی تلاش کرنے سے بہت کچھ ملتا ہے۔ حضرت عیسیؑ نے یوں عرض کیا کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم یعنی جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، تب تک ان کا نگہبان تھا۔

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت عیسی کے رہنے یعنی زندگی بسر کرنے کا کوئی ایسا زمانہ بھی ہے جب کہ وہ اپنی امت میں موجود نہیں رہے اور ان کو منصب رسالت وتبلیغ و وعظ وانذار سے کوئی علاقہ بھی نہیں رہا اور کچھ شک نہیں کہ وہی زمانہ صعود بر سماء کا ہے۔

حضرت عیسی کے قول ما دمت فیھم کے معنی سمجھنے کے لئے حضرت عیسی کے دوسرے قول ما دمت حیّاً پر بھی نظر ڈالنی چاہیے کہ پہلے قول میں آپ نے فرمایا ہے:

. جب تک میں ان کے درمیان رہا۔

اور دوسرے قول میں ہے:

. جب تک میں زندہ رہوں ۔

پہلے میں ان کے درمیان رہنے کی قید اور دوسرے قول میں نماز و زکوۃ کیلئے حیات کی قید، کیا معنی رکھتی ہے؟ اگر فلمّا توفّیتنی میں حضرت عیسی کو اپنی موت کا بیان کرنا تھا تو اس کے لئے نہایت واضح لفظ یہ تھے کہ یوں فرماتے:

کنت علیهم شهیداًما دمت فیهم فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب

جب ایسا نہیں فرمایا تو ثابت ہوا کہ آپ کی یہ تیسری مستدلہ آیت بھی آپ کے دعوی کا کچھ ثبوت نہیں بلکہ روشن ہوگیا کہ حیات مسیح کیلئے ہماری دلیل ہے۔

ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ مرزا صاحب نے اپنی دیگر مستدلہ آیات کی نسبت تو دلالت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی یہ آیت دلالت کرتی ہے، وہ آیت دلالت کرتی ہے۔ مگر اس تیسرے نمبر آیت کی نسبت یہ الفاظ لکھے تھے کہ، یہ حضرت عیسی ابن مریم کے مرنے کی کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے۔ اور جو آیت ان کے زعم میں کھلی کھلی گواہی دیتی تھی اسی میں ان کا ضعف استدلال اس قدر ہے۔

☆ ۴۔ مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے کہ

چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے یہ آیت ہے:

و ان من اهل الکتا ب الّا لیؤمننّ به قبل موته ۔ (نساء۔ ۱۵۹)

اور ہم اسی رسالہ میں اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۰۳)

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہاں وجہ استدلال کچھ نہیں لکھی۔ سرف یہی لکھا ہے کہ کہ ہم اس کی تفسیر اسی رسالہ میں (کسی دوسری جگہ) بیان کر چکے ہیں۔

پس ناظرین واضح ہو کہ اس آیت میں غور طلب تین الفاظ ہیں۔ اول۔ لیؤمننّ ۔ دوم ۔ به ۔ سوم۔ قبل موته ۔ مرزا صاحب نے لیؤمننّ کو صیغہ ماضی بنا کر ترجمہ کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ کوئی اہل کتاب نہیں جو اس بیان پر ایمان نہ رکھتا ہو (ازالہ اوہام ص ۳۷۲)۔ حالانکہ تمام روئے زمین کے علماء علم نحو کا اس قاعدے پر اتفاق ہے کہ جب مضارع پر لام تاکید اور نون ثقیلہ واقع ہوتے ہیں تو فعل مضارع اس جگہ خالص مستقبل کیلئے ہو جاتا

ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جس کو مرزا صاحب آج تک غلط ثابت نہیں کر سکے اور نہ کر سکیں گے۔ بلکہ یہاں آکر یہ جواب بنایا:

. ہمارے اوپر اللہ ورسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر معنی آیت کھل جائیں اور اس پر اکابر مؤمنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں۔ اس بدعت کے التزام کی ہمیں حاجت ہی کیا ہے۔ (مناظرہ دہلی۔ص ۶۱)۔ (ص ۵۳ الحق مباحثہ دہلی، طبع جنوری ۱۹۰۵ء قادیان میں یوں ہے:۔ اس بدعت کے الزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ بہاء)

اس جواب سے جو علمیت اور قابلیت اور پھر اس پر زبان دانی اور الہام یابی کا افتخار ظاہر ہو رہا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسری آیت کی وجہ استدلال میں جب مرزا نے حرف اذ اور قال پر نحوی بحث کی تھی اس وقت تو اس بدعت کے التزام کی ان کو حاجت تھی۔ اب کہ اس التزام سے دعوی ٹوٹتا ہے اور بے شمار وساوس و دور از کار خیالات ھباءً منثوراً کی طرح اڑ جاتے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو اس التزام بدعت کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ مگر اس لئے کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں رہی، لازم نہیں آتا کہ قاعدہ نحوی کی صحت بھی باقی نہیں رہی۔ ناظرین یاد رکھیں کہ لیؤمنن خالص مستقبل کے لئے ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے ثم جاء کم رسول مّصدّق لّما معکم لتؤمننّ به و لتنصرنّه صرف حاضر وغائب کا فرق ہے۔ مرزا اس کو ماضی بنا کر ترجمہ کر دکھلائیں

دوسری بحث به کی ضمیر پر ہے کہ اس کا مرجع کون ہے۔ مرزا صاحب به کا مرجع بیان مذکورہ بالا کو بتاتے ہیں (دیکھو ازالہ اوہام۔ص ۳۷۲) اور ہم حضرت عیسی کو۔ لیکن بیان مذکورہ کو مرجع قرار دینے سے ہمارا کچھ حرج نہیں یعنی به کا مرجع بیان مذکورہ قرار دینے سے مرزا صاحب کا مذہب ثابت ہونا ممکن نہیں۔

تیسری بحث قبل موته کی ضمیر پر ہے اور یہ بھی لیؤمننّ کی طرح ضروری بحث ہے۔ کیونکہ جو کوئی قبل موته کی ضمیر کا مرجع قرار دیا جائے گا، اسی کی حیات بالفعل ثابت ہو جائے گی۔

مرزا صاحب نے به کی ضمیر کا مرجع بیان مذکورہ اور قبل موته کا مرجع کتابی بتایا ہے مگر

معلوم نہیں کہ یو م القیامۃ یکون علیھم شھیداً میں یکو ن کا فاعل کس کو قرار دیں گے ۔ اگر حضرت عیسیٰ ہی کو قرار دیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ضمائر میں اس قدر بعد و انفصال تعقید کلام میں داخل ہے جو فصاحت و بلاغت سے سخت مخالف ہے ۔ پھر قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع کتابی کو کہنا اس لئے غلط ہے کہ اس صورت میں قبل موتہ کا جملہ، کلام ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ لیؤمنن میں جو ایمان لانے کی خبر ہے وہ خود حیات کتابی کی مقتضی ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ بعد از موت یقین کرنے کا نام بھی شرع میں ایمان رکھا گیا ہے اور یہ بالبداہت باطل ہے ۔ واضح ہو کہ شرع میں حالت نزع بھی بعد از موت میں داخل اور زمانہ حیات سے خارج ہے ۔ دیکھو جب فرعون نے اپنے غرق ہونے کو یقینی معلوم کر کے آمنت بربّ بنی اسرائیل کہا، تو اس کے جواب میں اس کو یہی کہا گیا الآن و قد حصحص الحق ۔غرض مرزا صاحب کے معنی ہر طرح سے نظم قرآنی کے خلاف ہیں اگر چہ ان کے وہ معنی بھی کسی طرح مفید مطلب نہیں ہو سکتے کیونکہ لیؤ منن ّ صیغہ ماضی نہیں بن سکتا ۔

بعض مفسرین نے قبل موتہ کے مرجع قرار دینے میں مختلف اقوال لکھے ہیں ۔ مگر اہل سنت و الجماعت کے جمہور کا مختار مذہب یہ ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ ہیں ۔مرزا صاحب نے بھی مسلمانوں کے حال پر رحم فرما کر ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۲ پر قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسی کو قرار دیا ہے اور گو آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے جملہ ہائے معترضہ بیچ میں ڈال کر معنی کچھ کے کچھ کر گئے ہیں مگر ہم اس کو لاکھ غنیمت سمجھتے ہیں کہ قبل موتہ کے مرجع میں وہ ہم سے خلاف نہیں ۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۵ پر پھر قند مکرر کے طور پر اس شہادت کو ادا کیا ہے اور تسلیم کر لیا کہ قبل موتہ کا مرجع عیسیٰ ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ قبل موتہ کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانہ بموتہ ۔ہم کو ان معنی سے کچھ سروکار نہیں ۔ضمیر کا مرجع جس کو ہم نے قرار دیا تھا اسی کو مرزا صاحب نے بھی تسلیم کر لیا ۔ و للّٰہ الحمد۔

اب اس تسلیم کے بعد مرزا صاحب اور ان کے تمام اعیان و انصار کے لئے محال کلی ہے کہ اس آیت سے وفات عیسی کی (صراحت تو کیا) دلالت بھی ثابت کر سکیں ۔ اب اس آیت کا ترجمہ سنیئے :

نباشد ہیچ کس از اہل کتاب الا ایمان آورد بہ عیسی پیش از مردن عیسی ۔ (شاہ ولی اللہ)

اور نہیں کوئی اہل کتاب سے ، مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے (رفیع الدین)۔

اور جو فرقہ کتاب والوں میں سے ہے، سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے ۔ (شاہ عبدالقادر)

ان ہر سہ تراجم میں بہ اور قبل موتہ دونوں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسی ہیں۔ یہی مذہب جمہور ہے۔

اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر البتہ ایمان لاوے گا وہ قرآن کے بیان مذکورہ بالا پر پہلے حضرت عیسی کے موت کے۔ مرزا غلام احمد

یہ معنی مرزا صاحب کے مذہب پر ہیں جو بہ کا مرجع بیان کو اور موتہ کا حضرت عیسی کو کہتے ہیں۔ اور ان سب صورتوں میں حیات مسیح ثابت ہوتی ہے۔ وفات کا کیا ذکر ہے۔ اور اس آیت سے مرزا صاحب کو استدلال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جب تک مرزا صاحب لیؤمنن کا مفید معنی ماضی نہ ثابت کرسکیں تب تک وہ اس آیت سے استدلال کا نام بھی نہیں لے سکتے۔ اور یہ ثابت کرنا اس وقت تک ان پر محال ہے جب تک موجودہ علم نحو کی تمام کتابوں کو ڈبو کر اور تمام عرب اہل زبان کو دریا برد کر کے از سر نو ملک عرب آباد نہ کریں اور اس میں اپنا نو ایجاد کردہ صرف ونحو جاری نہ فرمائیں۔

☆ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں: پانچویں آیت یہ ہے

ما المسیح ابن مریم الّا رسول قدخلت من قبل الرّسل و امّہ صدّیقۃ کانا یا کلان الطّعام (مائدہ۔ ۷۵) یعنی مسیح صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں اور ماں اسکی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے

یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں بتصریح بیان کیا گیا کہ اب حضرت عیسی اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے، ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو حال کو چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہوگئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے حضرت عیسی بھی مریم کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں لہذا حضرت مریم کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی ماننی پڑی کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ مریم تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئی اور حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔

اور جب ہم اس آیت مذکورہ بالا کو اس دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں کہ ما جعلنا هم جسداً لا یا کلو ن الطّعا م (انبیاء۔ ۸) جس کے یہ معنی کہ کوئی ہم نے ایسا جسم

نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو، مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔ تو اس یقینی اور قطعی نتیجہ تک ہم پہنچ جائیں گے کہ فی الواقع حضرت مسیح فوت ہو گئے کیونکہ پہلی آیت سے ثابت ہو گیا کہ اب وہ کھانا نہیں کھاتے اور دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ جب تک یہ جسم خاکی زندہ ہے طعام کھانا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے قطعی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۳۔۶۰۴)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں:

یہ غلط ہے کہ کان ہمیشہ حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیا کرتا ہے اگر یہی صحیح ہے تو کان اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیر کا ترجمہ مرزا صاحب کر کے دکھائیں۔

اب حقیقت سنئے! اس رکوع میں اللہ نے عیسائیوں کے دو فرقوں کی تردید و تکذیب دلائل عقلی سے فرمائی ہے اور ان کے کفر کا ثبوت دیا ہے۔

لقد کفر الّذین قالوا انّ اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم و قال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللّٰہ ربّی و ربّکم ۔ البتہ وہ کافر ہوئے جن کا یہ قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے کیونکہ مسیح نے خود کہا ہے کہ لوگو میرے اور اپنے خدا کی عبادت کرو،

لقد کفر الّذین قالوا انّ اللّٰہ ثالث ثلاثہ

البتہ وہ بھی کافر ہوئے جو خدا کو تثلیث کا ایک اقنوم کہتے ہیں۔

ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل وامّہ صدّیقۃ کانا یأکلان الطعام ، (اور مسیح و مریم تثلیث کے دوسرے دو اقنوم جیسا کہ رومن کیتھولک کا اعتقاد ہے بھی خدا نہیں کیونکہ) مسیح ابن مریم تو رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں صدیقہ ہے۔ دونوں طعام کھایا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کو عیسائیوں کی غلطی ثابت کرنا اور ان کے کفر پر دلیل قائم کرنا منظور تھا جو مسیح ہی کو خدا قرار دیتے تھے۔ ان پر یوں دلیل قائم کی کہ مسیح خود لوگوں کو یوں کہا کرتا تھا کہ میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ اگر وہ خود خدا ہوتا ...تو وہ یوں کہا کرتا : . لوگو میں تمہارا رب ہوں، میری عبادت کرو .

لیکن جب مسیح نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے تو اس تربیت یافتہ کو رب کہنا کفر ہے۔

جو لوگ ایک خدا کو تین اور تین خدا کو ایک کہتے اور خدا، مسیح، مریم کو اقانیم ثلاثہ قرار دیتے تھے، خداوند کریم نے ان پر دلیل قائم کی کہ جب ہزاروں لاکھوں شخصوں نے ان

دونوں ماں بیٹا کو لوازم بشری کے محتاج اپنی طرح پایا اور دیکھا ہے اور بایں ہمہ پھران کو خدا کہنے کی جرأت کی ہے، یہ بھی ان کا کفر ہے۔ اب ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اس میں موت و حیات کی کیا بحث ہے۔ جب اللہ تعالی نے ان الفاظ سے وہ مراد ہی نہیں لی تو مرزا صاحب متکلم کے خلاف ان الفاظ سے معانی نکالنے کے کیا مجاز ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ تفسیر بالرائے کا کیا حکم ہے۔

علاوہ اس کے مرزا صاحب کو خود اقرار ہے کہ حضرت مریم کے طعام نہ کھانے کی وجہ موت اور ابن مریم کے طعام نہ کھانے کی کوئی دوسری وجہ بیان نہیں کی گئی۔ صرف کا نا کہا گیا ہے تو اس صورت میں مرزا صاحب کا کیا حق ہے کہ جس امر کی وجہ اس آیت میں بیان نہیں ہوئی اس کو آپ خود بیان کریں بلکہ اس پر جزم بھی کردیں۔ کیا ممکن نہیں کہ دو شخصوں کا ایک مشترکہ فعل سے جدا ہونا مختلف اسباب سے ہو۔ مثلاً زید اور عمر گذشتہ سال لاہور رہتے تھے۔ زید نے تعلیم چھوڑ دی اور عمر ولایت چلا گیا۔ اس مثال کو دیکھو۔ لاہور میں رہائش دونوں کا مشترکہ فعل ہے مگر اس سے جدا ہونے کے مختلف اسباب ہیں۔

مرزا صاحب اگر ایسے دلائل ہی آپ کے مذہب کی مدد ہیں تو اس کے مقابلہ میں کوئی شخص یہ آیت پیش کرسکتا ہے:

قل فمن یّملک من اللّٰہ شیئاً ان اراد ان یّھلک المسیح ابن مریم و امّہ ومن فی الارض جمیعاً (کہہ دے کون سی چیز خدا کی روک بن سکتی ہے اگر وہ چاہے کہ مسیح اور اس کی ماں کو نیز تمام مخلوق کو جو کل زمین پر ہے، ہلاک کردے) یہاں، اگر ہلاک کردے، بتا رہا ہے کہ اب تک اللہ نے ہلاک نہیں کیا۔ اور کہہ سکتا ہے کہ نہ کبھی جمیع من فی الارض ہلاک ہوئے اور نہ مسیح اور نہ ان کی ماں صدیقہ ہی کو ہلاکت نے اپنا اثر پہنچایا۔ جس طرح آج جمیع من فی الارض زندہ ہیں، مسیح اور اس کی ماں بھی زندہ ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح نہیں مان سکتے تو وہ آپ کا استدلال بالاولی غیر صحیح اور سراپا غلط ہے۔

اس آیت کو آپ نے نص صریح کہہ کر پھر استدلال کے وقت اس کے ساتھ دوسری آیت کو ملانے اور پھر یقینی نتیجہ پر پہنچنے کی نسبت جو لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ آیت صریح لذاتہا نہیں اور نہ ہوسکتی ہے۔ دوسری آیت جس کو ملا کر آپ نے اس دلیل کو کامل بنایا ہے اس کی بحث ذیل میں آتی ہے۔

☆ (۶)۔ مرزا غلام احمد قادیانی فرماتے ہیں: چھٹی آیت یہ ہے
و ما جعلناھم جسداً لا یأکلو ن الطّعام ۔ (انبیاء ۔۸)۔ اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ابھی بیان ہو چکا ہے اور درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح کی موت پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ جب کہ کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا، یہی سنت اللہ ہے تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ اور اللہ فرماتا ہے و لن تجد لسنّة اللّٰہ تبد یلاً اور اگر کوئی کہے کہ اصحاب کہف بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ ان کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی حدیث سو برس ان کو بھی مار چکی ہے۔۔ بے شک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اصحاب کہف بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی بھی کامل زندگی ہے مگر وہ دنیا کی ایک ناقصہ کثیفہ زندگی سے نجات پا گئے ہیں۔ دنیا کی زندگی کیا چیز ہے اور کیا حقیقت۔ ایک جاہل اسی کو بڑی چیز سمجھتا ہے اور ہر یک قسم کی زندگی کو جو قرآن شریف میں مذکور و مندرج ہے اسی کی طرف گھسیٹتا ہوا چلا جاتا ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ دنیوی زندگی تو ایک ادنی درجہ کی زندگی ہے جس کے ارذل حصہ سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے اور جس کے ساتھ نہایت غلیظ اور مکروہ لوازم لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایک انسان کو اس سفلی زندگی سے بہتر زندگی حاصل ہو جائے اور سنت اللہ میں فرق نہ آوے تو اس سے زیادہ اور کون سی خوبی ہے (ازالہ اوہام۔ص۶۰۴۔۶۰۶)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کے فقرہ کے الفاظ درحقیقت، یہی اکیلی، کافی طور، ناظرین کی توجہ کے لائق ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس اکیلی کے سوا مرزا صاحب کی دیگر مستدلہ آیات درحقیقت مسیح کی موت پر دلالت نہیں کرتیں اور اگر ان کو حقیقت کے خلاف اس مسئلہ کی دلیل بنایا بھی جائے تو وہ کافی طور پر دلیل نہیں کہلا سکتیں۔ یہ کیسا صاف اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے دل میں باقی ۲۹۔ آیتیں ان کے مذہب کی تائید پر نہیں۔ قضی الرّجل علی نفسہ ۔ یاد رکھو کہ، یہی ، حصر کے لئے آتا ہے۔ ،اکیلی ، نے اس کو اور بھی پر زور کر دیا۔

مرزا صاحب کی وجہ استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جب کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا تو پھر حضرت مسیح کیوں کر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔

ناظرین! اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے طعام (غذا)

کی حاجت نہ ہو۔مگر آیت میں یہ کہاں ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جو فلاں مدت تک بغیر طعام کے زندہ نہ رہ سکے اور جب یہ نہیں تو مرزا صاحب کے لئے یہ دلیل بھی نہیں۔

مرزا صاحب کا خیال یہ ہے کہ جو شخص ان کی طرح ہر روز دو وقت کھانا نہ کھاتا ہو، وہ مردہ ہے۔ جو چینی بودھ پچاس پچاس روز کا برت رکھتے ہیں وہ مردہ در گور ہیں۔ ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کسی جسم کا ایک خاص مدت معین تک اکل و شرب سے جدا رہنا، نہ تو اس جسم کے مردہ ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اس جسم کے لوازم جسمانی سے بے نیاز ہونے کی حجت بن سکتا ہے۔ پھر مرزا صاحب کے لئے یہ آیت کیا دلیل ہے۔ مرزا صاحب نے اسی موقع پر حفظِ ما تقدم پر کاربند ہو کر لکھا ہے:

اگر کوئی کہے کہ اصحابِ کہف بھی تو بغیر طعام کے زندہ ہیں تو میں کہتا ہوں ان کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی سو برس والی حدیث ان کو بھی مار چکی۔ (ازالہ اوہام)

ان کو واضح رہے کہ اگر مسلم کی حدیث ان کو مار چکی ہے تب بھی ہماری دلیل قائم ہے۔قرآن اس امر کا گواہ ہے کہ ولبثوا فی کھفھم ثلاث مئۃٍ سنین و ازدادوا تسعاً ۔اصحاب کہف ۳۰۹ برس تک اسی معمورہ دنیا کے ایک پہاڑ میں اکل و شرب کے بغیر زندہ رہے اور ۳۰۹ برس کے بعد ان کو طعام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے ایک اس وقت طعام لینے کو پہاڑ (کی غار) سے نکلا۔مرزا صاحب غور کریں کہ جس طرح تحقیقات حکماء کو جن کا یہ قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ ابن آدم ۷۰ دن تک بلا طعام زندہ رہ سکتا ہے، ۳۰۹ برس نے غلط ثابت کر دیا، اسی طرح مسیح کا دو ہزار برس تک بغیر طعام کے رہ سکنا ثابت ہو گیا

مرزا صاحب شائد آپ یہ جانتے ہیں کہ طعام کا لفظ زبان شرع میں صرف نباتاتی اور زمین کی روئیدگی یا حیوانی غذا کے لئے آتا ہے اور یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔آپ یاد رکھیں کہ زبان شرع میں ان انوار و برکات کو بھی طعام کہا گیا ہے جو خواص بشر کی جسمانی اور روحانی تربیت ایسی ہی کرتے ہیں جیسے دیگر ماکولات اور روئیدگی زمینی عوام کی تربیت جسمانی کے کام آتی ہے۔روزہ طئے کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

ایّکم مثلی انّی ابیت یطعمنی ربّی و یسقینی (متفق علیه) میں تمہاری طرح نہیں (کہ ماکولات میری حیات کا ذریعہ ہوں) میں رات کاٹتا ہوں اور میرا خدا مجھ کو طعام کھلا دیتا ہے اور سیراب کر دیتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے! طعام کا لفظ موجود ہے اور اس طعام کے مربی بدن کا بھی اظہار ہے مگر دنیا کے ماکولات سے اس کی نوعیت بھی جداگانہ ہے۔ کیونکہ اگر طعام ربانی بھی دنیوی ماکولات میں سے ہو، تو اس کے کھانے سے تو روزہ باقی نہیں رہتا۔ آنحضرت ﷺ روزہ طئے بھی رکھا کرتے اور یہ ربانی اکل وشرب بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر ہر جسم طعام کا محتاج ہے تو یہ ضرور نہیں کہ سب کیلئے طعام بھی یکساں ہو۔ جس طرح ایک گڈریے اور بادشاہ کے طعام میں اس دنیوی عالم میں بہت بڑا تفاوت ہوتا ہے اسی طرح ضرور ہے کہ سفلی اور کثیف زندگی والوں کا طعام نوعیت میں اور ہو اور علوی ولطیف زندگی والوں کا طعام اور۔ حضرت مسیح نے فرمایا:

لکھا ہے انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے جیتا ہے

And when the tempter came to him, he said, If thou be the Son of God, command these stones be made bread.

It is written, :Man shall not live by bread alone, but by every word that proceedeth out of the mouth of God.(Matthew:4:3-4)

And the devil said unto him (Jesus), If thou be the son of God, command this stone that it be made bread.

And Jesus answered him (devil), saying,: It is written, That man shall not live by bread alone, but by every word of God. (Luke 4:3-4)

یعنی مسیح نے، لکھا ہے، کے لفظ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ صحف انبیاء گذشتہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح پر مرقوم ہے کہ خاصانِ خدا کے بدن میں کلام ربانی وہی تاثیر پیدا کردیتا ہے جو عوام کے جسموں میں طعام۔ اسی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس کو ابوداؤد اور احمد بن حنبل اور طیالسی نے روایت کیا ہے:

فکیف بالمؤمنین یومئذ قال تجزیهم ما یجزی اهل السّماء من التّسبیح و التّقدیس۔

راوی نے دریافت کیا، یارسول اللہ! ہم اب ہی بھوک برداشت نہیں کرسکتے، اس روز جب کہ طعام دجال کے ہاتھ میں ہوگا، مومنین کا کیا حال ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

جس طرح آسمان پر رہنے والوں کا طعام اور مایہ حیات اللہ تعالی کا ذکر تسبیح و تقدیس ہے اسی طرح مؤمنین بھی سبحان الملک القدّوس کا ذکر کریں گے اور یہی ذکر ان کا طعام اور مایہ حیات بن جائے گا۔

غور سے دیکھو کہ مسیح جب اپنے ارشاد میں انسان کا بلا طعام کے کلام ربانی کی برکت سے زندہ رہنا تجویز کرتے ہیں تو کیا خود ان کو یہ منصب حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر دیکھو کہ رسول کریم ﷺ خبر دیتے ہیں کہ اہل السماء تو عموماً ذکر تسبیح و تقدیس سے زندہ رہتے ہیں مگر اہل ارض میں بھی خدائے تعالی اس ابتلاء کے دنوں میں یہ علوی تاثیر قائم فرمادے گا۔ اب مرزا صاحب کو واضح ہو کہ ہمارے اعتقاد میں مسیح آسمان پر ہیں اور اس لئے تا نزول وہ بھی اہل السماء میں سے ہیں لہذا ان کا طعام دنیوی نہیں ہوسکتا گو وہ طعام بھی کھاتے ہوں۔ لہذا آپ کی مستدلہ آیت آپ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

☆ ۷۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں: ساتویں آیت یہ ہے

و ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل ۔ افان مّات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ۔ (آل عمران ۔ ۱۴۴)۔یعنی محمد ﷺ صرف ایک نبی ہیں ۔ان سے پہلے سب نبی فوت ہوگئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہوجائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سے پھر جاؤ۔

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو اب تک زندہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالی نے پیش کی، صحیح نہیں ہوگی۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۰۶)

قاضی صاحب کہتے ہیں، معلوم نہیں کہ مرزا صاحب کے ترجمہ میں یہ الفاظ:

. ان سے پہلے سب نبی فوت ہوگئے ہیں.

قرآن کے کن الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ قد خلت من قبله الرّسل کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مرزا صاحب براہ نوازش کسی لغت کی کتاب میں یہ تو دکھلائیں کہ خلت یا خلا بمعنی موت زبان عرب میں آیا بھی ہے؟

آپ اس جگہ صرف اپنے دعوی کی تائید میں ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خواہ لغت اور محاورہ آپ کے ترجمہ کی غلطی کو صاف ظاہر کر رہا ہے مگر آپ کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔ اچھا

صاحب اگر خلت کے معنی فوت ہو جانا ہی ہیں تو آپ اس آیت سنّۃ اللّٰہ الّتی قد خلت من قبل کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ کیا یہی کہ وہ سنت الٰہی ہے جو تم سے پہلے فوت ہو چکی ہے۔ اگر آپ ایسا ترجمہ کریں گے تو آیت ہذا کے ساتھ ملے ہوئے الفاظ و لن تجد لسنّت اللّٰہ تبدیلاً آپ کے اس ترجمہ کی سخت تکذیب کریں گے۔

پس جب آیت مستدلہ میں مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے تو استدلال کی صحت کہاں رہی؟ مرزا صاحب کے ترجمہ میں یہ الفاظ سینہ زاد ہیں:

. تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا .

حالانکہ ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی الفاظ قرآنی کا ترجمہ ہیں۔

ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ آیت کا نزول جنگ احد میں ہوا تھا رسول کریم ﷺ زخمی ہو کر کش مکش کے اندر ایک غار میں گر پڑے تھے۔ کسی نے پکار دیا کہ آپ (ﷺ) رخصت ہو گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کا لشکر (بجز خواص اصحاب کے) بھاگ نکلا۔ اللہ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ احکام شریعت کی تعمیل صرف اس وقت تک کی جاتی ہے جب تک نبی اپنی امت میں بہ نفس نفیس موجود رہے؟ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ ذرا خیال کرو کہ کس قدر نبی اور رسول ہو چکے ہیں۔ کیا وہ سب اپنی امت میں موجود ہیں یا ان کے متبعین نے اپنا دین محض اسی وجہ سے ترک کر دیا ہے؟ جب کسی نے بھی ایسا نہیں کیا تو کیا تم ایسا کرو گے؟ پہلے حکمت سے سمجھایا، پھر تنبیہ کے لئے زجر آمیز کلمات فرمائے۔ خیال کرو اس میں وفات مسیح پر کون سی دلیل ہے؟

واضح ہو کہ خلت کا مصدر خلو ہے اور چند معنی میں مستعمل ہے:۔

۱۔ جدا ہونا یا تنہا ہونا، چنانچہ اس آیت میں ہے:

و اذا خلا بعضھم الی بعض (جب ایک دوسرے کے پاس تنہا ہوتے ہیں)۔

۲۔ ہوتے رہنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے:

و ان مّن امّۃ الّا خلا فیھا نذیر (کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا ہوا ہے)۔

اور اس آیت میں ہے:

و قد خلت من قبلکم سنن (تم سے پہلے کئی دستور ہوتے رہے ہیں)۔

۳۔ چلے آنا،۔ چنانچہ اس آیت میں ہے:

سنّۃ اللّٰہ الّتی قد خلت من قبل (یہ سنت الٰہی ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے)۔
پس قد خلت من قبلہ الرّسل کا صحیح ترجمہ یہ ہے ۔ ہوتے رہے ہیں ان سے پہلے رسول ۔
یہ یاد رکھو کہ خلا اور خلت لغت میں زمانہ کی صفت کے لئے آتا ہے ۔ دیکھو قرون خالیہ ۔ مثلاً عرب بولتے ہیں خلت یا خلون من شہرِ رمضان (رمضان کی فلاں تاریخ گذرے) اور اہل زمانہ کے لئے مجازاً ۔ اور اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ خلت کا سیدھا اثر رسالت پر ہے نہ رسولوں کے وجود پر ۔ لہٰذا آیت قد خلت من قبلہ الرّسل کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی بہت رسول رسالت کر چکے ہیں ۔ تبلیغ احکام رسالت کر چکنا متضمن اس امر کا نہیں ہے کہ سب کے سب مر بھی چکے ہیں ، گو ان میں سے اکثر مر بھی چکے ہوں ۔ مثلاً (بلاتشبیہ) کوئی اخبار ہندوستان کے نو وارد وائسرائے و گورنر جنرل لارڈ ایلجن کو مخاطب کر کے کہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت لارڈ وائسرائی کر چکے ہیں ، تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ لارڈ نارتھ بروک ، رپن ، ڈفرن ، لینسڈن جو اب تک زندہ صحیح سالم ولایت میں موجود ہیں (یعنی ۱۸۹۸ء میں) ، یہ سب مر گئے ۔ گو ان میں سے لارڈ لٹن مر بھی گیا ہو اور لارڈ میّو قتل بھی ہو چکا ہو ۔

ناظرین بلاغت قرآنی سمجھنے کے لئے یہ غور کرنا چاہیے کہ خلت کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے ۔ مقتضائے مقام اور بظاہر تناسبِ کلام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا :

قد ماتوا او قتلوا من قبلہ الرّسل افان مّات او قتل (محمد ﷺ سے پہلے جتنے رسول تھے یا وہ مر گئے یا قتل ہو گئے پھر اگر آپ بھی قتل ہو جائیں یا مر جائیں)

مگر ایسا نہیں فرمایا ۔ و للّٰہ الحجّۃ البالغہ ۔ وجہ یہ ہے کہ مفرورین پر حجت بھی قائم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے پہلے رسولوں اور نبیوں کے زمان رسالت کے منقضی ہونے کی خبر بھی دی جائے اور حضرت مسیح ابن مریم کی حیات پر دلیل بھی قائم رہے ۔

اس تمام بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ نے لشکر مسلمین پر جو دلیل قائم کی ہے وہ صحیح و درست ہے ۔ مگر جو مطلب مرزا صاحب ان الفاظ میں ڈھونڈتے ہیں اسے پاش پاش کرنے کیلئے عرب کا لغت اور قرآن کریم کا اسلوب شمشیر بکف کھڑے ہیں ۔

☆ ۸ ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں : آٹھویں آیت یہ ہے ۔

و ما جعلنا لبشرٍ مّن قبلک الخلد افان مّت فھم الخالدون (انبیاء ۔

۳۴)۔یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ زندہ اور ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا۔پس کیا اگر تو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے بچا نہیں اور نہ آئندہ بچے گا۔اور لغت کی رو سے خلود کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت رہے کیونکہ تغیر موت اور زوال کی تمہید ہے۔پس نفی خلود سے ثابت ہوا کہ زمانہ کی تاثیر سے ہر یک شخص کی موت کی طرف حرکت ہے اور پیرانہ سالی کی طرف رجوع اور اس سے مسیح ابن مریم کا بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے باعث فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ص ۲۰۶۔۲۰۷)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے بہت صحیح لکھا ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں۔نہ کوئی موت سے بچا ہے اور نہ آئندہ بچے گا۔مگر ناظرین غور فرمائیں کہ اس کو وفاتِ مسیح سے کیا علاقہ ہے؟

اب رہی اس آیت سے مرزا صاحب کی یہ وجہ استدلال کہ

خلود کے مفہوم میں داخل ہے، ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنا، اور نفی خلود سے ثابت ہے کہ ہر شخص کی حرکت موت کی طرف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے فوت ہو گیا.

یہ بالکل مرزا صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کا نام وہ لے سکتا ہے جس کا مذہب یہ ہو کہ مسیح آسمان پر تو گئے تھے مگر شیخ فانی ہو کر، اور امتداد زمانہ سے ضعف ہرم وغیرہ میں آکر پھر فوت ہو گئے۔جب آپ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسیح آسمان پر نہیں گئے تو آپ کے یہ الفاظ بھی آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔آپ حضرت مسیح کا آسمان پر جانا تسلیم فرمائیے اور پھر یہ وجہ استدلال پیش کیجئے و اذ لیس فلیس

☆ ۹۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

نویں آیت تلک امة قد خلت لها ما كسبت و لكم ما كسبتم و لا تسئلو ن عمّا كا نوا يعملون (بقرہ۔۱۳۴) یعنی اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔ان کے اعمال ان کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔اور ان کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۰۷)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اس آیت کا صرف ترجمہ ہی کر گئے ہیں اور وجہ استدلال وغیرہ کچھ تحریر نہیں کی۔ ہاں ترجمہ میں یہ الفاظ ضرور لکھ دیئے ہیں:

. یعنی اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔

نا معلوم مرزا کے الفاظ : . اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں .

کن الفاظ کا ترجمہ ہے ؟ غالباً تلک کا ترجمہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یہ جو اسم اشارہ ہے۔ اب اگر تم اس کا مشار الیہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن شریف کھول کر دیکھ لیجئے کہ کون کون سے نام اس سے پہلے آیت میں آ چکے ہیں (اس سے پہلی آیت کی تخصیص ہم نے اس لئے کر دی ہے کہ تلک اشارہ قریب کے لئے ہے)۔ ناظرین اس سے پہلی آیت دیکھیں:

ام کنتم شهداء اذ حضر يعقو ب الموت اذ قال لبنيه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک و اله آ بائک ابراهيم و اسماعيل و اسحاق الهاً وّاحداً۔ و نحن له مسلمو ن (تلک امة قد خلت ...)

(بلکہ اس امر کے تم بھی گواہ ہو کہ یعقوب نے فوت ہوتے وقت اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں گے جو تیرا اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا خدا ہے اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں (یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ..)

خلت کے لفظ پر بحث ساتویں آیت میں کر آیا ہوں۔ اعجاز قرآن ہے کہ آیت میں عیسیٰؑ کا نام نہیں۔

☆ (۱۰)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

دسویں آیت و اوصانی بالصّلوة و الزّکوة ما دمت حيّاً (مریم۔ ۳۱)۔ اس کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی حضرت عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی۔ وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحیٰ ان کی نماز کی حالت میں ان کے پاس یوں ہی پڑے رہتے ہیں. مردے جو ہوئے. اور جب دنیا میں حضرت عیسیٰ آئیں گے تو برخلاف اس وصیت کے امتی بن کر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۷)

قاضی صاحب بتاتے ہیں کہ اس آیت سے مرزا صاحب کی وجہ استدلال ازالہ

اوہام میں یہ ہے کہ حضرت مسیح نے تا حیات خود صلوۃ اور زکوۃ کا ادا کرنا فرائض میں شمار کیا ہے اگر وہ زندہ ہیں تو ان کا زکوۃ دینا ثابت کرو۔ ورنہ وہ مردہ ہیں۔ اور کہا ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ زکوۃ کہاں سے دیتے ہوں گے اور کون لیتا ہوگا؟

واضح ہو کہ کل نبیوں پر جیسا کہ زکوۃ کا لینا حرام ہے ویسا ہی دینا بھی حرام ہے.. کیونکہ ان کا کل مال خدا کی راہ میں وقف ہوتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اوصانی کیوں کہا؟ یہ بطور تعلیم ارکان شریعت کے ہے۔ کیونکہ جب فرمایا آتانی الکتاب و جعلنی نبیّاً (خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا)، تو ساتھ ہی اپنی شریعت کے ارکان بھی ظاہر کر دیئے۔

۲۔ زکوۃ سے مراد اس جگہ زکوۃ مال نہ ہو بلکہ زکوۃ نفس ہو۔ قرینہ اس پر روح القدس کا حضرت مریم کو کہنا ہے لا ھب لک غلاماً زکیاً کہ اس جگہ زکیا کے معنی زکوۃ مال نکالنے والہ نہیں بلکہ صاحب زکوۃ وطہارت ہے۔

بیضاوی میں ہے و اوصانی وامرنی بالصّلوۃ و الزکوۃ ۔ زکوۃ المال ان ملکتہ او تطھیر النّفس عن الرّزائل ۔ زکوہ سے زکوۃِ مال مراد ہے کہ جب صاحب نصاب ہوں ورنہ نفس کو رذائل سے پاک صاف رکھنا بھی زکوۃ ہے۔

اللہ نے حضرت یحیٰ کے حق میں فرمایا ہے و آتیناہ الحکم صبیاً وحنا ناً من لّد نّا و زکوۃ ۔ ہم نے اس کو لڑکپن ہی میں حکم، نرم دلی، پاکیزگی عنایت کی۔

یہاں لفظ زکوۃ خصوصیت سے بمعنی پاکیزگی ہے۔

۳۔ زکوۃ تو اہل نصاب پر فرض ہے اگر مرزا صاحب حضرت مسیح کا اس دنیا میں زکوۃ دینا ثابت کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مسیح کا آسمان پر زکوۃ دینا بھی ثابت کر دونگا۔

مرزا صاحب کے بیان میں دوسری غلطی یہ ہے کہ ان کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی وصیت کی گئی تھی۔ . وہ عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں.

اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان کو معنی نبوت معلوم نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ، جن کی قرآن دانی اور اسرار فہمی کی توصیف مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں کی ہے، کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطن پر یکساں ہوتا ہے مگر آپ تو نبوت کو ظاہر اور باطن کے لئے نہیں سمجھتے۔ ہمارے سید و مولا ﷺ تو جس طرح کافہ ناس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، اسی طرح جن و ملک کی طرف بھی۔ کوئی ذوی العقول متنفس ایسا نہیں خواہ، وہ نبی ہو یا غیر نبی

،جس پر احکام اور شرائع و مناہج کی پیروی و اطاعت فرض نہ ہو اور آپ کی رسالت کے بعد سابقہ شرائع و احکام پر چلنا حرام نہ ہو گیا ہو۔ پس جب یہ حالت ہے تو آپ کا یہ خیال کرنا کہ اب وہ انجیلی طریق پر نماز پڑھتے ہیں اور نزول کے بعد برخلاف وصیت مسلمانوں کی طرح پڑھیں گے، معنی رسالت کے نہ سمجھنے ہی پر محمول ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب دیکھئے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیّین لما اتیکم من کتاب وحکمۃٍ ثمّ جاء کم رسول مّصدّق لّما معکم لتؤمننّ بہ و لتنصرنّہ ۔جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اب سمجھ لو کہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کا نماز پڑھنا برخلاف وصیت نہیں بلکہ موافق میثاق ازلی ہے۔ اس معنی کی طرف صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ہریرۃؓ میں اشارہ و دلالت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰؑ، عیسیٰؑ، ابراہیمؑ کا امام بن کر نماز پڑھائی۔

تیسری غلطی اس بیان میں مرزا صاحب کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نماز پڑھتے ہوں گے اور حضرت یحیٰؑ پاس پڑے رہتے ہوں گے۔ . مردہ جو ہوئے ..

یہ غلطی بھی درجہ انبیاء سے عدم معرفت کی وجہ سے ناشی ہوئی ہے۔ شائد آپ کو معلوم نہیں کہ گو مر جانے کے بعد تکلیف احکام سے انسان سبک دوش ہو جاتا ہے مگر انبیاء اللہ جن کے جسم میں عبادت الٰہی بمنزلہ روح کے ہے، جن کے دل میں محبت ربانی بجائے حرارت غریزی کے ہے، وہ مر جانے کے بعد بھی طاعات میں مشغول رہا کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے:

.جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی ازرق میں پہونچے تو فرمایا: میں نے اس وادی میں موسیٰؑ کو کانوں انگلیاں دیئے لبیک لبیک پکارتے، گذرتے دیکھا ہے۔ جب ہرشہ میں پہونچے تو فرمایا میں نے یونسؑ کو جبّہ صوف (لباس احرام) پہنے، اونٹنی پر سوار اس وادی سے گذرتے دیکھا ہے۔

صحیح مسلم میں عن ابی ہریرۃؓ کی حدیث میں حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت یحیٰؑ پڑے ہی نہیں رہتے بلکہ وہ بھی حضرت عیسیٰؑ

کی طرح نماز پڑھا کرتے ہیں۔

ناظرین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ آیت بھی مرزا صاحب کے دعوی کے لئے کچھ مفید نہیں اور آیت کو وفات مسیح سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ نیز دعوی اثبات وفات مسیح کے علاوہ دیگر زوائد جو مرزا صاحب نے لکھے تھے، ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔

☆ (۱۱)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

گیارھویں آیت و السلام علیّ یوم ولدّت و یوم اموت و یوم ابعث حیّا (مریم۔ ۳۳) اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے، صرف تین بیان کئے گئے ہیں حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ، رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الہی کا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سو اس جگہ پر خدا تعالی کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا، جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے، صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقعہ ہے۔ بلکہ وہ رفع یوم اموت میں داخل ہے اور نزول سراسر باطل ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۸)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں مرزا صاحب سے پوچھتا ہوں کیا کسی شئے کا کسی جگہ مذکور نہ ہونا اس کے عدم وجود کی بھی دلیل ہو سکتی ہے؟ صحیحین میں بیسیوں ایسی احادیث ملیں گی کہ سائل نے آکر رسول کریم ﷺ سے اسلام کا سوال کیا اور آنحضرت ﷺ نے جواب میں کبھی کلمہ شہادت، کبھی زکوۃ، کبھی حج کو بیان نہیں فرمایا۔ تو کیا مرزا صاحب ان احادیث پر اکتفا کر کے ان ارکان اسلام کے رکن ہونے کا انکار کر جائیں گے؟ اگر نہیں تو یہاں بھی وہی عمل کریں۔

دوم۔ مرزا صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح کا یہ کلام اس وقت کا تھا جب مریم صدیقہ ان کو جنم دے کر گود میں لے کر قوم میں آئی۔ تو کیا ضرور ہے کہ حضرت مسیح اسی وقت اپنی زندگی کے مفصلانہ کل واقعات عظیمہ سے واقف بھی کئے گئے ہوں۔ بلکہ قرآن اس امر کا شاہد ہے کہ رفع کی خبر حضرت کو حالت نبوت میں دی گئی۔ پڑھو

یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ

اور یاد کرو کہ مرزا جی نے بھی اس کو وعدہ وفات تسلیم کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

سلام علیّ یوم ولدت و یوم اموت اسی قبیل سے ہے جیسے الحمد للہ اوّلہ و آخرہ یا بسم اللّٰہ اوّلہ و آخرہ

جو ابتداء سے لے کر آخر تک تمام حالتوں پر شامل ہے۔

اب اگر ان فقرات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو سلام علیّ پر کیوں ہے۔ ہمارے نزدیک رفع اور نزول حضرت مسیح دونوں مورد اور محل سلام الٰہی کے ہیں۔ اور اسی لئے دو سلامتیوں کے اندر اور وسط میں واقع ہوئے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب جو ان الفاظ کا درمیانی واقعات پر اثر انداز نہ ہونا تسلیم کرتے ہیں، ان کو اس امر کا ضرور جواب دینا چاہیے کہ جب بقول ان کے مسیح صلیب پر لٹکائے گئے، ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونکی گئی اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے بعد دروازہ مرگ پر پہنچ کر پھر وہ بچ رہے تو کیا ان کی یہ جان بری مورد اور محل سلام الٰہی کا نہ تھی۔ کیا مسیح کا صحیح وسلامت رہنا ربانی سلامتی کے بغیر تھا۔ اگر ایسے دشمنوں کے نرغہ میں سے ایسے بر صلیب کشیدہ کے سلامت رہنے کو تم سلام الٰہی تسلیم نہیں کرتے تو اور کسے کرو گے۔ لیکن اگر تسلیم کرتے ہو تو بتاؤ کہ آیت میں ایسی نہایت ہی حیرت بخش جان بری اور ایسی آفت کے بعد سلامتی کا ذکر کیوں نہیں۔

☆ ۱۲۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

بارہویں آیت۔ و منکم من یّتوفّی و منکم من یّردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً (حج ۔ ۵)۔اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنت اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے۔ بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔

یہ آیت بھی مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پاوے تو دن بدن ارذل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۸۔۶۰۹)۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت مرزا کی دلیل تب ہوسکتی ہے جب وہ مسیح کا زیادہ عمر پانا تسلیم کر لیں۔ مگر اس کے ساتھ رفع الی السّماء بھی ملا ہوا ہے۔ یہ بھی مرزا صاحب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

مرزا کو لازم ہے کہ وہ ایک حد قرار دیں کہ جب عمر کے فلاں سال تک کوئی انسان پہنچے گا تو وہ ضرور ہی ارزل عمر میں داخل ہو جائے۔ قرآن تو اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک دعوت کی۔ نبوت حاصل ہونے سے پہلے کی عمر اور دعوت کے بعد طوفان آنے اور بعد از طوفان آپ کے زندہ رہنے کی عمر اس کے علاوہ ہے۔ پھر اللہ کا کلام یہ بھی بتاتا ہے کہ سینکڑوں سال کے وہ تغیرات و انقلابات (جن سے قومیں مفقود ہو جاتی ہیں، خرابہ آباد اور آباد خرابہ بن جاتے ہیں، سلطنتیں بدل جاتی ہیں، بولیاں تبدیل ہو جاتی ہیں) بعض جسموں پر اسی طبقہ ارض کی موجودگی کی حالت میں اتنا اثر بھی نہیں ڈال سکتے کہ وہ اتنا معلوم کر لیں کہ اس طبقہ ارض پر اور اس حصہ ملک میں کبھی کوئی تغیر آیا بھی تھا؟ اور کسی قسم کا انقلاب ہوا بھی تھا یا نہیں؟ وہ سینکروں برس کا ممتد زمانہ اور دراز عرصہ ان کی نگاہ میں ایسا قلیل نظر آیا کرتا ہے کہ یہ خاصانِ خدا اسے یوماً او بعض یوم (کہف) سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ کیا مرزا کے نزدیک یہ بیانات ہدایت اور نور نہیں ہیں؟ کیا انسان ضعیف البنیان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تحکم کی راہ سے یہ قرار دے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے۔ اللہ نے نہ کبھی اس سے تجاوز فرمایا اور نہ فرمائے گا۔ کیا مرزا صاحب کا حق ہے کہ وہ ارذل عمر کی بھی حد کا تعین کر کے اپنی طرف سے خود ہی مقرر کر دیں۔ اتّقو اللّٰہ ایّھا النّاس

☆ (۱۳) مرزا صاحب فرماتے ہیں: تیرھویں یہ آیت ہے

ولکم فی الارض مستقر وّ متاع الی حین (بقرہ۔ ۳۶) یعنی تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے۔ یہاں تک اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔

یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا بلکہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں رہے گا اور زمین ہی میں داخل ہوگا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۹)

قاضی صاحب پوچھتے ہیں کہ ترجمہ میں، جسم خاکی، اور . مر جاؤ گے، ۔ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ مرزا صاحب لکم کو مفید تخصیص سمجھتے ہیں اور قرآن کا سیاق کلام شاہد ہے کہ آیت کے مخاطب ابلیس و آدم و حوا ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فازلّھما الشّیطان عنھا فاخرجھما ممّا کانا فیہ وقلنااھبطوا بعضکم لبعضٍ عدو و لکم فی الارض مستقرّ وّ متاع الی حین۔

پس شیطان نے آدم وحوا دونوں کو پھسلا دیا اور بہشت سے، جہاں وہ رہتے تھے، ان دونوں کو نکال دیا اور ہم نے کہا تم اترو بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ اور فائدہ ہے۔

ازلّھما میں تثنیہ ہے اور ذکر شیطان کے بعد ضمائر جمع مرزا صاحب لکم کو جو ضمیر خطاب اور اعرف المعارف ہے، جب مفید تخصیص تسلیم کر چکے، تو پھر ان کا مخاطبین کے سوا اوروں سے مراد لینا ان کی تسلیم کے خلاف ہے۔ بالفرض اگر آیت کے یہ معنی ہیں کہ مخاطبین زمین سے اٹھ کر آسمان پر نہ جاسکیں تو یہ کہاں سے مرزا جی نے نکال لیا کہ جو لوگ خطاب کے وقت ہنوز کتم عدم میں مستور تھے، وہ بھی اسی حکم میں داخل و شامل ہیں۔ اس کی دلیل انہوں نے کچھ نہیں دی بلکہ لکم کو مفید تخصیص مان کر اپنے دعوی کو ضعف پہنچایا۔

اگر بلا کسی دلیل کے مان لیا جائے کہ لکم میں ابلیس اور آدم کے سوا ان کی ذرّیات بھی شامل ہیں، تب بھی آیت بالا مفید معنی مقصودِ مرزا نہیں ہوسکتی کیونکہ جب ثابت ہو چکا کہ لکم میں ابلیس وآدم وحوا کی طرف خطاب ہے، تو قرآن کے بیسیوں مقامات سے یہ ثابت اور واضح ہے کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور ملائک سے قریب ہو جاتے ہیں، حتی کہ شہابِ ثاقب ان کے پیچھے لگ کر ان کو خاک کر دیتا ہے۔ بقولِ مرزا آیت کا اثر مخاطبین پر یہ ہونا چاہیے کہ یہ سب زمین سے اونچے اٹھ نہ سکیں، فضا میں جا نہ سکیں۔ مگر شیاطین کا چڑھ جانا دیگر آیات سے معلوم ہو گیا اور آیتِ مستدلہ ان کیلئے مانع نہ ہوئی۔ اب مرزا صاحب فرمائیں کہ یہ آیت انبیاء خدا کیلئے آسمان پر جانے سے کیوں مانع ہے؟

۳۔ مستقر کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہیڈ کوارٹر ہے جس کو صدر مقام بھی بولتے ہیں۔ عربی زبان کی تاریخوں میں اسی لئے تخت گاہ کو مستقر الخلافہ لکھا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ دوسری جگہ جا نہیں سکتا۔ علی ہذا اس کا ہیڈ کوارٹر سے علیحدہ ہونا بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ اس کو اپنے صدر مقام سے اب کوئی مناسبت نہیں رہی۔ سید الانبیاء بھی بشر تھے جو شب معراج کو بالائے سدرۃ المنتہی تشریف لے گئے تھے۔ اگر انحضرت ﷺ کے لئے یہ آیت مانع نہ ہوئی تو مسیح کیلئے بھی نہیں ہوسکتی۔

۴۔ مرزا نے الی حین کا ترجمہ . یہاں تک کہ مرجاؤ گے . کیا ہے مگر وہ کسی لغت کی کتاب سے حین کے معنی موت ثابت نہ کرسکیں گے۔ حین کے معنی وقت کے ہیں اور

اسی لئے الی حین کا ترجمہ، ایک وقت تک ، ہے۔ ہر شخص کیلئے استقرار فی الارض کا ایک معین عرصہ ربّ کریم نے مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عیسی بھی ایک وقت تک زمین پر رہے اور جب متوفیک و رافعک الیّ کا وعدہ پورا ہونے کو آیا تو وہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ الی حین کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک وقت زمین پر رہے تو دوسرے وقت زمین پر سے اٹھ کر چلا بھی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی جسم کا بھی بوجہ جسم ہونے کے آسمان پر جانا محال نہیں، یہ اور بات ہے کہ اللہ اس جسم کو آسمان پر لے جانا چاہے یا نہ چاہے۔ عیسی کیلئے آسمان لے جانے کا اظہار اس نے خود فرمایا اور خود ہی اپنے منشاء کو پورا فرمایا۔

بالفرض مرزا صاحب زور لگا کر حین بمعنی موت ثابت بھی کر دیں تب اور بھی زیادہ ان کے معنی قابل اعتراض ہو جائیں گے۔ یعنی اس وقت ترجمہ آیت یہ ہوگا:

اور تمہارے لئے زمین میں استقرار اور فائدہ موت تک ہے (اگر یہ جواب ہو کہ موت کے بعد جسم زمین میں ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کو زمین سے کچھ فائدہ نہیں ملتا تو اس کے رد میں آیت الم نجعل الارض کفا تاً احیاءً و امواتاً پر نظر کرو)

جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ موت کے بعد اموات کی لاشیں زمین سے اٹھائی جاتی ہیں۔ قبروں میں نہیں دبائی جاتیں۔ بلکہ وہ فضا میں چلی جاتی ہیں۔ اس معنی کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اس وقت آپ کو حین کا ترجمہ مجبوراً وقت کرنا پڑے گا جیسا کہ شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر نے کیا ہے۔ غرض بہر صورت آپ کے استدلال کا کمزور ہونا ظاہر ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ گو آپ نے آیت کا ترجمہ بھی غلط کیا اور اپنی طرف سے الفاظ بھی زیادہ کئے مگر بایں ہمہ مساعی پھر بھی مرزا صاحب حصول مرام میں ناکام رہے۔

☆ (۱۴)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

چودھویں یہ آیت ہے۔ و من نعمّرہ ننکّسہ فی الخلق۔ (یس۔ ۶۸)۔
یعنی جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو الٹا دیتے ہیں۔ یعنی انسانیت کی طاقتیں اور قوتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ حواس میں اس کے فرق آ جاتا ہے۔ عقل اس کی زائل ہو جاتی ہے۔ اب اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے ان کی انسانیت کے قوی میں بکلی فرق آ گیا ہوگا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے۔ اور یقینی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ مدت سے وہ مر گئے ہوں۔

(ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۰)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کی اس وجہ استدلال کا جواب آٹھویں اور بارہویں آیت کے تحت لکھ آیا ہوں۔ تاہم پھر عرض کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بطور کلیہ قاعدہ کے عمر کی وہ مقدار قرار دیں جس کو ارزل عمر کہہ سکیں اور جس پر تنکیس فی الخلق صحیح ثابت ہو سکے۔ ہم توریت وغیرہ کتابوں میں لکھا دیکھتے ہیں کہ آدمؑ کی عمر ۹۳۰ برس، شیثؑ کی عمر ۹۱۲ برس، نوحؑ کی عمر ۱۰۰۰ برس، ادریسؑ کی عمر ۳۶۵ برس، موسیٰؑ کی عمر ۱۲۰ برس اور ابراہیمؑ کی عمر ۱۷۵ برس ہوئی اور بایں ہمہ ان کے انسانی قویٰ میں کچھ فرق نہ آیا۔ اصحاب کہف کا قصہ پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانوں کو صدیوں کے زمانہ کا اثر محض اتنا ہوتا ہے جتنا ہم کو ۶ یا ۱۲ یا ۲۴ یا ۴۸ گھنٹے گذر جانے سے۔

اگر ناظرین اور مرزا صاحب کے نزدیک ایک ۳۳ سال کا جوان ایسا پیر ہرم اور شیخ فانی ہو سکتا ہے کہ اس کی قوت جسمانی اور قویٰ بشری بالکل ہی جواب دے جائیں تو حضرت مسیح کی نسبت بھی مرزا صاحب کو ایسا خیال باندھ لینے کا حق ہے لیکن اگر یہ بات قابل تمسخر سمجھی جائے کہ کوئی نوجوان شخص معمولی قاعدہ انحطاط بدنی کے لحاظ سے ۴۸ گھنٹے میں شیخ فانی ہو سکے، تو حضرت عیسیٰ کا پیر ضعیف ہو جانا بھی غلط ہے۔

حکیم نور الدین، فصل الخطاب میں مان چکے ہیں کہ الہامی زبان میں ایک یوم، ایک سال کو کہتے ہیں، وہ اس بیان سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ وحی ربانی میں ۳۰۹ برس کو ایک یوم یا ایک یوم کا حصہ کہا گیا ہے۔ ان کو اندازہ لگا لینا چاہیے کہ جب الہامی زبان میں ۳۰۹ برس برابر ہیں ایک دن کے، تو دو ہزار برس کتنے دن کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ سوال حل کرنے سے پہلے یہ بھی غور کر لینا چاہیے کہ ۳۰۹ برس کا بعض یوم کے برابر ہونا تو اسی طبقہ ارض پر ثابت ہے۔ مملکت آسمانی کا حساب اس سے نرالا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں

انّ یوماً عند ربّک کالفِ سنۃٍ مّمّا تعدّو ن۔ جس کو تم ہزار سال شمار کرتے ہو وہ اللہ کے ہاں ایک یوم ہے۔

اب مرزا صاحب حساب لگائیں کہ عیسوی سال کتنے دن کے برابر ہوئے۔ پھر ان کو پیر ہرم اور ضعیف القوای ہو جانے کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

واضح ہو کہ انّ یوماً عند ربّک کو مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں صفحہ ۴۹۶

پر درج کیا ہے اوراس حساب سے روز ششم کو الف ششم کا قائم مقام بتا کر اپنی پیدائش اس میں ثابت کی ہے اس لئے مرزا صاحب اس حساب سے انکارنہیں کر سکتے۔

☆ (۱۵)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں: پندرھویں آیت

اللّٰہ الّذی خلقکم من ضعفٍ ثم جعل من بعدِ ضعفٍ قوۃً ثم جعل من بعد قوۃٍ ضعفاً و شیبۃ ۔ (روم ۔ ۵۴) ترجمہ۔ خدا وہ ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ (ترجمہ کے بعد مرزا صاحب نے لکھا ہے) ۔ یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں۔

قاضی محمد سلیمان مرحوم کہتے ہیں:

یہ سچ ہے، مگر آیت میں مسیح کے مر چکنے کی دلیل اور مرزا صاحب کے بیان میں عیسی کے وفات کر جانے کی وجہ استدلال ذرا بھی موجود نہیں۔ اچھا اگر کوئی کسی زندہ معاصر کے متعلق مشہور کر دے کہ وہ مر گیا اور جب کوئی اس سے پوچھے کہ تمہیں اس کی موت کا کیسے معلوم ہوا تو وہ یہی آیت پڑھ دے، تو اس کی وجہ استدلال کو کیا کہا جائے گا؟ ہمارا اعتقاد ہے کہ اس وقت مسیح ثمّ جعل من بعد ضعفٍ قوۃً کے مصداق حال ہیں۔ نزول بر زمین کے بعد ثمّ جعل من بعد قوۃٍ ضعفاً و شیبۃ کی حالت ان پر طاری ہوگی۔

☆ (۱۶)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں

سولھویں آیت انّما مثل الحیوۃ الدّنیا کماء انزلناہ من السّماء فاختلط بہ نبا ت الارض ممّا یأ کل النّاس والانعا م ۔ (یونس۔ ۲۴) یعنی اس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں۔ پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے۔ پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کاٹی جاتی ہے۔ یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے، اول کمال کی طرف رخ کرتا ہے، پھر اس کا زوال ہوتا ہے۔ کیا اس قانون قدرت سے مسیح باہر رکھا گیا ہے؟ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۱)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کاش مرزا صاحب اس مثال سے ہی فائدہ اٹھاتے اور سمجھتے کہ سب روئیدگی کی قسمیں زمین سے اگنے، کمال تک پہونچنے اور بڑھنے اور پھر زوال کی جانب مائل ہو کر خشک ہونے میں، درجہ مساوی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان ہر سہ مراتب کو دو ماہ

میں طے کر لیتا ہے اور نیشکر کو کمال تک پہونچنے کے لئے کئی ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ سنؔ کا بیج چند پہر میں زمین سے اگ آتا ہے اور گنوارے اور کھنڈی کا بیج سال بھر تک زمین میں جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔ افسوس کہ آپ حارث وحراث ہونے کے دعویدار ہو کر بھی ان مثالوں سے بہت کم مستفید ہوتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ مسیح اس قانون قدرت سے باہر نہیں مگر اس قانون میں مساوات شخصی نکال کر آپ دکھا دیجئے۔

☆ (۱۷) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

سترھویں آیت ثمّ انکم بعد ذلک لمیّتو ن (مؤمنو ن ۔ ۱۵)۔ یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالی تم کو کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مر جاتے ہو۔ یعنی تمہارے لئے خدا کی طرف سے یہی قانون قدرت ہے، کوئی بشر اس سے باہر نہیں۔ اے خداوند قدیر اپنے اس قانون قدرت کے سمجھنے کیلئے ان لوگوں کو بھی آنکھ بخش جو مسیح ابن مریم کو اس سے باہر سمجھتے ہیں۔ (ازالہ اوہام ۔ ص ۶۱۱۔۶۱۲)

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

وجہ استدلال میں مرزا صاحب کے پاس وہی پرانے لفظ ہیں۔ لیکن زبان عرب میں حرف ثمّ تراخی اور ترتیب کے لئے آتا ہے اور اسی لئے ہم نہایت صدق دل سے گواہی دیتے ہیں والّذ ی نفسی بیده لیوشکنّ ان ینزل فینا ابن مریم حکماً عدلاً ثمّ انّه بعد ذلک لیموت مرزا صاحب قانونِ قدرت کے موٹے موٹے حروف تو پڑھ لیتے ہیں مگر کیا اچھا ہوتا کہ اس کی تشریحات بھی ملاحظہ کر لیا کریں۔

☆ (۱۸) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

اٹھارہویں آیت ۔ الم تر انّ اللّه انزل من السّماء ماءً فسلکه ینابیع فی الارض ثمّ یخرج به زرعاً مختلفاً الوا نه ثمّ یهیج فتراه مصفراً ثمّ یجعله حطاماً انّ فی ذ لک لذ کری لاولی الالبا ب ۔ (زمر ۔۲۱)۔ ان آیات میں بھی مثال کے طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام ۔ ص ۶۱۲)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال کی کوئی

وجہ نہیں لکھی۔ کھیتی باڑی کی مثال سچ ہے مگر اس مثال میں مرزا صاحب کی غلط فہمی کا اظہار ہم سولھویں آیت کے تحت کر چکے ہیں۔

☆ (۱۹)۔مرزا صاحب لکھتے ہیں: انیسویں آیت یہ ہے:

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الّا انّھم لیأکلون الطعام ویمشون فی الاسواق۔ (فرقان۔ ۲۰)۔یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔

اور پہلے ہم بہ نص قرآنی ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کے لوازم میں سے طعام کا کھانا ہے۔سو چونکہ وہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔جن میں بوجہ کلمہ حصر مسیح بھی شامل ہے۔(ازالہ اوہام۔ ص۶۱۲۔۶۱۳)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ آیت ان منکرین نبوت کے جواب میں نازل فرمائی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے اور رسالت کو بنظر حقارت دیکھتے اور یوں کہا کرتے تھے

ما لھذا الرّسول یا کل الطّعام و یمشی فی الاسواق۔ یہ رسول کیسا ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔

اللہ نے آنخضرت ﷺ کو ان کی اس بے ہودہ گفتگو کے جواب میں بطور تشفی و تسکین قلب فرمایا ہے کہ بازاروں میں پھرنا اور طعام کھانا اگر رسالت کے منافی ہے تو سارے کے سارے پیغمبر ایسے ہی گذرے ہیں جن میں یہ صفات لوگوں نے دیکھے اور معلوم کئے اور بایں ہمہ یہ معترض ان میں سے بعض کی نبوت کا یقین بھی رکھتے ہیں۔مثلاً نصاری اور عرب کے اکثر قبیلے۔اب آپ خیال فرمائیں کہ اس میں کون سی دلیل وفات مسیح کی ہے۔

مسیح کے طعام کھانے یا نہ کھانے کی بحث ساتویں آیت کے تحت میں ہو چکی۔

مرزا نے ان تین آیتوں کو دلیل وفات مسیح بنانے میں حصر اور تعمیم سے بہت ہی کام لیا ہے اور یہ دل میں ٹھان لی ہے کہ اگر ایک تعمیم کی اور دوسری نص تخصیص کر دیتی ہو تو اس تخصیص کا ہرگز اعتبار نہیں کریں گے مگر یہ کاغذ کی ناؤ چلتی نظر نہیں آتی۔

اولم یرالانسان انّا خلقناہ من نطفۃٍ فاذا ھو خصیم مّبین۔ کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا اور جھٹ کھلم کھلا خصومت رکھنے والہ بن گیا

آیت میں الا نسان کل انسانوں پر شامل ہے جس سے کوئی باہر نہیں حالانکہ اسی آیت میں دو جگہ آپ کو تخصیص ماننی پڑے گی۔ اول من نطفۃ میں کیونکہ حضرت آدم انسان تھے، مگر نطفہ سے پیدا نہ ہوئے تھے۔ دوم خصیم مبین میں، کیونکہ ہم یقیناً و ایماناً جانتے ہیں کہ انبیاء اور صدیقین نہایت فرمان بردار بندے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے پروردگار سے خصومت نہیں کرتے۔

مرزا صاحب فرمائیں کہ طعام کھانا اور بازاروں میں پھرنا یہ مرسلین کا لازم حال تھا یا منجملہ صفات بشری کے ایک صفت۔ اگر لازمہ حال تھا تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک نبی اور مرسل نے وقت پیدائش سے لے کر زندگی کی آخری ساعت تک غرض اپنی تمام عمر کا کوئی لمحہ ،کوئی لحظہ،کوئی منٹ ،کوئی سیکنڈ، ایسا گذرنے نہ دیا ہو کہ وہ بازار میں پھرتے ہوئے اور کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے نظر نہ آئے ہوں۔غرض کہ ان کا منہ اور ان کے پاؤں ہر وقت چلتے ہی رہتے تھے ،کیوں کہ مرزا صاحب آپ کے مذہب میں یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ اگر یہی معنی ہیں تو اس کا بطلان نہایت صریح ہے لیکن اگر باوجود آیت کے الفاظ بالا کے یہ معنی آپ نہیں کرتے اور جائز رکھتے ہیں کہ ان کے کھانے اور بازاروں میں پھرنے کے خاص اوقات ہوں اور دیگر اوقات میں اکل طعام اور مشی فی السّوق ان میں نہ پایا جاتا ہو، تب آیت بالا آپ کے کیا مفید ہے؟ اگر کسی معتکف و صائم کو دیکھ کر کوئی شخص یہ حکم لگا سکتا ہے کہ طعام کھانے اور بازاروں میں پھرنے کی صفت اس سے جاتی رہی تو اس کے دانشمند ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے؟ کیا مرزا صاحب ان نمونوں سے بھی مستفید نہیں ہوتے۔

☆ (۲۰) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

بیسویں آیت یہ ہے۔والّذین یدعون من دونِ اللّٰہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون۔ اموات غیر احیاء ومایشعرون ایّان یبعثون(نحل ۲۰۔۲۱)
یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں، مر چکے ہیں زندہ بھی تو نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائینگے۔
دیکھو یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح اور ان سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاری اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ

کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن کریم کے ماننے میں کلام ہے۔قرآن کریم کی آیتیں سن کر پھر وہیں ٹھہر نہ جانا کیا ایمان داروں کا کام ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص۶۱۴۔۶۱۵)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی عبارت میں انسانوں کی قید اپنی طرف سے لگا دی ہے۔آیت تعیم ہے اور اس لئے ایسے تین صفات بیان ہوئے ہیں جن سے کوئی مخلوق جن وملک انسان وحیوان وغیرہ اس تعیم سے باہر نہیں رہ سکتے۔

۱۔من دون اللّٰہ۔اس میں کل مخلوق شامل ہے۔

۲۔کسی شیءکا خالق نہ ہونا، یہ بھی سب پر محیط ہے۔

۳۔مخلوق ہونا۔یہ بھی بجز خدا کے سب کو گھیرے ہوئے ہے۔

پس ان صفتوں والا اگر کسی قوم وقبیلہ کا معبود سمجھا یا مانا گیا ہے،تو وہ مردہ ہے۔

جب ہم نصاری کے مذہب پر نظر ڈالتے ہیں جو خدا کو ثالث ثلاثہ جانتے ہیں اور اس کے ساتھ دو اور اقنوم قائم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سوا ایک تو مسیح کو معبود جانتے ہیں دوسرے روح القدس کو۔ان دونوں کی پرستش بھی کرتے ہیں اور ان دونوں کو پکارتے بھی۔

مرزا صاحب اس آیت پر تمسک کر کے حضرت مسیح کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ روح القدس کو بھی مردہ جانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ کیا وہ من دون اللّٰہ نہیں؟ یا وہ کسی شئے کا خالق بھی ہے؟ یا وہ خود مخلوق نہیں؟ یا نصاری اس کو اسی طرح نہیں پکارتے جس طرح مسیح کو پکارتے ہیں؟ اگر یہ سب صفات اس میں موجود ہیں،تو پھر اسے اس آیت کی تعیم سے جدا رکھنے کی کیا وجہ ہے۔اگر مرزا جی کے پاس روح القدس کو اس عمومیت سے جدا رکھنے اور جدا باور کرنے کی کوئی وجہ ہے،تو یقین رکھئے کہ ہمارے پاس بھی ہے۔اور اگر وہ روح القدس کو بھی مردہ سمجھتے ہیں تو اس کا اقرار فرمائیں تاکہ ان کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے اور میں پھر معنی آیت گزارش کروں۔

ایک قصہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔جب قرآن میں انتم وما تعبدون حصب جہنّم نازل ہوا تو مشرکین نے کہا کہ اگر ہم اور ہمارے بت جہنم میں ڈالے جائیں گے تو کچھ غم نہیں کیونکہ اسی قاعدہ وما تعبدون کے بموجب نصاری کے ساتھ مسیح کو بھی (نعوذ باللّٰہ) وہاں ڈالا جائے گا۔اس پر فرمان نازل ہوا:

وما ضربوه لک الّا جدلاً ، بل ھم قوم خصمون۔یعنی عیسی کی نظیر جو ان کفار نے پیش کی ہے، یہ ان کا مجادلہ ہے۔ یہ لوگ محض خصومت سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

مرزا صاحب کا استدلال نہ شرعی ہے نہ عالمانہ، بلکہ آیت مذکورہ ایسے استدلال کا نام مجادلہ رکھتی ہے۔

۲۔ اموات غیر احیاء پر بھی غور فرمائیے کہ من دون اللّٰہ جن کو پکارا جاتا ہے یہ اموات غیر احیاء حالاً یا مآلاً ہیں۔کیا آیت کے یہ معنی مرزا جی کرتے ہیں کہ جب چند شخصوں نے کسی من دون اللّٰہ کو پکارنا شروع کیا تو وہ فوراً مر بھی جاتا ہے اور اس کی حیات منقطع ہو جاتی ہے۔اگر وہ یہی معنی کرتے ہیں تو یہ خلاف واقع ہیں۔ہم نے کئی ایسے شخص دیکھے ہیں کہ ان کے بے وقوف معتقد اور مرید انہیں خدا کی طرح ہر وقت ہر جگہ جانتے ہیں اور سوتے جاگتے یا پیر، یا پیر، ہی پکارتے ہیں۔ بایں ہمہ طغیانی کفر وشرک یہ من دون اللّٰہ معبود بڑی عیش وشادمانی کے ساتھ اپنے دن پورے کرتے ہیں۔

اب رہا ان کا مآلاً اموات اور غیر احیاء ہونا۔یعنی بالآخر ان مشرکین کے معبودوں کو ایک روز مرنا ہے۔ یہ بے شک صحیح ہے۔مگر اب آیت میں مسیح کی وفات بالفعل پر ذرا بھی اشارت باقی نہ رہی۔اور مرزا صاحب کا ہم پر کچھ اعتراض نہ رہ گیا کیونکہ مسیح کی وفات بزمانہ آئندہ کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ یہ جوابات مرزا کی تفہیم کے لئے ہیں ورنہ مفسرین نے آیت کو بحق اصنام یعنی بتوں کے لئے لکھا ہے اور اموات غیر احیاء کے یہ معنی کئے ہیں کہ ان بنائے ہوئے معبودوں کو تو کبھی بھی حیات حاصل نہیں ہوئی، ان میں کبھی بھی لوازم زندگی پائی نہیں گئے، اور اس لئے عدم محض ہیں۔اس معنی پر کوئی اعتراض مرزا صاحب کا وارد نہیں ہوتا اور وفات مسیح کی دلیل کا تو اس میں وارد ہونا ذرا بھی تعلق نہیں رکھتا۔

☆ (۲۱)۔ مرزا صاحب کہتے ہیں: اکیسویں آیت یہ ہے۔

ما کان محمّد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رّسول اللّٰہ و خاتم النّبیّین۔ (احزاب۔ ۴۰)۔یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔

یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے رسول دنیا میں نہیں آئے

گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں آ سکتا کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبریل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔ اور یہ خیال کہ پھر وہ موت کے بعد زندہ ہو گیا مخالف کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اگر وہ زندہ بھی ہو گیا تاہم اسکی رسالت جو اس کیلئے لازم غیر منفک ہے، اسے دنیا میں آنے سے روکتی ہے۔

ماسوا اس کے ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسیح کا مرنے کے بعد زندہ ہونا اس قسم کا نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے بلکہ شہداء کی زندگی کے موافق ہے جس میں مراتب قرب وکمال حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی حیات کا قرآن کریم میں جابجا بیان کیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم کی زبان سے یہ آیت قرآن شریف میں درج ہے والّذی یمیتنی ثم یحیین (شعراء۔ ۸۱) (وہ خدا جو مجھے مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے)۔ اس موت اور حیات سے مراد صرف جسمانی موت اور حیات نہیں بلکہ اس موت اور حیات کی طرف اشارہ ہے جو سالک کو اپنے مقامات و منازل سلوک میں پیش آتی ہے چنانچہ وہ خلق کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور خالق کی حقیقی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے رفقاء کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور رفیق اعلی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر اپنے نفس کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی موتیں اس پر وارد ہوتی رہتی ہیں اور کئی حیاتیں۔ یہاں تک کہ کامل حیات کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے سو وہ کامل حیات جو اس سفلی دنیا کے چھوڑنے کے بعد ملتی ہے وہ جسم خاکی کی حیات نہیں بلکہ اور رنگ اور شان کی حیات ہے۔ قال اللہ تعالی وانّ الدّار الآخرة لھی الحیوان۔ لو کانوا یعلمون۔ (عنکبوت۔ ۶۴)۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۴۔ ۶۱۶)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہاں وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آ سکتا۔ حضرت عیسی بھی رسول ہیں وہ بھی نہیں آ سکتے۔ جب نہیں آ سکتے تو ان کی حیات کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ ثابت ہوا کہ لامحالہ وہ فوت ہو گئے۔

یہاں مرزا صاحب سے غلط فہمی ہوئی اور محمد ﷺ کی شان رفیعہ کے سمجھنے میں ان سے قصور ہوا۔قرآن میں ہے:

و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبییّن لما آتیتکم من کتابٍ وحکمةٍ ثمّ جاء کم رسولً مّصدّقً لّما معکم لتؤمننّ بہ و لتنصرنّہ ۔ کہ جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے،تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گےاور ضرور اس کی مدد کرو گے۔

اوراس کا مفہوم ومنطوق یہ ہے کہ جس قدر انبیاء ورسل آدم سے عیسی تک گذر رے ہیں ، یہ سب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کی امت کے شمار میں اپنے آپ کو داخل وشامل سمجھیں گے اور امتیوں کی طرح آپ کا کلمہ پڑھیں گے ۔اسی آیت کی عملی تفسیر اس حدیث معراج میں ہے جو صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام بن کر نماز پڑھائی اور موسیٰؑ وعیسیٰؑ وابراہیمؑ نے آپ کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی ۔پس جب انبیاء گذشتہ کا شمار پہلے ہی حضرت ﷺ کی امت میں حضرت کی رسالت کے بعد ہوتا ہے تو حضرت عیسیؑ کا اس میثاق ازلی کے ایفاء کے طور پر دنیا میں آنا اور خلیفہ مسلمین بننا رسول کریم ﷺ کے اعلی درجہ رسالت کا مظہر ہے، نہ کہ آنحضرت ﷺ کے درجہ خاتمیت کے منافی ۔ یہ امر کہ مسیح آنحضرت ﷺ کی امت میں شمار ہوتے ہیں ،مرزا نے انیسویں آیت کے تحت ازالہ اوہام کے صفحہ۶۲۳ پر ان الفاظ میں مان لیا ہے

. یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں .

یہ اقرار کرنے کے بعد مرزا صاحب سے نہایت مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح بن مریم کے آنے کا انکار اس آیت کے تمسک سے کریں ۔اور مزید تعجب یہ ہے کہ انبیاء گذشتہ میں سے اگر کوئی نبی اس میثاق ازلی کے موافق ،جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی ہے، ہمارے نبی ﷺ کی نصرت وخدمت کے لئے دنیا میں تشریف لائے تو مرزا اس آیت کو اس کے لئے مانع خیال کرتے ہیں ۔مگر خود اپنے لئے ایک پہلو نکال کر یوں تحریر کرتے ہیں:

خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے ۔ہاں ایسا نبی جو مشکوۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا ،جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں، وہ اس تحریر سے باہر ہے کیوں کہ وہ بباعث اتباع اور

فنا فی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے، جیسے کل میں جزء داخل ہوتی ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۵۷۵)

دیکھو کیسے صاف لفظوں میں لکھ گئے ہیں کہ میں نبی ہوں اور یہ آیت میرے لئے مانع نہیں کیونکہ فنا فی الرسول ہوکر میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا جزو بن گیا ہوں۔

اچھا مرزا صاحب! اگر بباعث اتباع اور فنا فی الرّسول ہونے کے کوئی نبی ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہو جاتا ہے اور اس کی نبوت جداگانہ شمار نہیں ہوتی، تب بھی حضرت عیسی مسیح کا آنا اور نزول فرمانا ثابت ہوگیا کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث معراج عن ابی ہریرہؓ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح نے حضرت محمد ﷺ کا اتباع کیا ہے اور فنا فی الرّسول ہونے کی شہادت حضرت عیسی کے اس وعظ سے ملتی ہے جس میں انہوں نے اپنی امت کو وجود باجود محمدی کی بشارت سنا کر فرمایا تھا۔

آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں (یوحنا)

Hereafter I will not talk much with you; for the prince of this world cometh, and hath nothing in me. (John 14: 30)

دنیا کا سردار، اور ، مجھ میں ان کی کوئی چیز نہیں، خیال کرو کیسے الفاظ ہیں اور کس سچے دل اور صادق زبان سے نکلے ہیں۔ اگر فنا فی الرّسول کا درجہ اس قول کے قائل کو حاصل نہیں جس کا اپنے قول میں صادق ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے، تو اور کس شخص کو ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد مرزا جی اس حدیث پر نظر فرمائیں جس میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو علاتی بھائی فرما کر آخر میں فرمایا ہے و انا اولی النّا س بعیسی ابن مریم۔ یہاں آپ ذرا غور سے دیکھیں کہ آپ کی اصطلاح کے موافق عیسی بن مریم تو محمد رسول اللہ ﷺ میں اور محمد رسول اللہ حضرت عیسی میں کس طرح داخل ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ آپ کی مستدلّہ آیت آپ کے مفید نہیں ہوسکتی بچند وجوہ:

۱۔ قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ جملہ انبیاء آنخضرت کی امت میں ہیں۔ لہذا اس میں سے کسی ایک کا آنا اور خلیفہ بننا بعینہ صدیق اور فاروق جیسا خلیفہ بننا ہے۔

۲۔ مرزا نے مان لیا کہ مسیح بھی اسی امت محمدیہ ﷺ کے شمار میں آچکا ہے (ازالہ اوہام ص ۶۲۳)

۳۔مرزا کہتے ہیں میں نبی ہوں اور میرے لئے آیت خاتم النبیین مانع نہیں کیونکہ مجھے درجہ فنا فی الرّسول حاصل ہے اور میں، رسول خدا سے کچھ جدا نہیں ہوں۔

۴۔ فنا فی الرّسول کا قاعدہ کلیہ حضرت مسیح پر زیادہ ثابت ہوتا ہے۔انجیل اور صحیح مسلم اس کے گواہ ہیں۔

پس ثابت ہوگیا ،مرزا نے اس آیت سے استدلال میں بڑی غلطی کھائی ہے یا صریح مغالطہ دیا ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت مسیح جو خدا کے نبی ہیں وہ ہمارے سید و مولا محمد ﷺ کے صحابی بھی ہیں۔صحابی کی تعریف یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔آنحضرت ﷺ کا مسیح سے شب معراج کو ملاقات کرنا ثابت ہے۔پس نتیجہ یہ ہے کہ اگر صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے آیت خاتم النبیین مانع نہیں ہے تو حضرت عیسیٰؑ کی خلافت کے لئے بھی مانع نہیں۔ ایک نبی کا نبی ہوکر پھر صحابی ہونا بھی بعید نہیں۔حضرت ہارونؑ و یحیٰؑ کی مثالیں موجود ہیں۔ ہارونؑ تو موسیٰؑ کے صحابی تھے۔ یحیٰؑ ، زکریاؑ کے۔

☆ (۲۲) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

بائیسویں آیت یہ ہے فا سئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (نحل۔ ۴۳) یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو، تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جاوے۔سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاری کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو، تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم آپ ہی فیصل کرچکے ہیں اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے۔دیکھو کتاب سلاطین و کتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا مسیح نے کس طور پر بیان فرمایا ہے ۔(ازالہ اوہام ص ۶۱۶۔۶۱۷)

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ

مرزا صاحب نے ایلیاہ کا دوبارہ آسمان سے اترنا. لکھ کر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ایلیاہ

آسمان پر چڑھایا گیا۔ آپ یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس کا اترنا کس طور کا بیان کیا گیا ہے۔ تو پہلے یہ دریافت فرمالیجئے کہ .ایلیاہ کا آسمان پر چڑھ جانا کس طرح بیان کیا گیا ہے اور یوں ہوا کہ

جب خداوند نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے، تب ایلیاہ الیسع کے ساتھ جلجال سے چلا اور ایلیاہ نے الیسع کو کہا کہ تو یہاں ٹھہر۔ اس لئے کہ خداوند نے مجھے بیت ایل کو بھیجا ہے سو الیسع بولا خداوند کی حیات اور تیری جان کی سوگند میں تجھے نہ چھوڑونگا، سو وے بیت ایل کو اتر گئے اور انبیا زادے جو بیت ایل میں تھے نکل کے الیسع کے پاس آئے اور اس کو کہا تجھے آگاہی ہے کہ خداوند آج تیرے سر پر سے آقا کو اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا ہاں۔ تم چپ رہو۔ تب ایلیاہ نے اس کو کہا۔ اے الیسع تو یہاں ٹھہر کہ خداوند نے مجھ کو یریحو کو بھیجا ہے۔ اس نے کہا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ سے جدا نہ ہونگا۔ چنانچہ وہ یریحو میں آئے اور انبیا زادے جو یریحو میں تھے الیسع کے پاس آئے اور اس سے کہا تو اس سے آگاہ ہے کہ خداوند آج تیرے آقا کو تیرے سر پر سے اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا میں تو جانتا ہوں۔ تم چپ رہو اور پھر ایلیا نے اس کو کہا تو یہاں درنگ کر کہ خداوند نے مجھ کو یردن بھیجا ہے وہ بولا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ وے دونوں آگے چلے اور ان کے پیچھے پیچھے پچاس آدمی انبیا زادوں میں روانہ ہوئے اور سامنے کی طرف دور کھڑے ہو رہے، اور وے دونوں لب یردن کھڑے ہوئے اور ایلیا نے اپنی چادر کو لیا اور لپیٹ کر پانی پر مارا کہ پانی دو حصے ہو کے ادھر ادھر ہو گیا اور اسے دونوں خشک زمین پر ہو کے پار ہو گئے۔

اور ایسا ہوا کہ جب پار ہوئے تب ایلیاہ نے الیسع کو کہا کہ اس سے آگے کہ میں تجھ سے جدا کیا جاؤں، مانگ کہ میں تجھے کچھ دوں۔ تب الیسع بولا مہربانی کر کے ایسا کیجئے کہ اس روح کا جو تجھ پر ہے مجھ پر دوہرا حصہ ہو۔ تب وہ بولا تو نے بھاری سوال کیا۔ سو اگر مجھے آپ سے جدا ہوتے ہوئے دیکھے گا تو تیرے لئے ایسا ہوگا اور اگر نہیں تو ایسا نہ ہوگا۔

اور ایسا ہوا کہ جوں ہی وہ دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کہ

ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آ کے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا اور الیسع نے دیکھا اور چلّایا اے میرے باپ، میرے باپ اسرائیل کی رتھ اور اس کے ساتھی۔ سو اس نے پھر نہ دیکھا اور اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا اور انہیں دو حصے کیا اور اس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اوپر گر پڑی تھی اٹھا لیا اور الٹا پھرا، اور یردن کے کنارے پر کھڑا ہوا اور وہاں اس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اس سے گر پڑی تھی، لے کر پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیاہ کا خدا کہاں ہے۔ اور اس نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا تو پانی ادھر ادھر ہو گیا اور الیسع پار ہو گیا۔

مرزا صاحب ایلیاہ کے آسمان پر چڑھ جانے کی کیفیت مفصل پڑھ کر اب اپنے اس فقرہ کو یاد کریں کہ: جب جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو جائے تو پھر اسی جسم کے ساتھ اترنا کچھ مشکل نہیں۔ نیز یہ فقرہ: مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا اس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے۔ (ازالہ اوہام۔ص ۲۶۹)۔

اور ملاحظہ کیجئے کہ ایلیاہ کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھنا کس وضاحت سے اہل کتاب کے صحف سماوی میں مندرج ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایلیاہ کی جس چادر کے گرنے کا ذکر ہے وہ اس کا جسم ہی تو تھا، بالکل غلط ہے کیوں کہ اول تو شروع باب میں یہ فقرہ ہے :۔

یہ خدا نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے۔

بگولے میں اڑا کر لے جانا روح سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

دوم یہ فقرہ: ایلیا نے اپنی چادر کو لپیٹ کر دریا پر پھینک مارا۔ پانی ادھر ادھر ہو گیا۔

اگر چادر سے مراد جسم ہے، تو ایلیاہ نے خود اپنے جسم کو کس طرح لپیٹ کر دریا پر مارا تھا۔

سوم یہ فقرہ: الیسع نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا۔

الیسع نے اپنے پیرومرشد کی لاش کو پھینک مارا تھا۔ غرض یہ تاویل فضول ہے۔ اور سلاطین ۲۔ باب ۲ سے ایک جسم کا آسمان پر جانا ثابت ہے۔ اگر مرزا صاحب کو فاسئلوا اھل الذکر پر ایمان ہے تو پہلے اس صعود جسمی کو تو مان لیں۔

(1- And it came to pass, when the Lord would take up Eilijah into heaven by a whirlwind, that Eilijah went with Elyasha from Gilgal.

2- And Ellijah said unto Elyasha, Tarry here I pray thee; for the Lord hath sent me to

beth-el. And Elyasha said unto him, As the Lord liveth, and as thy soul liveth, I will not leave thee. So they went down to beth-el.

3. And the sons of the prophets that were at Beth-el came forth to Elyasha, and said unto himn knowest thou that the Lord will take away thy master from thy head to day? And he said, Yea, I know it; hold ye your peace.

4- And Eilijah said unto him, Elyasha, tarry here, I pray thee; for the Lord hath sent me to Jericho. And he said, as the Lord liveth, and as thy soul liveth, I will not leave thee. So they came to Jericho.

6- And Eilijah said unto him, Tarry, I pray thee, here; for the Lord hath sent me to Jordan. And he said, As the Lord liveth, and as thy soul liveth, I will not leave thee. And they two went on .

7. And fifty men of the sons of the prophets went, and stood to view afar off; and they two stood by Jordan.

8. And Eilijah took his mantle, and wrapped it together, and smote the waters, and they were divided hither and thither, so that they two went over on dry ground.

9- And it came to pass, when they were gone over, that Eilijah said unto Elyasha, Ask what I shall do for thee, before I betaken away from the thee. And Elyasha said, I pray thee, let a double portion of thy spirit be upon me .

10- And he said, 'Thou hast asked a hard thing; nevertheless, If thou see me when I am taken from thee, it shall be so unto thee, but if not, it shall not be so.

11- And it came to pass, as they still went on, and talked, that behold, there appeared a chariot of fire, and horses of fire, and parted them both asunder; and Eilijah went up by a whirlwind into heaven.

12- And Elyasha saw it, and he cried, "my father, my father, the chariot of Israel, and the horsemen thereof. And he saw him no more; and he took hold of his own clothes,

and rent them in two pieces.

13. He took up also the mantle of Eilijah that fell from him, and went back, and stood by the bank of Jordan;

14- And he took the mantle of Eilijah that fell from him, and smote the waters, and said, where is the Lord god of Eilijah? and when he also had smitten the waters, they parted hither and thither; and Elyasha went over. (2 Kings: 2)

اس کے بعد قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اپنے بیان میں مرزا صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں۔

اول معنی آیت کے سمجھنے میں۔ آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو تب اہل کتاب سے پوچھو۔ خدا کے فضل سے نزول مسیح کا مسئلہ ایسا نہیں جو ہم کو معلوم نہ ہو۔ قرآن مجید سے لے کر صحاح ستہ اور دیگر تمام دواوین حدیث میں نزول مسیح کی مفصل خبریں درج ہیں، بلکہ میں دعوی سے عرض کرتا ہوں کہ احادیث نزول مسیح میں اس قدر تفصیل اور تشریح ہے کہ آج تک کسی پیش گوئی کو تو کیا، گذشتہ واقعہ کو بھی کسی مورخ نے ایسی خوبی اور صفائی سے شائد ہی بیان کیا ہو۔...

مرزا صاحب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ نصاری کی کتابوں سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب کسی نبی کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کیوں یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ ان کتابوں میں خاص مسیح کے آنے کے بارے میں کیا لکھا ہے کیونکہ اس جگہ عمومیت کا سوال نہیں بلکہ خصوصیت کا ہے۔

دیکھئے مسیح کے آنے کے بارے میں انجیل متی باب ۲۴ میں کیا لکھا ہے:

1. Jesus left the temple and was walking away when his disciples came up to him to call his attention to its buildings.

2. Do you see all these things? he asked, :I tell you the truth, not one stone here will be left on another; every one will be thrown down:.

3. As Jesus was sitting on the Mount of Olives, the disciples came to him privately, : tell us, they said, "when will this happen, and what will be the sign of your coming and

of the end of the age?"

4. Jesus answered: "Watch out that no-one deceives you.

5. For many, will come in my name, claiming, 'I am the Christ, 'and will deceive many.

6. You will hear of wars and rumours of wars, but see to it that you are not alarmed. Such things must happen, but the end is still to come.

7. Nation will rise against nation, and kingdom against kingdom. There will be famines and earthquakes in various places.

8. All these are the beginning of brith-pains.

9. " Then you will be handed over to be prosecuted and put to death, and you will be hated by all nations because of me.

10- At that time many will turn away from the faith and will betray and hate each other.

11. And many false prophets will appear and deceive many people.

12. Because of the increase of wickedness, the love of most will grow cold

13. but he who stands firm to the end will be saved.

14- And this gospel of the kingdom will be preached in the whole world as a testimony to all nations, and then the end will come.

15- So when you see standing in the holy place' the abomination that causes desolation', spoken of through the prophet Daniel - let the reader understand-

16. then let those who are in Judea flee to the mountains

17. let no-one on the roof of his house go down to take anything out of the house

18. let no-one in the field go back to get his cloak.

19. How dreadful it will be in those days for pregnant women and nursing mothers.

20- Pray that your flight will not take place in winter or on the Sabbath.

21- For then there will be great distress, unequalled from the beginning of the world until now - and never to be equalled again

22. If those days had not been cut short, no-one would survive, but for the sake of the elect those days will be shortened.

23- At that time if any one says to you, 'Look , here is the Christ!' or, "there he is" do not believe him.

24- For false Christs and false prophets will appear and perform great signs and miracles to deceive even the elect - if that were possible.

25. See, I have told you ahead of time

26- So if anyone tells you, "there he is, out in the desert,' do not go out; or ' here he is. in the inner rooms,' do not believe it.

27- For as lightning that comes from the east is visible even in the west, so will be the coming of the Son of Man.

28- Whenever there is a carcass, those vultures will gather

29. Immediately after the distress of those days the sun will be darkened, and the moon will not give its light, the stars will fall from the sky, and the heavenly bodies will be shaken'.

30- At that time the sign of the Son of Man will appear in the ski, and all the nations of the earth will mourn. They will see the Son of Man coming on the clouds of the sky, with power and great glory.

31- And he will send his angles with a loud trumpet call, and they will gather his elect from the four winds, from one end of the heavens to the other.

32- Now learn this lesson from the fig-tree. As soon as the twigs get tender and its leaves come out, you know that summer is hear.

33- Even so, when you see all these things, you know that it is near, right at the door.

34- I tell you the truth, this generation will certainly not pass away until all these things have happened.

33- Heaven and earth will pass away, but my words will never pass away.

42- Therefore keep watch because you do not know on what day your Lord will come.

44- So you must also be ready, because the Son of Man will come at an hour when you do not expect him. (Matthew 24)

۱۔ یسوع ہیکل سے نکل چلا تو اس کے شاگرد اس کے پاس آئے کہ اسے ہیکل کی عمارتیں دکھلائیں ۔۲۔ پر یسوع نے کہا، کیا تم یہ سب چیزیں دیکھتے ہو؟ میں سچ کہتا ہوں کہ یہاں پتھر پر پتھر نہ چھوٹے گا جو گرایا نہ جائے گا ۔۳۔ جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا، اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور بولے کہ یہ کب ہوگا؟ اور تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔(تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے ، یہ الفاظ انہ لعلم السّاعۃ کا ترجمہ ہیں ۔مرزا صاحب نے انّہ کی ضمیر میں جو مختلف وجوہ پیش کئے ہیں احادیث نبوی اور انجیل کے الفاظ اس کا تصفیہ کرتے ہیں ۔حواریوں کے الفاظِ سوال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سوال سے پہلے بھی ان کو حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے اور پھر قرب قیامت میں بار دوم آنے کا حال معلوم ہو چکا تھا یعنی وہ یہ وقت تھا جب اللہ انّی متوفّیک و رافعک الیّ کا وعدہ عیسیٰ کو دے چکا تھا اور ان الفاظ کے معنی عیسیٰؑ نیز ان کے حواری وہی سمجھے تھے جو آج جمہور مسلمانوں نے سمجھے ہیں ورنہ تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا کیا نشان ہے؟ بالکل بے معنی ہوا جاتا ہے کیونکہ مسیح تو خود ان میں موجود تھے اور آنے میں کیا کسر رہ گئی تھی؟)۔۴۔ اور یسوع نے جواب دے کر انہیں کہا۔ خبردار ہوؤ کہ کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے ۔۵۔ کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آویں گے اور کہیں گے میں مسیح ہوں ، اور بہتوں کو گمراہ کریں گے (یہاں مسیح نے صاف لفظوں میں پیشگوئی کی ہے کہ کئی لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو مسیح کا نام اور درجہ اپنے لئے ثابت کریں گے)۔۶۔ اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے ۔خبردار مت گھبراؤ کیوں کہ ان سب باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک اخیر نہیں ہے (یعنی قیامت نہیں)۔۷۔ کیونکہ قوم قوم پر اور بادشاہت ، بادشاہت پر چڑھے گی ، اور کال وبائیں اور جگہ جگہ زلزلے ہوں گے (نشان کے طور پر فرمایا کہ جھوٹے نبی اس زمانہ میں پیدا ہوں گے جب لڑائیاں شروع ہوں گی یا لڑائیوں کی افواہ۔قوم پر قوم ، بادشاہت پر بادشاہت چڑھے گی۔ کال ، وبائیں زلزلے آئیں گے)۔۸۔ پھر یہ سب باتیں مصیبت کا شروع ہیں ۔تب وہ تمہیں دکھ میں حوالے کریں گے اور

میرے نام کے سبب سب قومیں تم سے کینہ رکھیں گی ۔ ۹۔ اور اس وقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کینہ رکھے گا ۔ ۱۰۔ اور بہت جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے ۔ ۱۱۔ اور بے دینی پھیل جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جاوے گی ۔ ۱۲۔ پر جو آخر تک سہے گا وہ نجات پاوے گا ۔ ۱۳۔ اور بادشاہت کی یہ خوش خبری ساری دنیا میں سنائی جاوے گی ، تا کہ سب قوموں پر گواہی ہو اور اس وقت آخر آوے گا۔ ۱۴۔ پس جب ویرانی کی مکروہ چیز کو جس کا دانیال نبی کی معرفت ذکر ہوا ہے، مقدس مکان میں کھڑے دیکھو گے (یعنی جب الدجال بیت المقدس پہنچے) ۔ ۱۵۔ تب جو یہودیہ میں ہوں، پہاڑوں پر بھاگ جائیں ۔ ۱۶۔ جو کوٹھے کے اوپر ہو، اپنے گھر سے کچھ نکالنے کو نہ اترے ۔ ۱۷۔ اور جو کھیت میں ہو، اپنا کپڑا اٹھا لینے کو پیچھے نہ پھرے ۔ ۱۸۔ پر ان پر افسوس جو ان دنوں میں حاملہ اور دودھ پلانے والیاں ہوں (کیونکہ جب پیٹ یا گود میں بچہ ہو، بھاگا نہیں جاتا) ۔ ۱۹۔ سو دعا مانگو کہ تمہارا بھاگنا جاڑے میں ہفتہ کے روز نہ ہو۔ ۲۰۔ کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہو گی، جیسی دنیا کے شروع سے اب تک نہ ہوئی اور نہ کبھی ہو گی ۔ ۲۱۔ اور اگر وہ (دن) گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا۔ پر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے ۔ ۲۲۔ تب اگر کوئی کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ، تو مت یقین کرو۔ ۲۳۔ کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے ، یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے ۔ ۲۴۔ دیکھو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ ۲۵۔ پس اگر وہ (لوگ) تمہیں کہیں، دیکھو وہ (مسیح) جنگل میں ہے، تو باہر مت جاؤ۔ دیکھو کوٹھڑی میں ہے، تو باور مت کرو۔ ۲۶۔ کیوں کہ جیسے بجلی پورب سے کوندتی ہے، اور پچھّم تک چمکتی ہے، ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہو گا ۔ ۲۷۔ اور فی الفور ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ (انجیل متی ۔ باب ۲۴)

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۵ میں مسیح نے کہا:

۲۸۔ تم سن چکے ہو کہ میں نے تم کو کہا، کہ میں جاتا ہوں ، اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھے پیار کرتے تو میرے اس کہنے سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں،

خوش ہوتے، کیونکہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔
۲۹۔اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا ہے تا کہ جب ہو جاوے، تم ایمان لاؤ۔

Ye have heard how I said unto you, I go away, and come again unto you. If ye loved me, ye would rejoice because I said, I go unto the Father; for my Father is greater than I. And now I have told you before it come to pass, that when it is come to pass, ye might believe (John 14: 28-29)

مرزا صاحب انصاف اور حق پسندی کی راہ سے فرمائیں کہ آپ مسیح کا بیان، ان کے بعد نزول کے بارہ میں جو اس قدر مفصل ہے اور اناجیل اربعہ میں منقول ہے، کیوں منظور نہیں فرماتے۔انجیل یوحنا کا یہ فقرہ :

میں نے تم کو کہا کہ میں جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں .

زیادہ تدبر اور غور کے قابل ہے۔ظاہر ہے . پھر آتا ہوں . وہی شخص کہا کرتا ہے جو پہلے جایا کرتا ہے۔پہلے جانا مسیح کا ہمارے اور مرزا کے نزدیک مسلّم ہے (گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہو) مگر . پھر آتا ہوں . کی مرزا صاحب بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح کا پھر آنا محال اور قدرت کے خلاف ہے۔اندریں حالت کہ مرزا صاحب فاسئلوا اھل الذکر پکار رہے ہیں اور انجیل، مسیح کا بذات خود دنیا پر مکرر آنا باواز بلند پکار رہی ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب نے کیوں اور کیوں کر اس آیت کو وفات مسیح کی دلیل بنایا ہے۔

اب میں ایلیا کے اس قصہ کی طرف توجہ کرتا ہوں جس کا حوالہ اس آیت مستدلہ کے تحت مرزا نے دیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہود حضرت ایلیا کی آمد کے منتظر تھے، جب مسیح نے نبوت کا اظہار کیا تو یہود نے یہ اعتراض کیا کہ پہلے ایلیا آنا چاہیے تھا، اگر تو مسیح ہے تو ایلیا کہاں ہے؟ مسیح کا جواب انجیل میں یوں تحریر ہے کہ حضرت یوحنا کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا، آنے والہ ایلیا یہی ہے، چاہو قبول کرو۔

اس جواب کا وہی مطلب ہے جو مرزا نے سمجھا ہے مگر ناظرین انجیل کو ذرا تامل سے ملاحظہ فرمائیں۔اسی انجیل میں یہ بھی ہے کہ جب علماء یہود کے فرستادوں نے خود یوحنا سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں؟ آیا مسیح ہیں؟ کہا میں نہیں ہوں۔ پوچھا کیا آپ ایلیا ہیں؟

فرمایا میں نہیں ہوں ۔ پوچھا، آیا وہ نبی ہیں؟ (وہ نبی، ترجمہ ہے آنحضرت کا) کہا میں نہیں ہوں ۔ انہوں نے کہا اگر آپ مسیح ہیں، نہ ایلیا، نہ وہ نبی، تو پھر کون ہیں ؟ یوحنا نے جواب دیا میں وہ ہوں جس کی یسعیاہ نبی نے خبر دی تھی ۔

اب دیکھو کہ اگر انجیل کا یہ بیان کہ مسیح نے یوحنا کو ایلیا بتایا تو انجیل ہی کا یہ بیان ہے کہ یوحنا نے ایلیا ہونے سے انکار کیا۔

فرمائیے! مسیح جو دوسروں کے بارے میں کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا یوحنا جو خود اپنے حال کی خبر دیتا ہے وہ درست ہے؟ نبی دونوں ہیں ، کیا نتیجہ نکالو گے ؟ یہی کہ نبی تو دونوں سچے ہیں ہاں مسیح کے قول میں تحریف ہوگئی ہے ۔

اس قدر لکھنے کے بعد جس سے ایلیا کا یوحنا ہونا غلط محض ثابت ہو چکا، یہ بھی درج کر دینا چاہتا ہوں کہ یہودی اگر ایلیا کے آنے کے قائل بھی تھے، تو ان کے اعتقاد میں یہ ہرگز نہ تھا کہ خود آسمان پر سے اترے گا۔ دیکھو علماء یہود نے یوحنا سے آ کر یہ پوچھا ہے کہ تو مسیح ہے، یا ایلیا ، یا وہ نبی ۔ اگر ایلیا کے آسمان سے نزول فرمانے کے وہ قائل ہوتے تو یوحنا پر مسیح اور وہ نبی ہونے کا شبہ نہ کرتے اور جب انہوں نے شبہ کیا تو اس کے صرف دو معنی ہیں۔ یا تو یہود، مسیح اور وہ نبی اور ایلیا، تینوں کے نزول من السّماء کے قائل تھے اور یہ بداہتاً باطل ہے کیونکہ مسیح اور وہ نبی تو ہنوز بار اول بھی دنیا میں پیدا نہ ہوئے تھے ۔ یا یہ کہ وہ ایلیا کے بجسدہ آسمان سے نازل ہونے کے قائل نہ تھے، اور یہی فقرہ کا مطلب ہے ۔ بدیں صورت مرزا صاحب کی وجہ استدلال کچھ بھی نہ رہی اور ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال کرنے میں چند در چند غلطیاں کیں اور مغالطے دیئے ہیں ۔

☆ (۲۳) مرزا صاحب فرماتے ہیں: تیئسویں آیت :

یا ایّتھا النّفس المطئنّۃ ارجعی الی ربّک راضیۃً مّرضیّۃ۔ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنّتی (فجر ۔۲۷۔۳۰) یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۔ پھر اسکے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن معراج کی حدیث جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنی صحیح

میں لکھا ہے، ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ لہذا حسب دلالت صریحہ اس نص صریح کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۱۷۔۶۱۸)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ گذشتہ جماعت میں داخلہ جب مل سکتا ہے جب انسان مرجائے اور صحیح بخاری کی حدیث معراج سے ثابت ہے کہ حضرت عیسی بھی فوت شدہ نبیوں کے گروہ میں شامل تھے، لہذا یہ نص وفات مسیح پر دلالت صریح رکھتی ہے۔

مرزا صاحب کا صغری و کبری دونوں غلط ہیں۔ صحیح بخاری کی اسی حدیث پر جس کا مرزا صاحب نے حوالہ دیا ہے، اگر تدبر کرتے، تو اس غلطی پر وہ مطلع ہو جاتے۔ مرزا صاحب فرمائیے! نبیوں کی فوت شدہ جماعت میں حضرت عیسی کو دیکھنے والہ کون تھا؟ ظاہر ہے ہمارے سید و مولا محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت آپ اسی حیاۃ دنیوی میں تھے۔ پس جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کا گذشتہ انبیاء کے گروہ میں داخلہ ہوا، داخلہ مل جانے کے بعد کچھ تفاوت نہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہو یا زیادہ دیر کے لئے۔ اسی طرح مسیح بھی اس وقت اس گروہ میں موجود تھے۔

اس غلطی کے بعد دوسری غلطی مرزا نے یہ کی ہے کہ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا، اگروہ یا عیسی انّی متوفّیک و را فعک الیّ ۔ اور یا ایّتھا النّفس المطمئنّۃ ار جعی ، دونوں پر چشم بصیرت سے نظر فرماتے تو ان کو صداقت کا نور درخشاں نظر آتا۔ پہلی آیت میں عیسی مخاطب ہیں۔ عیسی میں جسم و روح دونوں شامل ہیں، اور دوسری میں صرف نفس یعنی روح مخاطب ہے۔ پہلی آیت میں را فعک الیّ ہے اور دوسری میں ارجعی۔ دنیا بھر کے لغات تلاش کرلو، نہ رجوع بمعنی رفع ملے گا اور نہ رفع بمعنی رجوع۔ پھر ایک کو دوسری سے کیا مناسبت ہے؟ اس سے ثابت ہوا کہ رفع کے معنی کلام الہی میں وہی ہیں جو اس کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی تقویت کے لئے لفظ کو اس کے اصلی معنی سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

مرزا صاحب نے را فعک الیّ کو ارجعی الی ربّک کے ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ الی ربّک و الی ربّک فارغب ہم معنی ہیں، تو کیا جواب دیں گے؟

 (۲۴) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

چوبیسویں آیت یہ ہے اللّٰہ الّذی خلقلکم ثمّ رزقکم ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم ۔(روم ۔ ۴۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا قانون قدرت یہ بتلاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں ۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے پھر تکمیل اور تربیت کیلئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اسے ملتا ہے پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جس کی رو سے مسیح کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں حالانکہ قرآن کریم اول سے آخر تک یہ التزام رکھتا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے ذکر کرنے کے وقت کوئی فرد بشر باہر نکالنے کے لائق ہو تو فی الفور اس قاعدہ کلیہ سے اس کو باہر نکال دیتا ہے یا اس کے واقعات خاصہ بیان کر دیتا ہے ۔ (ازالہ ۔ص ۶۱۸ ۔۶۱۹)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ ان واقعات چہارگانہ (کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا ۔ پھر رزق دیا ۔ پھر مارے گا ۔ پھر زندہ کرے گا) میں کل مخلوق داخل ہے مگر حرف ثمّ جو ہر حالت کے ساتھ لگا ہوا ہے، بتاتا ہے کہ یہ تمام واقعات آن واحد ہی میں شخص واحد پر گزر نہیں لیتے بلکہ ان سب میں تراخی (دیر اور فاصلہ) اور ترتیب کا ہونا ضروری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مستمعین کے لئے آیت خلقکم ثمّ رزقکم کے الفاظ صیغہ ماضی کے ساتھ ہیں اور ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم کے الفاظ صیغہ مضارع سے ۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ گو مستمع پر دو واقع گزر گئے ہوں اور گزر رہے ہوں مگر دو امور آئندہ پیش آئیں گے ۔ پس جب آیت کا مفہوم زندہ جانداروں کی وفات بالفعل کا مقتضی نہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ سب کو مر جانا ہے اور سب پر ان واقعات چارگانہ نے گزر لینا ہے تو وفات مسیح پر استدلال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ آج کل حضرت مسیح ثمّ رزقکم کے مصداق حال ہیں ۔

 (۲۵) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

پچیسویں آیت یہ ہے کلّ من علیھا فان ۔ ویبقی وجہ ربّک ذوالجلال و الاکرام ۔ (رحمن ۔ ۲۶ ۔ ۲۷) ۔ یعنی ہر یک چیز جو زمین میں ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے ۔ یعنی دم بدم فنا کی طرف میل کر رہی ہے ۔ مطلب یہ کہ ہر یک جسم خاکی کو نابود ہونے کی طرف ایک حرکت ہے اور کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں ۔ وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان کو بڈھا اور بڈھے کو قبر میں ڈال دیتی ہے

اوراس قانون قدرت سے کوئی باہرنہیں۔ خداتعالی نے فان کا لفظ اختیار کیا، یفنی نہیں کہا۔تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یک دفعہ واقعہ ہوگی بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے۔لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کررہے ہیں کہ مسیح ابن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجب نص صریح کے ہردم فنا کام کررہی ہے بلاتغیر وتبدل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اس پر اثر نہیں کرتا۔حالانکہ اللہ تعالی نے اس آیت میں بھی مسیح کو کائنات الارض میں سے مستثنی قرار نہیں دیا۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۱۹۔۶۲۰)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ ہر شئے کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے ۔ہم مرزا صاحب کے بیان کو سچ جانتے ہیں کہ یفنی کی جگہ فان کا لفظ اختیار کرنے میں یہی بلاغت اور حکمت تھی مگر مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ اس میں وفات بالفعل کی دلیل کہاں ہے۔ یہ بھی جناب ممدوح کا مولوی صاحبان پر افتراء محض ہے کہ مسیح بلاتغیر وتبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور اعتقاد رکھتے ہیں کہ زمانہ کے تغیر وتبدل کا اثر بعض جسموں پر (غیر معمولی کہو یا خرق عادت کے طور پر سمجھو) ایسا خفیف ہوتا ہے کہ وہ اثر نہ خود اس جسم کو محسوس ہوتا ہے اور نہ اس کے دیکھنے والے کو۔ اصحاب کہف جب ۳۰۹ برس کے بعد اٹھے تو انہوں نے اپنے خواب کی درازی مدت کو صرف یوم او بعض یوم خیال کیا تھا۔علی ہذا جب ان میں سے ایک بازار میں گیا تو بازار والے بھی جسمی ساخت وغیرہ سے اس کو اپنے ہی زمانہ کا ایک شخص سمجھ کر (کیونکہ ان کو بھی کوئی ایسا تغیر نہ معلوم ہوا جس سے وہ ان کو چار صدی قبل کا آدمی خیال کر لیتے) اور ان کے ہاتھ میں نہایت پرانے عہد کا سکہ دیکھ کر دور دراز کے خیالات میں پھنس گئے تھے۔

تغیر وتبدل کے اثر کا تفاوت طبقات ارض پر بھی ہے ۔گرم ممالک میں مردوزن جلد جوان ہوجاتے ہیں اور سرد میں ان سے کئی سال بعد۔گرم ممالک کے رہنے والے جلد بوڑھے ہوجاتے ہیں، سرد علاقوں کے بہ دیر۔آسمانی زمین پر رہنے والوں میں تغیر وتبدل ایسا کم اور غیر محسوس ہے جس کے لئے کسر اعشاریہ کے صفر بھی مشکل سے کفایت کرسکتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کلّ من کے تحت میں آسمان کے فرشتے بھی شامل ہیں اور مرزا صاحب بھی جانتے ہیں کہ فان کا اثر ان پر بھی ہے۔یعنی سلسلہ فنا اس کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ ہزاروں برس سے عبادت کرنے والے ہنوز ایسے زمانہ تک جس کی حد انسانی وہم وگمان سے برتر ہے، زندہ رہیں گے۔اب مرزا صاحب کے نزدیک اگر

مولوی صاحبان نے مسیح کے جسم پر، جو زمین آسمانی پر ہے، نا معلوم تغیر و تبدل کا تا نزول ہونا مان لیا ہے اور اس ماننے سے ان کی توحید اور ان کی اطاعت قرآن کریم کے دعوی باطل ہو گئے ہیں، تو کیا خود مرزا صاحب پر وہی اعتقاد در بارہ فرشتگان رکھنے میں وہی اعتراض عاید نہ ہوں گے؟ سبحان اللہ! قضی الرّجل علی نفسہ اسی کو کہتے ہیں۔

مرزا صاحب یہ آفتاب جو آپ کے نزدیک جسم جبریل کا نام ہے اس کے وجود میں ایسا کم تغیر و تبدل ہے کہ آپ کے فلسفیوں کے نزدیک (جن کی تحقیقات پر بھروسہ کر کے اور جن کی ہنسی اڑانے کے خوف سے ڈر کے مارے آپ نے رفع کا انکار کیا ہے) اس کی اتنی حدت اور حرارت جو دنیا کو گرم نہ کر سکے، پچاس کروڑ برس میں جا کر کم ہو گی۔

☆ (۲۶)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں: چھبیسویں آیت

انّ المتّقین فی جنّاتٍ ونھر فی مقعدِ صدقٍ عند ملیکٍ مّقتدر (قمر ۔ ۵۴ ۔۵۵) یعنی متقی لوگ جو خدائے تعالی سے ڈر کر ہر یک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہو جانے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں۔ صدق کی نشست گاہ میں با اقتدار بادشاہ کے پاس۔ اب ان آیات کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالی نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے یعنی خدا تعالی کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ سو اگر رافعک الیّ کے یہی معنی ہیں جو مسیح خدا تعالی کی طرف اٹھایا گیا تو بلا شبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت ارجعی الی ربّک (فجر ۔ ۲۸) جو رافعک الی کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالی کی طرف اٹھائے جانا اور گزشتہ مقربوں کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ہی ثابت ہوا۔ (ازالہ اوہام ص ۶۲۰ ۔۶۲۱)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہاں وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ مرنا اور مقربین کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا، یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ اگر رافعک الیّ کے یہی معنی ہیں کہ مسیح خدا تعالی طرف اٹھایا گیا تو بلا شبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا۔

لیکن ترجمہ اور وجہ استدلال میں مرزا صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں۔ ترجمہ

میں . فوت ہو جانے کے بعد . بناوٹی الفاظ ہیں جو مرزا صاحب نے خود شامل کر دیئے ہیں۔ اس آیت مستدلہ کا تعلق مرنے کے بعد سے نہیں بلکہ روز قیامت سے ہے۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں: بل السّاعة موعدهم والسّاعة ادهى وامرّ۔ انّ المجرمين فى ضلالٍ و سعر آگے چار آیات مجرمین ہی کے بیان میں ارشاد فرما کر فرمایا انّ المتقين فى جنّات و نهر ناظرین۔ نہ صرف مرزا کا ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ یہ بھی کہ مرزا نے اسی آیت کی بنا پر جو یہ اصول قائم کیا تھا (حالانکہ الفاظ میں اس اصول کی طرف صراحت تو کجا دلالت بھی نہیں) کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی بہشت چلا جاتا ہے۔ وہ سراپا غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے

يوم نقول لجهنّم هل امتلئت و تقول هل من مزيد ۔ و ازلفت الجنّة للمتّقين غيربعيد۔ هذا ما توعدون لكل اوّاب حفيظ من خشى الرّحمن بالغيب و جاء بقلب منيب۔ ادخلوها بسلام ذلک يوم الخلود۔ جس روز ہم جہنم کو پوچھیں گے تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے؟ اور (جس روز) متقین کے واسطے جنت کو آراستہ کر کے قریب لائیں گے یہ وہ بہشت ہے جس کا وعدہ ہر رجوع کنندہ (احکام کے) محافظ کو دیا گیا تھا۔ جو شخص بن دیکھے رحمٰن سے ڈرا رجوع کرنیوالے دل کے ساتھ آیا۔ اس کو بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل کر دو۔ یہ دن یوم خلود ہے۔

یہ آیت کس قدر مرزا صاحب کے تلازم اور ایک آن کے مسئلہ کو باطل کر رہی ہے، احادیث صحیحہ میں بھی بڑی تفصیل و تشریح ہے۔ سب کی جامع ایک ہی حدیث ہے:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت جا کر کھٹکھٹاؤں گا۔ رضوان پوچھے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (ﷺ)۔ رضوان دروازہ کھول دے گا اور کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں۔

اگر مرزا صاحب کا یہ مذہب ٹھیک ہے تو ان کو اس حدیث کے بعد بتلانا پڑے گا کہ وفات محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے تک جس قدر برگزیدگانِ خدا انتقال کرتے رہے، وہ سب کہاں جنت سے باہر رہے۔

مرزا کی اصولی غلطی ظاہر کرنے کے بعد اب عرض کرتا ہوں کہ آیت مستدلہ، مرزا صاحب کے دعوی پر ذرا دلیل نہیں۔ بالفرض ان کا یہ بیان صحیح ہے کہ انسان مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو وفات مسیح پر یہ کیا دلیل ہے۔ برگزیدہ بندوں میں داخل ہونا اگر دلیل

وفات ہوتی تو شب معراج میں ہی رسول کریم ﷺ کا وفات پانا ایک مسلّم واقعہ ہوتا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو آپ کا یہ استدلال ایسا بودا اور ضعیف ہے جس کو دعوی سے ذرا مناسبت نہیں۔

☆ (۲۷)۔مرزا صاحب فرماتے ہیں:

ستائیسویں آیت یہ ہے۔ انّ الّذ ین سبقت لھم منّا الحسنی اولئک عنھا مبعدون ، لا یسمعون حسیسھا وھم فی ما شتھت انفسھم خالدون (انبیا۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲) ۔یعنی جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے، وہ دوزخ سے دور کیئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذت میں ہیں۔
اس آیت سے مراد حضرت عزیز اور حضرت مسیح ہیں اور ان کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہے جس سے ان کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے۔(ازالہ اوہام۔ص ۶۲۲)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کی وجہ استدلال وہی پرانی ہے کہ انسان مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور مضمون آیت یہ ہے کہ نیک بندے بہشت میں داخل ہوں گے، لہذا حضرت مسیح مر گئے.

مرتے ہی بہشت میں داخل ہونے کا غلط ہونا میں ثابت کر چکا ہوں۔ بالفرض یہ عقیدہ درست ہے تاہم اس اصول سے کہ مردے فوراً داخل بہشت ہیں، وفات مسیح بالفعل کہاں ثابت ہوگئی؟

☆ (۲۸) مرزا صاحب فرماتے ہیں: اٹھائیسویں آیت:

این ماتکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیّدۃ ۔(نساء ، ۷۸)
یعنی جس جگہ تم ہو اسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگر چہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بود و باش اختیار کرو۔ اس آیت سے بھی صریح ثابت ہوتا ہے کہ موت اور لوازم موت ہر یک جگہ جسم خاکی پر وارد ہو جاتے ہیں۔ یہی سنت اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثناء کے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے مسیح باہر رہ جاتا ہے۔ پس بلا شبہ یہ اشارۃ النص بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہا ہے۔موت کے تعاقب سے مراد زمانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا امراض و آفات منجر الی الموت تک پہنچاتا ہے۔اس سے کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۲۲)

(اس سے کہاں ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح ابن مریم مر چکے ہیں۔اور کچھ وضاحت آگے چل

کر مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تحریر میں آئے گی۔ بہاء)

☆ (۲۹) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

انتیسویں آیت و ما آتاکم الرّسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا (حشر ۔۷) یعنی رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے، وہ لے لو، اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لہذا اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔ سو پہلے وہ حدیث سنو جو مشکوۃ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے:

و عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اعمار امتی مابین السّتین الی السّبعین و اقلّھم من یجوز ذلک۔ رواہ التّرمذی وابن ماجہ۔ یعنی اکثر عمریں میری امت کی ساٹھ سے ستّر برس تک ہوں گی۔ اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے۔ پھر اتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اور لوگ ستّر برس تک مشکل سے پہنچیں اور ان کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گذر گئے اور اب تک مرنے میں نہیں آتے، بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں آکر پھر چالیس پینتالیس برس زندہ رہیں گے۔

پھر دوسری حدیث مسلم کی ہے جو جابر سے روایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے:

وعن جابر قال سمعت النّبیّ ﷺ تقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن السّاعة وانّما علمھا عند اللّہ واقسم باللّہ ما علی الارض من نفس منفوسة یأتی علیھا مأة سنة وھی حیّة۔ رواہ مسلم اور روایت ہے جابر سے، کہا: سنا میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے جو وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسی زمین پر مخلوق نہیں جو اس پر سو برس گذرے اور وہ زندہ رہے۔

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ اور ارض کی قید سے یہ مطلب ہے کہ تا آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مسیح ابن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ما علی الارض میں داخل ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی جسم خاکی زمین پر رہے تو فوت ہو جائے اور آسمان پر چلا جائے تو فوت نہیں ہوگا کیونکہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا تو خود بموجب نص قرآن کے ممتنع ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہوا

اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا (ازالہ۔ ص ۶۲۳۔۶۲۵)

قاضی صاحب فرماتے ہیں آیئے مرزا صاحب اسی آیت پر عمل کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حیات مسیح اور نزول مسیح کے بارہ میں کیا فرمایا ہے۔

امام حسن بصری سے مروی ہے:

قال رسول اللہ للیھود ان عیسی لم یمت وانہ راجع علیکم قبل یوم القیامۃ۔(تفسیر ابن کثیر)۔ رسول خدا نے یہود کو (جو وفات مسیح کے قائل تھے) فرمایا، عیسی ہرگز نہیں مرے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

حدیث میں لم یمت کا لفظ غور طلب ہے کیونکہ لم نفی تاکید کے لئے آتا ہے اور مضارع کو بمعنی ماضی کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس وقت تک حضرت عیسی نہیں مرے۔ اس حدیث پر شاید جرح ہوسکتی ہے کہ مرسل ہے۔ امام حسن بصری نے صحابی کا نام نہیں لیا۔ مگر یہ جرح مرزا صاحب کی طرف سے تو نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مرزا صاحب نے الحق جلد اول نمبر ۷ کے صفحہ ۸۰ پر تسلیم کر لیا ہے:

. مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے نہیں روک سکتا. مرسل حدیث بکلی پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض نہیں ہوتی۔ (الحق مباحثہ دہلی مطبوعہ 1905ء کے ص ۹۷ میں ہے: مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے نہیں روک سکتا...اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں؟ اور کیا وہ محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں؟)

اب رہے اہل حدیث وہ بھی اس حدیث پر کچھ جرح نہیں کر سکتے کیونکہ امام حسن بصری سے بروایت صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ جب وہ روایت حدیث میں ارسال کرتے ہیں تو اس حدیث کے راوی حضرت علی مرتضیٰؓ ہوتے ہیں مگر بنی امیہ کے خلاف اور شورش کے خوف سے آپ نام نہیں لیا کرتے۔ اس سے واضح ہوا کہ حدیث بالا مرفوع ہے اور اس کی سند بھی جید اور عالی ہے۔ مرزا صاحب اگر ما آتاکم الرّسول پر ایمان رکھتے ہیں تو اس حدیث کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں۔

۲۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے:

لیس بینی و بین عیسی نبیّ و انّہ نازل۔ میرے اور عیسی کے درمیان کوئی نبی

نہیں ہوا اور وہی عیسی تم میں نازل ہوں گے۔

ان الفاظ کو مرزا صاحب ایمانی سے نظر سے دیکھیں کہ کس کا آنا ثابت ہوتا اور کس کی زندگی واضح ہے۔

۳۔امام احمد کی مسند اور ابن ماجہ میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شب معراج حضرت ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ سے ملا۔قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔فیصلہ ابراہیمؑ کے سپرد کیا گیا انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں، پھر حضرت عیسیٰؑ کو فیصلہ دیا گیا انہوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ہاں خدا نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ میں شمشیر ہو گی جب وہ مجھے دیکھے گا تو یوں پگھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ:

ا۔ترمذی میں ہے اعمار امّتی ما بین السّتّین الی السّبعین و اقلّھم من یجوز ذلک۔

جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یوں کیا ہے: .میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ کم تر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔

پھر مرزا صاحب نے لکھا ہے:

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں۔پھر اتنا فرق کیوں ممکن ہے کہ اور لوگ ستّر برس تک مشکل سے پہنچیں اور ان کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گذر گئے اور اب تک مرنے میں نہیں آتے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اور حضرت عیسی بھی اقلّھم میں داخل ہیں۔پھر یہ حدیث مرزا صاحب کے لئے کیا دلیل ہوئی؟

۲۔ دوسری حدیث مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

ما علی الارض من نفس منفوسۃ یأتی علیھا مأۃ سنۃ و ھی حیّۃ۔جو زمین پر جاندار ہے۔ایسا مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گزریں اور وہ زندہ ہو۔

ما علی الارض کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ حکم صرف ان نفوس منفوسہ کیلئے ہے جو اس

وقت زمین پر موجود تھے۔ ورنہ ما علی الارض کی شرط لغو ٹھہرتی۔ بلکہ زیادہ تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم ﷺ کو یہ تخصیص کرنیکے وقت حضرت مسیح کا ضرور خیال گزرا ہوگا اور اسلئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو روئے زمین کے کل انسانوں پر تو حاوی ہوسکیں مگر حضرت مسیح اس سے مستثنی بھی رہیں۔ لفظ الارض پر جن علماء نے علمی بحث کی ہے اور آیات ربانی کے قرائن سے الارض کے الف لام کو تعیین قرار دیا ہے اس بحث میں تو مرزا صاحب الارض کو ربع مسکون پر بھی اطلاق نہ کرسکیں گے۔ بلکہ جزیرہ عرب ہی مختص ہوجائے گا۔

الغرض یہ احادیث بھی مرزا صاحب کے لئے کچھ ممد و معاون نہیں۔

☆ (۳۰) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

تیسویں آیت یہ ہے او ترقی فی السّماء قل سبحان ربّی هل کنت الّا بشراً رسولاً (بنی اسرا ئیل۔ ۹۳)۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آویں گے۔ ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھادے اور میں بجز اسکے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں جواب صاف ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جاوے اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھہر جائے گا اور کلام الہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا۔ لہذا قطعی اور یقینی یہی امر ہے کہ حضرت مسیح بجسده العنصری آسمان پر نہیں گئے بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں۔ بھلا ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا موت کے بعد یحی اور آدم اور ادریس اور ابراہیم اور یوسفؑ وغیرہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا نہیں؟ اگر نہیں اٹھائے گئے تو پھر کیونکر معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ نے ان سب کو آسمانوں میں دیکھا اور اگر اٹھائے گئے تھے تو پھر ناحق مسیح ابن مریم کی رفع کے کیوں اور طور پر معنی کئے جاتے ہیں۔ تعجب کہ توفی کا لفظ جو صریح وفات پر دلالت کرتا ہے جابجا ان کے حق میں موجود ہے اور اٹھائے جانے کا نمونہ بھی بدیہی طور پر کھلا ہے کیونکہ وہ انہیں فوت شدہ لوگوں میں جا ملے جو ان سے پہلے اٹھائے گئے تھے۔ اور اگر کہو کہ وہ لوگ نہیں اٹھائے گئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ پھر آسمان میں کیونکر پہنچ گئے۔ آخر اٹھائے گئے تبھی تو آسمان میں پہنچے۔ کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں

پڑھتے و رفعناہ مکاناً علیّاً کیا یہ وہی رفع نہیں ہے جو مسیح کے بارہ میں آیا ہے؟ کیا اس کے اٹھائے جانے کے معنی نہیں ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۲۵۔۶۲۷)۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے پہلے تو ایک آیت کے اول اور آخر کے الفاظ کو ملا کر اور بیچ کے الفاظ اڑا کر اس کو ایک مستقل آیت بنا دیا اور پھر اس کے ترجمہ میں بہت کچھ کمی بیشی کی۔ مثلاً ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ . تب ہم ایمان لے آویں گے . کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ جس آیت کو مرزا صاحب نے الفاظ بالا سے لکھا ہے وہ قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

او ترقی فی السّماء و لن نّؤمن لرقیّک حتّی تنزّل علینا کتاباً نقرأہ۔ قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولًا۔

اور مرزا صاحب نے و لن نؤمن لرقیّک حتی تنزل علینا کتا باً نقرأہ کے الفاظ دانستہ قلم زد کر دیئے ہیں اس طرح قرآن کو بھی اپنی تحریف سے محروم نہ چھوڑا۔ پہلے تو احادیث کو ظنی وغیرہ کہہ کر قرآن پر مدار ڈالا۔ اور جب قرآن کو بھی اپنے مطالب کے خلاف پایا اور تاویل و تعقید سے بھی کام نہ چلا، تب الفاظ اور آیتوں کو بھی قلم انداز کرنا شروع کر دیا... اور یہاں عمداً آیت کے الفاظ کو قلم انداز کر کے اور سلسلہ کلام توڑ کر پہلے تو کفار کے بیان کو پلٹ دیا اور پھر اس جواب کو جو دوسری درخواست سے متعلق تھا، پہلی درخواست سے متعلق کر کے ایک خیالی قانون قدرت کی مدد فرمائی۔

آیت و قالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا... الخ کا ترجمہ یوں ہے:

ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تو ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ نکالے۔

یا تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا ہو اور تو اس میں نہریں چلا کر بہالے

یا ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسا کہ تو کہتا ہے

یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن، یا ہو تیرے لئے ایک ستھرا گھر، یا تو چڑھ جائے آسمان پر

اور ہم تو تیرے آسمان پر چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک تو ہمارے لئے ایک نوشتہ نہ اتارے جس کو ہم سب پڑھ لیں۔

اے محمد تو کہہ دے سبحان اللہ میں تو ایک بشر اور رسول ہوں۔

اس تمام آیت سے پتہ ملتا ہے کہ کفار اپنی درخواست ہائے معجزہ میں کیا کچھ دیکھنے

کی تمنا کرتے تھے ۔ ان کی درخواستیں یا تو نبی کے درجہ رفیعہ سے بہت ہی گری ہوئی اور سفلی تھیں اور یا منصب نبوت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی اور عادت اللہ کے خلاف ۔ ان کی سفلی اور گری ہوئی درخواستیں یہ تھیں:

زمین سے چشمہ نکالنا ، کھجور اور انگوروں کا باغ ، اس میں نہریں ، ستھرے گھر۔

ظاہر ہے کہ نہ ان کو معجزہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ایسا کر دکھانے سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ الٰہی طاقت کے سوا اور کوئی بشر ایسا کچھ دکھلا ہی نہیں سکتا۔ پس یہ درخواستیں فضول ٹھہریں۔

عادت اللہ کے خلاف ان کی درخواستیں یہ تھیں:

آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے ، خدا اور فرشتوں کو ضامن لے آ ۔

ان کی ساری درخواستوں میں سے صرف ایک ہی درخواست تھی جو منظور کی جاتی ، یعنی آسمان پر چڑھنا۔ لیکن چونکہ کفار اپنا کاذب ہونا اور رسول خدا کا صادق ہونا اپنے دلوں میں جانتے تھے ، اس لئے وہ خوب جانتے تھے کہ اس رسول سے جو معجزہ چاہا جائے گا وہ باذن الٰہی ضرور دکھا دے گا۔ لہذا یہ درخواست کرنے کے بعد کہ

جب تک تو آسمان پر چڑھ کر ہم کو نہ دکھلائے ، ہم ایمان نہ لائیں گے ،

جھٹ اس اقرار اور اس شرط سے بھی منکر ہو گئے اور صاف کہہ اٹھے کہ ہم تو آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے ۔ ہاں تب ایمان لائیں گے جب تو ہمارے نام کا نوشتہ بھی بارگاہ الٰہی سے لکھوا کر لے آئے اور ہم سب اس کو پڑھ بھی لیں ۔ کفار کے اس آخری شوخیانہ استہزاء کے جواب میں اللہ فرماتے ہیں:

> اے نبی! ان کو سنا دے ۔ میرا خدا اس سے پاک ہے کہ ہر ایک کے پاس کتاب الٰہی نازل کرے اور تمام مخلوق کو صاحب کتاب اور رسول بنا دے ۔ پھر یہ بھی کہہ دے میں تو ایک بشر ہوں یا رسول ۔ (یعنی بشر کسی پر کتاب الٰہی نازل نہیں کر سکتا اور رسول دوسرے کو رسول نہیں بنا سکتا)

اس آیت کے ترجمہ اور مطلب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی مستدلہ آیات میں سے سب سے آخری آیت کو جو عدم رفع بر سماء کی دلیل قرار دیا تھا اور پھر اس کو وفات مسیح پر چسپاں کیا تھا ، وہ ان کے دعوی کی کتنی مبطل ہے ۔ اللہ تو کفار کا قول یوں نقل فرماتا ہے:

و لن نؤمن لر قیّک ۔ہم آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے ایمان نہ لائیں گے۔

اور مرزا صاحب قول کفار میں یہ الفاظ ادا کرتے ہیں:

تو آسمان پر ہمیں چڑھ کے دکھا۔تب ہم ایمان لے آویں گے۔

اب دیکھ لیجئے کہ اللہ تعالی اپنے کلام میں صادق ہے یا مرزا صاحب؟ دونوں میں صرف ایک صادق بن سکتا ہے۔

اور ہمارا عقیدہ تو یہی ہے کہ اللہ سے بڑھ کر اصدق الحدیث کوئی نہیں ہوسکتا۔

آخر میں قاضی صاحب فرماتے ہیں:

مرزا صاحب کی پیش کردہ آیات بر وفات مسیح کے متعلق ان کی غلط فہمی کے اظہار کے بعد میں ایک بار پھر آپ کی توجہ ان آیات کی طرف منعطف کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ آیات نمبر ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۴، ۲۵، اور ۲۸، ایسی عام ہیں کہ جن سے کسی شخص کی بھی وفات بالفعل ثابت نہیں ہوتی (خصوصیت سے حضرت مسیح کی وفات کا تو کیا ذکر)، اور اگر الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کو مفید معنی اثبات وفات بالفعل کرلیا جائے، تو پھر ان کے اثر سے کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔حتی کہ خود مستدل صاحب (یعنی مرزا صاحب) بھی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب ان آیات کو مثبت معنی وفات بالفعل جانتے ہیں تو دلائل سے خود اپنی حیات بالفعل تو ثابت کر دکھائیں اور علمی طاقت سے، جو مکتب قدس میں آپ نے حاصل کی ہے، کام لے کر ذرا بیان تو کریں کہ

این ما تکونوا یدر ککم الموت....

کلّ من علیها فان....

اللّٰه الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم...

الم تر انّ اللّٰه انزل من السماء....

ثم انکم بعد ذلک لمیتون....

انّما مثل الحیوة الدنیا....

الّذی خلقکم....

و من نعمره ننکسه....

و منکم من یتوفی....

و ما جعلنا لبشر....

میں جس حصر نے حضرت مسیح کو گھیر لیا ہے تو آپ اس حصر سے کیونکر باہر رہے۔

آیات نمبر ۵ ، ۶ کا ایک ہی مضمون ہے۔ حتی کہ مرزا نے دونوں کو ملا کر یک قضیہ بنایا ہے۔ آیات ۱۲، ۲۵، ۲۴ کا ایک ہی مضمون ہے۔ آیات ۱۶، ۱۸ کا ایک ہی مضمون ہے۔ آیات ۲۶، ۲۸ ہم مضمون ہیں۔ اس سے واضح ہوگا کہ مرزا صاحب کو صرف شمار آیات بڑھا لینا منظور ہے، ورنہ دراصل ان کے پاس وفات مسیح کی چند آیات بھی نہیں۔ آیات نمبر ۲۲، ۲۹، ایسی عام ہیں، جن کا حیات وممات سے ذرا تعلق نہیں۔ اب رہ گئیں آیات نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۱۰، ۱۱۔ یہ ایسی آیات ہیں جن میں کچھ نہ کچھ مسیح کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں ایک وعدہ کا ذکر ہے جو اللہ نے ان سے کیا۔ دوسری میں ایفائے وعدہ کا اظہار، تیسری میں قیامت کا بیان اور عیسی کے ساتھ سوال و جواب کا ذکر، چوتھی میں ان کا نزول، دسویں میں دین مسیحی کے ارکان کا بیان، گیارھویں میں ان کی برائت ان تہمتوں سے جو ان کی غیر معمولی پیدائش پر معاندین نے ان کو اور ان کی ماں کو لگائیں، نیز ان تہمتوں سے جو ان کے قتل وصلب کے بارہ میں یہود نے مشہور کر رکھی ہیں، نیز ان فاسد ظنوں سے جو مشرکین عرب نے ان کی نسبت قائم کر رکھے ہیں کہ ان کے معبودوں کی طرح مسیح بھی حصب جہنم ہوں گے، حضرت مسیح کی برائت کی گئی ہے۔ مگر اس آیت میں موت بالفعل کا ذکر کہاں ہے؟

مرزا صاحب اپنے دل میں جانتے ہیں کہ میرا استدلال ان آیات سے وفات مسیح پر صحیح نہیں جیسا کہ وہ توضیح مرام میں لکھ گئے ہیں کہ وفات مسیح پر (صرف) تین آیات دلالت کرتی ہیں۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۵ پر بھی یہی اقرار موجود ہے، اور وہ آیات یہ ہیں:

یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ ؛ بل رّفعه الله الیه.. ؛ فلمّا توفیتنی ...

آیت اول (انّی متوفّیک ورافعک الیّ)، دوم فلمّا توفیتنی۔ آیت اول میں ایک وعدہ اور ایک اخبار ہے۔ آیت دوم میں اس وعدہ کے ایفاء اور اس خبر کے صدق وظہور کا اظہار ہے۔ لہذا اب مدار علیہ صرف ایک آیت یعنی انّی متوفیک و رافعک الیّ رہ گئی، کیونکہ اس آیت وعدہ کے الفاظ سے جو شئے موعود سمجھی جائے گی، اس کا آیت دوم اور سوم میں (جس میں سے ایک میں صرف رفع کا لفظ ہے) بل رفعه الله اور دوسری میں صرف توفّی کا، فلمّا توفیتنی، وفا و صدق ظہور ثابت ہو جائے گا۔

توفّی کے لفظ پر مکرر بحث کی ہم کو ضرورت نہیں تاہم یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۹۲ پر تسلیم کر لیا ہے کہ

. مسیح کو جس موت کا وعدہ دیا گیا اس سے حقیقی موت مراد نہیں ، بلکہ مجازی موت مراد ہے ۔ یہ عام محاورہ کہ جو شخص قریب المرگ ہو کر پھر بچ جائے ، اس کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نئے سرے سے زندہ ہوا ۔

اس تسلیم کر لینے کے بعد ان کے تمام دعاوی دلیل و حجت سے ایسے برہنہ اور عاری ہو گئے جیسے خزاں میں درخت اور ان کی تمام اینچ پینچ کی تقریریں ایسی ہی بے اعتبار ہو گئیں جیسے دیوالئے کی آڑھت ۔ تاہم اتمام حجت کے لئے ہم مرزا صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ اپنے اس اقرار کو واپس لے لیں ، اور بھولے بھٹکے سے جو الفاظ قلم سے نکل گئے ، نسیاً منسیاً خیال کریں ۔ اور پھر اس آیت کے معنی کر کے دکھلائیں ۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں : یا عیسی انائ ی متوفیک و رافعک الی ۔

اول ، یا عیسی پر غور فرمایئے ۔ ظاہر ہے کہ یا عیسی اور یا ایتھا النفس المطمئنۃ میں بہت بڑا تفاوت ہے ۔ دوسری آیت میں صرف نفس مخاطب ہے جس میں بدن مشارک نہیں اور پہلی آیت میں عیسی مخاطب ہے جس میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں ۔

دوم ۔ انّی متوفیک پر تدبر فرمایئے ۔ توفّی کے معنی قبض تام ہیں اور چونکہ یہ قبض تام عیسی کیلئے ہے جسکے مفہوم میں روح اور جسم دونوں شامل تھے ، لہذا توفّی بجسدہ العنصری ثابت ہوا ۔

سوم ، رافعک الیّ پر تفکر کیجئے ۔ رفع کے معنی بلند کرنا ہیں ، جس کی ضد وضع ہے ، جو نیچے رکھ دینے کے معنی میں آتا ہے ۔

ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۳۹ پر آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ رافعک کا تعلق متوفیک سے ہے ۔ پھر صفحہ ۳۳۹ پر مان لیا ہے کہ جو قبض کیا جاتا ہے وہی اٹھایا بھی جاتا ہے ۔

لفظ عیسی کے مفہوم اور توفّی کے معنی نے حضرت مسیح کا بجسدہ العنصری قبض کیا جانا ، اور لفظ رفع کے معنی نے اسی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت کر دیا ۔ وللہ الحمد ۔ یہ وہ معنی ہیں جن مین نہ لغت سے عدول ہوا ، نہ عرف سے ، نہ کہیں مرادی معنی لئے گئے ، نہ مجازی ڈھکوسلا لگایا گیا ۔

مرزا صاحب جو اس آیت کے معنی کرتے ہیں وہ یا عیسی کے لفظ پر تو کچھ غور کرنا ہی نہیں چاہتے ۔ انّی متوفّیک میں توفی کے معنی صرف قبض روح کرتے ہیں ۔ مگر ہم حیران ہیں کہ توفّی

کے معنی صرف قبض روح کس لغت میں ہیں ۔ اگر براہ عنایت مرزا صاحب کسی مستند کتاب لغت میں یہ الفاظ لکھے دکھا دیں کہ توفی کے معنی صرف قبض روح اور جسم کو بے کار چھوڑ دینے کے ہیں تو وہ ایک ہزار روپیہ کا انعام پانے کے مستحق ہوں گے ۔

ورافعلک الیّ کے معنی وہ لغوی نہیں لیتے، بلکہ مرادی معنی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رافعک الیّ سے قرب الٰہی مراد ہے ۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور لغت ان کا شاہد ہے کہ رفع کسی جسم کے بلند کرنے، نیچے سے اٹھا کر اوپر لے جانے کو کہتے ہیں ۔ وہ جسم خواہ محسوس ہو یا غیر محسوس ۔ واضح ہو کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کے محسوس جسم کے اٹھا لینے پر رب کریم نے اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے، اسی طرح رسول خدا ﷺ نے بھی ایک محسوس جسم کے زمین سے اوپر اٹھائے جانے پر اسی لفظ کا استعمال فرمایا ہے

و قریش تسألنی عن مسرای ، فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکر بت کر باً ما کربت مثله فرفعه اللّٰه لی انظر الیه ما یسألو نی عن اشیاء الّا انبا تهم ۔ (مسلم عن ابی ہر یرہ)

(آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ شب معراج کے بعد قریش میرے اس سفر کے متعلق سوال کرنے لگے۔ انہوں نے بیت المقدس کے متعلق چند ایسی چیزیں دریافت کیں، جن کا میں نے دھیان نہ رکھا تھا، مجھے اس وقت نہایت ہی شاق گذرا۔ اللہ نے میرے لئے بیت المقدس کو اٹھا کر بلند کر دیا کہ میں اسے دیکھتا تھا۔ پھر قریش نے جو کچھ پوچھا میں نے جواب دے دیا)۔

مرزا صاحب رفعه اللّٰه لی پر غور فرمائیں۔

رفع کے جو معنی ورافعک الیّ میں ہم نے کئے ہیں، اسی کا ممید بل رّفعه الله الیه کا منطوق ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جب متوفّیک میں صرف قبض روح کے معنی لئے تو رافعک میں معزز موت مراد لی ۔ ان دونوں فعلوں کا مرجع بہر حال عیسیٰ ہیں ۔ مگر جب وہ بل رفعه الله الیه کے معنی کرتے ہیں تو ان کے بیان میں لغزش آ جاتی ہے کیونکہ ما قتلوه و ما صلبوه کی ضمیر کا مرجع جسم اور روح دونوں ہیں، جس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں لیکن بل رفعه الله الیه میں آ کر وہ ضمیر کا مرجع صرف روح کو قرار دے بیٹھے ہیں جس کے واسطے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو کلام میں نہایت بھونڈی اور بدنما تعقید ہے جس کا وجود کسی فصیح انسان کے کلام میں بھی نہیں ملتا، چہ جائے کہ ایسے معجز کلام الٰہی میں ہو۔ اس

وقت مرزا صاحب کو اپنے وہ الفاظ جو توضیح میں لکھے ہیں، یاد کرنے چاہئیں :

خوبصورت اور دل چسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں متکلم کی شان بلاغت اور اس کے روحانی ارادوں کا خیال بھی رہے، نہ یہ کہ غایت درجہ سفلی اور بدنما اور بے طرح موٹے معنی جو ہجو ملیح کے حکم میں ہوں، اپنی طرف سے گھڑے جائیں، اور خدا تعالی کے پاک کلام کو جو پاک اور نازک دقائق پر مشتمل ہے، صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کیا جائے۔

اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ متکلم کی اعلی شان بلاغت کا خیال نہ کر کے غایت درجہ کے سفلی بدنما اور بے طرح موٹے معنی آپ کرتے ہیں یا ہم۔ ایسے معنی کہ اس میں ضمائر بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی ہیں۔

مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے خاتمہ پر صفحہ ۹۲۲ میں پھر آیت

یا عیسی انی متوفّیک و را فعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا و جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ

کو لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ خدا تعالی نے ترتیب وار چار فعل بیان کر کے اپنے تئیں ان کا فاعل بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور آیت کے جو معنی ہم نے لکھے ہیں اس میں بھی ترتیب ان فعلوں کی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ البتہ ترتیب توڑنے کا جو الزام بڑے زور شور سے انہوں نے قائم کیا ہے اور ترتیب توڑنے والوں کو پیٹ بھر گالیاں دی ہیں، وہ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب ہے۔ وہی ابن عباسؓ جن کا مذہب امام بخاری نے متوفّیک بمعنی ممیتک بیان کیا ہے۔ اور وہی ابن عباسؓ جن کا مذہب ازالہ اوہام کے صفحہ ۸۹۲ پر آپ نے اپنے لئے سند سمجھا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے مقولہ کا آدھا حصہ تو آپ قبول کرتے ہیں اور آدھا قبول نہیں کرتے۔ ایمان بعض اور کفر بعض کی اگر کوئی اور مثال ہے تو فرمائیں۔

(تائید الاسلام۔ ص ۱۵ تا ۹۸، ازالہ اوہام۔ ص ۵۹۸۔ ۶۲۷۔ بائیبل)

ثنائی طریق تردید

☆ حیاۃ ووفاۃ مسیح پر بحث کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

مرزائی نبوت کے مخاطب تو سب لوگ ہیں۔ایک آریہ اور سکھ بھی آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ آپ کی نبوت کا کیا ثبوت ہے؟ کیا ان لوگوں کو بھی مرزائی یہ کہیں گے حضرت عیسی فوت ہوگیا۔اسے کیا؟ ایک دفعہ چھوڑ دس دفعہ فوت ہوجاوے۔ وہ کہے گا مجھے کیا؟ مجھے تو وہ الہام اور معجزے دکھاؤ جس سے مرزا کی نبوت ثابت ہوسکے۔

مسلمانوں میں سے بھی جو لوگ حضرت مسیح کی موت کے قائل ہیں، جیسے سرسید احمد خان اور ان کے معتقدین، جنہوں نے مرزا سے بھی پہلے اس مسئلہ وفات مسیح کو شائع کیا، وہ بھی تو مرزا سے مسیحائی اور مہدویت کا ثبوت پوچھ سکتے ہیں۔کیا ان کو بھی آپ یہی کہیں گے کہ چونکہ عیسی فوت ہوگئے اس لئے میں مسیح ہوں۔ بھلا اگر یہ دلیل کافی ہوتی تو آپ کے مخلص مرید ڈاکٹر عبدالحکیم خان جیسے راسخ الاعتقاد باوجود اعتقاد وفات مسیح کے کیوں آپ کو چھوڑتے؟

...(اس موضوع پر) ہماری طرف سے دو تحریریں شائع ہوچکی ہیں ایک تو تفسیر ثنائی جلد دوم میں ہم نے اس مسئلہ کو مدلل اور مفصل لکھ دیا ہے (یاد رہے کہ تفسیر ثنائی جلد اول ۱۳۱۳ھ میں، دوم ۱۳۱۸ھ، سوم ۱۳۱۸ھ، چہارم ۱۳۲۰ھ، پنجم ۱۳۲۵ھ، ششم ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوئی۔ باقی دو جلدیں بعد میں شائع ہوئیں)۔ دوسری تحریر میرے عزیز برادر مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کی کتاب شہادۃ القرآن ہے جو خاص اسی مسئلہ حیات مسیح کے متعلق ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ص ۵۔۶۔۲۷ جون ۱۹۱۳ء)

☆ میر قاسم علی قادیانی اڈیٹر فاروق نے ایک مرتبہ مولانا امرتسری کو حیات مسیح پر بحث کے لئے کہا، تو مولانا نے لکھا:

اگر مسئلہ حیاۃ مسیح کو بطور عقیدے کے دیکھنا اور جانچنا ہو تو ہم اس سے فارغ ہو چکے ہیں، تفسیر ثنائی میں مفصل لکھا گیا۔ کتاب شہادۃ القرآن کی دو جلدوں میں کافی بحث ہو چکی ہے، ایسی کہ مزید کی گنجائش نہیں ۔ ہمیں مباحثہ مرزائیہ میں حیاۃ مسیح ثابت کر دینے سے وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو مرزا کی تنقید شخصیت میں ہوتا ہے کیونکہ حیات مسیح کے ثابت کرنے سے ہم درحقیقت سر سید احمد خان مرحوم پر فتح پاتے ہیں، جو اس مسئلہ حیاۃ مسیح کے موجد تھے۔ مرزا صاحب کا دم خم ابھی باقی رہتا ہے کیونکہ ان کا دعوی مولویانہ قال اقول کے رنگ میں نہ تھا بلکہ وہ اپنا رتبہ ان لفظوں میں بتاتے تھے

انبیا گرچہ بودہ اند بسے   من بعرفاں نہ کمترم کسے

اس دعوی مرزا کی تنقیح ان کی حیثیت کے مطابق ہونی چاہیے اس کا طریق یہی ہے کہ ان کے اخبار غیبیہ کی تحقیق کی جائے۔ (اہل حدیث امرتسر۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۵ء ص ۴)

(۱۹۵۳ء میں مولانا محمد منظور نعمانی نے قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ، میں یہی بات کہی اور فرمایا کہ : قادیانی صاحبان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوا کرتی ہے کہ مرزا صاحب کے متعلق گفتگو نہ ہو، بلکہ حیات و ممات مسیح جیسے مسائل پر بات ہو، تاکہ ناواقف لوگ یہ سمجھیں کہ ہم مسلمانوں اور قادیانیوں میں اصلی اختلاف بس اتنا ہی ہے کہ بعض آیتوں اور حدیثوں کے معنی ہمارے علماء کچھ اور بیان کرتے ہیں اور قادیانی کچھ اور سمجھتے ہیں ۔ اور اس طرح وہ لوگ قادیانیوں کو بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ جانیں ۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلاف کی نوعیت دوسرے اسلامی فرقوں کے باہمی اختلاف سے بالکل مختلف ہے۔ قادیانی صاحبان ایک شخص کو نبی مانتے ہیں اور نبی کی طرح اس کی ہر بات اور ہر مسئلہ پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں اور جو شخص اس کو نہ مانے اس کو کافر سمجھتے ہیں ۔ جیسے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہدایت اور ہر تعلیم کا ماننا اور اس پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، اور آپ کے منکروں کو کافر جانتے ہیں ۔ تو قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد کوئی باریک علمی مسئلہ نہیں، بلکہ مرزا غلام احمد کی شخصیت اور ان کا دعوی نبوت ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس کی جانچ پڑتال کا سیدھا راستہ یہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے ۔ (ص ۳۹۔۴۰ رسالہ مذکور)۔ وہ راستہ یہ ہے ۔

کسی نبی سے ہرگز یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کی اہانت اور تنقیص کرے ۔ ...اور ہرگز یہ ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کی وحی سے کوئی سچا نبی تعیین تاریخ کے ساتھ کوئی پیش گوئی کرے

اور اس کو اپنے صدق و کذب کا نشان قرار دے اور اللہ اسی پیش گوئی کے خلاف ظاہر کر کے اس کا جھوٹا اور مفتری ہونا دنیا پر ثابت کر دے۔ ص ۳۵ رسالہ مذکور۔ طبع نومبر ۱۹۸۲ء)

رفع عیسیٰ پر ثنائی تحریر

اذ قال اللّٰه یا عیسی انی متوفّیک و را فعک الیّ و مطھّرک من الذین کفروا و جاعل الّذ ین ا تّبعوک فوق الّذ ین کفروا الی یوم القیامۃ ثم الیّ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفو ن ۔ (آل عمرا ن ۵۵)۔ جب خدا نے کہا اے عیسے میں تجھے فوت کرنے والا اور اپنی طرف اٹھانے والہ اور ان کافروں سے پاک کرنے والہ اور تیرے تابعداروں کو منکروں پر قیامت تک غالب رکھنے والا ہوں۔ پھر میری ہی طرف تم کو آنا ہے پس جس جس بات میں تم جھگڑتے ہو میں تم میں فیصلہ کروں گا۔

مولانا ثناء اللہ فرماتے ہیں ۔ اس آیت میں اللہ تعالی، حضرت مسیح (جن کی تمام زندگی کے حالات، علاوہ مرنے جینے، میں بھی لوگ مختلف ہیں) کی وفات کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت کے معنی میں علماء کا قریب قریب اتفاق ہے کہ یہاں موت مراد نہیں بلکہ دنیا سے اٹھانا مراد ہے مگر ہم نے سید احمد صاحب جو اس مسئلہ (وفات مسیح) کے موجد ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے لحاظ سے (جو سید احمد صاحب کے اس مسئلہ اور دیگر استحالہ سپر نیچرل میں پیرو ہیں) اس آیت کے معنی میں انہیں کا ترجمہ منظور کیا ہے اور متو فی کے معنی موت دینے والہ ہی لکھا ہے۔ مسئلہ ولادت مسیح میں تو سید احمد صاحب ہی ہمارے مخاطب تھے اس مسئلہ (وفات مسیح) میں دونوں (سید احمد صاحب و مرزا غلام احمد صاحب جو دراصل پیر و پیرو ہیں) سے ہمارا روئے سخن ہے۔ اس بیان سے پہلے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ دیا ہے بیرونی شہادت دیکھنی بھی ضروری ہے ۔ یہود ونصاری جو حضرت مسیح کے حالات کو بچشم خود دیکھنے والے اور ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسلٍ سننے والے ہیں، اس پر متفق ہیں کہ حضرت ممدوح سولی دیئے گئے ،گو ان کے اتفاق کے نتائج مختلف ہیں ۔ یہود کا نتیجہ تو بموجب تعلیم توریت (استثنا۔ باب ۱۳۔

جھوٹا نبی مارا جائے گا) فتح یابی ہے اور عیسائیوں کا نتیجہ کفارہ گناہ ہے۔ خیر اس کا یہاں ذکر نہیں، ہماری غرض صرف یہ ہے کہ دونوں فریق اس پر متفق ہیں کہ مسیح سولی ہی دیئے گئے۔

پس ان دونوں گروہوں کے اتفاق سے یہ امر بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت مسیح موت طبعی سے نہیں مرے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ دونوں گروہ سے ان کی موت مخفی رہتی کیونکہ یہود، نصاری سے زائد اور نصاری، یہودیوں سے بڑھ کر ان کے حالات کے متلاشی تھے۔ یہودیوں کی غرض یہ تھی کہ وہ کہیں ملیں تو ان کو موت کا مزہ چکھائیں۔ عیسائیوں کو ان سے دلی محبت تھی اس لئے وہ ان کے حال کی تلاش میں سرگرم تھے۔ چنانچہ اناجیل مرّوجہ سے اس بات کا پتہ بآسانی ملتا ہے کہ عیسائیوں کو مسیح کے حالات سے کس قدر مانوسیت تھی کہ ان کے معمولی مشاغل چلنا پھرنا بھی قلم بند کر رکھا ہے۔ پھر اگر وہ موت طبعی سے مرتے تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ پس سید احمد خان صاحب کا فرمانا کہ

> حضرت عیسی تین چار گھنٹے کے بعد صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے اور ہر طرح پر یقین ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ تھے رات کو لحد سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے حواریوں نے ان کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے۔ بلا شبہ ان کو یہودیوں کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہوگا جو اب تک نا معلوم ہے اور یہ مشہور کیا ہوگا کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔
> تصانیف احمد یہ جلد دوم صفحہ ۴۵۔

تار عنکبوت سے بھی ضعیف ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ سچے نبی کے تابعدار جن کی قرآن میں بھی تعریف آئی ہے (قرآن کریم میں بے شک عیسائیوں کے پہلے طبقہ کے لوگوں کی تعریف کی ہے مگر وہ موجودہ عیسائیوں کی طرح مسیح کو خدا نہ مانتے تھے) ایسے صریح کذب کے مرتکب ہوں۔ اور بے فائدہ اپنے نبی اور خدا پر افتراء کریں کہ وہ آسمان پر چلا گیا، حالانکہ نہ گیا ہو۔ علاوہ اس کے اگر مسیح حواریوں کو ملے اور اپنی موت سے مرے تو کیا اتنی دیر میں یہودیوں کو خبر نہ ہوئی کہ وہ اپنی ناکامیابی پر افسوس کرتے اور دوبارہ سعی بلیغ کر کے کامیابی حاصل کرتے۔ پس سید احمد خان صاحب کے احتمال کو نہ صرف واقعات جھٹلاتے ہیں بلکہ روایت و درایت دونوں اس کی تکذیب کرتی ہیں۔ حاصل یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اس امر پر متفق ہونا کہ مسیح موت طبعی سے فوت نہیں ہوئے، ضرور قابل غور ہے۔ خصوصاً مرزا صاحب قادیانی کے

نزدیک تو یہ طریق استدلال بہت ہی صحیح ہے کیونکہ وہ اس طریق سے خود بھی مستدل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

بائیسویں آیت یہ ہے فا سئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (نحل ۔ ۴۳) یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جاوے۔سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاری کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو، تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اسی مر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم آپ ہی فیصل کر چکے ہیں اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین وکتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا مسیح نے کس طور پر بیان فرمایا ہے ۔(ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۶۔۶۱۷)

مذکورہ بالا تقریر میں مرزا صاحب نے جو علمیت اور قابلیت کا اظہار کیا ہے وہ تو اہل علم سے مخفی نہیں۔ دعوی وفات مسیح اور دلیل عدم رجوع ۔کیا تقریب تام ہے؟ لیکن بلحاظ اس کے کہ میرزا صاحب تو علم لدنی کے عالم ہیں، علوم ظاہریہ مناظرہ وغیرہ سے بے نصیب ہونا ان پر کوئی الزام عائد نہیں کر سکتا۔ہاں بطور معارضہ بالمثل جو ہم نے استدلال کیا ہے اس میں بفضلہ تعالی تقریب تام ہے کیونکہ ہمارا دعوی عدم وفات بموت طبعی ہے اور بقول مرزا صاحب حسب الحکم آیت کریمہ جب ہم نے اہل کتاب سے وفات مسیح بموت طبعی کے متعلق سوال کیا تو دونوں گروہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ نہیں۔اب ہم آیات قرآنی پر غور کرتے ہیں سورہ مائدہ میں کسی قدر تفصیل سے اس واقعہ کا بیان ہے۔ دونوں فریق یہود و نصاری کہتے ہیں کہ مسیح مصلوب ومقتول ہوا ہے۔

و ما قتلوہ و ما صلبوہ ولکن شبّہ لھم و انّ الذین اختلفوا فیه لفی شک مّنه ما لھم به من علم الا اتّباع الظّن ۔ وما قتلوہ یقیناً ۔ بل رّفعه اللہ الیه وکان اللّه عزیزاً حکیماً ۔ و ان من اھل الکتاب الا لیؤ منٌن به قبل موته و یوم القیامة یکون علیھم شھیداً ۔

حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ سولی دیا لیکن وہ انکے سامنے مشتبہ کیا گیا جو لوگ اس امر میں (کہ مسیح کو قتل یا سولی نہیں ہوئی قرآن کے بیان سے) مخالف ہیں وہ واقعہ سے بے خبری میں ہیں۔ اس دعوی کی دلیل ان کے پاس نہیں۔ ہاں اٹکلوں اور خیالوں کے تابع ہیں انہوں نے ہرگز اس کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اپنے پاس اس کو اٹھا لیا اور خدا غالب ہے حکمت والا

اس آیت میں خدا نے کئی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اول تو صریح لفظوں میں اس امر کا رد کیا جو یہود و نصاری مسیح کے مصلوب ہونے کا خیالی پلاؤ پکا رہے تھے۔ دوم اس واقعہ کی اصلیت پر اطلاع دی کہ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

یہاں تک تو ہمارا اور ہمارے مخاطبوں کا اتفاق ہے۔ صرف اختلاف اس میں ہے کہ رفع کے کیا معنی ہیں۔ ہمارے مخاطب کہتے ہیں کہ رفع سے مراد رفع درجات ہے، رفع جسم نہیں۔ ہم کہتے ہیں اگر رفع سے مراد رفع درجات ہو تو یہودیوں کے قول کی مخالفت کیا ہوئی جو بل سے ہونی چاہیے تھی۔ بھلا یہودیوں نے اگر مسیح کو سولی دیا ہو تو رفع درجات نہیں ہو سکتا۔ جبکہ شہداء کی بابت عام طور پر قرآن بلندی مراتب کی خبر دیتا ہے بلکہ غور کیا جائے تو ان معنی سے ولا تقولوا لمن یّقتل فی سبیل اللّٰہ اموا ت۔ بل ا حیاء ولکن لا تشعرون یہودیوں کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اگر مسیح کو واقعی انہوں نے صلیب دیا ہو تو کون نہیں جانتا کہ یہ صلیب مسیح کو صرف دینداری کی وجہ سے ملی ہوگی جس سے ان کے درجات کی بلندی ہر طرح سے ظاہر و باہر ہے۔ پھر قرآن کریم نے ان کے اس قول کی کہ ہم نے مسیح کو سولی دے دیا (بقول آپ کے) یہ کہہ کر کہ ہم نے اس کے درجے بلند کر دیئے، گویا ایک قسم کی تائید ہے۔ اگر یہی معنی ہیں تو قرآن کا مطلب بالکل اس قصے کے مشابہ ہو جائے گا جو کسی بادشاہ اور اس کے زمانہ کے نیک دل لوگوں کا مشہور ہے۔ ایک بادشاہ سے جاہل فقیروں نے کہا آپ نے فوج کے اخراجات خواہ مخواہ اپنے ذمہ لے رکھے ہیں۔ بادشاہ نے نے جواب میں کہا کہ دشمن کے خوف کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہم دعا کرتے رہیں گے۔ خدا فضل کرے گا، مجال نہیں دشمن غالب آ جائے۔ بادشاہ اس داؤ میں آ گیا اور فوج کو یک لخت موقوف کر دیا۔ دشمن نے فوج کشی کر کے جو مناسب تھا، کیا۔ جب بادشاہ نے اپنی حالت تباہ دیکھی تو دعا گو فقیروں کو بلا کر یہ ماجرہ سنایا کہ دشمن نے تمام ملک لے لیا اگر آج فوج ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ دعا گو فقیروں نے بیک زبان کہا کہ دشمن نے تو ہمارا کچھ

نہیں لیا، بلکہ ہم نے ان کا دین وایمان چھینا کیونکہ انہوں نے ہم پر ظلم کیا جس کی وجہ سے وہ بے ایمان ہوئے۔

سو اگر آپ دونو صاحبوں (سید احمد خان صاحب و مرزا غلام احمد صاحب) کے معنے سنے جائیں تو قرآن شریف کا بل بھی انہیں فقیروں کی جماعت کے بلکہ کی طرح ہو جائے گا کیونکہ آیت کریمہ کے معنے یہ ہوں گے جیسا کوئی کہے کہ حضرت حمزہ کو کفار نے قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کا مرتبہ بلند کیا۔ پیغمبر ﷺ کو مشرکین نے مکہ سے نہیں نکالا، بلکہ خدا نے ان کی عزت افزائی کی۔ تو ایسے محاورات سے کون نہیں سمجھتا کہ بجائے اس کے کہ فعل مذکور کی نفی ہو، الٹا مع فوائد ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ اس آیت مذکورہ کے آگے و کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً (خدا غالب ہے حکمت والہ) بھی متصل ہے جو ان تراشیدہ معنے سے بالکل بے محل ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا محل کسی تعجب کا رفع کرنا اور مشکل بات کو سہل بتلانا ہے اور کسی نیک آدمی خصوصاً انبیاء کے مراتب کی رفعت کو کون شخص مشکل اور ان ہونی جانتا ہے، جس کو اس آیت نے آسان بتلایا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر رفع کے معنے رفع درجات کے لیں تو نہ صرف یہی کہ یہودیوں کی تکذیب کے بجائے تصدیق ثابت ہوتی ہے بلکہ ساتھ ہی آیت کے تمام الفاظ بھی درست اور چسپاں نہیں ہوتے جب تک یہ معنی نہ لیں کہ خدا نے مسیح کو زندہ آسمان پر چڑھا لیا۔ اگر اس پر خیال گزرے کہ کیسے اٹھا لیا تو اس کا جواب اس آیت میں خدا نے دیا کہ ہم بڑے غالب اور حکمت والے ہیں، جس کام کو کرنا چاہیں، مجال نہیں کہ کوئی روک سکے۔ ان معنی پر جو اعتراضات بے سود کئے گئے ہیں ان سب کا جواب آخر بحث میں ہم دیں گے۔ پس جب اس آیت میں رفع سے مراد رفع درجات نہیں ہوسکتا تو آیت زیر بحث (انی متوفّیک) میں بھی رفع سے مراد رفع درجات نہیں کیونکہ اس رفع میں جو وعدہ تھا اسی کو بل رفعه اللّٰہ نے پورا کر دیا جیسا کہ مرزا صاحب کو مباحثہ دہلی (اکتوبر ۱۸۹۱ء) میں یہ مسلّم ہے کہ رفعه الله، رافعک کے وعدے کا ایفاء عہد ہے۔ پس اس میں بھی وہی معنی ہوں گے جو رفعه اللّٰہ میں ہیں، بجسد عنصری زندہ اٹھانا۔ اور اگر دوسرے حصہ آیت و ان من اهل الکتاب والے کو دیکھیں تو مطلب اور بھی عمدہ طور سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس وضاحت کے لئے ہم اس آیت کا ترجمہ اپنا کیا ہوا نہیں بتلاتے بلکہ خود مرزا صاحب کے خلیفہ (یہ لقب خلیفہ ہم نے تفسیر ثنائی جلد دوم کے طبع اول کے وقت دیا تھا جس وقت مرزا صاحب زندہ تھے اور حکیم صاحب

خلیفہ نہ تھے۔ پھر وہی حکیم صاحب خلافت پر متمکن ہوئے۔ ایسا فقرہ کہیں مرزا صاحب کی تحریر میں ہوتا تو خدا جانے کیسی اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی بن جاتا۔ ثناء اللہ) مولوی حکیم نورالدین صاحب کا جن کے علم و فضل کا کل اتباع مرزا صاحب کو بھی ناز ہے، پیش کرتے ہیں۔ غور سے سنئے

نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ (فصل الخطاب بمقدمۃ اہل کتاب ج ۲ ص ۸۱ حاشیہ۔ اور جلد ص ۳۱۴ حاشیہ طبع شرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

ترجمہ مذکورہ صاف بتلا رہا ہے کہ مرزا صاحب کا مطلب غلط ہے کیونکہ حکیم صاحب نے تمام ضمیریں مسیح کی طرف پھیری ہیں، جو شخص قیامت میں گواہ ہوگا اسی کے ساتھ اس کی موت سے پہلے اہل کتاب ایمان لاویں گے اور اس میں تو شک نہیں کہ عیسائیوں پر قیامت کے دن حضرت مسیح ہی گواہ ہوں گے۔ پس مرزا صاحب ہی کی تحریر سے (کیونکہ حکیم صاحب فحوائے من تو شدم تو من شدی، عین مرزا صاحب ہیں) ثابت ہو گیا کہ مسیح فوت نہیں ہوئے۔

ان معنی پر مرزا صاحب نے کئی ایک لایعنی اعتراضات سے تمام کتابیں بھری ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ متوفی کا لفظ جو پہلے ہے اس کا ترجمہ پیچھے کیوں ہوتا ہے؟ کہیں اس تاخیر کو فعل شیطانی کہا ہے کہیں تحریف یہود بتلایا۔ غرض بہت کچھ اس ترجمہ پر جوش مسیحائی ظاہر کیا ہے جو علاوہ اظہار مسیحیت کے لیاقت علمی کا بھی مظہر ہے۔

حضرت من! شرح ملّا جامی، نورالانوار، حسامی، توضیح، تلویح، مختصر معانی، مطوّل وغیرہ کتب نحو، اصول اور معانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ واؤ کا لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر اس کی مثال قرآن سے چاہیں تو سنئے۔

ایک مالدار شخص کا سال (نصاب زکوۃ) تمام یکم رمضان کے دن ظہر کے وقت پورا ہوا۔ اب بحکم آیت اقیموا الصلوۃ و آتو الزکوۃ (نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو) بقول آپ کے اس پر فرض ہے کہ پہلے نماز پڑھے اور پھر زکوۃ دے۔ اور اگر پہلے زکوۃ دے گا تو شائد آپ کے نزدیک گناہ گار ہو، بلکہ زکوۃ اس کی ادا بھی نہ ہوگی۔ کیا کوئی بھی اس میں آپ کے ساتھ ہے؟

دوسری آیت اقیموا الصّلوۃ ولا تکونوا من المشرکین (نماز پڑھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو) کے بموجب (بقول آپ کے) ضرور ہے کہ پہلے نماز ادا کرے اس کے بعد شرک

چھوڑے۔اگر پہلے شرک چھوڑے گا تو شائد آپ خفا ہوں گے۔

تیسری آیت ۔خدا نے فرعون کے جادوگروں کے قول کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے کہ برب موسی و ھارو ن۔(پ۹۔ع۔۴)۔دوسری جگہ برب ھارون و موسی (پ۱۶۔ع ۱۲) آیا ہے جو پہلے سے الٹ ہے،حالانکہ جادوگروں نے یقیناً ایک ہی طریق سے کہا ہوگا۔سو اگر وہ طریق اول ہے تو دوسرے میں کذب آئے اور اگر دوسرا ہے تو پہلا جھوٹ ہوگا۔

علاوہ اس کے کئی مقام پر انبیاء سابقین کا لاحقین سے پیچھے ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا

کذلک یوحی الیک و الی الّذین من قبلک

جب واؤ کا لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا،بلکہ محض جمعیت کے لئے ہے تو متوفی کے معنی رافع سے پیچھے کر لینے میں کون سی قباحت ہوگی؟ بالخصوص جب کہ پہلی آیت سے ہم صعود جسد عنصری ثابت کر آئے ہیں۔جس سے دونوں آیتوں کی تطبیق لفظی معنوی بخوبی ہو جاتی ہے۔تقدم و تأخر کی مزید تحقیق منظور ہو تو اتقان ملاحظہ ہو جس میں چوالیسویں نوع خاص اسی مطلب کے لئے مصنف نے مقرر کی ہے کہ بعض الفاظ مقدم ہوتے ہیں لیکن ترجمہ ان کا مؤخر ہوتا ہے۔چنانچہ انّی متوفّیک و رافعک بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اب ہماری تقریر کے مطابق اس آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ

.اے عیسی میں ہی تجھ سے یہ سب معاملہ قیامت تک کروں گا۔

رہا یہ کہ پہلے کیا ہوگا اور پیچھے کیا؟ اس کا ذکر نہیں۔اس کو دوسری آیت نے حل کر دیا کہ رفع ہو چکا ہے توفّی ان کی آئندہ ہوگی۔اگر یہ سوال ہو کہ بیشک پہلی آیت سے رفع بجسد عنصری مراد لینا ہی مناسب ہے اور کہ لفظ واؤ ترتیب کے لئے بھی نہیں ہوتا مگر آخر کلام خداوندی تو بڑا فصیح و بلیغ ہے،اس کا کیا سبب ہے کہ متوفی کو پہلے لائے ہیں؟ آخر بلاوجہ تو نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بلاوجہ نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح کو بتقاضائے بشریت،اعداء سے ہر وقت خوف رہتا تھا۔ان کی تسلی کے لئے اس لفظ کو پہلے کر دیا کہ اے عیسی میں ہی تجھے موت طبعی سے ماروں۔یہ نہ ہوگا کہ تیرے دشمن تجھے کچھ تکلیف پہنچا سکیں (مرزا صاحب بھی یہ بات مانتے ہیں کہ یا عیسی انی متوفّیک۔یہ الہام حضرت مسیح کو بطور تسلی ہوا تھا جب یہود ان کے مصلوب کرنے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔سراج منیر۔ص ۲۰)۔اور یہ روش

قرآن کریم کی بلکہ کل فصحاء کی عموماً ہے کہ کلام تسلی بخش کو پہلے لایا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے عفا اللّٰہ عنک پہلے لا کر لم اذنت لھم پیچھے فرمایا (خدا تجھے معاف کرے تو نے ان کو اجازت کیوں دی تھی)

تیسری آیت اس مسئلہ وفات مسیح میں سید احمد خان صاحب نے یہ لکھی ہے کہ

اذ قال اللہ یا عیسی ابن مریم أانت قلت للناس اتّخذونی و امّی الٰھین من دون اللّٰہ ۔ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحقّ ۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت العلام الغیوب ۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربّی و ربّکم و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم و انک علی کلّ شیء شھید ۔ (مائدہ) جب اللہ تعالی مسیح سے کہے گا کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا خدا بنالو۔ مسیح کہے گا کہ تو پاک ہے شرک سے مجھے لائق نہیں کہ میں ایسی بات منہ پر لاؤں جو میرا حق نہ ہو۔ اگر میں نے کہی ہوگی تو جانتا ہے کیونکہ تو میرے اندر کی بات کو بھی جانتا ہے اور میں تیری مخفی بات نہیں جانتا تو غیب دان ہے۔ میں نے تو ان سے یہی کہا تھا کہ اکیلے خدا کی جو میرا اور تمہارا رب ہے عبادت کرو اور میں خود جب تک ان میں تھا ان کا نگہبان رہا اور جب تو نے مجھے فوت کرلیا تو ہی ان پر نگہبان تھا اور ہر چیز تیرے سامنے ہے)

اس آیت کے ترجمہ میں قائلین نیچر کا باہمی اختلاف ہے (جیسے سید احمد صاحب لفظ نیچر استعمال کرتے ہیں ویسے مرزا صاحب بہ تبدیل لفظ سنت اللہ بولتے ہیں۔ اس لئے دراصل ایک ہیں) سید صاحب تو اس کے معنی (جب اللہ کہے گا) کرتے ہیں اور مرزا صاحب (جب اللہ نے کہا) کرتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کے خلیفہ مولوی حکیم نور الدین، سید احمد صاحب سے متفق ہیں (دیکھو مقدمہ اہل کتاب ص ۱۷۸)۔ غرض مرزا صاحب ماضی اور سید احمد و حکیم صاحب مضارع مراد لیتے ہیں جس سے مطلب میں بھی کسی قدر فرق آجاتا ہے۔ مگر انصاف سے دیکھیں تو سید احمد خان و حکیم صاحب کے معنی صحیح ہیں اس لئے کہ حضرت مسیح کے جواب میں خدا کی طرف سے جو جواب الجواب دیا جائے گا وہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ سوال و جواب بروز قیامت ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یہی دن ہے کہ سچوں کا سچ ہی ان کو نفع دے گا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا دن جس میں اعمال حسنہ کا حقیقی نفع ہو وہ دن قیامت کا ہے ۔خیر اس تصفیہ کے بعد ہم آیت کے مطلب کی طرف آتے ہیں ۔ ہمارے مخاطب کہتے ہیں اس میں صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے کیونکہ وہ خود کہیں گے کہ جب تک میں ان تھا میں جانتا تھا، اور جب تو نے مجھے فوت کرلیا تو، تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ہاں بے شک جس وقت (یعنی بروز قیامت) حضرت مسیح یہ کلام کہیں گے اس وقت سے پہلے فوت ہو چکے ہوں گے ۔ ہم بھی تو اس امر کے قائل ہیں کہ قرب قیامت دنیا میں تشریف لاکر بنی آدم کی طرح فوت ہوں گے ۔اس سے کہاں ثابت ہوا کہ اس وقت بھی فوت شدہ ہیں؟ ہاں ہم پر یہ اعتراض ہوگا کہ سوال خداوندی کا مطلب تو یہ تھا کہ تو نے ان کو اپنی الوہیت کی طرف بلا لیا تھا،جس کا جواب حضرت مسیح نے یہ دیا۔ اور پھر اس پر بس نہ کی ، بلکہ یہ بھی کہا کہ جب تک میں ان میں تھا ان کا نگران تھا، اور جب تو نے مجھے فوت کرلیا تو، تو ہی نگہبان تھا۔اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت مسیح کو عیسائیوں کے شرک کی کوئی خبر نہیں اور یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ اب حضرت مسیح زندہ نہ ہوں کیونکہ اگر زندہ ہیں اور دنیا میں آویں گے (جیسا کہ مسلمانوں کا عام طور پر عقیدہ ہے) تو عیسائیوں کے کفر وشرک کی ان کو ضرور خبر ہوگی ۔ پھر اس سے انکار کیوں کریں گے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض نے کچھ تو دھوکہ کھایا اور کچھ اپنی طرف سے حاشیہ لگایا۔سوال خداوندی جس کا جواب حضرت مسیح کے ذمہ ہے،صرف اتنا ہے کہ

تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟

جس کے جواب میں حضرت مسیح مع شیء زائد جواب دیں گے کہ یا اللہ تو شرک سے پاک ہے جو بات مجھے لائق نہیں، میں وہ کیوں کہتا ؟ اصل سوال کا جواب یہاں تک آگیا۔اب آگے اس کام پر صرف اپنی بے زاری کا اظہار کرنا ہے مگر اس میں حضرت کو ان لوگوں کی، جنھوں نے جناب والا کی نسبت یہ افتراء کیا تھا، سفارش بھی کرنی ہے۔اس لئے دونوں مطلبوں کے حاصل کرنے کو اپنی بیزاری بھی ظاہر کی کہ جب تک میں ان میں تھا ان کا نگہبان تھا، جس سے کسی قدر استحقاق شفاعت ثابت ہوتا ہے ۔اور جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو، تو ہی ہر چیز پر نگہبان رہا ہے ۔ جیسے وہ ہیں تو جانتا ہے ۔ اس سے آگے ان کی ضمناً سفارش بھی کی کہ اگر تو ان کو عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں کوئی تجھے روک نہیں سکتا اگر تو

ان کو بخشے تو ان تعذّبهم فانّهم عبادک و ان تغفر لهم فانّک انت العزیز الحکیم ۔تو بڑا غالب حکمت والہ ہے۔کوئی نہیں جو تیری بخشش کو خلاف مصلحت سمجھے۔

اب بتلا یئے ! اگر حضرت مسیح خود ہی ان کی نا لائقی کا اعتراف کر لیتے تو ان کی سفارش کیونکر کرتے۔ حالانکہ ان کے شرک کرنے نہ کرنے کا سوال ہی نہ تھا بلکہ سوال صرف اس سے تھا کہ تو نے ان سے کہا تھا کہ مجھے خدا بنا لو۔ پس جب کہ سوال ہی نہ تھا بلکہ سوال صرف اس سے تھا کہ تو نے ان سے کہا تھا کہ مجھے خدا بنا لو، جب کہ سوال ہی اس سے نہیں اور اس کا اقرار ان کی سفارش میں خلل انداز بھی ہے تو مسیح کو کیا غرض کہ وہ اس کا اقرار کریں کہ یہ مشرک تھے۔ ہاں کمال یہ ہے کہ انکار بھی نہیں کیا۔ کس طرح کرتے جب کہ جان چکے تھے کہ ان عیسائیوں نے بے شک میری نسبت یہ افتراء کیا ہوا ہے ، ہاں اس میں شک نہیں کہ جناب مسیح کے اقرار، عدم اقرار پر کوئی بات موقوف نہیں، معاملہ خدائے غیب دان سے ہے جس کو یہ بھی خبر ہے کہ انہوں نے شرک کیا اور یہ بھی خبر ہے کہ مسیح بھی اس کو جانتا ہے مگر مسیح کو کیا غرض پڑی کہ بلا سوال ایک ایسے جواب کی طرف متوجہ ہوں جس کا ان کو بھی ایک طرح سے امر مطلوب میں مضر ہونے کا اندیشہ ہو کہ وقت سفارش حکم ہوا ے مسیح تو خود ہی ان کے شرک کو مانتا ہے اور آپ ہی ان کے حق میں شفاعت کرتا ہے۔

پس اس آیت سے بھی یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیح اس وقت مردہ اور فوت شدہ ہیں کسی طرح ٹھیک نہیں۔ پس حضرت مسیح کی وفات کا واقعہ بلحاظ کتب اسلامیہ اور نصرانیہ اس طرح ہے کہ حضرت مسیح کی جب چاروں طرف سے دارو گیر شروع ہوئی تو ان کے شاگرد یہودا اسکریوطی نے ان کے پکڑوانے پر رشوت لے لی اور ایک مقام پر آسانی سے پکڑوانا چاہا تو خدا نے ان کو بحفاظت اٹھا لیا اور ان کی شکل کا حلیہ دوسرے مخالف شخص پر ڈال دیا۔اسی بیان سے آیت شبّه لهم اور قول ابن عباسؓ کہ فبعث اللّٰه جبریل فادخله فی خوفة فی سقفها روزنة فرفعه الی السّماء من تلک الروزنة فالقی اللّٰه شبه عیسی فقتلوه وصلبوه (تفسیر معا لم مختصراً) اللہ نے ایک شخص کو جو پکڑوانے کے لئے مکان کے اندر گیا تھا مسیح کی شکل پر بنا دیا اور مسیح کو مکان کی چھت کی روزن سے آسمان پر اٹھا لیا۔

اور اناجیل مروجہ بھی منطبق ہو جاتی ہیں اور اگر غور کیا جائے تو روایۃً بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کیونکہ بموجب اناجیل مروجہ کے جن کو سید احمد خان صاحب بھی معتبر جانتے

ہیں (تبیین الکلام) اور مرزا صاحب تو ان کی طرف رجوع کرنا فرض بتلاتے ہیں (ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۶) ثابت ہے کہ جب اس شخص کو (جس پر کہ مسیح کی شبیہہ ڈالی گئی تھی) پھانسی دی گئی تو اس نے ایسی گھبراہٹ کا اظہار کیا جو انبیاء تو کجا عوام صلحاء کی شان سے بھی بعید ہے۔ تکلیف کے وقت شور مچانا، خدا کی شکایت کرنا جیسا کہ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے

(پھر اس نے دوبارہ جا کر دعا مانگی اور کہا اے میرے باپ، اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ، موت، مجھ سے نہیں گذر سکتا تو خیر تیری مرضی۔ متی باب ۲۶۔ آیت ۴۲۔

He went away again the second time, and prayed, saying, O my Father, If this cup may not pass away from me, except I drink it, thy will be done. (Matthew 26: 42)

اور یسوع نے بڑے شور سے چلا کر جان دی۔ (انجیل متی ۲۷۔ آیت ۵۰)۔

Now from the sixth hour there was darkness over all the land unto the ninth hour. And about the ninth hour Jesus cried with a loud voice, saying, Eli. Eli, lama sa-bach-tha.ni? that is to say. My God, my God, why hast thou forsaken me? (Matthew 27: 45-46)

Jesus, when he had cried again with a loud voice, yielded up the ghost.(Matthew 27:50)

اور پون گھنٹہ یسوع بڑی آواز سے چلا کر بولا ایلی ایلی لما سبقتنی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ (انجیل مرقس)،

At the ninth hour Jesus cried with a loud voice, saying Eloi Eloi lama sabach'tha-ni? which is, being interpreted, My God, my God, why hast thou forsaken me? (Mark 16:34)

کون نہیں جانتا کہ صالحیت اور نبوت سے کوسوں دور ہیں۔ اس قسم کی تکالیف میں ذرا صحابہ کرامؓ کا حال بھی ملاحظہ کیجئے۔ کیسے استقلال اور بردباری سے جان دے رہے ہیں اور بجائے چون و چرا کرنے کے شکریہ کرتے ہیں۔ نمونہ کے لئے خبیبؓ کا حال ہی دیکھئے جس کا قصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ کس استقلال اور صبر سے جان دیتے ہیں اور دشمنوں کے سامنے یہ اشعار پڑھتے ہیں

ولا ابالی حین اقتل مسلماً

علی ای شقّ کان فی اللّٰہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزع

جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر گروں ۔ یہ میرا مرنا تو اللہ کی راہ میں ہے اگر وہ چاہے تو کٹے ہوئے جوڑوں میں بھی برکت کردے گا۔

کیا حضرت مسیح، اس صحابی جیسا بھی حوصلہ نہ رکھتے تھے ۔ معاذ اللہ وہ اللہ کے مقرب رسول وجیھاً فی الدّنیا والآخرۃ ومن المقرّبین ۔ صحابی کی کیا شان کہ حضرت مسیح کی گرد پا کو بھی پہنچے ۔ گو اپنے مرتبہ میں کیسا ہی بزرگ ہو، وہ معصوم اور اولوالعزم پیغمبر وہ کلمۃ اللہ وہ روح اللہ۔ پھر کیا وجہ کہ اس امتحان مقابلہ میں وہ فیل شدہ ہیں ۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ شخص پھانسی شدہ مسیح نہ تھا مگر سرسید احمد کہیں تو سولی پر چڑھاتے ہیں (تفسیر احمدی ج ۲ ص ۱۴۲) اور جب ان کو ما صلبوہ کا خیال ہوتا ہے تو یہ کہہ کر کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا (ص ۴۵ تفسیر احمدیہ) ، ٹال دیتے ہیں ۔ اور کہیں لکن شبّہ لھم کا ترجمہ . لیکن ان پر صلیب پر ڈالنے کی شبیہہ کردی گئی ۔ (ص ۱۶۵ تفسیر احمدی جلد ۲) ، کہہ کر آگے چل دیئے ہیں ۔ لیکن چلّا کر جان دینے پر سب کچھ بھول جاتے ہیں ۔ کیوں نہ ہو، جان دینے کا موقع ایسا ہی ہے کہ سب بھول جاتے ہیں۔

رہا اصل اعتراض کہ مسیح کی شکل دوسرے پر کس طرح ہوگئی یہ تو سپر نیچرل (خلاف عادت) ہے جو سید احمد خان صاحب کا قدیمی ٹوٹا پھوٹا ہتھیار رہے، تو اس کا جواب یہی ہے کہ جس خدا نے حضرت موسیٰ کی لکڑی کی شکل بدل کر سانپ اور سانپ سے لکڑی بنادی، وہ مسیح کی سی شکل والا دوسرے کو بھی بنا سکتا ہے ۔ جو خدا مرغی انڈا دیتی کو مرغا انڈا دلانے والا بناتا ہے وہ ایک شکل کے دو آدمی یا ایک کی شکل دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔

سید احمد صاحب نے جو آیت شبّہ لھم کے معنی کئے ہیں ہم ان کو غلط نہیں کہتے کیوں کہ ہمارے اصلی مقصد کے خلاف نہیں ۔ اللہ اعلم

قادیانی دلائل مماۃ مسیح کا ثنائی ردّ

مولانا ثناء اللہ امرتسری تفسیر ثنائی میں لکھتے ہیں کہ گو ہماری معروضہ بالاتقریر (در رفع عیسی) سے کل مسئلہ حیات وممات مسیح بالکل صاف ہے مگر بنظر استحسان مرزا غلام احمد صاحب کی پیش کردہ تیس آیات کا مفصل جواب بھی دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے حسب عادت شریفہ اس دعوی کو اس قدر بڑھایا ہے کہ رائی سے ہمالہ کی صورت دکھائی ہے۔ چنانچہ کھینچ تان کر مجموعہ تیس آیات کا اس دعوی پر پیش کیا ہے مگر میرے خیال میں اگر ایسی ہی آیات کو جمع کرنا تھا تو چالیس پچاس بھی ہوسکتی تھیں۔ بہر حال جو کچھ مرزا صاحب سے ہوسکا وہ یہی مجموعہ تیس آیات کا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

مرزا صاحب کی تقریر حسب عادت طوالت سے بھری ہونے کی وجہ سے بہت سی جگہ چاہتی اس لئے ہم ان کے مطلب کا خلاصہ کر کے لکھیں گے (مکمل تقریرِ مرزا، صفحات سابق میں درج ہو چکی ہے۔ بہا) جو اصل سے بالکل مطابق ہوگا جس کو شبہ ہو اصل سے مقابلہ کر لے۔

☆ پہلی آیت۔ یا عیسی انی متوفیک ...الخ

مرزا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کر کے ہی چھوڑ دیا جو ہم نے کر دیا ہے جس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔

☆ دوسری آیت بل رّفعه اللّٰه الیه ۔ رفع سے مراد باعزت موت ہے جیسے کہ حضرت ادریس کے لئے و رفعناه مکاناً علیاً۔

اس کی بحث بھی مفصل ہو چکی ہے مزید یہ کہ حضرت مسیح والہ بل یہاں نہیں۔

☆ تیسری آیت فلمّا توفّیتنی ... ۔ توفّی کا لفظ موت کے لئے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح فوت ہو چکے ہیں۔

اس کی بحث بھی ہمارے مضمون سابق میں آ گئی ہے۔

☆ چوتھی آیت و ان من اھل الکتا ب الّا لیؤمننّ ۔مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنے رسالہ ازالہ اوہام میں اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔ اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ .

تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح کی موت طبعی پر ایمان لے آتے ہیں اور مصلوب ہونے کے اعتقاد سے پھر جاتے ہیں .

اس آیت کے پیش کرنے میں مرزا صاحب نے کمال کر دکھایا۔جس آیت کو ان کے مخالف حیات مسیح کے ثبوت میں پیش کرتے ، ہیں مرزا جی نے اسے اپنے قبضہ میں کرنا چاہا ہے ،ہم اس آیت پر مفصل بحث نہیں کرتے صرف حکیم نورالدین صاحب کا ترجمہ پیش کر دیتے ہیں ۔وہ لکھتے ہیں :

اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ ۔(فصل الخطاب جلد دوم ۔حاشیہ ص ۳۱۴)

اس بارے میں ہمارے وہی حکم (ثالث) ہیں۔

☆ پانچویں آیت ۔ ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل ۔اس آیت میں ماں بیٹے (مریم وعیسی) کے ذکر میں، کھانا کھاتے تھے، کہا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب نہیں کھاتے اور چونکہ بغیر کھانا کھانے کے زندگی محال ہے اس لئے ضرور ہے کہ مسیح فوت ہو گئے ہیں۔

مرزا جی ! یہ تو ان کی حالت مشہودہ ومسلّمہ فریقین سے جو دنیا میں ان پر آ رہی تھی استدلال ہے، اسے اس سے کیا علاقہ کہ اب وہ نہیں کھاتے ۔ یہ کون سی عبارۃ النص ہے یا اشارۃ النص ، دلالت النص یا اقتضاء النص ۔اگر چہ آپ اپنے مولوی صاحبان سے دریافت فرمالیں کہ کانا کے لفظ سے زمانہ حال کی نفی نہیں ہوتی۔

لیجئے ہم آپ کی خاطر مانے لیتے ہیں کہ بے شک حضرت مسیح اس وقت کھانا نہیں کھاتے، تو کیا ان کی زندگی محال ہے؟ کیا حضرت آدمؑ دنیا میں آنے سے پہلے جنت میں کھانا کھاتے تھے؟ حالانکہ آپ کے نزدیک تو جنت صرف روحانی لذائذ ہیں نہ کہ جسمانی۔ چنانچہ آپ کی تقریر جلسہ مذاہب لاہور مندرجہ رپورٹ اس کی مظہر ہے۔

خیر یہ تو الزامی جواب ہے۔ حقیقی جواب یہ ہے کہ شرعی طور پر بغیر طعام زندگی

گزارنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا آپ کو وہ حدیث یاد نہیں جس میں آنخضرت ﷺ نے وصال صیام (ان روزوں کو کہتے ہیں جن میں رات کو بھی کچھ نہ کھایا جائے، بلکہ پے در پے بے آب و نان گذارا ہو) سے منع فرمایا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کیوں وصال کرتے ہیں؟ فرمایا ابیت عند ربّی یطعمنی و یسقینی۔ یعنی میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں وہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے، تم میرے جیسے نہیں ہو۔

اگر یہ حقیقی کھانا ہوتا تو آنخضرت ﷺ کا وصالِ صیام ہی نہیں تھا، حالانکہ اسی کے کرنے دلیل بیان کی ہے۔ پھر آپ (مرزا) کا مسیح کی بابت مخول (مذاق) کرنا کہ خدا کے پاس کیا کھاتا ہے؟ کھاتا ہے، تو پائخانہ کہاں پھرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ قابل مخول (مذاق) ہے یا نہیں۔ کیا آپ نے اصحاب کہف کا قصہ بھی قرآن میں نہیں دیکھا کہ تین سونو برس غار میں بے خبر سوتے رہے اور زندہ رہے۔ اگر آپ کو ان کی موجودہ زندگی میں شبہ ہے جیسا کہ ازالہ اوہام صفحہ ۶۰۵ سے مفہوم ہوتا ہے تو کیا فلبثوا فی کھفھم ثلاث مأۃ سنین و زدادوا تسعاً میں بھی شبہ ہے جو نص قطعی ہے۔ اگر کہیں کہ وہ تین سونو برس بے طعام نہ تھے بلکہ کھاتے پیتے تھے تو ان کے باہمی سوالات کا کیا مطلب ہے جو انہوں نے بعد بیداری آپس میں کیئے تھے کہ

قال قائل مّنھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم قالوا ربّکم اعلم بما لبثتم۔(کہف)۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو، بولے کہ ایک دن یا کم (بعد غور و فکر بولے) کہ خدا خوب جانتا ہے جتنے ٹھہرے ہو۔

اگر وہ غذا کھاتے پیتے تو ان کو اپنے ٹھہرنے کا وقت بھی معلوم نہ ہوتا؟ جس کی مدت خدا نے تین سونو برس بتلا دی ہے۔ کیا آپ نے وہ حدیث بھی نہیں دیکھی جو مشکوۃ کے باب علامات الساعۃ کی دوسری فصل میں ہے جس کا مضمون ہے کہ تسبیح تہلیل بھی بندوں کی غذا کا کام دے سکتی ہیں۔ پس جب تک ہمارے سوالات کو نہ اٹھائیں، اس آیت کا پیش کرنا آپ کا حق نہیں و دونہ خرط القتاد

☆ ۶۔ چھٹی آیت وما جعلناھم جسداً لا یأکلون الطعام۔ الآیۃ

اس کا جواب سابقہ آیت میں آگیا علاوہ اس کے اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے، خدا فرماتا ہے ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھائیں یعنی کھانے کو

چھوئیں ہی نہیں۔

یہ مشرکین عرب کا جواب ہے، جو کہا کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ جس کے جواب میں ارشاد پہنچا ما لھذا الرّسول یأ کل الطّعام و یمشی فی الاسواق کہ پہلے نبیوں کو بھی ہم نے ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ ایسا کوئی بشر نہیں ہوا جو کھانا نہ کھاتا ہو۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کھاتے رہیں۔ کیا پیغمبر ﷺ روزہ وصال میں کئی کئی روز جو کھانا ترک فرماتے تھے تو وہ اس وقت وہ جسم نہ تھے؟ مرزا جی مطلقہ عامہ کے ثبوت سے دائمہ مطلقہ لازم نہیں آتا۔ اگر نہ سمجھے ہوں تو کسی سے پوچھ لیجئے۔

☆ ساتویں آیت۔ و ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل .. یعنی محمد ﷺ سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے۔

مرزا صاحب نے کیا ہی عمدہ ترجمہ گھڑ لیا کہ فوت ہو گئے۔ ان کے مرید تو سن کر علماء کو کوستے ہوں گے کہ صاف آیت میں لکھا ہے . سب نبی فوت ہو گئے ۔ تو پھر جو علماء نہیں مانتے بے شک یہودیوں کی طرح ان کے دل سیاہ ہیں۔ بے شک ایسے ہیں، ویسے ہیں۔ بیشک ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان سے سلام علیکم ناجائز ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی پیش گوئی یأ توکم بما لم تسمعوا۔ الحدیث ۔ کا ظہور ہو رہا ہے۔ بھلا مرزا جی! فوت ہو گئے، کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ شاید خلت کی طرف توجہ سامی لگ رہی ہے جس کے معنی گزر جانے، خالی کرنے وغیرہ کے ہیں، جو ان تمام معنوں میں مستعمل ہوا ہے و اذا خلوا الی شیاطینھم ؛ قد خلت من قبلکم سنن ؛ فی الایّام الخالیة ۔ پس آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ تجھ سے پہلے کل نبی اپنے اپنے وقت میں کام کر کے چلے گئے۔ جیسے کوئی کہے کہ موجودہ سربراہ حکومت سے پہلے کئی سربراہ گزر گئے ،تو کیا اس سے یہی مفہوم ہے کہ وہ سب مر گئے؟ پس اسی تقریر سے نویں آیت تلک امّة قد خلت کا جواب بھی آ گیا کیونکہ وہاں بھی خلا ہی میں تیر رہے ہیں۔

☆ آٹھویں آیت و ما جعلنا لبشر مّن قبلک الخلد ....کوئی بشر ہمیشہ زندہ نہیں رہا، اس لئے مسیح بھی نہایت بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔ (ازالہ اوہام۔ص ٦٠٦)۔

کیوں نہ ہوں؟ دو اور دو چار روٹیوں کی مثال اسے ہی کہتے ہیں۔ حضرت! آیت

کا مطلب تو بالکل صاف ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشگی نہیں کی ۔ بھلا اگر تو مر گیا تو کیا یہ کافر ہمیشہ رہیں گے؟ ہرگز نہیں ۔ بتائیے کس کے مخالف ہے ۔ کیا ہم مسیح کو ہمیشہ زندہ رہنے والا مانتے ہیں؟ کیا دائمہ مطلقہ کے سلب سے متعلقہ عامہ مسلوب ہو جاتا ہے؟

☆ نویں آیت کا جواب نمبر سات میں ہو چکا ہے۔

☆ دسویں آیت ۔ و اوصانی بالصّلوۃ و الزّکوۃ ما دمت حیّاً ۔

اس آیت سے بھی معلوم نہیں مرزا صاحب کیا مطلب لے رہے ہیں۔ شائد یہ مطلب ہے کہ زندگی تک تو زکوۃ کا حکم ہے، اگر وہ اب زندہ ہیں تو زکوۃ کس کو دیتے ہوں گے؟ پس معلوم ہوا کہ مسیح فوت ہو گئے ۔ چہ خوش؟ ہمیں بار بار وہی دو اور دو چار روٹیوں والی مثال یاد آتی ہے ۔ اجی حضرت! آپ یہ تو بتلا دیں کہ جتنے روز مسیح دنیا میں رہے تھے، زکوۃ کس کو دیتے تھے؟ ... کیا زکوۃ کے لئے مال اسباب زائد عن الحاجت ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ تو پس جبکہ ان کے پاس مال دنیاوی موجود ہی نہیں تو زکوۃ کیسے دیں اور کس کو دیں؟ اس آیت میں مرزا جی نے ایک عجیب بات بھی لکھی ہے جس کو بعینہ نقل کرتا ہوں:

> اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیل کے طریق پر نماز پڑھنے کے لئے حضرت عیسی کو وصیت کی گئی تھی اور وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحی ان کی نماز کی حالت میں ان کے پاس یونہی پڑے رہتے ہیں، مردے جو ہوئے ۔ اور جب دنیا میں حضرت عیسی آویں گے تو برخلاف اس وصیت کے امتی بن کر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے ۔ (ازالہ اوہام)

مرزا صاحب نے اس جگہ بڑا استحالہ قائم کیا ہے کہ حضرت مسیح دو طرح کی نماز کس طرح پڑھیں گے؟ کاش بتلایا ہوتا کہ عیسائیوں کی نماز، ہاں اصل عیسائی نماز، کس طرح ہے اور وہ کتنے حصے اسلامی نماز سے مخالف ہے؟ کیا آپ نے مسیح کی والدہ کی بابت فرمان ربانی نہیں سنا یا مریم اقنتی لربک و اسجدی و ارکعی مع الراکعین ۔ بتلایئے آپ کی نماز سے یہ نماز کتنی کچھ مخالف ہے؟ ہاں آپ نے موجودہ عیسائیوں کی نماز دیکھی ہوگی جس میں تثلیث کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ بے شک ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیح ان کی نماز کے مخالف نماز پڑھیں گے، بلکہ اس نماز کے مٹانے کے لئے تشریف لائیں گے ، چنانچہ آپ بھی براہین احمدیہ جلد رابع صفحہ ۴۹۹ میں تسلیم کرتے ہیں ۔

معلوم نہیں مرزا صاحب کو ایسی باتوں سے کیا فائدہ؟ مگر چونکہ علم لدنی کے متعلم ہیں اس لئے بقول صوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غلطی ممکن ہے۔

☆ گیارہویں آیت۔ و السلام علیّ یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیاً اس آیت میں مسیح کے تین واقعات ولادت، موت اور بعثت کے ایام بیان کئے گئے ہیں، یوم رفع نہیں گنا، اس لئے وہ کوئی جدا نہیں بلکہ بذریعہ موت ہی ہوا۔ (ازالہ اوہام)

مرزا صاحب کی قوت استنباطیہ بہت صحیح ہے مگر وہ یہ تو بتلا دیں کہ کیا عدم ذکر سے عدم شئے لازم آتا ہے؟ انسان کے لئے تین ہی واقعات عام طور پر پیش آتے ہیں اور تینوں محل خطر ہیں۔ موت اور قیامت کے دن کا خطرناک ہونا ظاہر ہے، البتہ پیدائش کے دن کا خطرناک ہونا جس کی طرف مسیح نے اشارہ کیا ہے دو وجہ سے ہے۔ ایک تو اس حدیث کی وجہ سے جس کا مضمون ہے کہ ما من مولود الّا و یمسّه الشّیطان الّا مریم و ابنها ۔ او کما قال ہر ایک بچہ کو شیطان وقت ولادت چھوتا ہے سوا مسیح اور اس کی ماں کے کہ ان دونوں کو نہ چھوا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا کہ ولادت کا وقت بھی خطرناک وقت ہے جس کی سلامتی کی طرف حضرت مسیح نے اشارہ کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہودی، حضرت مسیح کی ولادت کو ناجائز بتلاتے تھے اور ناجائز ولادت والے کو خدا کی بادشاہت میں ذلیل سمجھتے تھے (دیکھو کتاب استثنا ۲۳ باب کی آیت نمبر ۲

A bastard shall not enter into the congregation of the Lord; even to his tenth generation shall not enter into the congregation. (Deuteronomy 23:2)

اس لئے مسیح نے ایسے واقعات کا جو سب لوگوں کو پیش آنے والے ہیں جن کے وقوع کا سب کو یقین ہے، ذکر کیا اور رفع بجسد عنصری کا ذکر نہیں کیا کہ جو پہلے سے منکر ہیں کہیں اور بھی زیادہ نہ بگڑیں۔ علاوہ ان توجیہات کے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کو یہ کلام بولتے وقت اپنے رفع بجسد عنصری کا علم نہ تھا کیونکہ جب تک خدا کوئی وعدہ نہ کرے یا کوئی خبر نہ بتلاوے، نبی ہو یا رسول، بلکہ افضل الرسل کو بھی خبر نہیں ہوتی ۔ لا یحیطون بشیء من علمه الّا بما شاء (خدا کے علم میں سے لوگ اسی قدر جان سکتے ہیں جتنا خدا بتلائے) کو پڑھ لو۔

☆ بارہویں آیت۔ و منکم من یتوفّی و منکم من یردّ الی ارذل العمر ....
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عمر طبعی تک پہنچ کر مرجاتا ہے پس مسیح بھی جو عمر طبعی تک پہنچ گئے ضرور فوت ہو

گئے ہوں ۔ (ازالہ اوہام ۔ص ۶۰۸)۔

عجیب نئی منطق ہے۔ مسیح عمر طبعی کو دنیا ہی میں پہنچے ہوئے تھے یا اب پہنچے ہوں گے؟ اگر دنیا ہی میں پہنچے تھے تو کیا ثبوت؟ حالانکہ روایات سے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے، صاف مفہوم ہے کہ حضرت مسیح کی عمر بوقت رفع ۳۳ سال تھی ۔ اور اگر بعد رفع عمرِ طبعی کو پہنچے تو غنیمت ہے کہ آپ نے ان کا رفع بجسدہ تو مانا اور بعد رفع بجسدہ سے موت کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے، دیجئے۔ و دونه خرط القتاد

علاوہ اس کے، عمر طبعی بھی تو مختلف ہے ۔ ایک عمر طبعی آپ کی ہے اور ایک حضرت نوحؑ کی تھی جن کے (صرف) وعظ کا زمانہ ساڑھے نو سو برس کا قرآن میں ذکر ہے۔ اور قصص میں بعض نبیوں کی عمر چودہ سو برس تک بھی پہنچتی ہے۔ نص قرآنی سے آپ کو انکار نہ ہوگا۔ پھر بتلا دیں کہ آیت موصوفہ سے آپ کے دعوی کو کہاں تک تقویت یا تائید ہوتی ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ حضرت عیسی کی عمر طبعی کا اندازہ کوئی غیر محدود زمانہ ہو جس کی مثال دنیا میں آج تک کسی فرد بشر پر نہ آئی ہو۔

اس جگہ ایک لطیفہ بھی قابل بیان ہے جو مرزا کی تحریر سے نہیں بلکہ ان کے بعض مریدوں کی زبان سے سنا گیا ہے کہ حضرت مسیح کو آج تک زندہ سمجھیں تو حیّ قیّوم کی صفت خداوندی میں شریک ہو جاتا ہے اور شرک تو اسلام میں کسی طرح درست نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح بھی کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتے۔

قادیانی حضرات مسیح کی موت کے پیچھے ایسے پڑے ہیں کہ اگر ان کو ایک سیکنڈ کا اختیار بھی مل جائے تو سب سے پہلے جو کام ان سے سرزد ہو، وہ یہی ہو کہ حضرت مسیح کو فوت کر دیں۔ لیکن نہیں جانتے و مکروا ومکراللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین بھلا حضرات! اگر درازی عمر کی وجہ سے کوئی جان دار خدا کا شریک ہی ہو جاتا ہے تو جس کی عمر، مسیح سے ہزار ہا سال پہلے اور ہزار ہا سال بعد تک ہوگی، اگر اپنے بزرگ سر سید احمد کی طرح شیطان قوائے حیوانیہ کو جانتے ہو، تو قرآن میں غور کرو قال فانظرنی الی یوم یبعثون۔

☆ تیرہویں آیت ۔ ولکم فی الارض مستقرّ ومتاع الی حین۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا۔ (ازالہ اوہام ۔ص ۶۰۹)

مرزا صاحب کو، اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ، معراج جسمانی سے بھی انکار ہے۔

مرزا جی! دوسری آیت پر بھی غور کر لیا ہوتا جس میں مثل اس آیت کے لکم آیا ہے
و لکم فیھا منافع و مشارب افلا یشکرو ن (تمہارے لئے چار پایوں میں بہت سے منافع اور پینے کو دودھ ہے کیا پھر شکر نہیں کرتے ہو)

اگر اس آیت سے جسم خاکی کا آسمان پر جانا منع ہوتا ہے تو اس سے سوا چار پایوں کے دودھ اور منافع کے اور چیزوں کا دودھ اور منافع بلکہ تمام دنیا کے پانی پینے بھی منع ہو گئے کیونکہ اگر اس آیت میں مستقر مبتداء مؤخر ہے تو اس میں منافع اور مشارب وہی حکم رکھتا ہے، حالانکہ ہم تمام دنیا کے کنوؤں کا پانی پیتے ہیں اور تمام چیزوں سے نفع لیتے ہیں۔ کوئی چار پاؤں کی خصوصیت نہیں۔ بتلا ویں تو (بقول آپ کے) یہ دجال کا گدھا، ریل گاڑی، کون سے چار پایوں کا نفع ہے، حالانکہ بقول آپ کے آیت میں حصر ہے کہ سوا چار پایوں کے اور کسی چیز میں ہمارا نفع نہیں اور نہ ہمارے بچے کسی جاندار کا، خواہ وہ بچے کی والدہ ہو، دودھ پی سکتے ہیں کیونکہ مشارب کا لفظ اس سے روکتا ہے۔ اگر یہی معنی ہیں تو میں نہیں جانتا کہ اس آیت سے، نعوذ باللہ، کوئی کلام غلطی میں مقابلہ کر سکے۔

مرزا صاحب نے اس آیت میں کچھ علمیت کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا بلکہ زمین سے نکلا ہے اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں داخل ہو گا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۰۹)

مرزا صاحب اس جگہ ہمیں وہ قصہ یاد آ گیا جس کو ہم آپ کے خاندان نیچریہ کے بانی سر سید احمد مرحوم کے لئے کسی جگہ لکھ آئے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ دہلی ایک مدرسہ عربی میں گئے۔ ایک طالب علم سے بغرض امتحان پوچھا کہ الحمد لولیہ میں واؤ کیسا ہے؟ طالب علم نے جواب دیا، عطف کا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ بھی لائق انعام ہے کیونکہ اتنا تو جانتا ہے کہ واؤ عطف کا بھی ہوتا ہے۔ ہم بھی مرزا صاحب کو قابل انعام سمجھتے ہیں کہ آنجناب حصر کو جانتے ہیں لیکن بڑے ادب سے عرض ہے کہ اگر لکم فائیدہ حصر کا دیتا ہے تو غالباً یہ حصر مسند الیہ (مستقر) کا مسند میں ہو گا جیسا کہ مختصر معانی (اما تقدیمه ای المسند فلتخصیصه بالمسند الیه ای لقصر المسند علی ما حقّقناه فی ضمایر الفصل نحو لا فیھا غول ای بخلا ف خمو ر الدّ نیا فان فیھا غولاً و لھذا ای

ولانّ التقديم يفيد التّخصيص لم يقدم الطرف الّذی هو المسند علی المسند اليه فی لا ريب فيه و لم يقل لا فيه ريب لئلا يفيد تقديمه عليه ثبوت الريب فی سائر کتب الله تعالی بناء علی اختصاص عدم الريب بالقرآن۔ مختصر المعانی ص ۱۰۳) اور مطول سے مفہوم ہوتا ہے۔تو بتلایئے کہ اس حصر کا مطلب کیا ہوگا اور آیت کے معنی کیا بنیں گے؟ وہی جو مختصر معانی اور مطول میں لکھے ہیں لا فيها غول بخلاف خمور الدّنيا فانّ فيها غولاً یعنی ہمارے لئے زمین مستقر (جگہ) ہے نہ کہ کسی اور جانور کے لئے۔ بھلا اس حصر سے جسم خاکی کا آسمان پر جانا کیونکر منع ہوا۔ ہاں یہ بے شک ثابت ہوا کہ دنیا میں سوائے انسان کے جو لکم کے مخاطب ہیں کسی جاندار کی جگہ نہیں۔ یہ معنی قطع نظر اس سے کہ واقع میں صحیح ہوں یا غلط آپ کے دعوی (جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا) سے کیا علاقہ؟

ہاں اگر آپ کے معنی مراد ہوتے تو کلام خداوندی میں فی الارض مقدم ہوتا یعنی آیت یوں ہوتی وفی الارض مستقر و متاع الی حين ایسی اصلاح قرآن شریف میں کون نہیں جانتا کہ اتنبؤن اللّه بما لا يعلم فی السّماء ولا فی الارض (خدا کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا آسمان میں اور زمیں میں) کے مصداق ہے۔

رہی یہ بحث کہ گو حصر مسند کا نہیں لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ زمین میں مستقر ہے۔پس آسمان کا مستقر ہونا اس کے خلاف ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حصر نہیں تو خلاف بھی نہیں۔نہیں تو بتلا دیں کہ مسلمان جو سب محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں جس کا ترجمہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،تو کیا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ رسول نہیں،صرف محمد ﷺ ہی رسول ہیں۔پس جس طرح کہ محمد رسول کہنے سے موسیٰ رسول کی نفی نہیں ہوتی،اس طرح فی الارض مستقرّ کہنے سے فی السّماء مستقرّ کی نفی لازم نہیں۔ علاوہ اس کے آسمان میں تو مستقر ہی نہیں،خصوصاً لکم کے مخاطبین کا جو تمام بنی نوع انسان ہیں۔اگر مسیح چند روز چلے گئے، اول تو عارضی ہے، دوم وہ ایک فرد مخصوص ہیں۔ وما من عام الّا وقد خصّ منه البعض (ہر عام سے بعض افراد خاص ہوتے ہیں) کو یاد کرو۔ایسے استدلالات میں ہاتھ پاؤں مارنے سے بجز اس کے کہ علماء میں ہنسی ہو اور کیا فائدہ؟

☆ ۱۴۔ چودھویں آیت ومن نعمّره ننکّسه ...یعنی درازی عمر میں حواس اور عقل

زائل ہو جاتی ہے اگر مسیح اب تک زندہ ہوں تو ان کی عقل میں فرق آ گیا ہوگا جس سے یقینی معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے مر گئے ہوں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۱۰)

مرزا صاحب چونکہ علم لدنی کے متعلم تھے اس لئے بے چارے ظاہری علوم کی اصطلاحات بدیعہ سے بالکل ناواقف ہوں تو ان کی ذات ستودہ صفات میں کوئی نقص نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا جی کے کان مبارک، تقریب تام سے جو علم مناظرہ میں اہم اصول ہے، کبھی آشنا نہیں ہوئے۔ مرزا صاحب! اگر کوئی شخص ستر برس کی عمر سے (جس کو انتیسویں آیت میں امت محمدیہ کے لوگوں کے لئے محدود کرتے ہیں) متجاوز ہو گیا جیسے کہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، یا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی یا مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، جن میں سے بعض صاحب سو (۱۰۰) اور بعض سو (۱۰۰) سے متجاوز تھے، کیا آپ کے نزدیک ان کا جنازہ بغیر روح نکلے ہی درست ہے، کیونکہ آپ کی دلیل کا مقدمہ تو ثابت ہے کہ عمر درازی موت کو مستلزم ہے پھر مدعا کیوں ثابت نہیں۔

آئندہ کو آپ کے خاندان میں سے جو شخص ستّر (۷۰) سے متجاوز ہو تو بغیر روح نکلے اس کو میت قرار دے کر قبر میں داخل کر دیا کریں پھر دیکھیں کیا نتیجہ ہوتا ہے؟

افسوس مرزا صاحب کو یہ خبر نہیں یا جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ کرتے ہیں کہ عمر درازی کو اگر کچھ لازم ہے تو نکوس لازم ہے جو خود زندگی چاہتا ہے۔ مردہ کی بابت نکوس فی الخلق کون کہے گا۔ نکوس کے معنی اندھا کرنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا بالکل واضح ہے کہ جس کی عمر دراز ہوتی ہے اس کی خلقت اور عادت پیرانہ سالی میں جوانی سے مغائر بچپن کی سی ہو جاتی ہے، بالکل درست ہے صدق اللّٰہ و صدق رسولہ لیکن اس کو موت خصوصاً مسیح کی موت سے کیا علاقہ؟ اگر آپ کے نزدیک ستّر برس سے متجاوز پر نکوس فی الخلق ضروری ہے تو حضرت نوحؑ تو آپ کے نزدیک تمام تبلیغ نکوس کے زمانہ بلکہ موت میں کرتے رہے ہوں گے۔ یا للعجب

☆ ۱۵۔ اللّٰہ الّذی خلقکم من ضعفٍ ... اس آیت سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ انسان کی عمر پر اثر کرتا ہے یہاں تک کہ پیر فرتوت ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام)

آمنّا و صدقنا، بے شک اثر کرتا ہے مگر اس کی حد مختلف ہے ایک حد بقول آپ کے ساٹھ ستّر برس ہے دوسری بقول خداوندی عمر نوحی ہے۔ جب تک آپ مسیح کیلئے

حد نہ لگا دیں، اس آیت کو پیش کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اعمار امتی کا جواب آگے آتا ہے

☆ ۱۶۔ انما مثل الحیوۃ الدّنیا کماء انزلناہ .... یعنی کھیتی کی طرح انسان بعد کمال زوال کی طرف رخ کرتا ہے۔ کیا اس قانون سے مسیح باہر رکھا گیا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۱۱)

مرزا صاحب کل بنی نوع انسان کی اگر یہ حالت ہے تو بتلا دیں کہ ایک بچہ جو ایک دن کا ہو کر مر جاتا ہے اس کا وہی کمال ہے؟ دوسرا آپ کی طرح بوڑھا ہو کر، اس کے لئے وہی کمال ہے۔ ایک ایسا ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی طرح ہزار سال تک بھی اس کمال کو نہیں پہنچتا۔ پس اس تفاوت سے اگر مسیح کو بھی وہ کمال جس کے بعد ان کو زوال آنا (جو بقول آپ کے موت کا مرادف ہے) ابھی تک نہ آیا ہو تو کیا محال ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

☆ ۱۷۔ ثمّ انکم بعد ذلک لمیّتون ۔ تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو۔ (ازالہ اوہام)

بے شک صحیح ہے۔ اس کا جواب آیت سابقہ کی تقریر میں پڑھو۔

☆ ۱۸۔ الم تر انّ اللّٰہ انزل من السّماء ماء فسلکناہ ینابیع ... انسان کھیتی باڑی کی طرح اپنی عمر کو پورا کر کے مر جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام)

بالکل سچ ہے، لیکن عمریں مختلف ہیں۔

☆ ۱۹۔ وما ارسلنا قبلک من المرسلین .... کوئی انسان بغیر کھانے پینے کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ (ازالہ اوہام)

اس کا جواب پانچویں آیت کی تقریر میں ملاحظہ ہو۔

☆ ۲۰۔ والّذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئاً ..... اس آیت میں مصنوعی معبودوں ... کی موت کی خبر دی گئی ہے۔ مسیح بھی عیسائیوں کے مصنوعی معبود ہیں پس ضرور ہے کہ وہ بھی فوت ہو گئے ہوں۔ (ازالہ اوہام)۔

تعجب ہے کہ اس جگہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کو عیسائیوں کا مصنوعی معبود مانا ہے حالانکہ عیسائیوں کے مصنوعی معبود کا نام یسوع رکھ کر رسالہ ضمیمہ انجام آتھم میں بے نقط سنائی ہیں۔ نعوذ باللّٰہ من الھفوات

مرزا صاحب نے اس آیت کے لفظ اموات سے استدلال کیا ہے مگر اس امر پر غور نہیں فرمایا کہ اموات جمع میت کی ہے جو خود انحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے حق میں عین

زندگی میں وارد ہوا ہے غور سے پڑھو انک میّت وانّھم میّتو ن ۔مرزا صاحب کیا اس آیت کے اترتے وقت آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ سب کے سب فوت شدہ تھے؟ تو پھر اس کے بعد کی آیتیں بلکہ خود یہی آیت کس پر نازل ہوئی تھی؟ اور اگر فوت شدہ نہ تھے تو کیوں نہ تھے؟ حالانکہ میّت کا لفظ بقول آپ کے موت سابقہ چاہتا ہے۔

مرزا صاحب تو یونہی ادھر ادھر جاتے ہیں، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مشرک پکارتے ہیں وہ ممکنات ہالک الذات ہیں نہ دائم الحیات حالانکہ معبودیت کے لئے غیر ہالک الذّات دائم الحیات ہونا چاہیے۔ پس علی طریق البرھان آیت کے مطلب کی تقریر یوں ہوگی معبودکم ممکن الفنا ولا شیء من ممکن الفنا بمعبود نتیجہ صریح ہے کہ تمہارے مصنوعی معبود لائق عبادت نہیں۔

اموات کے معنی ممکن الموت کے لینا ایک تو آیت موصوفہ انک میّت بتلا رہی ہے، دوئم ممکن الموت کا لفظ تمام معبودان باطلہ کو خواہ زمانہ نزول آیت سے پہلے کے ہوں یا اس وقت کے یا پیچھے کے سب کو شامل ہے۔ اور اگر اموات کے معنی فوت شدہ کے لیں تو یہ فائدہ متصور نہیں غیر احیا کے معنی غیر دائم الحیات کے ہم نے اس لئے کئے ہیں کیونکہ خدائی صفت دائم الحیات ہے نہ چندروزہ حیات۔

پس ہماری تقریر بفضلہ تعالی ہر طرح سے قابل پذیرائی اور مشتمل بہ مزید فوائد ہوئی اور آپ کی مطلب براری دربطن قائل۔

کہیں آپ کے کسی حواری کو (کیوں کہ آپ کو تو ایسے ظاہری علوم سے کیا تعلق؟) یہ شبہ نہ ہو کہ شکل اول میں فعلیت صغری ضروری ہے اور مذکورہ شکل میں صغری ممکنہ ہے پس منتج نہ ہوگی اس لئے کہ امکان شکل مذکور میں ربط کی قید نہیں بلکہ خود محکوم بہ ہے۔ فافھم۔

☆۲۱۔ ما کان محمّد ابا احدٍ من رّجالکم ... چونکہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے مسیح ان کے بعد نہیں آسکتا۔ پس معلوم ہوا کہ فوت شدہ ہیں۔ (ازالہ اوہام)

مرزا جی یہاں بھی اصطلاحات بدیعیہ سے معذوری کی وجہ سے تقریب تام سے غافل ہوگئے۔ دعوی موت مسیح اور دلیل عدم تشریف آوری۔ آیت کا مطلب تو بالکل صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں ان کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی پس مسیح قرب

قیامت باوصف نبوت آنحضرت کی امت بن کر آویں گے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کو نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں ملی بلکہ نبوت سابقہ ہی سے موصوف ہوں گے پس جیسے حضرت ہارونؑ بلکہ خود حضرت عیسیٰؑ پہلے تورات کے احکام کی تبلیغ کرتے رہے اسی طرح بعد تشریف آوری قرآن شریف کے تابع ہو کر رہیں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں صاف ارشاد ہے لو کان موسی و عیسی حیّا لما وسعه الا اتباعی۔ ایک نبی اگر دوسرے نبی کی کتاب کا تابع ہو تو اس میں برائی ہے حالانکہ خدا نے سب نبیوں سے عام طور پر وعدہ لیا ہوا ہے کہ جب تمہارے زمانہ میں کوئی رسول آوے تو تم اس کو مان لینا۔ اس پر ایمان لانا۔ یہ تو مرزا جی کے ڈوبتے کو تنکے کے سہارے ہیں۔

☆ ۲۲، یا ایّتھاالنّفس المطمئنّه .... اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آدمی مرے نہیں، خدا کے نیک بندوں میں نہیں ملتا۔ چونکہ بموجب شہادت حدیث معراج حضرت مسیح نیک بندوں میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے ضرور فوت شدہ ہیں۔ (ازالہ اوہام)

کیا نئی منطق ہے مرزا صاحب بموجب شہادت حدیث معراج خود آنحضرت ﷺ نیک بندوں میں داخل تھے یا نہیں، پھر آپ اس سے بعد دنیا میں دوسری زندگی سے آئے ہیں یا اسی سے ؟ مرزا صاحب کو موت نہ اپنی بلکہ مسیح کی موت سے بڑی محبت ہے۔ آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اس آیت کی تفسیر وہی صحیح ہے جو حبر الامت ابن عباسؓ نے کی ہے (جن کی تفسیر کو مرزا صاحب عموماً انّی متوفّیک میں پیش کیا کرتے ہیں اور اس کے منوانے کے لئے مخالفوں پر بڑا زور دیا کرتے ہیں) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نیک بندے قیامت کو قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت خدا کے فرشتے ان سے کہیں گے . اے نفس خدا کے ذکر سے تسلی پانے والے خدا کی طرف چل اور راضی خوشی خدا کے نیک بندوں میں داخل ہو۔ دیکھو تفسیر معالم۔ اس کو مسیح کے فوت شدہ ہونے سے کیا تعلق ہے۔

☆ ۲۴۔ اللّٰه الّذی خلقکم ثمّ رزقکم .... اس آیت میں چار واقعات انسان کی زندگی کے ہیں پیدائش پھر تکمیل و ترتیب کے لئے رزق مقسوم کا ملنا پھر اس پر موت کا وارد ہونا۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح فوت شدہ ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۱۹)

مرزا صاحب تکمیل و ترتیب کی حدود مختلف ہیں، رزق مقسوم بھی ہر زندگی کے مناسب ہوتا ہے۔ فافھم

☆ ۲۵۔ کلّ من علیھا فان.... ہر نفس پر ہر دم فنا آتی رہتی ہے۔ فان کا لفظ لا نا اور یفنی نہ لانا اسی طرف اشارہ ہے کہ فنا کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے مگر ہمارے مولوی گمان کر رہے ہیں کہ مسیح اس خاکی جسم کے ساتھ جس کو ہر دم فنا لگی ہوئی یہے زمانہ کے اثر سے محفوظ ہے (ازالہ اوہام، ص ۶۱۹)

مرزا صاحب کی اس نئی منطق سے ہم تنگ آ رہے ہیں کہ کہاں کی دلیل کہاں کا دعوی بے ربط بے ضبط، کہیں کی کہیں کہہ دیتے ہیں۔ بھلا ہر دم فنا وارد ہونے سے فوت ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ کیا آپ بھی اس فنا کے اثر سے متاثر ہیں یا نہیں، ضرور ہوں گے، کیونکہ بقول آپ کے جیسے مسیح کو کوئی آیت مستثنی کرنیوالی نہیں، آپ کو بھی نہیں۔ پس محض فنا سے متاثر ہونا اگر فوتیدگی چاہتا ہے تو آپ بھی اپنے کفن کی تیاری کریں (یہ فقرہ مرزا کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔ افسوس اب ہم انہیں زندہ نہیں پاتے)

مرزا صاحب! اب تو اس آیت کے معنی ڈاکٹری تحقیقات سے بھی متحقق ہو چکے ہیں کہ سات سال بعد موجودہ جسم تمام کا تمام فنا ہو جاتا ہے لیکن موت اور شئے ہے کیونکہ اس فنا کے ساتھ بدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ پس آیت موصوفہ کے معنی بالکل صاف ہیں کہ ہر زمین والے کو فنا دامن گیر ہے جو بالکل صحیح ہے۔ ناظرین مرزا جی کی قوت علمیہ اور راست بازی کو دیکھیں کہ اپنے مطلب کے لئے آیت قرآنی کے لفظ علیھا کو ہضم ہی کر گئے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے آیت کے معنی یہ بنتے تھے کہ جو شخص زمین پر ہے، فنا ہونے والہ ہے۔ چونکہ مرزا جی کے مخاطب مسیح کو آسمان پر مانتے ہیں پھر وہ اس آیت میں کیسے آ سکتے ہیں۔ ہاں اگر آسمان پر ہونا کسی دلیل سے باطل کر دیں تو اصلی دلیل وہ ہو گی نہ کہ یہ آیت۔ پھر اس کا پیش کرنا بجز اس کے کہ تعداد تیس کی پوری ہو کیا معنی رکھتا ہے لیکن اگر ہم سے پوچھ لیتے تو ہم مرزا جی کو ایسی آیات بتلاتے کہ جن سے بجائے تیس کے پچاس تک تعداد پہنچتی۔

☆ ۲۶۔ انّ المتّقین فی جنّت و نھر... خدا کے پاس جا کر بندے جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ موت کے بعد ہے۔ (ازالہ اوہام)

بے شک اس آیت میں جس جنت کا ذکر ہے وہ بعد موت ہی ہے لیکن حضرت مسیح کا ایسی جنت میں داخل ہونا جو بعد موت کے لئے ہے کسی دوسری آیت سے ثابت کریں جب وہ ثابت ہو گا تو جواب دیں گے و دونہ خرط القتاد

☆ ۲۷۔ انّ الّذین سبقت لھم منّا الحسنی.... اس آیت سے مسیح اور عزیر کا

جنت میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے جو بعد موت کے واقع ہے ۔ (ازالہ اوہام ۔ ص ۶۲۱) ۔

حضرت! جنت جس لفظ کا ترجمہ ہے، جس میں آپ نے مسیح اور عزیر کو داخل کیا ہے، فیما اشتھت کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اپنی مرادوں میں رہیں گے ۔ کیا با مراد ہونا جنت ہی کو چاہتا ہے؟ آپ کی مراد منکوحہ آسمانی ہے، اس کے حاصل ہوتے ہی آپ جنت میں چل بسیں گے (مرزا صاحب نے ایک عورت کی بابت الہام بتلایا ہوا ہے کہ میرا اس سے آسمان پر نکاح ہو چکا ہے جو ابھی تک آپ کے نکاح میں نہیں آئی حالانکہ میعاد کو گذرے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں ۔تفسیر ثنائی طبع اول میں یہ لکھا گیا تھا۔ اب تو ہم مرزا صاحب کو بھی نہیں پاتے ،نکاح کس کا؟ ممکن ہے نکاح آسمانی کا زفاف بھی آسمانی ہو ۔ ثناء اللہ) ۔ آپ کے دشمن جنت میں جائیں آپ ایسے وہم وگمان کو پاس بھی نہ آنے دیں ۔ علاوہ اس کے اس آیت کا لفظ سبقت لھم منّا الحسنی خود جناب رسالت مآب ﷺ اور ان کے صحابہ کبار و دیگر بزرگان کو بھی جن کو بے دین لوگ پکارتے ہیں اور ان سے حاجات طلب کرتے ہیں شامل ہے یا نہیں تو کیا یہ بزرگ آیت اترنے کے وقت سب کے سب فوت شدہ تھے؟ تو پھر یہ آیت کس پر نازل ہوئی ہے؟ یہ بھی تو آپ کے مرید مان لیں لیکن مشکل یہ ہے کہ پھر آپ سبقت لھم منّا الحسنی سے خارج ہوتے ہیں کیونکہ اس میں داخل ہونے سے تو آپ کو موت سوجھتی ہے ۔ فافھم

☆ ۲۸ ۔ اینما تکونوا یدرککم الموت .... اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان جہاں ہو موت اور لوازم موت اس پر جاری ہو جاتے ہیں ۔ بطور اشارۃ النص کے مسیح کو بھی شامل ہے ۔ (ازالہ اوہام)

بے شک صحیح ہے لیکن اپنے وقت مقدر پر اذ جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقد مون ۔ کون کہتا ہے کہ مسیح کو موت نہیں پاوے گی بے شک پاوے گی ۔ اس آیت میں اشارۃ النص کا لفظ سن کر بے ساختہ میرے منہ سے

پیریکہ دم زعشق زند بس غنیمت است

نکل گیا، کہاں مرزا جی اور کہاں اشارۃ النص کا لفظ ۔ بھولے برہمن نے گائے کھائی ہے ۔ لیکن ہمارا جو خیال تھا کہ مرزا جی خود علم لدنی کے متعلم ہونے کی وجہ سے ظاہری علوم کے بوجھ سے سبکدوش ہیں وہ صحیح نکلا ۔ حضرت! اشارۃ النص اسے کہتے ہے

امّا اشارۃ النّص فھی ما ثبت بنظم النص لغۃ وھو غیرظاھر

من کلّ وجه ولا سیق الکلام لاجلہ ۔ شاشی۔ نورالانوار۔ توضیح وغیرہ ۔ جو کلام کے ظاہری ترجمہ سے سمجھ میں آئے اور کلام سے مقصود اصلی نہ ہو

جیسے کوئی کہے کہ میں مرزا جی سے آتھم کی پیش گوئی کے زمانہ میں ملا تھا تو آتھم کی پیش گوئی کا ذکر صاف لفظوں کے ترجمہ سے سمجھ میں آتا ہے لیکن متکلم کی غرض اصلی ملاقات کا واقعہ بتلانا ہے۔ پس جو مسیح کا ذکر بطور اشارۃ النص فرماتے ہیں کس لفظ کے ترجمہ سے سمجھ آتا ہے۔ اگر کنتم کی ضمیر مخاطب سے عام نبی آدم ہوں جیسا کہ آپ کا مافی الضمیر ہے پھر تو مسیح کے لئے عبارۃ النص ہے جو اشارۃ النص سے قوی ہے۔ اشارہ کہنے کے کیا معنی۔ بہر حال اشارہ کا لفظ آپ نے بول کر ہمارے موہومی خیال کو مضبوط کر دیا خدا آپ کو اس کا نیک عوض دے اور راہ راست دکھائے۔

☆ ۲۹۔ ما آتا کم الرّسول .... آنحضرت ﷺ نے ہم کو دیا ہے کہ اعمار امّتی ما بین .. نیز فوت ہوتے وقت فرمایا ما من نفس منفوسة .... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہوا، اور خاک سے نکلا، وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔ (ازالہ اوہام)

مرزا صاحب نے دو حدیثیں اس باب میں نقل کی ہیں جن میں سے پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کی عموماً ساٹھ ستّر برس عمر ہوا کرے گی بہت کم لوگ ہوں گے جو اس حد سے بڑھیں۔ اس مضمون کو تو مرزا صاحب کے دعوی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ حدیث میں بعض لوگوں کی عمر متجاوز ہونے کا بھی ثبوت ہے ممکن ہے کہ مسیح بھی انہیں میں ہوں۔ علاوہ اس کے حضرت مسیح ہنوز آنحضرت ﷺ کی امت میں محسوب بھی نہیں ہوئے تھے تو ان کا حکم ان پر کیسے لگا۔ جب تشریف لاویں گے اس وقت امتی بنیں گے بعد امتی بننے کے چند سال زندہ رہ کر فوت ہو جائیں گے علاوہ اس کے آپ کے نزدیک مسیح امت محمدیہ میں نہیں ہے، تو پھر امت محمدیہ کا حکم ان پر کیوں لگاتے ہو اگر بطور الزام ہے تو امت محمدیہ بننے کے بعد نہ کہ پہلے ہی۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فوت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ جو جاندار زمین پر ہیں، آج سے سو برس تک کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا، یعنی ان کی نسل رہ جائے گی، خود نہیں رہیں گے۔ چونکہ اس حدیث میں لفظ علی ظھر الارض بھی تھا جس کے معنی ہیں کہ زمین پر رہنے والے جاندار اور مرزا جی کے مخاطب تو مسیح کو زمین پر نہیں مانتے، جس

سے مسیح کی دلیل میں ضعف آتا تھا، اس لئے حدیث پر ہاتھ صاف کرنا چاہا اور جھٹ سے تاویل کر دی کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہوا اور خاک سے نکلا۔ مرزا جی کی اس تقریر سے مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ کسی عیسائی سے تثلیث کے متعلق گفتگو تھی۔ وہ بولا کہ آپ تو یونہی اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ تثلیث تو قرآن سے بھی ثابت ہے میں نے کہا۔ کہاں؟ قرآن میں تو تثلیث کا مدلل رد ہے۔ بولا دیکھو تو پہلے ہی بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔ اللہ سے مراد باپ (خدا) ہے اور رحمٰن سے مراد مسیح اور رحیم سے مراد روح القدس ہے۔ کیا خوب!

مرزا صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں۔ ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے سنو اور انصاف سے سنو:

کیف فیکم اذا نزل فیکم ابن مریم من السّماء (مرزا نے حمامۃ البشریٰ کے ص ۱۸ پر بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے کہ مسیح کے نزول کے متعلق سماء کا لفظ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ پس ناظرین اور خود مرزا صاحب بھی اس کو غور سے پڑھیں) و امامکم منکم ۔ یعنی کیسے اچھے ہو گے تم جس وقت ابن مریم آسمان سے اتریں گے حالانکہ امیر المؤمنین خلیفہ اسلام بھی اس وقت تم میں سے ہو گا۔ رواہ البیھقی و اصلہ فی البخاری۔

اور بھی فرمان نبوی سننے ہوں تو مشکوۃ میں باب نزول عیسیٰ کو انصاف سے پڑھیں۔

☆ ۳۰۔ او ترقی فی السّماء .... کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ خاکی جسم آسمان پر چڑھ جائے پس مسیح بجسد عنصری آسمان پر نہیں گئے بلکہ بعد موت گئے ہیں۔ (ازالہ اوہام ۔ ص ۶۲۵)

سبحان اللہ، ھذا بھتان عظیم آیت کا مطلب بالکل صاف ہے، کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ جب تک تو آسمان پر نہیں چڑھے گا ہم تیری بات نہیں مانیں گے۔ جواب ملا کہ خدا تو سب کچھ کر سکتا ہے، وہ ایسے کاموں سے عاجز نہیں، وہ تو عاجزی سے پاک ہے۔ ہاں میرا کام نہیں کہ میں خود بخود چڑھ جاؤں میں تو صرف اس کا رسول ہوں جو مجھے ارشاد ہو گا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔ بتلائیے یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ . عادۃ اللہ نہیں، کہ خاکی جسم آسمان پر جائے۔ آپ نے سبحان ربّی کے معنی خوب تراش لئے کہ ایسے خلاف عادت کام کرنے سے میرا خدا پاک ہے مگر ھل کنت الّا بشراً رسولا کو کیا

کریں گے جو اپنے عہدہ عبودیت کا مظہر ہے جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ میں اس سوال کا مخاطب نہیں ہوسکتا چنانچہ دوسری آیات سے بھی یہی مفہوم ہے لا املک لکم ضراً ولا رشداً ولن اجد من دو نہ ملتحداً کوغور سے پڑھو۔

(مولانا امرتسری فرماتے ہیں) اخیر اس طویل بحث کے مرزا صاحب کی ایک حیرت انگیز کارروائی پر ناظرین کو متنبہ کرنا ضروری ہے۔ مرزا صاحب انی متوفیک والی آیت کو ہمیشہ پیش کیا کرتے ہیں اور اس کی شرح میں حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کیا کرتے ہیں یعنی انّی ممیتک۔ اس آیت اور اس تفسیر عباسی پر بڑا زور دے کر اپنے مخالفین سے موت مسیح کا اقرار کرانا چاہتے ہیں مگر اسی آیت انّی متوفّیک کا ترجمہ انہوں نے اپنی براہین احمدیہ جلد چہارم ص ۴۹۹ پر موفی اجر کـ (پورا بدلہ دینے والہ) کیا ہے اور موت کے معنی جس سے ابن عباس کا قول ممیت ماخوذ ہے نوم اور غشی کے خود ہی کئے ہیں۔ (دیکھو ازالہ ص ۶۶۵)۔

پس اگر ہم مرزا صاحب کی ان دونوں الہامی کتابوں کے ترجمہ کو لکھتے تو ہمیں بہت کچھ آسانی تھی۔ یعنی توفّی کے معنی اجر پورا دینا، لیتے، ابن عباسؓ کی تفسیر کو بسند صحیح مان کر ممیت کے معنی منیم (سلانے والہ) اور مغشی (بے ہوش کرنے والہ) کرتے، تو ہمیں آسانی تھی مگر ہم نے کسی الزامی جواب پر کفایت نہ کی کیونکہ الزامی جواب جدل ہونے کے علاوہ آج کل کے مناظرہ میں پسند بھی نہیں۔

مضمون وفات وحیات مسیح قادیانی مباحث کے لئے فیصلہ کن نہیں۔ فیصلہ کن وہی صورت ہے جو خود مرزا صاحب نے میرے حق میں بذریعہ اشتہار مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی جس کا خلاصہ مرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ہے۔

اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری (خدا کی) نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کردے۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ مرزا صاحب موصوف اس اشتہار کے ایک سال دو ماہ گیارہ روز بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو میری (ثناء اللہ امرتسری کی) زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔

فالحمد للہ الّذی اظھر الحق وابطل الباطل (تفسیر ثنائی۔ ص ۶۲ـ ۷۷۔۱)

لدھیانوی کشف الغطا

مولانا محمد لدھیانوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی کی تردید میں

کشف الغطا عن ابصار من ضلّ و غوی

کے عنوان سے ایک رسالہ ۱۸۹۷ء میں تحریر فرمایا جسے ہم فتاوی قادریہ سے ملخصاً نقل کرتے ہیں۔ مولانا لدھیانوی فرماتے ہیں:

مقدمہ میں اصطلاحات علم اصول کی بیان کی جاتی ہیں جو واسطے استنباط احکام کے معلوم ہونا ان کا نہایت ضروری ہے۔

} ظاہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کا مطلب الفاظ سے صاف صاف ظاہر ہو۔

} نص وہ جس کے واسطے کلام چلائی گئی ہو۔

مثال ان دونوں کی یہ آیت ہے احلّ اللّٰہ البیع و حرّم الرّ بوا۔ حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود کو۔ یہ آیت بیع کے حلال اور سود کے حرام ہونے پر بطور ظاہر کے دلالت کر رہی ہے۔ بیع اور سود میں جو فرق اس آیت سے شارع کو مقصود ہے اس پر دلالت اسکی بطور نص کے ہے اور حکم ظاہر اور نص کا یہ ہے کہ جو ان دونوں سے ثابت ہو اسپر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ ان دونوں سے جو احکام ثابت ہوں وہ قطعی اور یقینی ہوتے ہیں

} مفسّر وہ ہے جو اپنی مراد پر ایسا واضح ہو کہ کسی تاویل کی اس میں گنجائش نہ ہو۔

قال فی المنار المفسّرما ازداد وضوحاً علی النّص علی وجہ لا یبقی معہ احتمال التاویل ببیا ن الشارع وحکمہ وجوب العمل بہ۔

یعنی ظاہر اور نص اگرچہ قطعی ہیں لیکن احتمال تاویل کو مانع نہیں ۔ یعنی اگر کوئی دلیل قطعی اس امر پر دلالت کرے کہ یہاں ظاہری معنی حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں تو اس وقت ظاہری معنی ظاہر اور نص میں مراد نہیں لئے جاویں گے اور مفسر میں ایسے احتمال کو

گنجائش نہیں کیونکہ شارع کے بیان کرنے سے اس کی اصل مراد معلوم ہوگئی جیسا کہ آیت و قاتلوا المشرکین کافۃً میں لفظ کافۃ کا واسطے بیان کرنے اس امر کے زیادہ کیا گیا ہے کہ تا احتمال اس امر کا باقی نہ رہے کہ شاید مشرکین سے بعض مشرک مراد ہوں، کل مراد نہ ہوں۔ اور حکم مفسر کا یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے ساتھ احتمال منسوخ ہو جانے کے، یعنی اس کے منسوخ کرنے کے واسطے شارع حکم لگا سکتا ہے قال فی نور الانوار و حکمه وجوب العمل به علی احتمال النسخ ای فی زمان النبی ﷺ فیما بعده فکل القرآ ن محکم لا یحتمل النسخ۔

} محکم اس کا نام ہے جس کا مفہوم قابل نسخ و تبدیل نہ ہو۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور کسی احتمال کو اس میں گنجائش نہیں۔ قال فی المنار وحکمه وجوب العمل به من غیر ا حتمال کقوله تعالی انّ اللّٰه بکلّ شیءٍ علیم۔ یعنی تحقیق اللہ تعالی ہر شئے کو جانتا ہے۔ یہ مضمون قابل نسخ و تبدل نہیں۔ اللہ کو ہمیشہ ہر شئے کا علم ہے۔

} خفی وہ ہے جس کی مراد بغیر غور کرنے کے معلوم نہ ہو۔ قال فی المنار الخفی فما خفی مراده بعارض لا ینال الّا بالطّلب۔ جیسا کہ آیت السّارق و السّارقة فاقطعوا ایدیهما کی ظاہر ہے چور کے حق میں اور خفی ہے طرار یعنی کیسہ بر کے حق میں۔ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اس آیت سے بلا غور کرنے کے فوراً معلوم ہو جاتا ہے لیکن طرار کے ہاتھ کاٹنے کا حکم اس آیت سے بعد غور کے مفہوم ہوتا ہے کہ طرار کی چوری معمولی چوریوں سے بڑھ کر ہے اس واسطے اس کا ہاتھ ضرور کاٹنا چاہیے۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس میں غور کر کے معلوم کرے کہ اس کے خفی ہونے کا کیا سبب ہے، تا کہ اس کی مراد معلوم ہو۔ قال فی المنار وحکمه النّظر فیه لیعلم انّ الخفاء لمزیته او نقصان لیظهر المراد به۔

} مشکل اس کا نام ہے جو اپنے جیسوں میں داخل ہو کر مشتبہ ہو جاوے۔ حکم اس کا یہ ہے: اس کی مراد پر حق ہونے کا اعتقاد کرنا پھر متوجہ ہو کر غور اور تامل کرنا یہاں تک کہ اس کی مراد ظاہر ہو جاوے۔ جیسا کہ آیت فأتوا حرثکم انّی شئتم میں لفظ انّی کا مشتبہ ہوگا ہے کیونکہ اس لفظ کے دو معنے ہیں۔ ایک معنی اس کے من این یعنی کسی

مکان سے اور دوسرے معنی اس کے کیف یعنی کسی طرح۔ جب غور اور تامل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں کیف کے معنوں میں مستعمل ہے کیونکہ لفظ حرث جو زراعت کے معنوں میں ہے وہ اسی معنے کو معین کرتا ہے۔

} مجمل وہ ہے جس میں معانی کے اژدہام سے مراد اس کی ایسے مشتبہ ہو جائے کہ اس کی عبارت میں فکر کرنے سے اشتباہ رفع نہ ہو بلکہ اجمال کرنے والے سے اس کی تفسیر معلوم کرنے کی حاجت پڑے اور حکم اس کا اس کی مراد کو برحق اعتقاد کرنا اور توقف کرنا یہاں تک کہ ظاہر ہو ساتھ بیان کرنے اجمال کنندہ کے۔ قال فی نور الانوار امّا المجمل فما ازدهمت فيه المعانی و اشتبه المراد به اشتباهاً لا يدرک بنفس العبارة بل بالرجوع الى الاستفسار ثم الطلب ثم التامل وحكمه اعتقاد الخفية فيما هو المراد و التوقف فيه البيان يتبين ببيان المجمل كالصلوة و الزكوة یعنی لفظ صلوۃ و زکوۃ کا آیت اقيموا الصلوة و آتو الزکوۃ میں مجمل تھا کیونکہ معنی صلوۃ کے لغت عرب میں دعا کے ہیں اور معلوم نہ ہوا کہ کون سی دعا یہاں مراد ہے۔ پس استفسار کرنے سے آنخضرت ﷺ نے بیان کر دیا اور اس کو ادا کر کے ہم کو معلوم کرا دیا کہ یہاں قیام رکوع سجود والی دعا مراد ہے اسی طرح زکوۃ کے معنی لغت میں پڑھنے کے ہیں اور یہاں یہ مراد نہیں۔ بعد استفسار کرنے کے آنخضرت ﷺ بیان فرما دیا کہ اس کے معنی چالیسواں حصہ مال کا ایک سال کے بعد ادا کرنا ہے۔

} متشابہ وہ ہے جس کی مراد کا معلوم ہونا قبل روز قیامت ممکن نہ ہو۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ اپنے اعتقاد میں جو اس سے شارع نے مراد رکھا ہے حق جاننا قبل معلوم ہونے اس مراد کے جیسا کہ حروف مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں مثل الم وغیرہ کے۔

ظہور کے مراتب میں محکم کا درجہ سب سے اعلی ہے مفسّر کا درجہ نص سے اور نص کا ظاہر سے اعلی ہے۔ پس سب سے محکم کا درجہ اعلی اور ظاہر کا سب سے ادنی ہوا۔ اور خفا میں سب سے زیادہ خفی، متشابہ ہے اور مجمل، مشکل سے اور مشکل، خفی سے زیادہ ہے۔ پس متشابہ کا درجہ خفا میں اعلی ہوا اور خفی کا سب سے ادنی۔ بروقت تعارض جس کا مرتبہ ظہور میں اعلی ہوگا اس پر عمل کیا جاوے گا اور جس کا مرتبہ خفا میں کم ہوگا اس پر جس

میں خفا زیادہ ہے، غالب ہوگا جیسا کہ تفصیل اس کی کتب اصول میں مذکور ہے۔
ہمارا مقصد اس تحریر میں عیسیٰؑ کی زندگی اور آخر زمانہ میں نازل ہونیکا بیان ہے۔ دلائل شرعیہ قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس ہیں۔ آیات قرآنیہ کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ بعد اس کے حدیث ہے۔ بعد ازاں اجماع ہے۔ اگر تینوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو قیاس مجتھد سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔ چونکہ اس مقصد کے اثبات کے واسطے قرآن اور احادیث اور اجماع موجود ہیں، قیاسی دلائل سے ثابت کرنا ضرور نہیں۔ لہذا ترتیب وار دلائل ثلاثہ کو واسطے اثبات اس مقصد کے بیان کرتا ہوں۔

قال اللہ تعالی: وقولهم انّا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول اللّه وما قتلوه وما صلبوه ولا کن شبّه لهم وانّ الّذين اختلفوا فيه لفى شکّ مّنه وما لهم به من علم الّا اتّباع الظّنّ وما قتلوه يقيناً ۔ بل رّفعه اللّه اليه وکان اللّه عزيزاً حکيماً۔ ترجمہ اس کا با محاورہ موضح القرآن سے معہ فوائد نقل کیا جاتا ہے۔ لعنت کی ہم نے اہل کتاب پر اور بسبب کہنے ان کے کہ تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح عیسی بیٹے مریم کے کو پیغمبر اللہ کا تھا۔ اور نہیں مارا اس کو اور نہ سولی دی اس کو، لیکن شبہ ڈال دیا گیا واسطے ان کے اور تحقیق جو لوگ کہ اختلاف کیا انہوں نے بیچ اس کے البتہ بیچ شک کے ہیں اس سے، نہیں واسطے ان کے ساتھ اس کے کچھ علم مگر پیروی کرنا گمان کا، اور نہ مارا اس کو بہ یقین بلکہ اٹھا لیا اس کو اللہ نے طرف اپنی، اور ہے اللہ غالب حکمت والہ۔

فائدہ۔ یہود کہتے ہیں کہ ہم نے مارا عیسی کو، اللہ نے فرمایا اس کو ہرگز نہیں مارا، خدا تعالی نے اس کی ایک صورت ان کو بنا دی اس کو صولی پر چڑھایا۔ پھر فرمایا کہ نصاری میں بھی اول سے یہی کہتے ہیں کہ مسیح کو مارا نہیں ہے وہ زندہ ہے لیکن تحقیق نہیں سمجھتے۔ کئی باتیں کہتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ بدن کو مارا ان کی روح اللہ پاس چڑھ گئی۔ بعضے کہتے ہیں مارا تھا، پھر تین روز میں زندہ ہو کر بدن سے چڑھ گئے۔ ہر طرح وہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کو نہیں مارا۔ سو یہ خبر اللہ کو ہے اس نے بتایا اس کی صورت کو مارا اور ان کے پکڑتے وقت نصاری سرک گئے تھے اور یہود ابھی نہ پہنچے تھے اس دن کی خبر نہ ان کو، نہ ان کو۔ تمام ہوئی عبارت موضح القرآن کی۔

چونکہ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ عیسیٰؑ کو مقتول یا مصلوب گمان کر کے ان کا

فوت ہونا قرار دیتے ہیں بالکل غلطی پر ہیں۔ اگر چہ شروع اس آیت کا واسطے مضمون مذکورہ کے بموجب قاعدہ اصول نص قطعی الدلالۃ تھالیکن تاکیداً بار بار بیان کرنا شارع کا اس مضمون کو اوراخیر میں آپ کا اٹھالینا جتلا کر کل احتمالات کا سلسلہ یک لخت کاٹ ڈالا۔ پس یہ آیت بموجب قاعدہ اصول، قسم مفسّر میں داخل ہوئی۔ البتہ لفظ بل رّفعه الله میں کسی قدر اجمال تھا، سوا حادیث میں یہ مضمون تفصیلاً آنحضرت ﷺ نے بیان فرما کر اس کا اجمال دور کر دیا کہ خدا نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا، قیامت کے نزدیک آپ آسمان سے نزول فرمائیں گے جیسا کہ صحیح بخاری اور اس کی شرح وغیرہ سے بجنسہ نقل کیا جاوے گا۔ خلاصہ مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ اس آیت سے زندہ اٹھا لینا آپ کا اسی جسم عنصری کے ساتھ قطعی طور پر ثابت ہے اور اس میں کسی احتمال کو گنجائش نہیں۔ پس یہ آیت واسطے ثبوت مضمون مذکور کے آیت اقیموا الصلوة سے، جو واسطے فرضیت نماز کے وارد ہے، یقینی ہونے میں بدر جہا عالی ہے کیونکہ یہ آیت اصل میں مجمل تھی۔ نماز کا ثبوت اس سے قبل بیان کرنے آنحضرت ﷺ کے نہیں ہوسکتا تھا اور آیت وما قتلوه واسطے مضمون مذکور کے نص اور مفسّر ہے خود بخود یہ آیت واسطے ثبوت زندگی عیسیٰؑ کے کافی اور وافی ہے جو شخص نماز کی فرضیت سے انکار کرے اس پر اہل اسلام کفر کا فتوی دیتے ہیں پس جو شخص زندگی عیسیٰؑ کا منکر ہو اس پر فتوی کفر کا دینا نہایت ضروری ہوا کیونکہ یہ آیت نماز کی آیت سے یقینی ہونے میں بہت عالی مرتبہ پر ہے۔۔ پس جو شخص نماز کے منکر کو کافر قرار دے اور عیسیٰؑ کی زندگی کے منکر کو ایمان دار اعتقاد کرے، پرلے درجے کا ضال اور مضل ہے۔ جب خدا نے زندگی عیسی کی یقینی طور پر بیان فرمائی اب بعد میں آپ کے انتقال کا حال بیان فرمایا

و ان من اهل الكتا ب الّا ليؤمننّ به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيداً۔ اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لائے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اسپر گواہ،

یعنی اہل کتاب آپ کو زندہ دیکھ کر ایمان لائیں گے اور ان کے کل شبہے رفع ہو جاویں گے بعد اس کے آپ انتقال فرمائیں گے جیسا کہ ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے والّذی نفسی بیده لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم

حکماً عدلاً ۔ واقرأوا ان شئتم و ان من اھل الکتا ب۔ الآیہ ۔ رواہ الشیخا ن ۔اگر چہ آیت میں اجمالاً بیان تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے بیان کرنے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ آخری زمانہ میں ضرور نزول فرماویں گے ۔یعنی جیسا کہ نماز کے واسطے آیت اقیموا الصلوۃ اورزکاۃ کے بارے میں و آتو الزکوۃ وارد ہے ان دونوں آیتوں میں حکم نماز اورزکوۃ کا اجمالاً مذکور ہے اوقات اورعدد رکعات وغیرہ نماز میں ضروری ہیں کسی ایک کا بھی ذکر نہیں، اسی طرح جوزکوۃ واجب ہونے کی شرائط اور اسباب شرعاًضروری ہیں اس آیت میں ان میں سے ایک بھی مذکور نہیں، فقط آنحضرت ﷺ کے بیان کرنے سے سب حال معلوم ہوا۔اسی طرح اگر چہ اس آیت میں ایمان لانا اہل کتاب کا حضرت عیسیٰؑ پر بیان ہے، نزول وغیرہ کا امور کا حال حضرت ﷺ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا ۔پس جیسا کہ آیت اقیموا الصلوۃ وآیت و آتوا الزکوۃ واسطے فرضیت نماز اور زکوۃ کے قطعیات سے ہے ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اسی طرح یہ آیت بھی عیسیٰؑ کی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کررہی ہے۔....

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر مظہری میں ضمیر قبل موتہ سے اہل کتاب کا فقط مراد لینا صحیح قرار دیا ہے اوراس کی تائید میں قرأۃ ابی بن کعب جو قبل موتھم کے لفظ کے ساتھ مروی ہے، پیش کی ہے اور نیز صاحب مظہری نے لفظ اہل کتاب سے آخری زمانہ کے یہود ونصاری کا مراد لینا بے وجہ ٹھہرایا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول ان کا بالکل بے اصل ہے ،اس واسطے کہ اکثر اہل علم نے حضرت عیسیٰؑ کا مراد لینا صحیح قرار دیا ہے اورقرأۃ ابی بن کعب جو قبل مو تھم کے لفظ کے ساتھ مروی ہے قبل موتہ کے مخالف نہیں ہے ۔کتب اصول میں لکھا ہے جہاں دوقرأتیں باہم مخالف نہ ہوں ،دونوں پرعمل کرنا لازم ہے جیسا کہ لفظ یتطھر ن میں دوقرأتیں تخفیف اورتشدید کے ساتھ مروی ہیں دونوں پرعمل کر کے علماء نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ تخفیف کی قرأۃ سے وہ عورت مراد لی جاوے جس کا حیض بعد دس روز کے بند ہوا ہے اس سے مجامعت کرنی شوہر کواسی وقت درست ہے،عورت کا غسل کرنا شرط نہیں، اورتشدید کی قرأۃ سے وہ عورت مراد لی گئی ہے جوقبل گذرنے دس روز کے حیض اس کا بند ہو گیا ہوتو ایسی عورت جب تک غسل نہ کرلے اس سے مجامعت کرنی شوہر کو درست نہیں ۔ اسی

طرح یہاں بھی دونوں قرأتوں پر عمل ہوسکتا ہے یعنی قبل موتہ زندگی عیسیٰؑ کی اور بل موتھم سے اہل کتاب کا زندہ ہونا مراد لینا درست ہے یعنی جب عیسیٰؑ آخر زمانہ میں نزول فرماویں گے جو اس وقت اہل کتاب اس وقت بقید حیات ہوں گے آپ کو زندہ دیکھ کر آپ پر ایمان لائیں گے جیسا کہ احادیث صحاح سے اس امر کا حق ہونا خود صاحب مظہری نے بڑی شدومد سے بیان کیا ہے۔ پس اہل کتاب کا مراد لینا ضمیر ثانی سے بوجوہات ذیل بالکل بے محل ہے۔

وجہ اول یہ ہے کہ ضمیر بہ سے عیسیٰؑ کا اور ضمیر قبل موتہ سے اہل کتاب مراد لینے سے ضمیروں میں انتشار لازم آتا ہے اور یہ امر اہل بلاغت کے نزدیک مذموم وقبیح ہے۔ پس کلام الٰہی میں ایسے احتمال کا جاری کرنا نہایت بے جا ہے۔

وجہ دوم یہ ہے کہ جب آیت کا سباق اور سیاق آپ کی زندگی وانتقال کے بیان میں ہے پس موت کا ذکر غیر کی طرف راجع کرنا خلاف عقل ونقل ہے۔

وجہ سوم یہ ہے کہ عیسیٰؑ کے مراد لینے سے دوسری دلیل واسطے ردّ منکرین حیوۃ کے قائم ہوتی ہے یعنی جب تک کل اہل کتاب ان پر ایمان نہیں لائیں گے وہ فوت نہیں ہونگے۔

وجہ چہارم یہ ہے کہ ایمان لانے والے کا زندہ ہونا امر لازمی ہے کیونکہ مرنے کے بعد تو کوئی شخص مکلّف نہیں رہتا۔ پس زندہ ہونا اہل کتاب کا وقت ایمان کے لفظ ایمان سے جو لیؤمنن میں مذکور ہے ثابت ہوگیا۔ قبل موتہ کی ضمیر سے دوبارہ ثابت کرنا بے فائدہ ہے۔ البتہ عیسیٰؑ پر ایمان لانے میں آپ کا زندہ ہونا واسطے ایمان لانے والوں کے شرط نہیں یعنی جیسا اور انبیاء پر ایمان لانے میں ان کا زندہ ہونا ضرور نہیں اسی طرح آپ پر ایمان لانا بعد ممات کے بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ وقت نزول عیسیٰؑ زمانہ آئندہ میں بقید حیات آپ کے ہونے والہ تھا، خدا تعالی نے بطور پیش گوئی کے قرآن میں بیان فرمادیا اور وہ بلا ارجاع ضمیر ثانی طرف عیسیٰؑ نہیں بن سکتا۔ اسی واسطے جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ضمیر ثانی سے مراد عیسیٰؑ ہیں جیسا کہ گذر چکا بیان اس کا پہلے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عیسی جو بموجب آیت پہلی کے آسمان پر زندہ ہیں، پس انتقال کرنا آپ کا جو اس آیت دوسری سے ثابت ہوتا ہے، بعد نزول کے ہوگا کیونکہ مر کر دفن ہونا زمین میں، بموجب فرمانے پروردگار کے وفیہا نعیدکم بدون

نزول کے ممکن نہیں، پس یہ دونوں آیتوں سے پورا واقعہ جو احادیث صحاح میں مذکور ہے، ثابت ہوا۔

وجہ پنجم یہ ہے کہ بر تقدیر مراد لینے اہل کتاب کے یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اگر اہل کتاب کا وقت مرنے کے ایمان لانا عیسیٰؑ پر پایا جاتا تو یہ امر نہایت شہرت پکڑتا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ہر اہل کتاب مرتے وقت خفیہ طور پر ایمان لاتا ہے کسی کو اس کے ایمان لانے کی خبر تک نہیں ہوتی لا طائل اور خلاف ظاہر ہے اور بر تقدیر مراد لینے عیسیٰؑ کے یہ آیت واسطے رد منکرین حیوۃ کے دلیل قاطع ہے یعنی جب عیسیٰؑ آخری زمانہ میں اہل کتاب کو زندہ معلوم ہوں گے اس وقت ان کے سب شبہ رفع ہو جائیں گے یقینی طور پر ان کو یہ امر ثابت ہو جاوے گا کہ جو حال عیسیٰؑ کا اہل اسلام بیان کرتے تھے وہی ٹھیک نکلا ہمارا کہنا سراسر جھوٹ تھا۔.....

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ دلالت کر رہی ہے کہ اٹھانا خدا تعالی کا عیسیٰؑ کو اپنی طرف بعد توفّی کے جو بمعنی موت کے ہے، پس ثابت ہوا اس آیت سے برخلاف آیت و ما قتلوہ مذکورہ بالا کے فوت ہونا عیسی کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیات قرآنی میں اصلی مخالفت نہیں ہے بلکہ ہماری سمجھ میں فرق ہونے سے مخالفت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً جو آیات کسی امر کی خبر دے رہی ہیں ان میں مخالفت کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس سے کلام الٰہی میں کذب لازم آتا ہے۔ اہل علم پر لازم ہے کہ ایسے مقام میں سوچ سمجھ کر وہ تاویل کرے جو کسی احکام قطعی کے برخلاف نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس مقام میں بنظر غور خیال کیا جائے تو بالکل مخالفت کا نام تک باقی نہیں رہتا کیونکہ بنا اس مخالفت کی اس امر پر ہے کہ معنی توفی کے ہر مقام میں موت کے ہیں حالانکہ یہ امر غلط ہے بلکہ معنی اس کے قبض اور استیفاء حق ہیں جو بغیر موت پائے جاتے ہیں جیسا کہ

اللہ یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجلٍ مسمّی، اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو نزدیک موت ان کی کے اور جو نہیں موئے قبض کرتا ہے ان کو بیچ نیند ان کی کے پس بند کر رکھتا ہے جس کو کہ مقرر کی ہے اوپر اس کے موت اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وقت مقرر تک۔

فائدہ۔ اس آیت میں توفی بمعنی قبض کے مستعمل ہے خواہ وہ قبض موت کے واسطے ہو یا نیند کے واسطے اور دوسری آیت میں توفی صرف نیند کے بارے میں مستعمل ہے

قال اللہ تعالیٰ و ھو الّذی یتوفّاکم با للّیل و یعلم ما جر حتم بالنّھار ثمّ یبعثکم فیه لیقضی اجل مسمّی ۔اور وہ جو قبض کرتا ہے تم کو بیچ رات کے اور جانتا ہے جو کماتے ہو بیچ دن کے پھر اٹھاتا ہے تم کو بیچ اس کے تو کہ پورا کیا جاوے وقت معین۔

فائدہ۔ ثابت ہوا ان دونوں آیتوں سے کہ توفی کے معنی موت کے نہیں ہیں بلکہ قبض کے ہیں پس اس بنا پر آیت انی متوفیک ...کے معنی آیت وما قتلوہ کے بالکل موافق ہو گئے یعنی میں تجھ کو اپنے قبضے میں کر کے اپنی طرف اٹھا لوں گا اگر بالفرض ان دونوں آیتوں میں تعارض صوری قرار دیا جائے تو اس کے واسطے احادیث کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے یعنی جس آیت کو حدیث تائید دے اسی پر عمل کرنا لازم آتا ہے۔ سو اس امر پر احادیث پکار پکار کر بیان کر رہی ہیں کہ عیسیٰؑ آخر زمانہ میں آسمان سے نزول فرما کر انتقال فرماویں گے اس مقام پر چند احادیث بطور اختصار کے بیان کی جاتی ہیں:

روی البخاری عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ والّذی نفسی بیدہ لیو شکن ان ینز ل .... الخ..یعنی امام بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جو جان میری اس کے ہاتھ میں ہے نزدیک ہے کہ نازل ہوں گے تم میں عیسی بیٹے مریم منصف عدل کرنے والے توڑ دیں گے صلیب نصاری کی اور قتل کریں گے خنزیر کو اور ان کے زمانہ میں کافروں سے جزیہ لے کر ان کو امان دینے کا حکم نہیں رہے گا بلکہ جو شخص ایمان قبول نہیں کرے گا اس کو قتل کیا جاوے گا یعنی کوئی کافر ان کے زمانہ میں رعیت بن کر زندہ نہیں رہ سکے گا اور مال اس وقت بہت ہو جاوے گا یہاں تک کہ مال کو کوئی قبول نہ کرے ایک سجدہ اس وقت میں سب جہان سے بہتر ہوگا پھر پڑھا ابو ہریرہ نے اس حدیث کی سند میں یہ آیت و ان من اھل الکتا ب ....یعنی اگر تم کو اس مضمون میں شک ہے تو اس آیت سے اپنے شک کو رفع کرو کیونکہ اس کا مضمون بھی اسی حدیث کے موافق ہے۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ جب عیسی نزول فرمائیں گے نماز میں امام تمہارے میں سے ہوگا یعنی عیسیٰؑ مقتدی ہو کر نماز ادا کریں گے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ اپنی نئی شریعت

جاری کریں گے اور نزول آپکا دمشق میں ہوگا، قوم یہود آپ کے پاس آکر کہیں گے کہ ہم آپ کے اصحاب ہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور اسی طرح نصاری کو کہا جاوے گا فرماویں گے کہ اصحاب میرے وہ ہیں جو مہاجرین ملحمہ سے باقی رہے ہیں۔ پس پاویں گے ان کے خلیفہ کو جوان کو نماز پڑھا رہا ہوگا، آپ کو دیکھ کر وہ پیچھے کو ہو جاوے گا۔ آپ فرماویں گے تو ہی نماز پڑھا۔ تحقیق خدا تعالی تیرے سے راضی ہے مجھ کو خدا تعالی نے وزیر کر کے بھیجا ہے نہ امیر کر کے اور ٹھہرنا آپ کا بعد نزول کے زمین پر بقید حیات چالیس برس تک روایت کیا گیا ہے اور نکاح کریں گے تاکہ معلوم ہو لوگوں کو کہ یہ خدا نہیں ہیں اور اولاد بھی ہوگی اور دفن کئے جاویں گے پیغمبر خدا ﷺ کی قبر میں۔ یہ سب عینی شرح بخاری میں مذکور ہے۔

چونکہ نزول عیسیٰؑ کا آسمان سے یقیناً ثابت ہے اسی واسطے کتب عقائد میں درج کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے عقیدے میں اس امر کو یقینی خیال کر کے ایمان لائے کہ عیسیٰؑ آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ عقائد نسفی جو بڑی معتبر کتاب عقائد کی ہے لکھا ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان کی ہیں، دجال کا آنا اور نزول عیسیٰؑ کا آسمان سے اور طلوع آفتاب مغرب کی طرف سے، سب حق ہے کیونکہ مخبر صادقؐ نے ان کی خبر دی ہے۔ حذیفہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ اور ہم باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا باتیں کرتے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کے آنے کا ذکر کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت ہرگز نہیں آئے گی جب تک دس نشانیاں نہیں ہولیں گی۔ پھر ذکر کیا دجال اور دابۃ الارض اور طلوع آفتاب کا مغرب سے اور نزول فرمانا عیسی کا آسمان سے اور یاجوج ماجوج کا آنا اور تین خسوف ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب اور تیسرا جزیرے عرب میں، اور نشانیوں کے بعد آگ نکلے گی یمن سے ہانکے گی لوگوں کو میدان محشر کی طرف۔ اس بیان میں احادیث صحیحہ کثرت سے ہیں بڑی بڑی کتابوں میں یہ امور تفصیل وار بیان ہیں۔ پس جب بموجب تحقیق بالا حیات اور نزول آپ کا آیات اور احادیث اور اجماع سے ثابت ہوا منکر ان امور کا بے شک کافر ہوگا۔

غرض ہماری اس تحریر سے یہ نہیں کہ قادیانی مسئلہ مذکورہ سے منکر ہونے کے باعث

ہی کافر ہے بلکہ غرض ہماری تحقیق حق ہے کہ اگر قادیانی میں اور کوئی وجہ ارتداد کی نہ ہوتی تو بھی اس مسئلہ کے انکار سے اس پر کفر عائد ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا مرتد ہونا اور کئی وجوہ سے ثابت ہے چند وجوہ بطور اختصار بیان کی جاتی ہیں۔ ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۷ میں اس مرتد نے لکھا ہے کہ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار تھیں اور ازالہ اوہام ... میں لکھا ہے کہ عیسی اپنے باپ یوسف کے ساتھ نجاری کا کام کرتے رہے ہیں۔ یہ سب کفر ہے، خدا تعالی اپنے کلام میں بیان فرماتا ہے کہ ہم نے عیسی کو بلا باپ پیدا کیا، یہ مرتد ان کا باپ یوسف نجار کو بیان کرتا ہے۔ اور جو معجزے قرآن شریف میں خدا تعالی نے عیسیٰؑ کے بیان فرمائے ہیں ان کو ازالۃ الاوہام .. میں اس نے لکھا ہے کہ وہ شعبدہ بازی کی قسم سے ہیں اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے۔ اس کلام کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ خدا نے وہ معجزات برخلاف عادت واسطے ایمان لانے لوگوں کے عیسیٰؑ کے ہاتھ پر ظاہر کئے ان کو یہ مرتد عمل مسمریزم اور بے سود بتاتا ہے۔ ازالۃ الاوہام ... میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سورۃ الزلزال کے معنی نہیں سمجھے۔ توضیح مرام میں اس نے لکھا ہے جبریلؑ کبھی زمین پر نہیں آئے، نہ آتے ہیں ملخصاً۔ صفحہ ۶۸، ۷۰، ۸۵ لکھتا ہے انبیاء جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ)۔ ازالۃ الاوہام .. میں کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی وحی بھی غلط نکلی۔ ازالۃ الاوہام ... میں کہا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو ابن مریم اور دجال، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض کی خبر نہیں دی۔ ازالۃ الاوہام... میں کہا کہ براہین احمد یہ خدا کا کلام ہے۔ اور قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وہ مسمریزم ہیں۔..اور قرآن میں انّا انزلناہ قریباً مّن القادیان موجود ہے۔..مکہ مدینہ قادیان تین شہروں کے نام قرآن میں اعزاز کے ساتھ لکھے ہیں... حضرت رسول اکرم خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں ... قیامت نہیں ہوگی تقدیر کوئی چیز نہیں .. آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا... عذاب قبر نہیں ہے۔ اور ست بچن صفحہ ۸۴ پر لکھا کہ تناسخ صحیح ہے۔... وما توفیقی الا باللہ.. (فتاوی قادریہ۔ ص ۲۷۔۴۷)

(ضمیمہ انجام آتھم، جس کے حوالے اس تحریر میں ہیں، کے آخر پر تاریخ تحریر ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء درج ہے۔ اس کے شائع ہونے کے بعد اس کے حوالے سے لکھی جانے والی مولانا محمد لدھیانوی کی یہ تحریر غالباً وسط ۱۸۹۷ء کی ہے)

گولڑوی شمس الہدایت

ازالۃ الاوہام میں مرزا صاحب نے ممات مسیح کے جو دلائل بیان کئے ہیں اور جن آیات سے استدلال کیا ہے، ان کے جواب میں پیر مہر علی گولڑوی مرحوم نے شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح کے عنوان سے ۱۹۰۰ء (۱۳۱۷ھ) میں ایک کتاب تالیف فرما کر رمضان ۱۳۱۷ھ میں شائع کروائی۔ مولوی فیض احمد بتاتے ہیں کہ پیر صاحب نے اس کتاب میں:

> پہلے مرزا کے دلائل بیان کئے ہیں۔ پھر ان کی تردید کر کے حضرت عیسی کے بجسد عنصری زندہ اٹھائے جانے اور قرب قیامت دوبارہ نزول فرما کر اسلام کی نصرت کا باعث بننے کو قرآن و حدیث سے نہائت زبردست دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور اسے امت اسلامیہ کے متفق علیہ عقاید سے قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت کیا کہ ان کی موت اور ان کے مثیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد باطل ہیں۔ کتاب سوالات اور جوابات کے رنگ میں۔ چند ابحاث کا خلاصہ یوں ہے:
>
> سوال۔ اہل اسلام کا مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانیکے بارے میں عقیدہ اجماعیہ کیا ہے؟
>
> جواب۔ اکثر و بیشتر اہل اسلام حضرت مسیح ابن مریم کے اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ جسم برزخی تھا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہی مسیح ابن مریم دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔
>
> سوال۔ یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماع کورانہ ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے یا قرآن وحدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟
>
> جواب۔ ارشاد باری ہے و ما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ (یعنی یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالی نے آپ کو اپنی طرف اٹھا لیا)۔ یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم

کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

سوال۔ بل رّفعه الله اليه سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادت محاورہ قرآن یا ایّتها النّفس المطمئنّة ارجعی الی ربّکِ راضيةً مرضية جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عنداللہ معزز و مکرم ہوئے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں حسب محاورہ قرآنیہ اور اہل لسان بل، جس کا ترجمہ بلکہ ہوتا ہے، ابطال ماقبل کے لئے ہے۔ یعنی اللہ تعالی زعم یہود کو، جو حضرت مسیح ابن مریمؑ کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے، باطل فرماتا ہے اور ماقبل اور مابعد اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں متحقق نہیں ہوتے بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے۔ مثلاً وقالوا اتّخذ الرّحمن ولداً بل عباد مکرمون، میں ولدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے اور ام يقولون به جنّة بل جاء هم بالحق میں جنون کا ابطال اور ایتان بالحق کا اثبات ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اس کو عزت دی۔ عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں لفظ بل سے پہلی اور پچھلی (بعد والی) کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرابیہ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکور میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو۔ یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالی کے حکم سے اس کی طرف اٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہو، اور دونوں چیزیں جمع نہ ہوسکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ دونوں یکجا پائے جا سکتے ہیں۔ مقربین میں جو قتل کیا جاتا ہے، عالم علوی کی طرف اس کا رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے۔ پس رفع سے مراد رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ حضرت مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی میں ہی تضاد ہوسکتا ہے۔ اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا۔ اور اگر مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ بحفظ وامان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوسکتے۔ بہرحال یہ آیت نص صریح ہے کہ مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ اٹھائے گئے۔ اور یہ سوال غلط ہے کہ خدائے تعالی کی طرف اٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خدائے تعالی کے لئے بھی کوئی مکان ہو

جہاں پر حضرت عیسی کو اٹھایا گیا ہو، کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالم علوی اور سماوات کی طرف اٹھایا جانا مراد لیا ہے چنانچہ آیت الیہ یصعد الکلم الطیّب والعمل الصّالح یرفعہ وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین یہی معنی لیتے چلے آرہے ہیں کہ اعمال صالح اور کلمات طیّبات آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں جو محل قبول خیرات ہے اور مقام علیّین اور اعلی الدّرجات۔

القول الجمیل تصدیق المثیل ، کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کا قول ہے کہ حضرت عیسی کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن اور حدیث میں لفظ سماء نہیں آیا، رفعہ اللہ الی السّماء اور ینزل من السماء کہیں وارد نہیں۔ پیر صاحب نے ان سے استفسار کیا کہ بھلا صاحب ! یہ تو فرمایئے کہ بل رّفعہ اللّٰہ الیہ جس کا مدلول خدا کی طرف مرفوع ہوتا ہے، رفع روحانی ہی سہی ، کس طرح متحقق ہو گا ؟ اور ایسا ہی ارجعی الی ربّک میں اپنے رب کی طرف نفس کے رجوع کی کیا صورت ہوگی ؟ اور کلمات طیّبہ اور عمل صالح کا خدائے پاک کی طرف مرفوع ہونا کیسے ہوگا ؟ اس کا جواب یہی ہوگا

جیسا احادیث میں وارد ہے کہ خدا کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا یا چڑھ جانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آسمان کو جو عباد مکرمین کا محل ہے قرارگاہ ان کی بنایا جائے، نہ کہ بجائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر مقرر کیا جائے۔ ایسا ہی رفع جسمی کی صورت میں بھی الیہ کا ملاحظہ فرما کر سماء کو مذکور سمجھیں۔ پس رفع الی اللّٰہ اور رفع الی السّماء اور رجوع الی الرّب اور صعود الی الرّب اور صعود علی السّماء متساوق فی المعنی ہیں اور احادیث میں تو صراحتاً بھی لفظ سماء آ گیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کے اصول موضوعہ میں سے تقابل قرآن اور حدیث صحیح بھی ہے کہ اس مغالطہ سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ جب عوام کالانعام سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی ؟ مخاطبین بے چارے حسب لیاقت خود بول اٹھتے ہیں کہ خدائے تعالی کی کلام مقدم ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا، کہ آپ سوال تقدیم وتاخیر از راہ عظمت ومنزلت فرما رہے ہیں یا از قبیل تفصیل و بیان؟ اگر من حیث العظمت ہے تو سب اہل اسلام کلام الہی کو زائد العظمت مانتے ہیں۔ لہذا نماز

کا رکن کلام الٰہی ہوسکتی ہے، نہ حدیث۔ اور اگر بجہت تفصیل وتشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے کیونکہ پہلے مضمون تفصیلی حدیث شریف کا ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمال آیت کو ہم سمجھیں گے۔ ہاں صحت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ﷺ کو حکیم مطلق لا تدرکه الابصار نے اس لئے اپنے اور ہمارے درمیان برزخ قرار دیا ہے کہ برزخ کے پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے مبارک منہ سے بمعہ تشریح سن لیں،

جیسا کہ ارشاد: انزل علی عبدة الکتاب و لم یجعل لّه عوجاً (اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی) ؛انا انزلنا الیک الکتاب بالحقّ لتحکم بین النّاس بما اراک الله ولا تکن للخائنین خصیماً (ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دکھایا اس کے مطابق لوگوں میں حکم فرمائیں اور خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنیں) ؛ وما انزلنا علیک الکتاب الّا لتبیّن لهم الّذی اختلفوا فیه و هدی و رحمةً لّقومٍ یّؤمنون (اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لئے کہ آپ صاف طور پر وہ چیز بیان کردیں جس میں انہیں اختلاف ہے۔ اور ہدایت ورحمت اس قوم کے لئے ہے جو ایمان لاتے ہیں) ؛و انزلنا الیک الذکر لتبیّن للنّاس ما نزّل الیهم و لعلّهم یتفکّرون۔ (اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ چیز بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کی گئی اور شائد کہ وہ فکر کریں) ؛ الا انی او تیت القرآن و مثله معه (یعنی السنّه) (خبردار میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں، اسی برزخ سے مخصوص ہے۔

ایسا ہی ذمہ داری، انّ علینا جمعه و قرآ نه ثمّ انّ علینا بیانه، بے شک قرآن کا جمع کرنا، اس کا پڑھنا اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے، اسی کو شایان ہے۔

اس کے بعد پیر صاحب نے مسیح ابن مریم کے بجسد عنصری رفع الی السماء اور نزول من السماء پر چالیس کے قریب احادیث اور آثار صحابہ کی تخریج فرمائی جن میں اکثر کے اندر لفظ سماء موجود ہے، جنہیں بخاری، مسلم، مسند امام احمد، تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، درّ منثور اور کنز العمال شامل ہیں اور جن کی روایت حضرات عائشہ، ابن عباس، ابن مسعود، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عثمان بن ابی العاص، ابی امامہ، جابر، سمرہ بن جندب، عمرو بن عوف، حذیفہ بن اسید، حذیفہ بن یمان، عمران بن حصین، کیسان، ابی

شریحہ، نواس ابن سمعان، اور مجمع بن جاریہ، رضی اللہ تعالی عنھم۔

اس کے علاوہ پیر صاحب نے مزید آٹھ وجوہ سے مرزائیوں کے اس دعوی کا ابطال کیا کہ رفع روحانی تھا، جسمانی نہ تھا۔ مرزا صاحب کی اس تاویل کو کہ نزول مسیح سے میرا ظہور مراد ہے جو مثیل مسیح ہوں بدلائل مضحکہ خیز ثابت کیا۔ یہی حشر اس زعم باطل کا ہوا کہ دجال ایک شخص معین نہیں بلکہ پادری دجال ہے جنہیں میرے دلائل نے قتل کر دیا ہے، اور (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کو دجال شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا۔ پیر صاحب کہتے ہیں کہ غلطی پر قیام نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت انّی متوفّیک ... الخ میں توفّی کو موت کے معنی میں لینے کا ابطال صحابہ اور تابعین کی تفاسیر سے کماحقّہ کرنے کے بعد پیر صاحب کہتے ہیں کہ اگر توفی سے موت کے معنی بھی لئے جائیں تو مرزا صاحب کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں متوفّی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دونگا۔ یہ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہل اسلام اس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قد خلت من قبلہ الرّسل میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسی کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ پیر صاحب کہتے ہیں، اس طرح آیت سنّۃ اللّٰہ الّتی قد خلت کے معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنت الٰہی مر چکی ہے۔ اور اذا خلو الی شیاطینھم کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں کی طرف جاتے تھے، تو مر جاتے تھے۔

سیف چشتیائی

شمس الہدایہ کے جواب میں محمد احسن امروہی نے شمس بازغہ لکھی ۔ اور مرزا غلام احمد نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر اعجاز مسیح تالیف کر کے اسے اعجازی قرار دیا۔ تب پیر مہر علی مرحوم نے سیف چشتیائی ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۲ء) میں تالیف فرمائی۔ جس میں اعجاز مسیح پر ایک سو اعتراض اور اشکال وارد کر کے لکھا کہ مؤلف نے نہ صرف لغت اور صرف ونحو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ شمس الہدایہ پر اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد کیا۔

سیف چشتیائی میں پیر صاحب نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سورہ فاتحہ موسومہ اعجاز المسیح پر صرف ونحو، لغت، بلاغت، معانی، منطق، محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ تحریف التباس کے قریباً یک صد اعتراضات فرمائے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

قادیانی۔ صفحہ۲۔ دخلت راحتها من بخل المزنة

گولڑوی۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلت کا خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔ اور تعلیلیہ موہم ہے معنی غیر مراد کی طرف۔ اس لئے یہاں لام کا محل ہے۔

قادیانی۔ صفحہ۳۔ من کلّ نوع الجناح

گولڑوی۔ کلمہ کل معرفہ پر احاطہ اجزاء کا فائدہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصود نہیں اس لئے نوع للجناح چاہیے تھا۔

قادیانی صفحہ۳۔ کل امر هم علی التّقوی۔

گولڑوی۔ یہاں بھی کل مجموعی خلاف مراد ہے۔ اس لئے کل امرٍ لهم چاہیے تھا۔

قادیانی۔ وعندی شهادات من رّبّی لقوم مستقرین و آيات بيّناتٍ للمبصرين وجه كوجه الصّادقين۔

گولڑوی۔ و وجہ عطف ہے شہادات پر گویا و عندی وجہ ہوا اور یہ خلاف محاورہ ہے کیونکہ جز پر عند نہیں آتا۔

قادیانی ۔این الخفا فا فتحوا العین ایّھا العقلاء

گولڑوی ۔ فافتحوا پر فا کا لانا بے محل ہے کیونکہ فا کا ماقبل اس کے مابعد کے لئے سبب ہوتا ہے اوراس جگہ برعکس ہے، عدم الخفاء سبب فتح العین کے لئے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفاء کے لئے ۔

قادیانی ۔صفحہ ۸ ۔ حتی اتخذ الخفافیش و کراً الجنانھم

گولڑوی ۔ترجمہ یہ ہے ۔ یہاں تک کہ چمگادڑوں نے مخالفین کے دل کو آشیانہ بنالیا ۔ جنانھم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لئے اور وکراً دوسرا مفعول ۔ اتخذ چونکہ بنفسہ متعدی الی المفعولین ہے ۔لہذا لام لانا فضول ہے ۔ دوسرا تقدیم مفعول ثانی کی بے وجہ ہے ۔اور تیسرا جنان اور وکر کا بہ لحاظ ماقبل یعنی قولھم و فضلھم و اعیانھم جمع ہونا چاہیے ۔

قادیانی ۔صفحہ ۹ ۔ و اکفروہ مع مریدیہ و اعوانہ و انزل اللّٰہ کثیراً من الآی فما قبلوا ۔

گولڑوی ۔ و انزل اللّٰہ کثیراً فصل کا محل ہے کوئی کلمہ دالّہ علی الفصل چاہیے ۔

قادیانی ۔صفحہ ۳۰ ۔و جعل قلمی و کلمی منبع المعارف ۔

گولڑوی ۔ منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیے ۔

قادیانی ۔صفحہ ۴۱ ۔ فقد انعدم علمہ کثلج ینعدم با لذوبان

گولڑوی ۔انعدم کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے عدم چاہیے، دیکھو قاموس ۔

قادیانی ۔صفحہ ۸۱ ۔و ھذا الرجیم ھو الّذی ورد فیہ الوعید اعنی الدجال ۔

گولڑوی ۔عجیب مسئلہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں جو شیطان ہے اس سے مراد تو ابلیس ہے اور رجیم جو اس کی صفت ہے اس سے مراد دجال ہے جسے عیسیٰؑ قتل کریں گے ۔آج تک یہی سنا تھا کہ موصوف اور صفت کا مصداق ایک ہی ہوا کرتا ہے مگر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مرزا صاحب نے کیسے ثابت کردیا کہ ان کا مصداق مغائر بھی ہوتا ہے ۔سبحان اللہ ۔

قادیانی ۔صفحہ ۱۳۵ ۔ قد استنبت ھذہ النکتۃ من قولہ الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

گولڑوی۔ مرزا جی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں وله الحمد فی الاولی و الآخره دو احمد کی طرف اشارہ ہے۔ ایک اولی، احمد مصطفیٰ ﷺ ۔ دوسرا آخرۃ، احمد بن غلام مرتضی ۔ سبحان اللہ! عجیب استنباط ہے۔

قادیانی۔ الزم اللّٰه كافّة اهل الملّة

گولڑوی۔ کافّة کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قادیانی۔ الا على النّفس الّتى سعى سعيها

گولڑوی۔ سعی کی جگہ سعت مؤنث چاہیے۔

قادیانی۔ صفحہ ۱۴۰ ۔ و ذلک وقت المسيح الموعود و زمان هذا المسكين و اليه اشار فى آية يوم الدّين۔

گولڑوی۔ لعنة اللّٰه على الكاذبين المحرفين

قادیانی۔ صفحہ ۱۴۳۔ و سمّى زمان المسيح الموعود يوم الدّين۔

گولڑوی۔ ثانیاً لعنة اللّٰه على الكاذبين المحرفين۔

قادیانی۔ صفحہ ۱۵۹۔ الا قليل الذى هو كالمعدوم۔

گولڑوی۔ فصیح بلیغ ملیح صاحب موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔

☆ مرزا صاحب نے اپنی اس تفسیر کو کلام اللہ کا مثیل اور اعجاز میں قرآن مجید کا ظل بتایا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

انّ كلامى هذا قد جعل من المعجزات (ایں کلام من بطور معجزہ گردانیدہ شد) و ایّ معجزة اعظم من اعجاز قد وقع ظلّ القرآن و شانه كلام اللّٰه فى كونه ابعد من طاقة الانسان (وکدام معجزہ ازاں معجزہ بزرگ تر خواہد بود کہ قرآن را ہم چوں ظل واقع شدہ وکلام الٰہی را در خارق عادت بودن مماثل گشتہ)

پیر صاحب نے مرزا صاحب کے اس معجزانہ کلام میں صرف مقامات حریری سے ہی بیس مسروقہ عبارات کی نشان دہی فرمائی جہاں مرزا نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کے سوانح نگار ڈاکٹر بشارت احمد نے اپنی کتاب مجدد اعظم میں اسے توارد قرار دیا ہے یعنی اعجازی اور الہامی کلام کا صدور اور ورود انسانی طاقت سے بالا اور بعید قرار دیا جا رہا ہے اس میں صرف مقامات حریری سے بیس تواردات پائے جاتے ہیں۔ بشارت صاحب

کہتے ہیں کہ پیر صاحب مرزا صاحب کے مقابلہ پر لکھتے بھی تو کیا لکھتے۔ (مولوی فیض احمد کہتے ہیں) واقعی پیر صاحب کے کسی مبتدی شاگرد سے بھی ایسا غلط کلام وجود میں نہیں آ سکتا تھا جیسا کہ مرزا کے ملہم سے صادر ہوتا رہا۔ مثلاً الارض و السماء معک کما ھو معی، جہاں نہ تثنیہ کی خبر ہے نہ تانیث کی۔ (مہر منیر۔ص ۲۴۶۔۲۴۸)

☆ بانی مرزائیت نے اپنے ابتدائی دور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو وعدہ الٰہی کے خلاف بتایا تھا مگر جب خود دعوی نبوت کیا تو اس طرح کا استدلال کرنے لگے کہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت ان تک ہی محدود رہی۔ یعنی جب میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی معہ نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوی کیا۔ مؤلف شمس بازغہ نے بھی اسی استدلال کا اعادہ کیا اور اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی اشھد انّ محمداً خاتم النّبیّن لا نبیّ بعدہ تحریر کیا اور کہا کہ یہاں نبی سے وہ انبیاء مراد ہیں جن کی نبوت اصالتاً ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباع کامل ظلی طور پر نبوت و رسالت کے مدعی ہیں نہ اصالتاً۔

پیر صاحب نے اس کا ردّ کرتے ہوئے لکھا کہ بانی مرزائیت نبوت اصلیہ کے مدعی تھے نہ کہ نبوت ظلیہ کے۔ اور ظلیت، بروز اور فنا فی الرسول کے الفاظ کو بظاہر سپر بنا رکھا تھا۔

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مجریہ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے: چنانچہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحقّ لیظھرہ علی الدّین کلّہ

(وہ خدا جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ سب ادیان پر اسے غالب کر دے)، اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔

یہ آیت سورۃ فتح کے رکوع آخر میں موجود ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آپ کے دین کے غالب کر دینے کا ذکر ہے۔ پیر صاحب کہتے ہیں:

اول تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سنائی دے، جیسا کہ اکثر حفاظ اور شاغلین کو کثرت استعمال و خیال کے سبب ایسا ہوا کرتا ہے، یا

فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی، تو وہ شخص بشہادت اس آیت کے رسول کہلانے کا مجاز ہو۔ یا ایسا ہی اقیموا الصلوۃ و آتو الزکوۃ کے سننے سے کوئی دعوی نہیں کرسکتا کہ میں نبی اور رسول ہوں اور نئی نماز اور نئی زکوۃ کا حکم مجھ پر نازل ہوا ہے۔لیکن بر تقدیر الہام آیت مذکورہ (ھو الذی ارسل ...الخ) بفرض محال اگر رسول کہلانے کا مستحق بنے تو اسی معنی سے رسول ہو جو معنی اس آیت میں مراد ہیں یعنی اصل رسول ۔ ورنہ دلیل اس دعوی پر منطبق نہ ہوگی کیونکہ دعوی میں رسول ظلی اور دلیل یعنی ارسل رسولہ میں رسول اصلی۔اور نیز رسولہ سے رسول ظلی مراد لینے کی تقدیر میں کلام الٰہی میں تحریف معنوی لازم آئے گی۔لہذا استدلال بآیت مسطورہ بالا بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ دعوی اصلی نبی ہونے کا ہے۔

☆ اسی اشتہار، ایک غلطی کا ازالہ ، میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل بانی مرزائیت نے پیش کی تھی : ولکن رّسول اللّٰہ و خاتم النّبییّن میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالی اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا کوئی عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان لفظ نبی کو اپنی نسبت ثابت کرسکے۔نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئی ہیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرّسول کی۔پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔

اس کے جواب میں پیر صاحب لکھتے ہیں:

اگر صرف فنا فی الرّسول کا مقام ہی رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر جن کی شان میں لو کنت متخذاً خلیلاً لا تّخذ ت ابا بکر خلیلاً (اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا) فرمایا۔اور ایسا ہی عمر فاروق نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری اور معنوی کے اور علی مرتضی نے باوجود بشارت انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسی۔(تیرا مقام مجھ سے ایسا ہے جیسا ہارون کا موسی سے)۔....کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلوایا۔

پھر پیر صاحب کہتے ہیں ؛ بعد آنحضرت ﷺ کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لئے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظلی ۔ اگر ظلی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فنا فی الرسول کا مقام مجوز اس کا ہوتا، تو سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اور انصار تھے جن کا ذکر خیر کتاب وسنت میں موجود ہے اور جنہیں اللہ نے سورۃ فتح میں ان الفاظ سے یاد کیا ہے: و الذین معه اشدّاء علی الکفّار رحماء بینهم ترا هم رکّعاً سجّداً یبتغون فضلاً من الله و رضوا ناً ۔ (محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں ۔ تو انہیں رکوع کرنے اور سجدہ کرنے والہ پائے گا ۔ وہ اللہ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں)

☆ معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت

بانی مرزائیت نے آنحضرت ﷺ کے معراج کو روحانی قرار دیا ۔ اس کی تردید میں پیر مہر علی مرحوم لکھتے ہیں:

. معراج جسمی آنحضرت ﷺ بحالت بیداری آیت ذیل سے ثابت ہے سبحان الّذی اسری بعبده لیلاً مّن المسجد الحرا م الی المسجد الاقصی ۔ کیونکہ لفظ سبحان کا اطلاق اسی موقعہ پر ہوتا ہے جہاں کسی عظیم الشان اور مستبعد اور محال عادی کا ذکر ہو ۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جانا یا اطراف السماوات والارض میں سیر کرنا کوئی امر مستبعد اور ممتاز طور پر نبی کا خاصہ نہیں ۔ نیز اسری کا استعمال نیند میں نہیں آتا (قاضی عیاض) ۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی اسراء مثل اور انبیاء کے کشفی اور روحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالت بیداری ہوئی ۔

اسکے بعد پیر صاحب نے متعدد احادیث اور تفاسیر کے حوالہ سے ثابت کیا کہ معراج جسمی کے منکرین غلطی پر ہیں ۔

معراج جسمانی کے خلاف ایک اور دلیل جو بانی مرزائیت کی طرف سے دی گئی یہ تھی کہ نیا اور پرانا فلسفہ اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرّہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے ۔ بس اس جسم کا کرّہ ماہتاب یا کرّہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے ۔

پیر صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلالات سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں۔ نیز استدلال موقوف ہے امور ذیل کے ثبوت پر۔ ورنہ خرط القتاد

۱۔ اتحاد نوعی کل طبقات ہوائیہ کا۔ ۲۔ لوازم طبقات ہوائیہ کا از قبیل لوازم ماہیت ہونا۔

۳۔ تبدّل فصول کا مؤثر نہ ہونا خصوص کیفیات کے تغیر میں۔

۴۔ لزوم کا ضروری ہونا نہ عادی۔

امور مذکور سے اگر صرف امر چہارم ہی کا خیال کیا جائے تو بشہادت (یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم ۔ اے آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر) کے حرارت و برودت وغیرہ کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ فاعل مختار اور حکیم مطلق جس نے حضرت ابراہیم کے لئے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہریری کرّہ کی برودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت اپنے ایک مقبول بندے کے متبدل کر دے۔

آگے چل کر اس اعتراض کے جواب میں کہ آیت مذکورہ (قلنا یا نار... الخ) بھی عندالخصم ماوّل ہے، پیر صاحب کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور سچ ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہذا آیت مذکورہ کو امتناع انفکاک الحرارت عن النار کی بنا پر ماوّل ٹھہرانا سراسر تعصب ہے۔ الغرض جسم خاکی کے آسمان پر جانے کے محال ہونے کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی ۔ اور جنہوں نے اس پہلو کو اختیار کیا ہے اور صرف عقل جزئی کو مشعل راہ بنا کر نصوص میں ردو بدل کیا ہے انہیں اس مسلک میں تین وجہ سے دھوکہ ہوا:

۱۔ ایک تو عقل جزئی کے استقرار ناقص کا نام قانون قدرت رکھا اور ظاہر ہے کہ جزئیات معدودہ کے احوال پر نظر ڈالنے سے قاعدہ کلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مستبعدات عقلیہ کو محالات عقلیہ سے شمار کیا۔ اور۔

۳۔ آیات واحادیث کو ان معانی پر محمول کیا جو بالکل برعکس ہیں ان لوگوں کے جنہوں نے نور نبوت سے بالمشافہ معانی مرادہ کا استفادہ کیا۔

☆ تعارض عقل ونقل کا مسئلہ

اس بحث میں پیر مہر علی مرحوم ایک اہم سوال یہ قائم کرتے ہیں۔

سوال ۔ تعارض عقل ونقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اصل ہے نقل کے لئے اور جب تک دلائل عقلیہ کی رو سے وجود صانع نہ مانا جائے تب تک تصدیق بالنقل و بما جائت به الرّسل علیهم السّلام متصور نہیں ہوسکتی ۔ تقدیم عقل کی وجہ سے ہی نصوص قطعیہ میں تخصیص عقلی کو ضروری سمجھا جاتا ہے کما فی انّ اللّٰه علی کلّ شیء قدیر ۔ بنا براں ارادہ معراج روحی اور نزول بروزی بلکہ کل معجزات و خوارق کا ماوّل ٹھہرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں پیر صاحب لکھتے ہیں:

یہ امر قابل غور ہے کہ قضیہ ذیل (العقل اصل للنقل)میں عقل سے مراد کیا ہے ۔ بعد تدبر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مراد عقل سے جوہر مدرک یا قوت عاقلہ نہیں کیونکہ اس معنی کی رو سے عقل اور نقل میں تعارض نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جوہر مدرک یا قوت عاقلہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لئے ۔ اور ظاہر ہے کہ شرط کبھی معارض اور منافی نہیں ہوتی مشروط کے لئے ۔ پس معلوم ہوا کہ مراد عقل سے وہ معرفت اور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے ۔ اور یہ امر ضروری نہیں کہ ہر علم و ادراکِ عقلی اصل اور دلیل ہو سمعی ونقلی کیلئے کیونکہ سمعیات اور نقلیات کی صحت کا توقف صرف انہی عقلیات پر ہے جن کی رو سے تصدیق بصدق الرّسول ﷺ حاصل ہو۔ چنانچہ (الصانع موجود) وهو مصدّق الرّسل علیهم السلام بالآیات والمعجزات ۔ اس سے واضح ہوا کہ قضیہ مذکورہ (العقل اصل لنقل)کلیہ نہیں بلکہ اس میں حکم انہی بعض عقلیات پر ہے جو موجب تصدیق بصدق رسول ﷺ ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ محل بحث کو یعنی (الرفع والنزول الجسمیان وامثالهمامن المحالات ۔ رفع اور نزول جسمانی اور ایسے دیگر محالات) جو منجملہ عقلیات ہیں کوئی علاقہ نہیں تصدیق بصدق رسول ﷺ سے، نہ اس طور پر کہ واسطہ فی الثبوت کی طرح تصدیق بصدق الرسول ﷺ کا ثبوت نفس الامری ان پر موقوف ہو اور نہ اس طریق پر کہ

واسطہ فی الاثبات کی مثل ہمارے اذہان میں تصدیق مذکور کا حصول ان پر مرتب ہو۔ ثانیاً آنکہ محل بحث صادق ہی نہیں کیونکہ رفع و نزول جسمی صرف مستبعدات عقلیہ سے ہیں، نہ محالات سے۔ چنانچہ آیت سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رّسولاً سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

تعارض کے مسئلہ میں احتمالات ذیل متصور ہو سکتے ہیں:

۱۔ دلیل عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں۔ ۲۔ یا دونوں ظنی۔ ۳۔ یا ایک قطعی دوسری ظنی

تیسری صورت میں قطعی کی تقدیم ظنی پر اتفاق ہے خواہ قطعیت عقلی کے لئے ہو یا نقلی کے لئے اور دوسری صورت میں بحسب ادلہ (دلائل) ترجیح وتعادل (برابر ہونا) عمل کیا جائے۔ اور پہلی صورت صرف احتمال ہی ہے۔ فی الواقع تحقق اس کا ممکن نہیں کیونکہ قطعی اسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو۔ پس اس صورت کے واقعہ ہونے پر جمع بین النقیضین (دوضدوں میں جمع کرنا محال ہے جیسے زید کی موت اور حیات) لازم آئے گا۔ جہاں ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقع بالضرور ایک غیر قطعی ہو گی۔ الغرض دلائل کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا نہ خصوص عقل کو جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔

☆ آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیاں

ایام الصلح میں مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ پیش گوئیوں میں قبل از وقوع ملہم کی رائے بھی خلاف نفس الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔

اس کے جواب میں پیر صاحب کہتے ہیں:

ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تکوین میں آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہذا حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ ان واقعات کے احکام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اور ان کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تا کہ نعمت الٰہی تمام ہو اور حجت قائم۔ پس وہ سب وقائع منکشف ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے بعض کی نسبت

تو اس طرح خبر دی گو یا کہ بہ چشم ظاہر دیکھ رہے ہیں اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تا کہ بعد آنحضرت کے امت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ انتہی

☆ طعام اہل ارض و اہل سماء

محمد احسن امروہی نے رفع مسیح کے بیان میں کہا کہ آیت وما جعلناهم جسداً لا يأكلون الطّعام اور کانا یأکلان الطّعام سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا، نبی ہو یا ولی، بغیر طعام خوردنی گندم وغیرہ زندہ رہنا ممکن نہیں، لہذا عیسی بغیر طعام کے آسمانوں پر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ پیر صاحب مرحوم جواباً لکھتے ہیں:

ہم بھی مانتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام زندہ رہنا نہیں ہوسکتا۔ مگر اہل ارض کے لئے طعام گندم وغیرہ ہے اور اہل سماء کے لئے تسبیح وتہلیل۔ جس ملک میں کوئی جاتا ہے اسی ملک کی غذا سے مایہ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمینی آدمی جب تک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالی کو اس کو آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اس کو ملائکہ کی طرح تسبیح وتہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک تو اہل زمین ہی میں سے زمانہ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح وتہلیل ہوگی۔ صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ جس دن کھانے پینے کا سامان دجال کے ہاتھ میں ہوگا اس دن مؤمنین کا کیا حال ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس دن اہل آسمان کی طرح ان کو تسبیح وتہلیل مایہ حیات ہوگی۔ پھر قرآن مجید سے اصحاب کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہنا ثابت ہے۔ پڑھئے آیت

وكذلك بعثناهم ليتسائلوا بينهم قال قائل مّنهم كم لبثتم قالوا لبثنا يوماً او بعض يوم ۔ قالوا ربّكم اعلم بما لبثتم. فابعثوا ا حدكم بورقكم هذه الى المدينة فلينظر ايّها ازكى طعاماً فليأتكم برزق منه وليتلطّف ولا يشعرنّ بكم ا حداً. (اور اس طرح ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی مدت ٹھہرے۔ کہنے لگے ایک دن یا کچھ دن۔ کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جس قدر ٹھہرے ہو۔ تم اپنے میں سے ایک آدمی کو چاندی دے کر بھیجو وہ دیکھے کہ لوگوں میں کون شخص پاکیزہ طعام والا ہے۔ پھر تمہارے لئے رزق اسی سے لے آئے اور نرمی اختیار کرے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتلائے)۔ (مہر منیر۔ص ۵۲۹۔ ۵۳۵)

شوکت میرٹھی دربارہ حیات مسیح

مولانا احمد حسن شوکت اڈیٹر شحنہ ہند میرٹھ، تحریک ختم نبوت کے نمایاں کارکن تھے۔ انہوں نے اپنے رسالے شحنہ ہند کے ذریعہ ردّ قادیانیت میں بہت خدمت کی۔ تقریباً دو سال وہ شحنہ ہند کا ۸ صفحاتی ہفتہ وار ضمیمہ بھی نکالتے رہے جس میں ان کے اپنے مضامین کے علاوہ دیگر اہل علم کی نگارشات بھی شائع ہوتیں اور سب مضامین قادیانیت سے متعلق ہوتے تھے۔ اور اس ضمیمے کی سرپرستی پیر مہر علی شاہ، ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین پشاور، منشی سعد اللہ لدھیانوی وغیرھم فرماتے تھے۔ اس ضمیمے میں شائع ہونے والی مولانا احمد حسن کی چند تحریریں، جو خاص طور پر حیات و ممات مسیح کے متعلق ہیں، ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:۔

☆ مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

جن دلائل سے مرزا جی عیسی مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کے منکر ہیں وہ خود قابل مضحکہ ہیں۔ رفع سے وہ رفع روح یا سلب روح یا موت مراد لیتے ہیں۔ اگر جناب باری کی بھی یہی مراد ہوتی تو اماتہ اللہ فرماتا۔ پھر رفع روح یا سلب روح مراد لینے سے عیسی مسیح کی کوئی ترجیح اور فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ ایک مچھر اور مکھی کی روح بھی سلب ہوتی ہے اور اگر رفع درجات مراد ہے تو تمام مؤمنین صادقین صلحاء اور شہداء اس میں شامل ہیں پھر بھی عیسی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پھر یہی اعتراض یہودی اور آریا اور دہریہ بھی کرتے ہیں یعنی معجزات انبیاء کے قائل نہیں، اس صورت میں مرزا جی مسلمان نہیں ہیں اور نہ قابل خطاب۔ حالانکہ وہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔

رفع روحانی سے رفع مراتب مراد لینا تحصیل حاصل ہے کیونکہ عیسی مسیح کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، ان کو یہ رتبہ پہلے ہی حاصل ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ دنیا میں اپنی موت مرے، تو پھر آیت میں لفظ شبّہ فضول ٹھہرتا ہے کیونکہ اپنی موت مرنے سے نہ کوئی شبہ ہے نہ کوئی جھگڑا۔ پھر آیت کا سیاق بگڑتا ہے کہ جھگڑا تو صلب اور قتل میں ہو،

اور مسیح علیہ السلام اس سے سال ہا سال بعد اپنی موت مرے ۔ مشبہ امر تو اب واقعہ ہوا اور جناب باری نے اس کا ازالہ چند سال یا چند ماہ پر ملتوی کر دیا حالانکہ ولکن حرف عطف بمعنی انتظار اس واقعہ کے فوری اور متصل ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء ص ۷۔۸)

☆ ایک دفعہ کسی مرزائی نے اشتہار شائع کیا کہ اگر کوئی صاحب کسی آیت قطعیۃ الدلالۃ یا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے حضرت عیسی کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور پھر آئندہ کے لئے زندہ آسمان سے اترنا ثابت کر دیں، تو وہ اپنی جیبی گھڑی اتار کر نظر کریں گے اور مرزا صاحب کی بیعت سے دستکش ہو جائیں گے ۔ اس کے جواب میں مولانا احمد حسن شوکت کہتے ہیں :

بفرض محال کوئی یہ باتیں ثابت نہ کر سکے تو مرزا جی کے پاس مسیح موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس سے یہ کیونکر ثابت ہو جائے گا کہ مرزا جی مسیح موعود ہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ اگر مرزا جی اپنا مسیح موعود اور بروزی نبی اور رسول ہونا منتخب علماء اور مشائخ کے جلسے میں ثابت کر دیں تو ہم پانچ سو روپیہ انعام دیں گے ۔

یہ دعوی تو ہر شخص کر سکتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں ۔ اور پیرس میں دو مسیح موعود (بوقت تحریر موجود) ہیں اور علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ ہم مسیح موعود ہیں ۔ ان کے اور مرزا جی کے دعوی میں کیا فرق ہے؟ یہی نہ کہ انہوں نے کوئی شرط نہیں لگائی اور مرزا جی لغو اور بیہودہ شرط لگا رہے ہیں، اور گویا ثابت کر رہے ہیں کہ میں اس صورت میں مسیح موعود ہیں کہ کوئی قرآن وحدیث سے عیسی مسیح کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ثابت کرے ۔ انہیں کے دعوی سے ان کی میسحیت مشروط و معلق ہے حالانکہ مذکورہ بالا دونوں مسیح کوئی شرط نہیں لگاتے ۔ (شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ)

☆ اگست ۱۹۰۳ء میں مولانا احمد حسن نے کرزن گزٹ دہلی کے خطاب میں لکھا:

ہم عصر کرزن گزٹ کا نامہ نگار صلاح دیتا ہے کہ سنی علماء، مرزائی علماء سے حیات و ممات مسیح پر بحث کریں ۔ ہماری رائے میں یہ بحث فضول ہے، ہم بارہا قرآن وحدیث سے مسکت مضامین اس مسئلے پر لکھ چکے ہیں ۔ مگر مرزائی لوگ جنہوں نے ایک نیا نبی گھڑ لیا ہے وہ قرآن وحدیث کے دلائل ہرگز نہ مانیں گے ۔ مرزا جی تو آنحضرت ﷺ کے

معراج کے بھی قائل نہیں اور اس میں بھی ویسی ہی تاویلیں کرتے ہیں جیسی حیات مسیح میں۔ گو یا معجزات کے منکر ہیں پس وہ معجزات پر ویسے ہی اعتراض کرتے ہیں جیسے آریا اور دہریے، کہ دو ہزار برس تک کوئی انسان بے کھائے پیئے کیونکر زندہ رہ سکتا ہے، اور کیا عیسی مسیح کو حضرت مریم روٹیاں پکا کر کھلاتی ہیں اور کیا آسمان پر کوئی پائخانہ اور سنڈاس بھی ہے جہاں عیسیٰؑ بول و براز کرتے ہیں۔ یہ وہ اعتراضات ہیں جن کو سن کر سادہ لوح مسلمان ساکت ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ ایسی گفتگوئیں ملحدانہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں اور بار بار کہہ چکے ہیں کہ مرزا اور مرزائیوں سے یہ بحث ہی نہ کرنی چاہیے جب تک وہ یہ اقرار نہ کریں کہ ہم آریا، یا دہریے ہیں، مسلمان نہیں۔ ان سے تو یہ کہنا چاہیے کہ تم مرزا کا مہدی اور مسیح اور نبی اور امام الزمان ہونا ثابت کرو۔

ہم تھوڑی دیر کو فرض کئے لیتے ہیں کہ عیسے مسیح آسمان پر نہیں گئے مگر یہ تمہارے لئے مفید نہیں۔ تمہارے لئے جب مفید ہو کہ جس کلام الٰہی سے تم مسیح کی وفات ثابت کرتے ہو، اسی سے دنیا میں مسیح موعود کا آنا بھی ثابت کرو، اور پھر قادیان سے اس کا خروج۔ وجہ یہ ہے کہ آپ احادیث کو یکساں نہیں مانتے۔ صرف ان احادیث کو مانتے ہیں جو آپ کے مطلب کی ہیں، مثلاً عیسی موعود کے آنے کی حدیث پر تو ایمان ہے مگر ثلاثون دجّالون والی حدیث سے انکار ہے۔ گو یا اس آیت پر عمل ہے نؤمن ببعض و نکفر ببعض بس آپ محض قرآن سے، جس پر آپ کا اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا یکساں اتفاق ہے، مسیح موعود کا آنا ثابت کریں۔ اس کے بعد خود بدولت کا مسیح ہونا۔

جتنے مہدی اور مسیح موعود آج تک گذرے اور اب بھی مسیحیت و مہدویت کے تین مدعی موجود ہیں، ان میں سے کوئی مکار اپنے وعدے میں سچا نکلا ہے جو آپ کے سچے ہونے اور محک امتحان پر پورا اترنے کی امید ہو۔ جیسی دلیل آپ پیش کرتے ہیں، اس سے کہیں بڑھ کر آپ کے رقیب پیش کر رہے ہیں۔ پس کس کو سچا مانا جائے۔

ممات مسیح کو کوئی تعلق آپ کے دعوی سے نہیں اور یہ بھولے بھالے جاہل اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے لئے ایک سفسطہ ہے۔ ایسی تحریک کرنے والے ضرور مرزائی ہیں جو دھوکہ دے کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنا اور ان کو مقدس مذہب اسلام سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔ ذی عقل اور ذی ہوش مسلمانوں کے لئے ہماری

تحریر بالا کافی اور ہم عصر کرزن گزٹ سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ایسی غلطی میں نہ پڑے گا، نہ ایسی دھوکہ دینے والی بحث کے لئے کرزن گزٹ کے کالم کھولے گا، بلکہ مرزا ئیوں اور مرزا جی سے صرف ان کے مسیح موعود ہونے کے دلائل طلب کرے گا۔ اسی میں بخیہ کھل جائے گا اور دو ہی تین بحثوں میں ترکی تمام ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالی اگر آپ (مرزا) کو اپنے نظم ونثر کا دعوی ہے تو اول تو اس کی بھی ہم کما حقہ چھتاڑ کر چکے ہیں۔ دوم، اصلی مسیحؑ نے ناظم و ناثر اور شاعر بننے کا کب دعوی کیا، اور قرآن و حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ مسیح موعود، ناظم اور ناثر اور شاعر بن کر آئے گا۔ کسی بات کا تو جواب دیں۔ (ضمیمہ شحنہ ہند۔ ۸۔ اگست ۱۹۰۳ء۔ ص ۶۔۸)

☆ وہی حیات وممات مسیح کے عنوان سے اسی اگست میں لکھتے ہیں:

مرزا جی آیات قرآنی میں تحریف بالمعنی کر کے مسیح علیہ السلام کو اس لئے مارتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ہیں اور مخبر صادق ﷺ کی بشارت کے موافق دنیا میں آئیں گے تو میں مسیح موعود نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تحریف اور تاویل بھی دو کوڑی کی ہے، اگر کلام مجید کی بلاغت سے واقفیت ہوتی تو یہ یوں نہ کرتے۔ بل رفعہ اللہ۔ الآیہ، میں آپ رفع روحانی بتاتے ہیں۔ یعنی روحانی بلندی یا رفیع الدرجاتی۔ اول تو خود سیاق آیت اس معنی کے منافی ہے کیونکہ کلام مجید میں رفع سے جہاں کہیں رفع درجات مراد لی ہے وہاں رفع کا مضاف الیہ ضرور مذکور ہوا ہے۔ مثلاً رفعناہ مکاناً علیاً یعنی رفع مکان، اور الیه یصعد الکلم الطّیّب و العمل الصّالح یر فعه۔ الآیه۔ یعنی صعود کلمات اور رفع عمل۔ تھوڑی سی عربی استعداد والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ صعود کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں جس کے مقابلے میں رفع موجود ہے اس کے معنی بھی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ اور بل رفعہ اللہ میں ضمیر مفعول عیسی مسیح کی جانب ہے، یعنی خود عیسی مسیح کو اٹھا لیا۔ یہاں رفع کے معنی درجات یا مکان نہیں، یعنی یوں نہیں فرمایا کہ بل رفع اللہ در جاته۔ پھر قتل اور صلب کے بعد رفع حیات ہوتا ہے یا رفع روحانی۔ رفع روحانی (روح کی رفیع الدرجاتی) تو حالت زیست میں بھی ہو سکتی ہے کیونکہ روح حالت حیات میں قائم وموجود رہتی ہے۔ ہاں بعد ممات اس کا تعلق جسم سے قطع ہو جاتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء اور صلحاء کی روح حالت حیات ہی میں بڑے بڑے درجے پاتی ہے۔ کیا عیسی مسیح حالت

زیست میں رفیع الدرجات نہ تھے جو بعد ممات ہوتے۔ ہاں مرزائی عقائد تو یہی ہیں کہ عیسی مسیح (معاذ اللہ) نبی کیا، مہذب انسان بھی نہ تھے۔ ہم حیران ہیں کہ بعد ممات رفیع الدرجات کیوں ہوئے۔

ما قتلوہ و ما صلبوہ میں جو نفی قتل ہے تو ضرور باعتبار مقابلہ کے بل رفعہ اللہ میں نفی موت مقصود ہے، یعنی خدا تعالی اضراب تاکیدی کے ساتھ فرماتا ہے کہ نہ تو عیسی مسیح کو یہود نے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ خدا نے اس کو زندہ اٹھالیا اور اگر نفی موت مراد نہیں تو نفی قتل نے کیا فائدہ دیا؟ اور حسب عقیدہ مرزائی اگر عیسی فوت ہو گئے ہیں تو لفظ رفع بے کار ٹھہرتا ہے۔ پس یا تو ما قتلوہ و ما صلبوہ کو بے کار سمجھو یا بل رفعہ اللہ کو۔ قرآن مجید سے تو مرزا جی کا مطلب ثابت نہیں ہوسکتا اور قرآن مجید حشو وزوائد اور اختلافات سے بالکل پاک ہے۔

ذرا خیال کرنا چاہیے کہ کلام مجید میں جہاں کہیں توفی کا لفظ آیا ہے تو سیاق وسباق کے قرینے سے اس کے معنی موت کے ہیں، کہیں بھی لفظ رفع نہیں آیا صرف آیت یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ میں رفع آیا ہے اس میں بھی مرزا صاحب کے عقیدے کے موافق وہی خرابی ہے کہ جب وفات ہو چکی تو پھر رفع فضول، حالانکہ تو فی کے معنی منجملہ دیگر معانی کے پورا کرنے کے بھی ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تجھ کو نبوت کی پوری نعمت دوں گا اور پھر اپنی جانب اٹھاؤنگا، یا تیرا درجہ بلند کروں گا، اگر توفی کے معنی پورا کرنے کے لئے جائیں نہ کہ وفات کے تو رفع سے رفع درجات مراد ہوسکتی ہے۔ بل کے ساتھ اضراب کرنا اور پھر تائید میں کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً فرمانا ضرور ایک مہتم بالشان واقع پر دلالت کرتا ہے، اور وہ کیا ہے؟ عیسی کا زندہ آسمان پر جانا، ورنہ رفع روحانی تو ہر ذی روح کا ہوجاتا ہے، عیسی مسیح کی کیا خصوصیت ہوئی؟ اس صورت میں لفی شک منہ۔ الآیۃ، بھی فضول ٹھہرتی ہے کیونکہ رفع روحانی (سلب روح) میں کسی کو شک نہیں۔ علی ہذا، شبّہ لھم ، بھی بے کار ہوگا۔ یوں کہیے کہ سارا واقعہ بھی غلط ہوتا ہے۔ مرزا جی کا تو صرف اتنا مقصد ہے کہ عیسی مسیح دنیا میں اپنی موت مرے۔ اتنی سی بات کی خاطر آپ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں۔ قرآن مجید جھوٹا ہو، حدیثیں غلط ہوں، مگر عیسی مسیح کسی طرح مریں جن کو مسلمانوں نے زندہ رکھ

چھوڑا ہے۔ پھر بھی مصیبت ٹل نہیں سکتی، یعنی آپ کسی طرح مسیح موعود نہیں بن سکتے کیونکہ مسیح کی ممات سے کوئی تعلق قادیانی مغل کو نہیں۔

ہزاروں برس تک بے کھائے پیئے کسی کا زندہ رہنا اور طبقہ زمہریر تک کسی ذی روح کا صحیح سالم پہنچنا محال ہے مگر آسمانوں کی چھتوں پر آسمانی باپ کا اپنے چہیتے لیپالک کی محبت میں دوڑے دوڑے پھرنا اور اس کی بھڑ اس میں بھیڑ کی طرح ممیانا اور گائے کی طرح ڈکرانا اور مرغی کی طرح پنکھ پھیلا ناممکن بلکہ واقع ہے۔ تمام انبیاء کے معجزات خلاف فطرت، مگر مرزا جی کی مصنوعی فطرت کے خلاف نہیں۔ کیا معنی کہ رفعه الله میں رفع مسیح خدا کا فعل ہے جو رفع کا فاعل ہے، خود عیسیٰ مسیح کا فعل نہیں جو مفعول ہیں مگر مرزا جی اس کے منکر ہیں۔ یہ بات بھی خلاف فطرت الٰہی ہے حالانکہ فطرت الٰہی کے خود منکر۔ (ضمیمہ شحنہ ہند۔ ۱۶۔ اگست ۱۹۰۳ء۔ ص ۲۔ ۴)

☆ ایک دوسرے موقع پر مرزا صاحب قادیانی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

. آپ مسیح بھی بنے اور نبی بھی اور امام الزمان بھی۔ لیکن نہ مسیحیوں کے لئے نہ یہود کے لئے، نہ مسلمانوں کے لئے۔ پھر کس کے لئے؟ چند خود غرض یا بوالہوس نام کے مسلمانوں کے لئے۔

اور جب کہا جاتا ہے کہ مسیحیت کا کوئی کرشمہ اور نبوت کا کوئی معجزہ دکھاؤ، تو فرماتے ہیں کہ معجزہ کسی نبی نے بھی نہیں دکھایا کیونکہ مردوں کا زندہ کرنا نیچر کے خلاف ہے اور آسمانی کتابوں میں کہیں بھی معجزات کا ذکر نہیں۔ لاء آف نیچر ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور انبیاء کو معجزہ دکھانے کی ضرورت نہیں۔

مگر خود بدولت کو (معجزے کی) ضرورت ہے۔ آسمانی نشان (معجزہ) ہمیشہ دکھایا جاتا ہے۔ مقدمات میں معجزہ، طاعونی اموات میں معجزہ۔ غرض آپ مجسم معجزہ ہیں اور دعوی سے کہتے ہیں کہ میں بے شمار آسمانی نشان دکھا چکا ہوں۔

...(آپ کی) تاویلیں بھی بے معنی اور قابل مضحکہ۔ کہا جاتا ہے کہ مسیح کا ایک نشان یہ ہے وان مّن اهل الكتاب الا ليؤمننّ به قبل موته ... یعنی عیسیٰ مسیح پر تمام اہل کتاب ان کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے اور یہ ان کا باہمی اختلاف مٹ جائے گا۔ تو آپ اس صاف اور صریح آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ لیؤمننّ

ماضی کا صیغہ ہے یعنی اہل کتاب عیسی مسیح کے واقعہ صلیب پر ایمان لا چکے ہیں...

کوئی پوچھے کہ مقصود مسیح پر ایمان لانا ہے یا واقعہ صلیب پر؟ نیز آیت میں قبل موتہ حشو ٹھہرتا ہے کیونکہ ایمان لانے کو موت و حیات سے کیا علاقہ؟ عیسائیوں کا ایمان بے شک صلیب پر ہے مگر یہود کا ایمان صلیب اور کفارہ پر کہاں ہے؟ یہود اچھلے کودے ضرور کہ انّا قتلنا المسیح مگر خوشی کی اچھل کود پر ان کا ایمان ایسا ہی ہے جیسا مرزا اور مرزائیوں کا وفات مسیح پر اور اس صورت میں یہودیوں اور مرزائیوں میں کیا فرق رہا؟ انہوں نے بھی مسیح کو مارا، انہوں نے بھی۔ دونوں پلڑے برابر ہو گئے خدا تعالی تو یہود کے دعوی قتل و صلیب کی تردید فرمائے کہ وما قتلوہ وما صلبوہ اور مرزا اور مرزائی یہود کے ہم خیال ہو کر کہیں کہ قتلنا قتلنا یعنی ہم نے مارا، ہم نے مارا۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ یکم نومبر ۱۹۰۳ء ص ۵۔۶)

☆ ایک دفعہ . وہی ممات مسیح . کے عنوان سے مولانا شوکت نے لکھا:

مرزا جی نے یہودی بن کر عیسے مسیح کو جو ان کے نزدیک ایک مہذب انسان بھی نہ تھا، چہ جائے کہ رسول، اس لئے مارا کہ تمام یورپ ایسے شخص کی پرستش کرتا ہے اور اس کو مسلمان اولوالعزم نبی مانتے ہیں۔ اور میں جو... نہ صرف عیسی مسیح بلکہ سب انبیاء سے افضل ہوں، مجھے سب ملعون سمجھتے ہیں۔ ایک عیسائی بھی مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ پس جھلّا جھلّا کر عیسی مسیح کو گالیاں دیتے ہیں اور ان کی کسی صفت کو ٹھنڈے پیٹوں کلیجے سے نہیں مانتے۔...

ہر نبی نے اپنے سے پہلے نبی کو مانا ہے اور قرآن مجید نے تو تمام انبیاء کو یکساں ماننے کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا شرع لکم من الدّین ما وصّی بہ نوحاً و الّذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم و موسی وعیسی۔ اور فرمایا اخذ نا من النّبیّین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسی و عیسی ابن مریم دیکھو پانچوں اولوالعزم انبیاء کے اسماء مصرحاً ومفصلاً موجود ہیں۔

پھر مکاری تو دیکھئے جب تعرض کیا جاتا ہے کہ تم کلمۃ اللہ عیسے بن مریم کو کیوں گالیاں دیتے ہو؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ ہم تو نصاری کے یسوع مسیح کو گالیاں دیتے ہیں، نہ کہ عیسی مسیح علیہ السلام کو۔

کوئی پوچھے کہ دو مسیح کون سے ہیں؟ قرآن میں تو اسی عیسی مسیح کا ذکر ہے جس کو یہود نے صلیب پر چڑھا کر قتل کرنا چاہا مگر خدا نے اس کو زندہ اٹھالیا۔ اور مرزا جی بھی یسوع کے ہلاک کرنے پر قلم کا بغدا چلا رہے ہیں جس کے وہ رقیب ہیں اور جس کی عظمت ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔

پھر قرآن میں تو حکم ہے کہ بت پرستوں کو بھی گالیاں نہ دو، چہ جائے کہ انبیاء کو لا تسبّوا الّذین یدعون من دون اللّٰہ ۔ لیکن مرزا صاحب کے ملہم نے ان پر الہام کر دیا ہے کہ عیسی مسیح کو گالیاں دے کیونکہ اس نے اپنے اکلوتے بڑے بیٹے کو چھوٹے لے پالک (مرزا) کی خاطر عاق کر دیا ہے۔ اور قاعدہ بھی ایسا ہی کہ انسان کو چھوٹی اولاد بڑی اولاد سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لاز آف نیچر بھی اسی طرح جاری ہیں ورنہ اولاد کی پرورش نہ ہو سکے۔...

مرزا جی کہتے ہیں کہ بل رّفعہ اللّٰہ میں رفع کے معنی عزت کی موت کے ہیں۔ بھلا جب یہودیوں کا مدعا عیسی مسیح کے قتل اور صلیب میں پورا ہوا، اور وہ ہلاک کیئے گئے تو یہ عزت کی موت ہوئی یا ذلت کی؟ اور اگر مرزا جی افغانستان جا کر اپنی بروزیت کا اعلان دیں اور افغانی ان کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیں تو یہ عزت کی موت ہوگی یا ذلت کی؟ پھر کیوں نہیں افغانستان جاتے؟ ہندوستان میں تو ان کی زندگی ذلت کی ہے۔ اس ذلت سے کیوں نہیں نکلتے ۔..

یہود تو یہ کہیں کہ انّا قتلنا المسیح ابن مریم اور اس پر اچھلیں کودیں اور خدا تعالی وماقتلوہ و ما صلبوہ سے ان کی تکذیب کرے۔ مگر مرزا جی یہود کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ اور انہی کے ساتھ مارے خوشی کے بغلیں بجائیں کہ اچھا ہوا، وہ ایسا تھا اور ویسا تھا۔ کوڑھیوں وغیرہ کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرنے کا دعوی کرتا تھا۔ خدا فرماتا ہے واذ کففت بنی اسرا ئیل عنک اذ جئتم بالبیّنا ت فقال الّذ ین کفروا ان ھذا لسحر مّبین ۔ (مائدہ) یعنی اللہ تعالی قیامت کے دن عیسی کو فرمائے گا کہ میری نعمتیں یاد کر۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ تم بنی اسرائیل کے پاس معجزات لائے اور انہوں نے معجزات دیکھ کر تم پر دست درازی کی تو ہم نے ان کا ہاتھ تم سے روکے رکھا یعنی انہوں نے صلیب پر چڑھا کر قتل کرنا چاہا مگر ہم نے تم کو بچایا۔ اگر عیسی علیہ السلام

حسبِ عقائد مرزا جی وفات پا جاتے تو امتنان کس شئے کا تھا اور نعمتوں کا گنوانا کیسا؟ اس سے خدا تعالیٰ کا (نعوذ باللہ) کذب لازم آتا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے

جس طرح خدائے تعالیٰ نے یا عیسی بن مریم اذکر نعمتی علیک فرمایا۔ اسی طرح بنی نضیر نے آنحضرت ﷺ کی نسبت بد ارادہ کیا تو ان کے شر سے آپ کو بچایا اور الٹا انہیں پر وبال جلاوطنی اتارا اور پھر یہ نعمت یوں یاد دلائی

یا ایّھا الّذین آمنوا اذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ ھمّ قوم ان یّبسطوا الیکم فکفّ ایدیھم عنکم۔ یعنی اے مسلمانوں تم اللہ کی نعمت یاد کرو جب کفار نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو ہم نے ان کا ہاتھ تم سے روکا۔.....

مرزا جی اپنی موعودیت کا دارومدار مسیح کی موت پر رکھتے ہیں کیونکہ جب خود عیسی زندہ ہیں اور وہ تشریف لائیں گے تو مرزا جی مسیح موعود نہیں بن سکتے، حالانکہ یہ ان کی اپنی طفل تسلی اور کسراب بقیعۃ یحسب الظمأن ماء کی مصداق ہے۔ یہ قضیہ لزومیہ یا اتفاقیہ ہے کہ کشمیر میں عیسی وفات پائیں تو ان کے انیس سو برس بعد مرزا جی قادیان میں مسیح بن کر خروج کریں۔ زید کی موت پر عمر کی حیات کا مترتب ہونا عجیب لزوم ہے۔ پھر اس قدر عرصہ کے بعد یہ کیا لازم وملزوم ہیں۔ انفکاک وانفصال بھی ہو جاتا ہے اذا کانت الشّمس طالعۃ فانّہ بان موجود میں تو مقدم وتالی لازم وملزوم ہیں۔ یہ نہیں کہ آفتاب تو آج طلوع کرے اور دن سوا ستائیس روز کے بعد موجود ہو۔ لیکن یہ وہ جانے جو قواعد اور اصول نظریہ سے واقف ہو۔

یاد رکھو کہ قرآن کے سیاق وسباق اور نصوص قطعیہ اور لغت عرب اور علم بیان ومعانی اور فصاحت قرآنی سے تو مرزا جی کا مدعا یعنی ممات مسیح ثابت نہیں ہوسکتی، البتہ تاویل کی لال کتاب سے جونپور کے قاضی جی مسخ ماہیت کر کے مبعوث ہوں تو مضائقہ نہیں۔

آیت ما قتلوہ و ما صلبوہ بالکل صاف وصریح قطعی اور یقینی ہے۔ اور اس کا منکر ملحد اور مرتد اور کافر اور جہنمی ہے کیونکہ وہ قرآن کا منکر ہے۔ مرزا جی کہیں کہ ہم اس کے منکر نہیں بلکہ حیات مسیح کے منکر ہیں۔ ہم کہیں گے کہ قتل اور صلیب کا نتیجہ موت ہے۔ جب آپ ایک شئے کے نتیجے کے منکر ہوئے تو خود اس شئے کے منکر ہو گئے جب کہ عیسی مسیح مقتول ومصلوب ہی نہیں کئے گئے اور جناب باری نے مکرر تاکیداً فرمایا

وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللّٰہ الیہ تو موت کہاں سے آگھسی؟ آپ کا خیال تو جب ثابت ہوتا کہ رفعہ اللّٰہ کی جگہ اماتہ اللّٰہ ہوتا۔ حالانکہ عدم قتل پر موت کا مترتب ہونا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنی بی بی سے مباشرت تو کی نہیں مگر ایک سال کا سا پورا بچہ ہو پڑا۔

پھر رفع کے معنی موت کے کون سے رمال کی پوتھی یا قرعے سے نکالے گئے ہیں۔ کیا رافع الدرجات کے معنی ہالک الدرجات یا ممیت الدرجات کے ہیں۔ اور کیا رفعہ اللّٰہ مکاناً علیّاً کے معنی اماتہ اللّٰہ مکاناً علیّاً۔ اور الیہ یصعد الکلم الطّیّب والعمل الصّالح یرفعہ کے معنی العمل الصالح یموتہ کے ہیں؟ یہ معنی تو کلام الٰہی کو مہمل اور بے معنی کرنے والے ہیں۔

مرزا جی اپنے دعوی کی تائید میں آیت متوفّیک و رافعک الیّ پیش کرتے ہیں۔ یہ آیت ان کے دعوی کے موافق جب مفید ہوتی کہ مذکورہ بالا آیت میں بل توفّاہ و رفعہ اللّٰہ ہوتا۔ دوم جب آپ بل رّفعہ اللّٰہ میں رفع کے معنی موت کے لیتے ہیں تو متوفّیک و رافعک دونوں میں سے ایک کا ضرور حشو لازم آتا ہے اور کلام الٰہی حشو وزوائد سے پاک ہے۔

پھر مرزا جی یہود کے حامی ہیں جو عیسی کا قتل ہونا اور مرنا چاہتے تھے نہ کہ عیسی مسیح کے، جن کے وہ موعود و مثیل اور چھوٹے لے پالک بھائی ہیں۔ یقیناً ایسے ہی بھائی ہیں جیسے یوسف کے بھائی خون کے پیاسے تھے۔

جب عیسی مسیح مقتول و مصلوب ہوکر مرگئے تو یہود کے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اور ان کا مقصد پورا ہوا۔ خدائے تعالی کی کوئی حکمت وقدرت نہ چلی اور مکروا و مکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین غلط ہوگیا کیونکہ ان کا مکر چلا، نہ کہ خدا کی تدبیر۔...

پھر آیت کتب اللّٰہ لاغلبنّ انا و رسلی کے خلاف ہوا کیونکہ عیسی مسیح قتل ہوکر مرگئے تو یہودی غالب رہے، نہ کہ رسول (عیسی) اور نہ خدا تعالی۔

(شحنہ ہند میرٹھ جلد ۲۱۔۲۳۔ضمیمہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۳ء ص ۱ تا ۴)

عمر پوری در بارہ حیات مسیح

حیات و مماۃ مسیح پر مولانا عبدالجبار عمر پوری کی ایک تحریر ضمیمہ شحنہ ہند میں قسط وار شائع ہوئی۔ ذیل میں اسے مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا عبدالجبار فرماتے ہیں:

جس زمانہ میں مرزا صاحب نے براہین احمدیہ لکھی اہل اسلام کے موافق حیات مسیح کے قائل رہے جیسا کہ براہین احمدیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسوقت مسیحائی کا دعوی نہ کر سکے۔ لیکن جب عوام کالانعام نے تعریفوں کے پل باندھے اور مریداں مے پرانند کا زور شور ہونے لگا تو مرزا صاحب جامہ سے باہر ہو گئے اور مسیحائی کا دعوی کر بیٹھے۔ زمانہ سابق شاید آپ کو یہ الہام ہوا ہو گا کہ حضرت عیسےؑ زندہ موجود ہیں، پھر دوسرا الہام اس کا ناسخ یہ ہوا کہ وہ فوت ہو گئے اور خود بدولت ان کے قائم مقام ہوئے گویا حق تعالی نے جو پہلے خبر دی تھی پھر خود بخود اس کی تکذیب فرمائی معاذ اللّٰہ اسلئے کہ نسخ احکام و انشائیات پر وارد ہوتا ہے، اخبار و واقعات پر نہیں ہوتا۔

آمدم برسر مطلب آیہ کریمہ و ما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبّہ لھم.. الخ ، میں اگر انصاف سے نظر کی جائے تو معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ موجود ہیں۔ اس لئے کہ آیت مذکورہ میں بظاہر تین صورتیں ہوسکتی ہیں کیونکہ یہاں حق تعالی نے قتل کی نفی فرمائی ہے اور نفی کیلئے ضروری ہے کہ یا تو مفعول پر مقصور قرار دی جائے یا فاعل پر یا فعل پر۔

اگر آیت مذکورہ میں نفی کا قصر مصرف صرف مفعول پر مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ یہود نے صرف حضرت مسیح کو قتل نہیں کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ اس کے خلاف یہ ہوگا کہ مسیح کے سوا کسی اور شخص کو قتل کیا۔

اگر نفی کا قصر فاعل پر قرار دیا جائے کہ یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا تو اس کے خلاف یہ ہوگا کہ یہود کے سوا کسی اور شخص نے قتل کیا۔

اور اگر نفی کا قصر فعل پر قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ عیسیٰؑ نہ قتل کئے گئے نہ سولی دیے گئے بلکہ اور کسی وجہ سے مر گئے۔

ان وجوہ ثلاثہ میں سے صرف وجہ اول صحیح و درست اور باقی ناموزوں و غلط ہیں، کیونکہ نفی قتل کے بعد حق تعالی نے فرمایا ولکن شبّہ لھم۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی نفی مفعول یعنی حضرت مسیح پر مقصود ہے کیونکہ شبہ پیدا ہونے کا یہی موقع ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح قتل کئے گئے یا کوئی شخص مارا گیا، یہود کے لئے اشتباہ کا موقع یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ قتل کرنے والے وہ لوگ یعنی یہودی تھے یا کوئی اور شخص تھا۔ ایسا ہی یہ بھی موقع اشتباہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت مسیحؑ قتل کئے گئے یا کسی اور وجہ سے مر گئے۔

اگر آیت کا یہ مطلب ہے کہ مسیحؑ کو یہود نے نہیں مارا بلکہ اور کسی نے مارا، تو اس صورت میں فعل کی اسناد اس فاعل و قاتل کی جانب ہونی چاہیے اور یہود کا ذکر یا تو باسم ظاہر ہونا چاہیے، یا ضمیر منفصل کے ساتھ یعنی و ما قتله الیهود

اگر یہ مطلب ہے کہ مسیح قتل نہیں کئے گئے بلکہ اور وجہ سے مر گئے تو اس صورت میں یہ کہنا کافی تھا ما قتله احد یعنی ان کو کسی نے نہیں مارا یہ کہنا کہ یہود نے ان کو قتل نہیں کیا، بالکل فضول ہے۔

آیت کریمہ کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ یہود نے مسیح کو نہ قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، لیکن کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو ان کے لئے از روئے مکر کے مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا و مکروا و مکر الله یعنی یہود نے مسیح کے بارہ میں مکر کیا اور قتل کرنا چاہا۔ اللہ نے ان کا مکر توڑا یعنی اور شخص مسیح کا ہم شکل بنایا۔

جب اللہ تعالی نے مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے کی نفی فرمائی تو اس سے وہم ہوسکتا تھا کہ قتل و صلب ایسا امر ہے جو دیکھنے میں آتا ہے محض خیالی و فرضی نہیں۔ جب یہ امر مانا گیا کہ قتل و صلب کا وقوع ہوا تو مصلوب و مقتول کوئی شخص ہونا چاہیے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ نہیں تو اور کوئی ہونا چاہیے۔

تو اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالی نے و لکن شبّه لھم فرمایا۔ پر اس کے بعد زبان تصریح کے ساتھ فرمایا وما قتلوہ یقیناً بل رّفعه اللّه الیه۔ فعل شبّه لھم کے پہلے قتلوا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے و ما قتلوہ و ما

صلبوہ و لکن قتلوا من شبّہ لھم یعنی یہود نے مسیح کونہیں مارا بلکہ اس شخص کو مارا جو ان کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حرف لکن مخففہ جب واؤ عاطفہ کے ساتھ مفعول ہوتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جملہ معطوف الیہ کامل طور پر مذکور اور معطوف کا ایک حصہ محذوف ہوتا جیسا کہ فرمایا ولکن رسول اللہ و خاتم النّبیّین یعنی و لکن کان رسول اللّہ اسی طرح آیت مذکورہ کی تقدیر یوں ہے و لکن قتلوا من شبّہ لھم۔

مرزا صاحب اور ان کے حواری آیہ کریمہ و ما قتلوہ و ما صلبوہ کے متعلق عجیب رنگ آمیزی وابلہ فریبی سے کام لیتے ہیں لیکن وہ تارعنکبوت سے زیادہ پائیدار نہیں ہوتی۔ لکھتے ہیں کہ ما صلبوہ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ صلیب پر نہیں مارے گئے کیونکہ مصلوب اس کو کہا جاتا ہے جس کی موت صلیب پر واقع ہو۔ اور و لکن شبّہ لھم سے ایک وہم کو دفع کیا گیا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہوا وہ یہ کہ ما صلبوہ سے سولی پر چڑھائے جانے کی بالکل نفی وتردید پائی جاتی تھی لیکن چونکہ سولی چڑھایا جانا درست تھا اور سولی پر مرجانا غلط اس لئے بواسطہ حرف استدراک اس وہم کو دفع کیا گیا یعنی سولی کا نتیجہ (موت) واقع نہیں ہوا صرف سولی کی صورت اور مشابہت پائی گئی، وغیرہ۔

(جیسا کہ حکیم نورالدین نے فصل الخطاب جلد ۲ ص ۳۱۲۔۳۱۳ میں لکھا ہے:. بعض یہود کہتے ہیں، ہم نے صلیب دی۔ اور یہ بھی غلط ہے۔ اس زمانے کی سولی یہ نہ تھی جیسے اس وقت ہوتی ہے۔ بلکہ آدمی کو کسی لکڑی پر ٹانگ دیتے تھے۔ اور مصلوب بھوکا پیاسا ایذائیں پاتا مدت کے بعد مرجاتا تھا۔ اگر جلدی اتارتے تو ہڈیاں توڑ ڈالتے۔ حضرت مسیح جلد اتارے گئے۔ مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ پس قرآن کا یہ کہنا و ما صلبوہ بالکل سچ ہوگیا۔ عربی میں مصلوب اسی کو کہتے ہیں جس کی پیٹھ کی ہڈی توڑی جاوے۔ دیکھو قاموس لغت صلب۔ اور مسیح ہڈی توڑنے سے محفوظ رہے۔ دیکھو یوحنا ۱۹: ۳۳۔ ۱۴)۔

یہ تقریر جہالت سے معمور سفاہت سے بھرپور ہے۔ اس لئے کہ صلب کے معنی لغت میں سولی پر چڑھانا ہے۔ چڑھا کر مارنے کا کتب لغت میں پتہ ونشان نہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے حواری بتائیں کہ صلیب کے معنی سولی پر چڑھا کر مارنے کے ہیں تو صرف سولی پر چڑھانے کیلئے عربی میں کونسا لغت ہے۔ اگر کوئی لغت نہیں تو معلوم ہوا

کہ زبان عربی ناقص ہے ورنہ آپ کا قصور ہے۔ بیشتر افعال کے لئے جو الفاظ موضوع کیئے گئے ہیں ان کے اصلی اور واقعی معنی وہی ہوتے ہیں جو ابتدائی اور نتیجہ سے خالی ہوتے ہیں۔ نتیجہ اور ثمرہ ہرگز معنی میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے لفظ زیادہ کرنے کی ضرورت ہوتی۔ مثلاً نکاح کے اصل معنی ایجاب وقبول کے ہیں اور ہم بستری یا تولد اولاد اس کا نتیجہ ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس سے متبادر ایجاب وقبول ہوتا ہے، اولاد کا تولد ہرگز مفہوم نہیں ہوتا اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور و لکن شبّہ لھم کی نسبت جو لکھا ہے کہ دفع وہم کے لئے آیا ہے، تو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ما صلبوہ سے وہم کیونکر پیدا ہوا۔ جب صلب کے معنی صرف سولی پر چڑھانا ہے، چڑھا کر مارنا ہرگز نہیں، تو نہ وہم مذکور پیدا ہوتا ہے نہ اس کے دفع کی ضرورت ہے۔..

....سخت افسوس کا مقام ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مسیح کے بارہ میں اس طرح فرماتا ہے و اذ کففت بنی اسرائیل عنک ...یعنی ہم نے یہودیوں کو تیری طرف سے روک دیا اور ہٹا دیا۔ یعنی تجھ کو وہ لوگ ہاتھ بھی نہ لگا سکے اور اس کے صریح خلاف مرزا فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح معاذ اللہ سولی پر چڑھائے گئے۔ یہ کلام اللہ کی صریح تکذیب ہے۔ آیہ مذکورہ میں حق تعالیٰ نے کففت فرمایا، نجیت نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ نجات دینے کی یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مصیبت اور رنج کے مبتلا ہونے کے بعد بچا لینا۔ جیسے حضرت یونسؑ کو مچھلی کے کوشک میں پہونچنے کے بعد نجات دی گئی اسی واسطہ فرمایا و نجّیناہ من الغمّ اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے کے بعد نجات دی گئی۔ کففت سے یہ مطلب ہے کہ مصیبت آنے نہیں پائی، پہلے ہی دور کی گئی۔

مرزا قادیانی اور ان کے حواریوں نے وفات مسیح کے اثبات کے لئے طرح طرح کے حیلے کیئے۔ کبھی آیات قرآنیہ میں لغو اور بے بنیاد تاویلیں کیں، جب اس سے کام نہ چلا تو فلسفی مغالطے دینے شروع کیئے اور حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کو خلاف قانون قدرت اور خلاف عقل بتانے لگے، یعنی ایک جسم خاکی کا زمین سے آسمان پر صعود کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ زمین اپنی بے انتہاء قوت سے کشش کرتی ہے اور انسانی جسم، جو زمین کے مقابلہ میں کم تر اور بہت کوتاہ ہے، اس کی پرزور اور بے انتہاء

قوت کو کس طرح مغلوب کر سکتا ہے اور کیونکر اوپر جا سکتا ہے، اور کرّہ ہوائی سے باہر جا کر بغیر ہوا کے کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ وغیرہ۔ لیکن مرزا صاحب کی یہ لغو باتیں دروغ گورا حافظہ نباشد کی مصداق ہیں۔ خود ہی سرمہ چشم آریہ میں لکھ چکے ہیں کہ:

قانون قدرت کسی طرح محدود نہیں اور عقل انسانی کے احاطہ میں نہیں آ سکتا۔ بہت سی باتیں اس قسم کی ہیں کہ انسان کوتاہ اندیشی کے سبب سے ان کو غیر ممکن اور خلاف قیاس تصور کرتا ہے لیکن جب ان کا ظہور ہو جاتا ہے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ملک فرانس میں ایک بار زلزلہ کے سبب سے ایسی آگ پیدا ہوئی کہ پتھر کو جلا کر خاک کرتی تھی لیکن لکڑی کا اس سے بال بھی بیکا نہ ہوا۔ لہذا اس ظہور سے پہلے اگر اس کا تذکرہ کیا جاتا تو عقل کے خلاف بتایا جاتا۔ اگلے فلاسفہ نے جو باتیں بیان کیں پچھلے فلسفیوں نے ان میں سے بہت باتوں کو غلط کر دکھایا، ایسے ہی جو باتیں اب زور شور کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں آئندہ وہ بھی غلط قرار دی جائیں گی۔ اس سے صاف طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ فلسفہ محض ظنی اور خیالی ہے اور مذہب اسلام بحمد اللہ یقینی اور آفتاب سے بڑھ کر روشن ہے اور اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

اب مرزا صاحب کو کیا خواب نظر آیا کہ قانون قدرت ان کے نزدیک محدود ہو گیا، اور ان کی ذرہ سی کھوپڑی میں سما گیا۔ جسم خاکی کا آسمان کی طرف صعود کرنا محال سمجھا جاتا ہے، اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ انسان اپنی ضعیف قوت سے مٹی یا پتھر کا ڈھیلا اوپر پھینکتا ہے تو وہ زمین کی بے انتہاء قوت اور کشش کو مغلوب کر کے دور تک پہنچ جاتا ہے۔ پرند جانور پرواز کرتے کرتے اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ جب انسانوں اور پرندوں کی قوت کا اس قدر اثر نمایاں ہوتا ہے تو قادر مطلق رب العالمین کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ اپنی قدرت سے حضرت مسیح کو آسمان پر نہیں پہنچا سکتا، کس قدر جہالت اور حماقت بلکہ جنون ہے۔ مرزا صاحب وغیرہ کی یہ باتیں نئی نہیں بلکہ انبیاء کے مقابلہ میں کافروں نے ہمیشہ اسی قسم کی جہالتوں کو سپر بنایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے و قالوا أاذا کنّا عظاماً و رفاتاً أانا لمبعوثون خلقاً جدیداً۔ یعنی جب ہم مرنے کے بعد ریزہ ریزہ اور بوسیدہ ہو جائیں گے تو دوبارہ کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں۔ کرّہ ہوائی سے باہر جا کر زندگی محال سمجھی جاتی ہے لیکن یہ نہیں خیال کیا جاتا کہ رحم میں چند ماہ تک بچہ کیونکر زندہ رہتا ہے اور بیضہ کے اندر کیونکر جاندار پیدا ہو جاتا ہے۔

(شحنہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ جات ۲۴۔اگست، و یکم ستمبر و ۱۶ستمبر ۱۹۰۴ء)

مسیح موعود

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں:

مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کا مضمون ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۲ سے شروع کیا ہے۔آغاز مضمون میں لکھتے ہیں:

اب ثبوت اس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے ان تمام دلائل اور علامات اور قرائن سے جو ذیل میں لکھتا ہوں، ہر ایک طالب حق پر بخوبی کھل جائے گا۔

ازانجملہ الآیات بعدالمائتین حدیث میں آیا ہے۔الآیات سے آیات کبری مراد ہیں جو تیرھویں صدی میں ظہور پذیر ہوں گی، چنانچہ اس وقت میں نے ہی دعوی کیا ہے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ نشانیاں دوصدیوں کے بعد ہیں۔مرزا صاحب نے یہ حدیث لکھ کر پھر اس سے تیرھویں صدی مراد لی ہے اس کے لئے انہوں نے دو قرینے قائم کئے ہیں۔اول یہ کہ الآیات سے مراد آیات کبری ہیں، کیونکہ آیات صغری تو نبی ﷺ کے وقت مبارکہ ہی سے ظاہر ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ دوم علماء کا اتفاق۔

میں (قاضی سلیمان) کہتا ہوں کہ الآیات سے کبری ہی مرادلیں تب بھی حدیث کے یہی معنی ہیں کہ دوسری صدی کے بعد آیات کا ظہور ہوگا کیونکہ بقول مرزا صاحب آیات صغری تو خیر القرون ہی میں ظاہر ہونے لگی تھیں۔پس نبی ﷺ کا دوصدیوں کے بعد فرمانا اور آیات صغری سے جو اس وقت بھی ظاہر ہورہی تھیں، قطع نظر فرمانا صاف دلیل اس پر ہے۔مرزا صاحب کا یہ کہنا بھی کہ علماء کا اتفاق اس حدیث کے معنی میں تیرھویں

صدی پر ہوا ہے، دو طرح سے غلط ہے۔ اول یہ کہ ان کے نزدیک اتفاق علماء کوئی شئے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب معنی آیات حیات مسیح میں کل مفسرین کے، اور معنی احادیث نزول مسیح میں کل محدثین کے، اور اصول تنقید احادیث میں تمام فقہاء و مجتہدین کے، اور الہام و کشف کو دلیل شرعی قرار دینے میں جمیع صوفیہ کرام و سالکین کے سخت مخالف ہیں۔ اور اسی لئے آپ نے نہایت جوش میں آکر یہ تحریر کیا ہے . امت کا کورانہ اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے (ازالہ اوہام ص ۱۴۲) (غور فرمائیں امت کا لفظ صحابہ سے تا ایں دم تمام مسلمانوں پر حاوی و شامل ہے پھر تمام امت کے اتفاق و اجماع کو کورانہ کہنے پر خیال کرو۔ کس طرح پر سب مسلمانوں کو بے بصر اور دور از بصیرت بتایا ہے حالانکہ حدیث مسلم میں یہ ہے کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے بھی غیر سبیل المؤمنین کہہ کر اس اجماع کی تصدیق فرمادی۔ یاد رکھو المؤمنین میں الف لام استغراق ہے)۔ پس جس شخص کے نزدیک تمام امت کے اتفاق اور اجماع کا نام کورانہ ہے وہ اتفاق علماء کو ایک حدیث کے معنی میں کیا دلیل بنا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ علماء کا اتفاق ہونا اس معنی پر غلط ہے، امام جعفر صادق کا یہی مذہب ہے کہ اس حدیث کی رو سے آیات کبری دو صدیوں کے بعد شروع ہو جائیں گی۔...

اگر ہم بالفرض تسلیم کرلیں کہ اس سے تیرھویں صدی مراد ہے تو پھر بھی مرزا صاحب کے لئے یہ حدیث کچھ مفید نہیں، کیونکہ الہام نے عہدہ مسیحائی پر ان کو چودھویں صدی میں ممتاز کیا اور تیرھویں صدی میں خود مرزا صاحب بھی یہی مذہب اور اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت مسیحؑ بنفس نفیس جلالی طور پر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ پس اگر یہ جائز ہے کہ الآیات بعد المائتین کی حدیث کو تیرھویں صدی کے متعلق کہہ سکیں تو یہ بھی جائز ہے کہ اس حدیث کو تیئسویں صدی کے متعلق بتا سکیں کہ جس طرح تیسری صدی کو خالی دیکھ کر کسی نے یہ گمان کیا تھا کہ مأتین کا تعلق ہزار کے ساتھ ہے اور بیچ کی صدیوں سے بکلی قطع نظر کر لی تھی اسی طرح تیرھویں صدی کو خالی دیکھ کر ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ مأتین کا تعلق الفین (دو ہزار) سے ہوگا۔ اس حدیث میں نہ تیرھویں صدی کی تخصیص ہے اور نہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کی تنصیص۔

اچھا زیادہ سے زیادہ مرزا صاحب نے اگر تاویلات و تسویلات نفسانی سے کام لیا اور بڑے زور لگا کر یہ معنی پیدا کر لئے کہ حدیث کا تعلق تیرھویں صدی سے ہے اور حدیث

کے معنی ہی یہی ہیں کہ آیات کبری کا آغاز تیرھویں صدی سے ہو، پھر بھی حدیث میں یہ دلالت کہاں ہے کہ مسیح موعود اسی صدی میں آئے گا۔ یا کل آیات کبری ایک ہی صدی میں عدم وبطون سے نکل کر بروز وظہور میں آ جائیں گی۔

۲۔ مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کی دوسری دلیل مکاشفات اکابر اولیاء کو بتلایا ہے کہ یہ بزرگ بالاتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے یا چودھویں کے سر پر ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ اس وقت میں بجز اس عاجز کے اور کوئی دعویدار اس منصب کا نہیں ہوا۔ (ازالہ اوہام۔ص ۶۸۵)

مرزا صاحب کی اس دلیل میں چند ضعف ہیں:

ا:۔ مکاشفہ کو دلیل ٹھہرانا خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ حدیث اس کی مخالف ہو۔ چودھویں صدی کے خلاف حدیث میں کئی طرح پر آیا ہے۔ اول بعد المأتین کی حدیث ہی پر غور فرمایئے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کا کشف صاف اور تام نہیں، کیونکہ وہ خود چودھویں صدی پر جزم نہیں کر سکے۔ ان کے کلام میں حرف یا موجود ہے جو شک کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ پس جب خود ان کے نزدیک اس پر جزم صحیح نہیں تو مرزا صاحب کو اس پر جزم وحصر کرنا کب درست و روا ہے۔

ب:۔ جن اکابر اولیاء کے مکاشفات کو دلیل ٹھہرایا ہے ان کا نام تک نہیں لکھا۔ لازم تو یہ تھا کہ آپ ان کی اصل عبارتیں نقل کرتے اور اکابر کے اسماء گرامی سے اطلاع دیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے حوالہ ونقل کا بھی میں تو بہت کم اعتبار رکھتا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے کئی جگہ آیات قرآنیہ میں سے کئی جملے اور احادیث میں سے کئی فقرے اور بائبل میں سے کئی ورس قلم انداز کر دیئے ہیں۔ بایں احوال، مجرد یہ کہہ دینے سے کہ اکابر اولیاء یوں کہتے ہیں، کب اعتبار ہو سکتا ہے؟

ج:۔ محض دعوی کو دلیل بنایا ہے یعنی چونکہ اس وقت میں نے دعوی کیا لہذا میں سچا ہوں۔ حالانکہ کوئی بدمعاش اور عیار بھی کوئی ایسی کارروائی زور وفریب کی نہیں کرتا جب تک اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجہ نہ ہو کہ یہ کارروائی اس کی برمحل اور بروقت سمجھی جائے گی۔

د:۔ پھر یہ دوسری دلیل بھی وہی ہے، جو پہلی دلیل تھی۔ پہلی میں علماء کے اتفاق اور اپنے اظہار دعوی کو دلیل ٹھہرایا تھا، دوسری میں بھی اولیاء کے اتفاق اور اپنے دعوی کو دلیل ٹھہرایا

ہے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب شمار دلائل کے زیادہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

۳۔تیسری دلیل مرزا صاحب کی یہ ہے:

ازانجملہ مسیح موعود ہونے کی یہ علامت ہے کہ دجال اور اس کا گدھا، ریل خروج کر چکا یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان ظاہر ہو چکے۔ایسے وقت میں مسیح موعود کا دعوی اس عاجز نے کیا ہے۔۔

مرزا صاحب کو یہ امر دریافت کر لینا چاہیے کہ دجال اور اس کے گدھے، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان اور مسیح موعود میں کوئی تلازم اور ان کے ظہور میں کوئی ترتیب ہے یا نہیں۔کیوں کہ جس طرح پر انہوں نے یہ تمام نام احادیث سے لئے ہیں (گوان کی نوعیت اور ماہیت وکیفیت میں اختلاف کیا ہے) اسی طرح ان کو احادیث کی بیان کردہ ترتیب اور تلازم پر بھی خیال رکھنا چاہیے تھا۔

دجال ان کی رائے میں پادری ہیں۔پادری لوگ تو شیوع اسلام سے پہلے سے چلے آتے ہیں اور صدیوں سے برابر اسلام کے ساتھ معاندانہ مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔سپین، غرناطہ، شام میں ان پادریوں کے طفیل جو تیغ بے دریغ لاکھوں مسلمانوں کی گردن پر چل چکی ہے، وہ ارباب تواریخ سے مخفی نہیں، مگر تعجب ہے کہ اس ضرورت شدید کے وقت میں بھی مسیح نہ آیا۔شائد یہ عذر تھا کہ ہنوز اس دجال کے پاس گدھا موجود نہیں۔خیر عرصہ گذرا کہ اس کا گدھا بھی چل نکلا مگر مسیح اس وقت بھی نہ آیا۔

یاجوج ماجوج آپ (مرزا) کی رائے میں روس وانگریز ہیں۔یہ دونوں سلطنتیں صدیوں سے قائم ہیں اور عرصہ سے ان کا درجہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنتوں میں شمار ہوتا ہے اور ان کی سطوت اور غلبہ قائم ہونے کے زمانہ کو بھی سینکڑوں برس ہو چکے ہیں۔مگر تعجب ہے کہ اس وقت بھی مسیح نہ نکلا۔

علماء اسلام کو آپ دابۃ الارض کہتے ہیں۔یہ دابۃ الارض تو عہد نبوی ہی سے موجود ہیں۔غرض دابۃ الارض کو نکلے ہوئے صدیاں گزرتی گئیں، مسیح کا ظہور ہونے میں نہ آیا

دخان کی تعبیر آپ نے قحط شدید سے کی ہے۔یہ بھی عہد نبوی سے لاحق حال مملکت اسلام وغیر اسلام رہا ہے اور بایں ہمہ مسیح نے اس ممتد زمانہ میں منہ نہیں دکھلایا۔

مسیح موعود نے ظہور پکڑا بھی تو کب؟ جب ان امارات نے جن کا مسیح کے بعد

آنے کا ذکر تھا، سینکڑوں سال سے دنیا کو تباہ ویران کر رکھا ہے۔ جناب مرزا صاحب آپ کی یہ بیان کردہ تاویلات ہی بتلا رہی ہیں کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ اگر مسیح موعود ہوتے تو ضرور تھا کہ دجال کے بعد اور یاجوج ماجوج، و دابۃ الارض سے پہلے تشریف لاتے۔ اگر آپ کو اصرار ہے کہ آپ ضرور مسیح موعود ہیں تو آپ کی تاویلات دابۃ الارض، یاجوج ماجوج وغیرہ صحیح نہیں اور جب یہ صحیح نہیں تو اس کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آپ مسیح نہیں ہیں۔

۴۔مرزا صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے:

اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسیح حضرت موسی سے چوداں سو برس بعد یہودیوں کی اصلاح کیلئے آیا جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں سے اٹھایا گیا۔ علی ہذا ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا۔

مرزا صاحب کی اس دلیل میں بھی غلطیاں ہیں:۔

۱۔مسیح حضرت موسی سے ۱۴سو برس بعد نہیں بلکہ سولہ سو برس بعد آئے۔ بائیبل دیکھ لو۔ اور ازالہ اوہام صفحہ ۲۷۸ پر اپنا اقرار ملاحظہ کر لو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت موسی سے بائیس صدیوں کے بعد ہوئے۔ سنہ عیسوی وہجری.. گواہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ مسیح سے ۵۷۰ برس بعد ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت مسیح حضرت موسی سے ۱۶ صدیوں کے بعد ہوئے۔

بالفرض مسیح چودہ صدیوں کے بعد آئے تھے تب بھی توافق زمانہ نہ رہا کیونکہ مرزا صاحب اپنے سال پیدائش کے لحاظ سے تو بارہ صدیوں کے بعد اور سال دعوی کے اعتبار سے کامل تیرہ صدیوں کے مسیح ہوئے ہیں۔ بہرحال اگر یہ قاعدہ مان لیا جائے تو جس قدر عرصہ کے بعد حضرت موسی سے حضرت مسیح ہوئے تھے، اسی قدر عرصہ کے بعد حضرت محمد ﷺ سے مثیل مسیح ہو۔تب بھی تاریخ کی رو سے مسیح موعود کے آنے میں خواہ وہ اصل ہوں (ہمارے مذہب کے موافق) یا مثیل (مرزاجی کے موافق) تین صدیاں اور آپ کی منہ مانی مدت کی رو سے پوری ایک صدی باقی ہے۔

غرض اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ دلیل بھی غلط ہے اور مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔

۵۔مرزا صاحب کی پانچویں دلیل یہ ہے: ازانجملہ یہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم

الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ سو وہ یہی عاجز ہے۔

اس میں بھی چند مغالطے اور غلطیاں ہیں۔ مغالطہ یہ ہے کہ آنے والے ابن مریم کے لئے پیدا ہونے کا لفظ استعمال کیا، تا سمجھا جائے کہ وہ آسمان سے اترنے والا نہ ہوگا اور لوگ دھوکے میں پڑ جائیں کہ مسیح کی پیدائش کا احادیث میں ذکر صریح ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ اس کا الف ششم میں پیدا ہونا ضروری ہے، مرزا صاحب کے کلام میں تو ملتا نہیں، ان کے سینہ میں ہو تو ہو۔

اپنے آپ کو آدم اور ابن مریم آخر الخلفاء بنانے میں براہین احمدیہ کے جو حوالے مرزا صاحب نے دیئے ہیں، وہ بے سود ہیں کیونکہ نزول مسیحؑ کے بارہ میں جو کچھ انہوں نے براہین میں تسلیم کیا تھا، اب وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے اور جائز رکھتے ہیں کہ براہین کا اتنا حصہ غلط اور پرانے خیالات کا فوٹو تسلیم کیا جائے۔ لہذا اب ان کا کیا حق ہے کہ اسی کتاب کے دوسرے حصے کو بطور نص قطعی کے پیش کریں اور اسے مان بھی لیا جائے۔ ماسوا اس کے جو حوالے مرزا صاحب نے دیئے ہیں بالکل بے سود ہیں۔ الہام جو موافق شرع ہو وہ مفید ظن ہے۔ ورنہ مفید ظن بھی نہیں۔

۶۔ مرزا صاحب کی چھٹی دلیل از انجملہ نزول مسیح کی یہ علامت لکھی ہے کہ دو فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھے ہوئے ہوگا۔ یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ اس کا دایاں اور بایاں ہاتھ جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے، آسمانی موکلوں کے سہارے پر ہوگا، اور وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالی سے علم لدنی پائے گا اور اس کی ضروریات زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا (ازالہ اوہام۔ ص ۶۹۷)، اسی لئے خدا نے نام متوکل رکھا ہے۔

اس بیان میں بھی بہت غلطیاں ہیں:

۱:۔ فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھی ہوئی ہوں گی۔ مرزا صاحب نے . رکھی ہوئی ہوں گی . سے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مدت العمران کی ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھی رہیں گی۔ چونکہ یہ طرز بیان قابل تاویل بن گیا تھا، لہذا آگے چل کر اس کی تاویل کر دی لیکن حدیث کے الفاظ یہ ہیں فینزل عندالمنارة البیضاء شرقی دمشق بین مهزودتین واضعاً کفّیه علی اجنحة ملکین عیسی شہر دمشق کے شرق میں

سفید منارہ کے پاس زرد لباس پہنے دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر نازل ہونگے۔

ان کی تاویل کرنے کی حاجت نہیں۔ ماسوا اس کے تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ الفاظ جن کی تاویل کر کے اس کے مصداق مرزا صاحب خود بنتے ہیں، صحیح مسلم کی حدیث عن نواس بن سمعان کے ہیں (یہ پوری حدیث ہماری اس کتاب میں کسی جگہ منقول ہے)۔ اور اس حدیث کی نسبت مرزا لکھ چکے ہیں کہ اس کے مضامین عقل، شرع اور توحید کے خلاف ہیں۔ جب ان کا اس حدیث کی نسبت یہ اعتقاد ہے تو پھر اسی حدیث میں سے اپنی تائید کے الفاظ نکالنا اور اسے دلیل ششم بنانا کیا عقل، شرع توحید کے خلاف نہ ہوگا؟

ب:۔ وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالی سے علم لدنی پائے گا۔

ازالہ کے صفحہ ۸۱۷ پر مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ فضل احمد صاحب کے شاگرد ہیں اور مولوی مبارک علی، مرزا صاحب کے استاد زادہ ہیں۔ اسی طرح اور بھی بیسیوں استاد ہیں جن سے مرزا صاحب نے پڑھا اور علم حاصل کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا صاحب اپنی نسبت کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی کے شاگرد نہیں۔ دراصل اس عبارت سے مرزا صاحب کا مقصود یہ ہے کہ نبی امی کا شرف خاص بھی اپنے اندر ثابت کریں اور علّمنی ربی فاحسن تادیبی کے مصداق اپنے آپ کو بھی ٹھہرا دیں لیکن ان کا یہ دعوی خود ان کے اقرار مندرجہ ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۷ سے غلط ہو گیا۔

ج:۔ اور اس کی ضروریات زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا۔

رب کریم تو کل مخلوق کی ضروریات زندگی ہی کا متکفل اور متولی ہے۔ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے و فی السّماء رزقکم وما توعدون، نحن نرزقکم و ایّاکم پھر مرزا صاحب کی خصوصیت کیا ہے۔ ہاں اگر وہ فرمائیں کہ لوگوں کو اسباب کے ذریعہ ملتا ہے اور ان کو بلا واسطہ اسباب، تو یہ بھی غلط ہے وہ زمینداری کا علاقہ جس نے حارث حراث آپ کو بنا دیا ہے اور نسل در نسل مغلیہ عہد سے خاندان میں چلا آیا ہے، کتنا بڑا سبب ہے۔ تصانیف کی آمدنی اور احباب کی فتوح علاوہ براں۔ اب رہا نام متوکل ہونا، چندہ کیلئے ان کی بار بار کی درخواستوں اور التجاؤں نے توکل کی نفی ثابت کر دی ہے۔

۷۔ مرزا صاحب کی ساتویں دلیل ازانجملہ علامت مسیح یہ لکھی ہے کہ اسکے دم سے کافر مرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر

سکیں گے کیونکہ اسکے کامل دلائل کے سامنے مرجائیں گے۔ سو عنقریب لوگ دیکھ لیں گے کہ حقیقت میں حجت اور دلیل اور بینہ کی رو سے مر گئے۔(ازالہ اوہام۔ص ۶۹۹)

اس بیان میں بھی چند غلطیاں ہیں:

علامت مسیح یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا۔ مرزا صاحب یہ تو فرمائیں کہ یہ علامت کہاں لکھی ہے۔ کیا مسلم کی حدیث عن نواس بن سمعان میں؟ جس کے مضمون کو آپ نے شرک اور حماقت سے پر بتایا ہے۔ پھر اس حدیث سے استدلال مرزا صاحب کے لئے کیا ہوگا؟ وہ خود ہی فیصلہ دیں۔

مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ اب تک تو ان کے دلائل سے کچھ کام نہیں نکلا، ہاں عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ صفت ذاتی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوسکتی، آپ مسیح بن کر تو آ گئے لیکن ہنوز مسیح موعود کی صفات سے رنگین نہیں ہوئے۔

۸۔ مرزا صاحب کی آٹھویں دلیل از انجملہ علامت مسیح موعود یہ ہے:

. جب آئے گا لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا۔

مرزا صاحب! آپ کے صدق اور کذب دعوی کا اسی پر امتحان ہے کہ آپ کسی حدیث یا آیت قرآنی سے یہ نکال کر دکھائیں کہ مسیح مسلمانوں کے عقائد میں بھی غلطیاں نکالے گا۔ اگر آپ یہ الفاظ دکھلا دیں، تو آپ کے سچے ہونے میں کیا کلام ہے، ورنہ خدا سے ڈریں۔ دل سے باتیں بنا بنا کر اتباع نفس و ہوا کیوں کرتے ہو؟

اس بیان میں مرزا صاحب نے دو غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کے عقاید سے نکال دی ہیں۔

ا:۔ . لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح ابن مریم نبی ناصری جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ سو پہلے یہی غلطی ان کی دور کر دی گئی اور ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا عیسائیوں میں سے یونی ٹیرین فرقہ جو اس بات کا قائل ہے کہ مسیح مر گیا اور دنیا میں نہ آئے گا۔ .

اس بیان میں مرزا صاحب نے چند مغالطے دیئے ہیں۔ اول یہ لکھ کر کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح آئے گا جو نبی ناصری ہے جو فوت ہو چکا ہے۔ بے شک مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے کہ مسیح نبی ناصری ہی آئے گا مگر آپ نے الفاظ . جو فوت ہو چکا ہے . کو

مسلمانوں کی طرف منسوب کرنے میں پچھلے مسلمانوں پر افتراء کیا اور حالیہ کو مغالطہ دیا۔

دوم یہ لکھ کر کہ ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں میں سے موت مسیح کے قائل تھے .، مرزا صاحب نے صاف مغالطہ دیا ورنہ براہ مہربانی وہ طبقہ بعد طبقہ دس دس مسلمانوں کے نام تو لیں جو وفات مسیح کے قائل تھے۔ دس نہیں تو پانچ ہی سہی۔ و ان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتّقوا۔

مولوی رحمت اللہ مہاجر (کیرانوی) نے ایک پادری کے جواب میں کیا خوب تحریر فرمایا ہے۔ پادری کا اعتراض یہ تھا کہ جب شریعت توریت لا چکی اور فضل انجیل عنایت کر چکی تھی تو نبوت محمد ﷺ کی کیا ضرورت رہ گئی۔

مولوی رحمت اللہ صاحب نے فرمایا:

عیسائیوں کا یہ منہ نہیں کہ ہم پر یہ اعتراض کرسکیں۔ کیا یہودیوں نے مسیح کو تسلیم کیا؟ کیا مریم صدیقہ کی نسبت بہتان لگانے سے وہ باز آئے؟ کیا وہ قائل نہ تھے کہ انجیل آسمانی کتاب نہیں۔ کیا وہ بڑے دعوے سے نہ کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ کیا وہ پرزور لفظوں میں نہ کہتے تھے کہ مسیح دوبارہ نہیں آسکتا۔

عیسائی سب کچھ سنتے تھے مگر یہود کے حملوں کا کچھ جواب نہ دے سکتے تھے۔ سیدنا محمد ﷺ نے عیسائیوں کو یہود کے ان حملوں سے بچایا۔ حضرت مسیح کے رسول اور کلمۃ اللہ ہونے کی گواہی دی۔ ان کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔ مریم کا صدیقہ ہونا ظاہر کیا۔ انجیل کو ہدایت اور نور بتلایا۔ مسیح کے قتل و صلب کی قطعی اور تاکیدی الفاظ میں نفی کی۔ اور بالآخر یہ ظاہر کر دیا قال ﷺ للیهود انّ عیسی لم یمت و انّه راجع الیکم قبل یوم القیامة۔ حضرت عیسیٰؑ ہرگز نہیں مرے، وہ تو قیامت سے پہلے پھر دنیا میں آئیں گے۔ اور ایک عام حکم لگا دیا کہ کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا رسول اور اس کی ماں کو صدیقہ نہ سمجھے۔

مولوی رحمت اللہ کی تقریر کو دیکھئے کہ وہ نبوت محمدیہ کے اسباب بعثت میں سے ایک سبب یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ یہود کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور ان کو حیات مسیح اور نزول مسیح کی خبر دی گئی اور اس کے متعلق ان کے عقاید میں جس قدر غلطیاں تھیں وہ رفع کر دی گئیں۔ اب مرزا صاحب کی تقریر دیکھئے کہ آپ اس مقصد نبوت محمدیہ ﷺ کے

خلاف پھر یہود کا وہی پہلا اعتقاد زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کی تکذیب خود رسول کریم فرما چکے اور قرآن مجید ربانی طاقت سے یہود کے ان معتقدات کو جھٹلا رہا ہے۔...

دوسری غلطی مرزا صاحب نے جو نکالی وہ بتلائی ہے کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی قبر میں دفن کیا جائے گا۔لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت ﷺ کی قبر کھودیں گے اور یہ کس قدر لغو حرکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔

اس تقریر میں بھی چند مغالطے ہیں:

تیرہ سو برس کے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی یہ اعتقاد نہیں کہ حضرت مسیحؑ، آنحضرت ﷺ کے لحد منور میں دفن کئے جائیں گے اور اس لئے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودی اور نبی پاک ﷺ کی ہڈیاں نکالی جائیں گی۔حیف صد حیف محض یہ جتانے کیلئے کہ ہم نے مسلمانوں کی کوئی غلطی نکال دی ہے، پہلے تو مرزا صاحب نے مسلمانوں پر افتراء کیا کہ ان کا یہ اعتقاد تھا پھر ہمارے سید و آقا کی نسبت نہایت مکروہ الفاظ کا دانستہ شوخانہ طرز پر استعمال کیا جس کو پڑھ کر ایک محبّ رسول کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے اور جسم لرز جاتا ہے۔افسوس یہ الفاظ اس شخص کے قلم سے نکلے ہیں جس کو محبت رسول کا سب سے بڑھ کر دعوی ہے۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

مسلمانوں کا بے شک یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح آنحضرت کے مقبرہ منورہ میں مدفون ہوں گے ...مرزا صاحب خیال کرلیں کہ ابوبکر اور عمر کس طرح پر دفن ہیں۔

ازالہ اوہام کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب کو یہ تو یاد نہیں رہا کہ روضہ رسول میں عیسی بن مریم کے دفن ہونے کو میں مسلمانوں کی غلطی اور اس غلطی نکالنے کو اپنے مسیح موعود ہونے کی دلیل بتا چکا ہوں، مگر صرف یہ خیال رہا کہ جو کچھ ابن مریم کے حق میں آچکا ہے وہ سب اپنے اوپر منطبق کرلوں لہذا نہایت صفائی سے اقرار کرلیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ روضہ رسول کی خالی زمین پر سرکنڈا مار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے۔

اس عبارت کے بعد وہ سب اعتراضات جو مرزا صاحب نے ہم پر کئے تھے ان پر

لوٹ پڑے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس عقیدہ کو وہ مسلمانوں کی غلطی بتاتے تھے یہ خود ان کی غلطی ہے۔

۹۔ مرزا صاحب کی نویں دلیل از انجملہ . مسیح موعود کی یہ علامت ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالی سے وحی پانے والا۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے .۔

یہ سچ ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہو گا۔ مسلم شریف کی حدیث عن نواس بن سمعان میں چند بار یہ الفاظ آئے ہیں و یحصر نبیّ اللّٰہ عیسی و اصحابہ فیرغب نبیّ اللّٰہ عیسی و اصحابہ ثم یھبط نبیّ اللّٰہ عیسی .... الخ عیسی نبی اللہ کا لفظ اس رسول اور کلمۃ اللہ کی ذات والا صفات کیلئے ایسا ہی خاص ہے جیسے غلام احمد قادیانی، مرزا صاحب کی ذات سے خاص ہے۔ مرزا صاحب نے بڑے دعوی سے لکھا ہے کہ غلام احمد قادیانی تمام دنیا میں بجز ان کے اور کسی کا نام نہیں۔ میں رب کریم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابتدائے دنیا سے لے کر قیام قیامت تک عیسی نبی اللہ بجز اس مریم کے بیٹے، بنی اسرائیل کے رہبر، صاحب انجیل، نبی ناصری کے اور کسی کا نام نہیں۔ نہ ان سے پہلے کوئی عیسی نبی اللہ ہوا اور نہ آئندہ کوئی ہوگا۔ اور حدیث شریف میں انہی کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عیسیؑ کے پاس وحی جبریل کا آنا بھی ہمارا مذہب ہے۔ امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسنؒ نے اس پر بالتفصیل بحث کی ہے اور اس مذہب کی بنیاد بھی اسی حدیث نواس کے یہ الفاظ ہیں اذ اوحی اللّٰہ الی عیسی۔

مگر مرزا صاحب پر افسوس ہے کہ مسیح موعود کی یہ علامت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اللہ ہوگا، جس کے پاس وحی ربانی بھی آیا کرے گی اور بایں ہمہ اپنے ہی آپ کو مسیح موعود خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسی بن مریم تشریف لائیں گے تو نہایت غیظ وغضب میں بھر کر فرماتے ہیں، یہ ہو نہیں سکتا۔ آیت خاتم النبیین روکتی ہے کہ کوئی نبی بھی آئے، نیا ہو یا پرانا۔ یہ آیت تو سب کے لئے سدّ راہ ہے پھر مسلمانوں کو نہایت تمسخر سے کہتے ہیں:

اچھا اگر عیسی نبی اللہ ہی آئے اور ان پر وحی بھی اترے، تب تو ایک نیا قرآن اور بن جائے گا۔ یہ قرآن ۲۳ سال میں اتنا اترا ہے تو حضرت عیسی کا چہل سالہ اقامت میں اس سے دوگنا قرآن جدید ہو جائے گا۔ مسلمان کلمہ بھی ان ہی کا پڑھنے لگیں گے۔

یہ سب کچھ لکھ کر جواب اپنے آپ کو نبی اللہ بنانے اور وحی الٰہی کا مہبط قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے تب بے چون و چرا مسیح موعود کی علامت میں سے اس کا نبی اللہ اور وحی پانے والا ہونا بھی تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس لئے کہ ان کی وہ تلوار جو مسلمانوں کے لئے کھینچی تھی، ان ہی پر الٹ کر نہ جا لگے، یوں فرماتے ہیں کہ اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت تک محدود ہے۔ ناظرین ایسی تفسیر اور شرح کی نسبت ہی ما لا یرضی بہ قائلہ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں نبی اللہ ہے اور مرزا جی اس سے محدثیت کو تعبیر کرتے ہیں اور لطف یہ کہ محدثیت تعبیر کرنے کے بعد اپنے آپ کو وحی پانے والا بدستور قائم رکھتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ جب آپ کو حسب الہام خود ہشتاد سالہ عمر تک پہنچنا ہے اور وحی بھی آپ پر آتی ہے تو آپ کا قرآن کس قدر بڑھ جائے گا۔

حضرت عیسی کو تو جس قسم کی وحی آئے گی اس کا ذکر اسی حدیث میں موجود ہے اذ اوحی اللّٰہ الی عیسی انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لا حد بقتالھم فحرّز عبادی الی الطور۔ خدا حضرت عیسی کے پاس وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ ان سے لڑائی کی کسی کو طاقت نہیں، سو تو میرے مسلمان بندوں کو طور پر پناہ میں لے جا۔ اور ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ وحی احکام و شرائع پر مشتمل نہ ہوگی۔ ہاں اب مرزا صاحب کی وحی کو دیکھنا چاہیے کہ آپ جا بجا براہین احمدیہ کی عبارتوں کو دلیل اور مقابلہ کے وقت اس طرح پر پیش کرتے ہیں گویا یہ عبارتیں بھی قرآن مجید کی مانند تمام مسلمانوں پر حجت شرعیہ ہیں۔ جس طرح اکابر دین نزاع فیما بین کے وقت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ پیش کیا کرتے ہیں، مرزا صاحب براہین کی عبارتیں اسی طرح ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱۰۔ مرزا صاحب قادیانی کی دسویں دلیل از انجملہ مکاشفات مولوی عبداللہ صاحب غزنوی، مسیح موعود ہونے کی علامت ہیں۔ حافظ محمد یوسف راوی ہیں کہ مولوی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا۔ مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔

ناظرین اول تو کشف خود ہی اعتبار کی شئے نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب بے چارہ تو

ایک ادنی امتی ہی تھے، مرزا صاحب کا ایک اولوالعزم رسول کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کا مکاشفہ کچھ بت صاف نہیں تھا۔ (ازالہ اوہام۔ص۶۹۲)

پس ایک رسول کا کشف مکدر تھا تو مولوی عبداللہ صاحب کے کشف کا کیا درجہ رہا؟

نیز اس کا راوی بھی اب قابل اعتماد نہیں رہا کیونکہ اس کشف کی روایت اس نے مرزا صاحب کا مرید ہونے اور آپ کے دعوی سے پہلے نہیں کی (پھر حافظ محمد یوسف نے خود مرزا کی بیعت سے رجوع کیا۔معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے استاد عبداللہ غزنوی مرحوم سے کچھ نہ سنا تھا)

الفاظ کشف کی خصوصیت سے مطابقت مرزا جی کی ذات سے ذرا بھی نہیں ۔ بالفرض قادیان میں نور اترنا ایک کشف میں معلوم ہوا، مگر اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ نور خود مرزا جی ہی ہیں۔ اچھا وہی سہی ، پھر بھی مسیح موعود ہونے کی علامت اس خواب میں کچھ بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اگر اس کشف کا تعلق مرزا جی کی ذات سے ہو، تو آپ ایک صالح مرد ثابت ہوسکیں گے اور جب تک اسی حالت میں مرزا صاحب نظر آئیں گے جس حالت میں صاحب کشف کے زمانہ (۱۸۷۹ءتک) میں تھے وہ صلاحیت ان میں پائی جائے گی۔

نیز یہ الفاظ جو راوی کشف نے بیان کئے ہیں اپنے بطلان پر اپنے اندر ہی شہادت موجود رکھتے ہیں۔ وہ شہادت ان الفاظ میں ہے . مگر افسوس میری اولاد اس سے محروم رہے گی . ۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب کا اولیاء الرحمٰن سے ہونا ہمارے اور مرزا جی کے نزدیک مسلّم ہے (مرزا صاحب فرماتے ہیں: مجھے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سے دلی محبت تھی اور میں ان کو اپنے اس منصب کے لئے بطور ارہاص کے سمجھتا تھا یا جیسا کہ یحی،عیسی کے پہلے ظاہر ہوا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۵۱) اور اولیاء الرحمٰن کے آثار بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب نے سب سے آخری اثر اور علامت ان کی یہ لکھی ہے کہ خدا تعالی کئی پشتوں تک ان کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظر رحمت رکھتا ہے (ازالہ اوہام۔ص ۴۴۸)۔ پس ثابت ہوگیا کہ راوی کے وہ الفاظ غلط ہیں اور جیسا کہ آپ اولیاء الرحمٰن کے آثار میں لکھ چکے ہیں، اللہ تعالی کی نظر رحمت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم کی اولاد پر برابر ہے اور وہ بھی اپنے نامور باپ کی طرح

اتباع سنت میں کامل اور نہایت معمور الاوقات ہیں۔

۱۱۔ مرزا صاحب کی گیارھویں دلیل ازانجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جس کو کریم بخش نمازی نے بیان کیا (اور کریم بخش کے پابند صوم وصلوۃ ہونے گواہی ۵۵ شخصوں نے دی، ان میں مشرک بھی ہیں، کافر بھی ہیں، انہی میں جاہل اور نادان بھی ہیں۔ جو توثیق وتصدیق کو نہیں جانتے۔ انہی میں بعض مرزا صاحب کے مرید بھی ہیں) کہ گلاب شاہ نے اس سے کہا تھا کہ عیسی قادیان میں ہے اور اب جوان ہو گیا ہے وہ لدھانہ آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ عیسی بن مریم نبی اللہ تو مر گیا، وہ نہیں آئے گا۔ (ازالہ اوہام۔ص ۷۰۹)

یہ کشف سراسر لغو اور غلط ہے۔ کریم بخش کا بیان ہرگز قابل توثیق نہیں۔ اور کسی مجذوب کو رسول معصوم کے خلاف لب کشائی کی ہرگز جرأت نہیں۔ کوئی کشف احادیث صحیحہ ومرفوعہ کی تکذیب نہیں کرسکتا اور سید الانبیاء کے ارشادات کی صحت کا معیار کسی شخص کا کشف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کریم بخش کی مضطرب بیانی کو دیکھئے کہ لوگوں کے سامنے جو اظہار دیا ہے اس میں بیان نہیں کیا کہ عیسی کا نام بھی مجذوب نے اسے بتایا تھا۔ بلکہ بعد میں کریم بخش نے آکر یہ کہا کہ ایک بات بیان کرنے سے رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلا دیا تھا کہ عیسی کا نام غلام احمد ہے۔ دیکھو تمام خبر کا عطر اور تمام کشف کی جان تو یہی نام تھا اور وہی کریم بخش سے ابتدائی بیان میں چھوٹ گیا تھا تو اب اس کے حافظہ اور یاد پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

رسالہ نشان آسمانی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو بھی میاں کریم بخش کی جانب سے شک ہوا اور انہوں نے ازالہ اوہام میں اس کی شہادت دینے کے بعد کسی نامعلوم وجہ کے باعث اس کو مکرر طلب کر کے اس کی شہادت پھر لی اور اس شہادت لینے سے پہلے اس کو مکرر قسمیں دلائیں۔ پھر جب اس کا بیان لکھا گیا تو اس میں اور بھی اضطراب نظر آیا۔ ازالہ اوہام میں اس کا بیان ہے کہ مجذوب صاحب نے کہا تھا کہ عیسی قادیان میں ہے۔ تب میں نے کہا قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسی کہاں ہے۔ اس کا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ضلع گورداسپور میں کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ نشان آسمانی میں اس نے بیان کیا۔ میں بھول گیا

تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ قادیان ضلع گورداسپور میں عیسی ہے۔۔

یہ ایسی فاش غلطیاں ہیں جو کسی راوی میں روا نہیں رکھی گئیں۔ جس راوی میں ضبط اور عدالت ہی موجود نہیں تو وہ خود کیا اور اس کی روایت کیا۔ مرزا صاحب نے ۵۵ لوگوں سے کریم بخش کے پابند صوم وصلوۃ ہونے کی شہادت لینے میں بے سود محنت فرمائی ۔ مرزا صاحب خوب واقف ہیں کہ راوی کا صرف پابند صوم وصلوۃ ہونا ہی اس کو ثقہ نہیں بنا سکتا۔ افسوس ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث کا انکار کرنے کے لئے تو حضرت نواس بن سمعان صحابی رسول تک کی ذات پر حملہ کرنے میں آپ تامل نہ کریں اور کریم بخش پر اتنا اعتماد کرلیں کہ متن اور رؤس معانی میں اس کا اضطراب ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ساقط العدالت نہ ٹھہرائیں۔

۱۲۔ مرزا صاحب کی بارھویں دلیل:

ازانجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجال معہود کے خروج کے بعد نازل ہو۔ خروج دجال کا زمانہ آیت انّا علی ذھابٍ بہ لقادرون سے ثابت ہے کیونکہ اس آیت کے اعداد ۱۲۷۴ ہجری ۱۸۵۷ء کے مطابق ہیں۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا یہی زمانہ ہے اور خروج دجال کا بھی یہی۔ خدا تعالی فرماتا ہے جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائے گا چنانچہ اس زمانہ سے قرآن اٹھایا گیا۔ اب میں ان حدیثوں کے موافق جن میں لکھا ہے کہ ایک مرد فارسی الاصل دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ہوگا، میں قرآن کو آسمان پر سے لے آیا ہوں۔ (ازالہ اوہام، ص ۷۲۱، ۷۲۵)

یہ بیان مغالطے اور سقم سے بھرا ہوا ہے:

کسی آیت سے اعداد نکالنے سے پہلے اور اس اعداد کے زمانہ کو مضمون آیت سے تعلق دینے سے پیشتر مرزا صاحب پر یہ فرض تھا کہ وہ اعداد جمل کو بھی الٰہی تعلیم ثابت کر دیتے اور بتلاتے کہ الف کا ایک، اور ذال کا ۷۰۰، اور صاد کے ۹۰ ہونے کا ثبوت کس حدیث یا آیت سے ملتا ہے۔ اعداد جمل تو ایک طرف، خود سنہ ہجری بھی جو مرزا صاحب نے نکالا ہے، اور اس کو اس آیت میں مراد ربانی بتلایا ہے، زمانہ نزول قرآن اور حیات پیغمبر ﷺ کے بعد مقرر ہوا ہے اور اس سنہ کا رواج بھی ایک اتفاقی امر ہے نہ کہ وہبی، جو

ارباب تواریخ سے پوشیدہ نہیں۔ برف پر پتھر کی عمارت بنانا اسی کا نام ہے کہ ایسی ایسی وجوہ پر بناء استدلال قائم کی جائے۔

جب یہ اصول ہی غلط ٹھہرا تو اب مرزا صاحب پر لازم ہے کہ خروج دجال معہود کا اور کوئی ثبوت شرعی پیش کریں اور تب مسیح موعود ہونے کے دعویدار ہوں اور اس دعوی کے لئے بھی پھر ثبوت شرعی ظاہر کریں۔...

مرزا صاحب نے و انّا علی ذھا بٍ ... سے یہ ثابت کر کے کہ قرآن مجید ۱۲۷۴ھ میں آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔ پھر لکھا ہے:

اب میں اس قرآن کو پھر زمین پر لے آیا ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ تھا لوکان الایمان معلقاً عند الثّریّا لنا له رجل من فارس (ازالہ اوہام۔ص ۷۲۷)

ان کے اس دعوی اور استدلال میں چند امور غور طلب ہیں:

ا۔ مرزا صاحب کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ ذھاب به میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع قرآن مجید ہی ہے۔ اس آیت سے ماقبل و بعد کی آیتیں ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعوی ہی غلط ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے۔ آیات پر غور کرو:

و انزلنا من السّماء ماء بقدر فاسلکنه فی الارض و انا علی ذھاب به لقادرون فانشا لکم به جنّت من نخیل و اعنابٍ لکم فیھا فواکه کثیرة و منھا تأکلون۔ ہم نے آسمان سے پانی اندازہ کے موافق اتارا اور ہم اس کے دور کر دینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے پانی سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے ۔ ان باغوں میں بہت میوے ہیں جن سے تم کھاتے ہو۔

آیت میں صاف طور پر ماء کا لفظ موجود ہے جس کی طرف ذھاب به اور به جنّت کے ضمائر کا مرجع ہے۔ لیکن اگر اب بھی مرزا صاحب اپنی ہٹ پر ہی قائم رہے تو ان کو مناسب ہے کہ جس طرح ذھاب به کی ضمیر کا مرجع قرآن شریف کو قرار دیتے ہیں، اسی طرح به جنت کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن شریف ہی کو قرار دیں اور پھر ہم کو ترجمہ بھی کر کے دکھا دیں۔

مرزا صاحب قرآن مجید سے قرآن مجید کا زمین سے اٹھایا جانا تو ثابت کرتے

ہیں مگر قرآن مجید سے اس کا دوبارہ آنا ثابت نہیں کرسکتے۔قرآن کے دوبارہ زمین پر آنے کا ثبوت مرزا صاحب ایک حدیث سے دیتے ہیں اور یہ وہی طرز استدلال ہے جس پر خود مرزا صاحب حیات ووفاۃ مسیح میں علماء پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔یعنی جب وہ بزعم خود آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ثابت کرتے ہیں اور علماء کرام اس کے مقابلہ میں احادیث رسول متضمن حیات مسیح کو پیش کرتے ہیں تو آپ فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن مجید قطعی اور متواتر ہے اور احادیث ظنی یا زیادہ سے زیادہ مفید ظن۔لہذا جب قرآن مجید سے وفات مسیح ثابت ہو چکی ،تو پھر حدیث ان کی حیات ثابت نہیں کرسکتی۔ پس اسی طرح اے مرزا صاحب! جب قرآن مجید سے قرآن مجید کا بقول آپ کے ۱۲۷۴ھ میں دنیا سے اٹھ جانا ثابت ہو چکا،تو اب اس کا دنیا پر موجود ہونا آپ ثابت نہ کرسکیں گے کیونکہ آپ کا قابل اعتراض طرز استدلال اگر علماء کے لئے جائز نہیں تو آپ کے لئے بھی کیوں جائز ہوسکتا ہے۔

مرزا صاحب قادیانی نے اپنے فارسی النسل والاصل ہونے کا ثبوت کچھ بھی نہیں دیا بلکہ سمرقندی الاصل ہونے کا اقرار ازالہ اوہام صفحہ ۱۲۰ پر کرلیا ہے۔سمرقند، فارس میں نہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حسب اقرار خود فارسی الاصل نہیں۔اب رہا سمرقندی الاصل ہونا،سو یہ بھی غلط ہے۔ان کا یہ بیان شاید صحیح ہو کہ بادشاہ چغتائی کے زمانہ میں ان کے اجداد سمرقند میں رہتے تھے اور پھر دہلی آگئے۔مگر جس طرح مرزا نویں صدی سے چودھویں صدی تک ہندوستان میں رہنے سہنے اور بودوباش کرنے سے ہندی الاصل نہیں بنے اور نہیں کہلائے ،اسی طرح سمرقند میں چندروزہ قیام آباء واجداد سے وہ سمرقندی الاصل بھی نہیں ہوسکتے۔تحقیق انساب واقوام والے فاضل ایسے ادھورے اور ناقابل اطمینان بیان پر اعتبار نہیں کرسکتے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ مغول ہیں۔..

مرزا صاحب نے معنی حدیث بھی غلط کئے ہیں۔حدیث شریف کے الفاظ

لو کان الایمان عند الثّریّا ہیں، اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۳ پر مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ کان حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے، لہذا ترجمہ الفاظ حدیث یہ ہے کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو میرے اصحاب میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو اس کی طلب وہاں تک کرتا۔ یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی کے سر پر ہاتھ رکھ

کر فرمائی تھی ۔..مرزا صاحب جو اس حدیث کو اپنے زمانہ سے متعلق بتاتے ہیں اور اس حدیث کے تمسک سے دعوی کرتے ہیں کہ آسمان پر اٹھائے گئے قرآن کو میں دوبارہ دنیا پر لے آیا ہوں وہ اس جگہ کان کو بمعنی سوف یکون لیتے ہیں ۔یعنی جب زمانہ دراز آئندہ میں ایمان آسمان پر ہوگا ۔لیکن اس ترجمہ میں علاوہ اس نحوی غلطی اور ازالہ اوہام صفحہ ۶۰۳ کے خلاف ہونے کے معاذ اللہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رسول کریم کے عہد میں بھی نزول ایمان زمین پر نہ ہوا تھا ۔فا عتبروا یا اولی الابصار ۔..

یہی وہ بارہ علامات و دلائل ہیں جو مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے پر پیش کی ہیں، جن کا اغلاط سے پر، سقم سے مملو، مغالطات سے بھرا ہوا ہونا مختصر طور پر عرض کیا گیا۔ ایک آیت، ایک حدیث بھی جو دلالت بلکہ اشارت بھی اس دعوی کی کرتی ہو، اس تمام مضمون میں مرزا صاحب پیش نہیں کر سکے ۔...اس مقام پر چند ایسی علامات کا تحریر کر دینا مناسب ہے جن سے مرزا کا مسیح موعود نہ ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے ۔

مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ان کا یہ اقرار شاہد ہے :

ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کوئی مسیح ظاہری جلال واقبال کے ساتھ آئے ۔ممکن ہے کہ اس پر احادیث کے بعض ظاہری الفاظ صادق آجاویں ۔(ازالہ اوہام ۔ص ۲۰۰)

حکیم نور دین صاحب اپنے خط میں جو ازالہ اوہام کے آخر میں لگا ہوا ہے ایک سائل کو اطلاع دیتے ہیں کہ خود خاکسار نے جب مرزا جی کے حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا:

میں نے تو مثیل مسیح ہونے کا دعوی کیا ہے ممکن ہے کہ مثیل مسیح بہت آویں، اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشین گوئیوں اور نشانات کا ہو جن کو میں روحانی طور پر الہاماً اپنے پر چسپاں کیا ہے ۔.

مرزا صاحب اور حکیم صاحب کی تقریر سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مسیح آئے گا جو ظاہری طور پر احادیث کی پیش گوئیوں اور رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے نشانات کا مصداق ہو اور ظاہری جلال واقبال بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوگا جس کا ذکر حدیث میں بہ تصریح وارد ہے اور وہ اول دمشق میں ہی اترے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب نے ان علامات کو اپنی ذات پر چسپاں کرنے میں بڑی بھاری جرأت کی ہے

اوراس لئے کہ موعود مسیح کی وہ علامات جن کا ظاہری طور پر ظہور ہونا رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے اورانہی علامات سے ہم کو مسیح موعوداور مسیح مدعی میں فرق کرنے کے لئے فاعرفوہ فرمایا ہے، آپ میں پائی نہیں جاتیں ۔ لہذا ہم بعد شناخت کامل بیان کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہرگز مسیح موعود نہیں۔ مسیح موعود وہی دمشق کے شرق میں اترنے والا اور ظاہری جلال واقبال والا ہے جس کے نزول پر ہم مسلمان ایمانی طور پر اورمرزا صاحب امکانی طور پر یقین رکھتے ہیں ۔..

مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ابن الجوزی کی حدیث شاہد ہے جس کے یہ لفظ ہیں ، عیسی زمین پراتر کر بیاہ کریں گے ان کی اولاد ہوگی ۔

مرزا صاحب جو قبل از دعوی مسیحیت شادیاں کر چکے ہیں اوران کی اولاد خدا کے فضل سے اس وقت نوکر چاکر بھی ہے، وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے ۔

مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر حدیث رسول عن ابی ہریرہ شاہد ہے کہ حضرت مسیح مقام روحاء میں آکر حج وعمرہ کریں گے ۔

میں (قاضی سلیمان) نہایت جزم کے ساتھ بآواز بلند کہتا ہوں کہ حج بیت اللہ مرزا صاحب کے نصیب میں نہیں ۔ میری اس پیش گوئی کو سب صاحب یاد رکھیں ۔

(تائید الاسلام ۔ طبع ممبئ ۔ ص ۹۹ ۔ ۱۳۶ ملخصاً)

قادیانی دعوی متعلق بہ تردید عیسائیت:

میرٹھی تجزیہ

قادیانیوں کا دعوی تھا کہ تردید عیسائیت کا کام ہندوستان میں مرزا صاحب نے شروع کیا اور جیسا انہوں نے کیا کسی نے نہیں کیا۔ اس دعوی کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا احمد حسن شوکت یکسرالصّلیب و یقتل الخنازیر کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ مرزا جی کہتے کہ اس کا مورد و مصداق میں ہوں۔ ہم پہلے بھی مرزا جی سے پوچھ چکے ہیں اور اب پھر پوچھتے ہیں کہ یکسر الصّلیب سے کیا مراد ہے اور خنازیر کون ہیں؟ کیا یہی عیسائی صلیب مراد ہے۔ اور کیا خنازیر یہی عیسائی ہیں؟ لیکن ہم نے اب تک نہیں سنا کہ مرزا جی نے کسی گرجا کی صلیب کو توڑا ہو، یا کسی پادری وغیرہ کو قتل کیا ہو۔

اگر تاویلی معنی مراد ہیں، یعنی بجائے صلیب پرستی کے مرزائیت پھیلے گی اور جن لوگوں کے خواص و عادات سوروں کے ہیں، وہ بدل جائیں گے۔ اگرچہ حدیث میں یبدل الخنازیر و یصلح الخنازیر نہیں آیا، تاہم مرزا صاحب کی اس تاویل کا بھی اب تک ظہور نہیں ہوا۔ صلیب پرستی تو خود الحکم (قادیان) کے اقوال کے مطابق روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جبکہ مسیح موعود ہٹا کٹا موجود ہے تو صلیب کیوں مغلوب نہیں ہوتی؟

اور اگر (مرزا کے) مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے یا مغلوب ہوگی تو آپ مسیح موعود نہیں۔ اور اگر مرزائی مراد ہیں جو پہلے خنازیر تھے اور اب اصحاب کہف کے قطمیر بن گئے ہیں تو مرزا جی پر جو اقوام و مذاہب اب تک ایمان نہیں لائے، سب خنازیر ہیں۔ پس جب تک تمام دنیا ان پر ایمان نہ لائے یا سارے خنازیر، یعنی انسان قتل نہ کیے جائیں آپ مسیح موعود نہیں بن سکتے۔ غور کیجئے تو یکسر الصّلیب کیا معنی، مرزا جی سے بڑھ کر تو کوئی عبدالصلیب یا صلیب پرست نہیں۔ وہ ہمیشہ بلاضرورت صلیب پرست گورنمنٹ کے گرجا میں

نک گھسنی کرتے ہیں اور بلا وجہ خوش آمدی میموریل بھیجتے ہیں کہ میں گورنمنٹ کے غلاموں کا غلام ہوں ، پھر سوروں کو تو آپ کیا قتل کریں گے، جہاد کے نام سے لرزتے ہیں۔اور جہاد پر نہیں بلکہ خود مذہب اسلام پر لعن طعن کرتے ہیں کہ وہ ایک ظالمانہ اور قاتلانہ مذہب ہے ...پھر اچھے خاصے مسلمان اور مذہب اسلام کے مجدد۔..

بات یہ ہے کہ مرزا جی برٹش گورنمنٹ کی آزادی کو دعا دیں جس کی بدولت آپ کا بروزی طلسم قائم ہے ورنہ جس طرح عدالت کی ایک ڈانٹ پر آپ نے مہلک اور قاتل پیش گوئیوں سے توبہ کر لی ،اسی طرح دوسری ڈانٹ پر مسیحیت مہدویت کا جبہ قلہ اتار کر گورنمنٹ کے حوالہ کر دیں اور یہی کہیں کہ بندی لنڈوری ہی بھلی (شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ ،اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۷۔۸)

بٹالوی تبصرہ

☆ جناب مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ قادیانیوں کا دعوی کہ ہم ایسے مضامین جو اسلام کو مدد دیں رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں شائع کر کے دین اسلام کو مدد پہنچا رہے ہیں۔ اور اس مدد پہنچانے میں ہم چو ما دیگرے نیست کے مدعی ہیں۔ چنانچہ ریویو کی جلد ۴ نمبر ۷ میں اڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ سلسلہ احمدیہ کی سچائی پر یہ ایک دلیل ہی کافی ہے۔

پھر اس کے ثبوت میں (اڈیٹر ریویو) فرماتے ہیں اس کی ایک ہی مثال کافی ہے کہ کس نے یہ کوشش کی کہ انگریزی زبان میں صرف مذہب اسلام کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ کے رہنے والوں تک یہ پاک پیغام پہنچائے کہ سب غلطیوں سے پاک اور اللہ تعالی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والہ اور سچا روحانی مذہب صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام۔ پھر کس قوم نے کوشش کی ،جیسی کہ ہماری قوم نے ،کہ ان رسالوں کی سینکڑوں کاپیاں مفت ان لوگوں کے گھروں میں پہنچائے۔ یہ جوش سچائی کی حمایت کا اور باطل کی تردید کا کسی کاذب دل میں بھی ہوسکتا ہے؟

اس جگہ ایک تازہ شہادت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ کی تحریروں کو ایک تعصب سے پاک دل کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اس سے پہلے امریکہ میں مسٹر ویب، آسٹریلیا میں مسٹر سیوارٹ اور مسٹر ہنری مچل، انگلستان میں مسٹر کوئیلم کی شہادت کا ئی

دفعہ اشتہارات وغیرہ میں ذکر آ گیا ہے۔ حال میں ایک انگریز کی خط وکتابت ہمارے ساتھ شروع ہے جس کے نام کو میں ابھی مصلحتاً ظاہر نہیں کرتا۔ وہ پہلا خط حضرت اقدس (مرزا) کے نام لکھتا ہے۔ : میں نے اب تک ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی جس میں اسلام کی حمایت اس قدر زور کے ساتھ کی گئی ہو، جیسی آپ کے شاندار پرچے میں۔

پھر دوسرے خط میں جو میرے نام تھا، وہ صاحب لکھتے ہیں: میں نے اب تک کوئی کتاب یا پرچہ نہیں پڑھا جس میں اسلام کی حمایت اس طاقت وراور زبردست ہاتھ سے کی گئی ہو۔

میں (محمد حسین) اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ بے شک آپ کے ریویو میں بعض مضامین مسائل جزیہ فرعیہ اسلام کی تائید میں نکلتے ہیں، مگر اس حلوے میں زہر کی آمیزش بہت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح کو قبل از وقت وفات مار کر ان کی جگہ خود غصب کر کے سنبھال لینا، پھر اس غصب و مداخلت بیجا پر صبر واکتفا نہ کرنا، بلکہ ان کو ہمیشہ تحریرات میں کوستے رہنا اور ان کی اہانت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا، ایسی زہر ہلاہل ہے جس نے گروجی اور چیلے کی تمام تائید جزئیات اسلام کو کان لم یکن کر دیا۔ اس پہلی چوکڑی بھول جانے نے مسائل جزیہ اعتقادیہ وعملیہ میں سے آپ لوگوں کو اسلام کے سیدھے راہ سے بھلا دیا ہے۔ حتی کہ حقیقت ایمان باللہ وایمان بملائکہ نزول وحی ورسالت و حشر نشر ونعیم جسمانی جنت، آلام دوزخ سے بھی منکر بنا دیا

اس مخالفت اصول دین کے ساتھ آپ کا کسی مسئلہ جزئی فرعی میں اسلام کی تائید کرنا ایسا ہے جیسے ایک منافق کا روز خیبر سینہ پھلا کر لڑنا، اور بہت سے زخم کھانا، جس کا ذکر صحیح بخاری کے صفحہ ۶۰۶ و ۹۷۷ وغیرہ کی اس حدیث حضرت ابو ہریرہؓ میں ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مدعی اسلام، خیبر کی لڑائی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا کہ یہ دوزخی ہے۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو بہت ہی لڑا۔ پھر جب اس کو بہت زخم پہنچے تو اس نے اپنے ترکش سے تیز تیر نکال کر اس سے اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ لوگ دوڑتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ جس شخص کو آپ نے جہنمی کہا تھا وہ واقعی جہنمی نکلا اور خدا نے آپ کی بات کو سچ کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ تمام لوگوں کو پکار کر سنا دے کہ بہشت میں وہی جائے گا جو مومن ہوگا۔ اور اس دین کی خدا تعالی اس شخص کے

ذریعہ بھی مدد کرتا ہے جو خود (مومن نہ ہو) فاسق ہو۔

اب رہا جواب تحسین انگریزان نومسلم، وہ بے چارے نومسلم ہیں۔ وہ ابھی حقائق متشابہات اسلام، نزول مسیح وحقیقت ملائکہ وحشر ونشر کب سمجھ سکتے ہیں۔ متشابہات اسلام کی حقیقت تو کرشن جی اور ان کے پرانے سیوک (مولوی) نہیں سمجھتے ....ان بے چارے نومسلموں پر کیا افسوس ہے۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۲۰ ص ۳۴۶۔۳۴۸)

ثنائی تبصرہ

قادیانیوں کے اس دعوی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں:

سب سے پہلے عیسائی پادری فنڈر ہندوستان میں آیا۔ اور اس نے اپنی علمی استعداد کی وجہ سے علماء اور عوام میں کافی شہرت پیدا کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بائیبل کا اردو ترجمہ ابھی نہیں ہوا تھا اور علماء انگریزی سے ناواقف تھے۔ ایسی حالت میں مولوی رحمت اللہ کیرانوی ضلع مظفر نگر کھڑے ہو گئے اور ڈاکٹر وزیر خان ان کے ساتھ ملے جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے مولوی صاحب کو بتاتے اور مولوی صاحب مناظرہ میں ان سے کام لیتے۔ کتاب اعجاز عیسوی اس زمانہ کی تصنیف موجود ہے۔ یہاں تک کہ پادری فنڈر ہندوستان سے نکل بھاگا۔

مولوی رحمت اللہ کے بعد حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری خدا سے توفیق پا کر اس کام (تردید عیسائیت) کے لئے تیار ہوئے۔ آپ نابینا تھے مگر حافظہ کمال تھا۔ سب کچھ زبان سے بولتے تھے۔ میاں عبدالعزیز (مالواڈہ) بیرسٹر لاہور کے والد مولوی الٰہی بخش بڑے متقی پرہیزگار بزرگ تھے۔ وہ حافظ صاحب ہی کے شاگرد تھے۔ اسی طرح دہلی میں مولوی عبدالمجید صاحب مالک انصاری پریس اور ابونصر وغیرہ بھی عیسائیوں کے مدمقابل ہوئے۔ بایں ہمہ قادیانی تحریروں میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب سے پہلے اسلام کا کوئی خادم (بمقابلہ عیسائیت) نظر نہیں آتا تھا، جو کچھ خدمت کی ہے وہ مرزا صاحب نے کی ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے اور ہمارے منہ سے نکل جاتا ہے:

آنچہ مے شنوم بہ بیاریست یارب یا بخواب۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء ص ۵)

چند قصائد مرزا کا تجزیہ

مرزا غلام احمد قادیانی نے عربی میں ایک قصیدہ لکھ کر دعوی کیا کہ یہ اعجازی ہے، کوئی اس کے مقابل نہیں لکھ سکتا۔ اور انہوں نے مد مقابل بہتر یا مساوی قصیدہ لکھنے والے کے لئے دس ہزار روپے انعام مقرر کر کے اس چیلنج کو دور ونزدیک مشتہر کیا۔

مصر کے مشہور عالم جناب شیخ رشید رضا کو چیلنج موصول ہوا تو انہوں نے لکھا

مرزا غلام احمد قادیانی نے، جسے ایک قسم کا جنون ہے اور جس نے عقل سے فارغ خطی لے رکھی ہے، گذشتہ مہینے میں ہمیں ایک عربی قصیدہ بھیجا ہے جس کا دیباچہ اردو میں ہے۔ وہ اس قصیدہ کو اپنا معجزہ سمجھتا ہے۔ اور ایسا قصیدہ لکھنے والے کو دس ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس قصیدہ کے ساتھ ایک انگریزی خط بھی اس نے بھجوایا ہے جس میں اسی قسم کا ہذیان ہے مگر اس بے وقوف نے انعام مقرر کرتے ہوئے کوئی حکم مقرر نہیں کیا جو اس کی بکواس اور شعراء کے سحر بیان اشعار کا موازنہ کرتا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اس قصیدہ پر جرح وقدح کرتے اور مرزا کی لفظی، صرفی، نحوی اور عروضی غلطیوں کے علاوہ اس کا سرقہ بھی پکڑتے اور دکھاتے کہ مرزا نے شعراء متقدمین کے کلام کا سرقہ کر کے اس کی شکل کس طرح مسخ کی ہے۔ اور صحیح کو کیونکر غلط کیا ہے۔ مگر اس خیال سے کہ جو عربی جاننے والے ہیں وہ قصیدہ کے اشعار پڑھ کر خود ہی سمجھ سکتے ہیں اور اہل ہند میں سے جو اس کے فریب میں آچکے ہیں وہ ہماری جرح کو اگر وہ ان کے پاس پہونچ بھی جائے، کب ماننے لگے۔ ہم نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صرف چند شعر نقل کر دیئے تاکہ پڑھنے والے اس کا مضحکہ اڑائیں۔

(یہی رائے دوسرے الفاظ میں اڈیٹر الہلال نے ظاہر کی ہے جو مسیحی مذہب رکھتا ہے اور جس کا مرزا کے ساتھ کوئی عناد بھی نہیں کیونکہ عیسائی ہونیکی وجہ سے وہ مرزا کی گالی گلوچ سے بچا ہوا)

گلزار ہند۔ بحوالہ المنار مجریہ ۱۶ شوال ۱۳۲۰ھ۔ (شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ فروری ۱۹۰۳ء ص ۳)۔

☆ مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی نے اپنے شحنہ ہند کے ضمیمہ میں کئی مرتبہ اس قصیدہ کا فنی تجزیہ کیا۔ ایک دفعہ ، وہی دس ہزار روپئہ والا قصیدہ کے عنوان سے لکھا کہ مرزا صاحب کا شعر ہے

فجا ئوا بذ ئب بعد جهد اذا بهم

ونعنى ثناء الله منه و نظهر

ذو ب گداختن اور اذا به گدازانیدن یعنی دوسرے سے گلوانا۔ مگر جهد کی یہ صفت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ معنی ہوئے کہ بڑی کوشش کے بعد جس نے ان کو گلوادیا ایک بھیڑیا لائے۔

اور دوسرے مصرعہ میں عنی یا نعنی کا صلہ بہ آتا ہے نہ کہ من۔ صلہ کے حروف جارہ تک کی تمیز نہیں۔

و قال استروا امرى و انى ارود هم

اخاف عليهم ان يفروا و يد بروا

ستار باب افعال سے نہیں آتا بلکہ استتا ر آتا ہے اور ستر بھی کسی امر یا بھید کے چھپانے کو نہیں کہتے، بلکہ پردے اور پوشش اور پردے میں چلے جانے اور لباس کو کہتے ہیں۔ امر یا راز کے چھپانے کو اخفاء کہتے ہیں پس مصرعہ اولی یوں بنالیجئے

و قال اخفئو امرى و انى ار ودهم

یا یوں کہو

و قال اخفئو سر ى و انى ارودهم

اور مصرعہ ثانیہ میں يد بروا غلط ہے۔ اگر پشت دی جانے، یعنی بھاگنے کے معنی ہیں تو اد بار مصدر لازم نہیں بلکہ متعدی ہے۔ اور اگر باب افعال سے صیغہ مجہول ہے تو یہ معنی ہوئے کہ پشت دیئے جائیں، جو بالکل مہمل ہے۔ اور پیٹھ دی جانے کے لئے استد بار آتا ہے، نہ کہ اد بار

رأوا ابرح بهتا ن تشادو تعمر

فقالوا لجاك الله كيف تزور

برج بہتان ماشاءاللہ خیر نال نکی گل ہے۔زبان عرب میں برج بہتان کس نے باندھا اور تعمیر کیا ہے۔ شائد مرزاجی اسے اپنا برج منارہ سمجھے ہیں۔کسی شاعر عرب کی سند پیش کیجئے

فصارو بمدّ للرماح درية

و يعلمها احمد على المد بر

رمح نیزے کو کہتے ہیں اور زیادہ مناسب سهم یعنی تیر ہے۔پس رماح کی جگہ سہام چاہیے۔یعنی فصاروا بمدّ للسهام درية

و ان لسا ن المر عما لم يكن له

اصاة على عورا ته هو مشعر

اصاة بمعنی عقل بڑا بھاری، اجنبی، چینی، مغلئی محاورہ چین سے ڈھونڈ کر لائے۔سلیس لفظ (صواب) کیوں بھرتی نہ کردیا یعنی

صواب على عورا ته و هو مشعر

آپ کو تو زحاف کا دور کرنا بھی نہیں آتا۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ ۱۹۰۳ء)

☆ ایک دوسرے مقام پر مولانا احمد حسن شوکت رقم طراز ہیں:

مرزاجی کے مرید محمد احسن امروہی صاحب نے اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کی پھر تحریک کی ہے۔(اس سلسلے میں)

. گذارش ہے کہ اگر جیب میں ٹکے ہوں تو مرزاجی پانچ ہزار (روپئہ) امرتسر میں یالاہور میں کسی ایسے صاحب کے پاس جمع کرادیں جو ہمارا بھی معتمد ہو۔مثلاً امرتسر میں منشی غلام محمد صاحب فاضل وخواجہ صمد شاہ صاحب اڈیٹران اخبار وکیل۔یا میر کرامت اللہ صاحب میر۔اور لاہور میں مولوی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار یا مولوی محرم علی صاحب چشتی مالک رفیق ہند یا میاں محمد چٹو صاحب تاجر ریشم۔

اس کے بعد طرفین سے محاکم مقرر ہوں۔اگر ہمارے کسی شاگرد کا قصیدہ مرزاجی کے قصیدہ سے بڑھ کر رہے اور مجلس محاکمہ کے ممبر ہم کو ڈگری دیں تو ہم پانچ ہزار لینے کے مستحق ہوں گے ورنہ نہیں۔ تم نے دس ہزار کا اعلان دیا تھا ہم اس کا نصف ہی مانگتے ہیں۔اگر مرد ہو تو ایسے موقع سے نہ چوکو۔ (ضمیمہ شحنہ ہند ۱۹۰۳ء)


ایک دفعہ جناب احمد حسن شوکت نے لکھا:

مرزا جی نے اپنے قصیدہ کا جواب لکھنے والے کے لئے دس ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان دیا تھا ہم اس کا نصف یعنی پانچ ہزار روپیہ طلب کرتے ہیں، بشرطیکہ کسی مقام پر اپنے اور ہمارے مقبولہ امین یا کمیٹی کے پاس جمع کر دیئے جائیں، ورنہ مرزا جی کا کیا اعتبار رہے کہ پانچ ہزار روپیہ دے سکیں گے۔ کتنی مرتبہ مرزا جی نے خالی خولی تھلیاں دکھائیں مگر کسی کو ایک ٹکا بھی نہیں دیا۔

ہم بڑی جرأت اور دلیری اور استحکام کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اگر ۵ ہزار روپے کی پوری کفالت ہو جائے تو ہم تحدی کرنے کو تیار ہیں۔ مرزا جی یہ بتائیں کہ کس قسم کے مضامین چاہتے ہیں؟ کیا وہی تردیدی مضامین جو ہمیشہ شحنہ ہند میں شائع ہوتے ہیں یا کسی اور قسم کے مضامین۔ دو ہفتے کے مابین جواب دیں۔

(شحنہ ہند ضمیمہ۔ ۸ جون ۱۹۰۳ء ص ۶)


ایک دفعہ جناب احمد حسن شوکت نے لکھا:

مرزا صاحب قادیانی کا ایک مطوّل خط الحکم قادیان۔ ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں بجواب خط مولوی اصغر علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور شائع ہوا جس میں مرزا صاحب کو اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کی کتاب حمامۃ البشریٰ کے بعض مقامات میں صرفی نحوی یا عروضی غلطی ہے۔ اور نیز بعض مضامین یا فقرات یا اشعار چرائے گئے ہیں۔

مرزا صاحب اپنی ضعف پیری بیماری کثرت اشغال وغیرہ کے وجوہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ ان حالات میں ایسی اور اس قدر تصنیف کر لینا غنیمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں اس طور کی تحریروں میں کوئی صرفی نحوی غلطی رہ جائے تو بعید کیا ہے؟ مجھے کب یہ دعوی ہے کہ یہ غیر ممکن ہے؟ ان کم فرصتوں اور اس قدر جلدی میں جو کچھ قلم سے گذر جاتا ہے اس کو خدا تعالیٰ طرف سے سمجھتا ہوں، ہاں اگر غلطی ہے تو میرے نفس کی وجہ سے۔

غرض مرزا صاحب نے مان لیا ہے کہ ان کی تحریریں غلطیوں سے پاک نہیں ہوتیں اس پر انہیں الہامی تحریریں کہتے ہیں۔ جب الہام غلط ہوا تو نبوت اور اس کا دعوی بھی

غلط ہو گیا۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ص۲)

☆ ایک مرتبہ مولانا احمد حسن شوکت نے سید خادم علی بی اے وزیرآبادی کی ایک تحریر شائع کی جس میں مرزا صاحب کو مقابلے کے لئے میدان میں تشریف لانے کی دعوت دی گئی تھی ۔یہ تحریر یوں ہے:

جو شخص عربی علم وادب سے واقف ہوگا وہ تو مرزا صاحب کی عربی دیکھ کر صاف بول اٹھے گا کہ مرزا صاحب فن انشاء اور شاعری سے محض نابلد نہیں بلکہ ان کی فطرت میں یہ مادہ ہی نہیں رکھا گیا...

مرزا صاحب میں اگر عربی دانی کا دم خم ہے تو مرد میدان بنیں ۔کوئی جگہ اور وقت مقرر کریں فریق مخالف سے بھی کوئی شخص مقابلہ میں آ جائے گا۔اکثر اشخاص مقابلہ کے واسطے تیار ہیں۔

مرزا صاحب اس کو چیلنج سمجھیں اور حسب معمول لیت ولعل سے کام لے کر ، میں سچا، میں سچا، کی بانگ دہل نہ دیتے پھریں۔ والسّلام علی من اتبع الہدی۔

سید خادم علی۔ بی اے۔وزیرآبادی

(شحنہ ہند ضمیمہ نمبر۱ و۲ جلد۲۱ و۲۳ ص۴ یکم و۸ جنوری ۱۹۰۳ء)

☆ مرزا صاحب کے اس انعامی چیلنج پر کئی لوگ میدان میں آئے اور انہوں نے آپ کو مقابلے کی شرائط ، جزئیات وغیرہ طے کرنے کے لئے مدعو کیا۔لیکن مرزا صاحب خاموش رہے۔ اس سلسلے میں جانبین کی تحریریوں، اشتہارات، دعاوی پر محاکمہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید ابو محمد جمال الدین (نیو میڈیکل ہال پشاور)

. مرزاجی کا انعامی قصیدہ اور ان کے مخالفین کے اعتراضات .

کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ضمیمہ شحنہ ہند و پیسہ اخبار و دیگر اشتہارات وغیرہ سے اعتراضات درج کئے جاتے ہیں تاکہ جو جوابات مرزاجی کی طرف سے پیش ہوں ان کو پبلک جان کر فیصلہ کر سکے۔

۱۔ قصیدہ کے فصیح ہونے کی تصدیق کسی عالم ادیب سے کرائی جائے۔

۲۔ ایک مجلس میں مرزا جی اپنے قصیدہ کی صرفی، نحوی، عروضی غلطیوں کا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کو دیں۔

۳۔ جبکہ علماء نے مرزا صاحب کے رسالہ دافع الوساوس واعجاز مسیح وغیرہ میں بکثرت غلطیاں نکال کر پیش کیں اور ضمیمہ شحنہ ہند میں تو مرزا صاحب کی نظم ونثر عربی و فارسی و اردو میں جو اصلاحیں ہوئیں اور ہورہی ہیں، ان کو زمانہ جانتا ہے، مگر مرزا صاحب کی طرف سے آج تک کوئی جواب نہیں ہوا۔ پس ایسے غلط نویس کی نسبت کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اس نے ۵ دن میں ۹۰ صفحہ کا قصیدہ لکھ ڈالا ہو۔ لہذا سید محمد علی حسن صاحب نظامی دہلوی کے مقابل بیٹھ کر مرزا جی عربی میں قصیدہ لکھیں۔ پھر دونوں صاحبوں کے قصیدوں کی جانچ ایک کمیٹی کرے۔

۴۔ مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب سے ایک مجلس میں عربی تحریری گفتگو کرلیں اس کے بعد دونوں کی تحریریں دو شخصوں کے سامنے جانچ اور فیصلہ کے لئے پیش ہوں۔ وہ دونوں شخص مسلّمہ فریقین ہوں۔

۵۔ مرزا صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب کی عربی تفسیر کے مقابل لکھ کر بلا میعاد جب تک چاہیں، پیش کریں۔

۶۔ مولوی فاضل کا امتحان ہی آئندہ اپریل میں پاس کرلیں تو مرزا جی کی لیاقت معلوم ہو جاوے۔

۷۔ حاجی یونس خان صاحب رئیس دتاؤلی کی کتاب تحفہ احباب کے مقابل کتاب لکھیں تو حاجی صاحب موصوف انعام بھی دیں گے۔ یا ان کی غزل مندرجہ اخبار شحنہ ہند کے مقابل غزل لکھیں۔

حاجی یونس خاں صاحب رئیس دتاؤلی نے لکھا ہے کہ میرے نام قصیدہ بھیج دو، تو پہنچنے کی تاریخ سے بیس روز کے اندر اس سے عمدہ قصیدہ لکھ کر پیش کرونگا۔

۹۔ جبکہ فتح ونصرت کا وعدہ اللہ نے مرزا صاحب سے کر دیا ہے اور مخالفین کے علم سلب کرلئے ہیں تو پھر مرزا جی بالمقابل تفسیر نویسی یا قصیدہ گوئی سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور پیر مہر علی شاہ صاحب کے سامنے باوجود وعدہ کرنے کے کیوں تشریف نہ لائے؟

۱۰۔ فیضی کی بے نقط تفسیر کے مقابل صرف ایک ہی صفحہ لکھ کر دکھائیں اور تمام مرزائی

مل جائیں۔

۱۱۔ کبھی کسی نبی نے قصیدہ بازی کو معجزہ بتایا ہو، تو اس کا نشان ہو۔

۱۲۔ جبکہ اللہ تعالی نے وما علّمناہ الشعر و ما ینبغی له، قرآن مجید میں فرمایا ہے، (یعنی ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ وہ اس کے لائق ہے)۔ ایسے مکروفن میں کسی نبی کا مبتلا ہونا خصوصاً بروزی محمد کا نعوذ باللہ کب ممکن ہے۔ انوکھے پیغمبر کے انوکھے معجزے۔

۱۳۔ جبکہ اس قصیدہ میں مسلمانوں کی توہین اور کذب و افتراء ہے اور ایسے شاعروں کے واسطے اللہ تعالی نے والشّعراء یتبعهم الغاوون فرمایا ہے، تو یہ معجزہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

۱۴۔ شاعری تو ظاہر ہے کہ معجزہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں قرآن مجید بطور معجزہ مثل حفظ کے سنا دیں تو البتہ معجزہ ہے۔ اور بروزی محمد کے بہت مناسب ہے کیونکہ پہلے جب تشریف لائے تھے تو قرآن حفظ تھا، دوبارہ (نعوذ باللہ) بشکل مرزا تشریف لائیں تو قرآن تک سینہ سے محو ہو جائے۔ حالانکہ مرزا جی کا دعوی ہے کہ میں ان تمام اوصاف کے ساتھ آیا ہوں۔ پس قرآن کا حفظ نہ ہونا مرزا جی کے واسطے بڑی شرم ہے۔

۱۵۔ بیس روز کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ مرزا جی کے قصیدہ سے اچھا لکھ دے تو بقول مرزا جی ان کا قصیدہ معجزہ نہ رہے گا۔

۱۶۔ جبکہ بموجب قرآن شریف تمام نبی اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ فرماتے تھے تو برعکس اس کے مرزا جی اردو زبان چھوڑ کر عربی میں کیوں تحدی کرتے ہیں؟

۱۷۔ جبکہ مرزا جی کا کلام اور اللہ تعالی کا کلام دونوں تحدی کرتے ہیں تو مرزا جی کا کلام بھی قرآن ہو گیا۔ اور اگر مرزا جی کا کلام قرآن کے درجہ پر نہیں، تو اعجاز نہیں ہوسکتا۔

ان کے سوا اور بھی اعتراضات دیکھنے میں آئے جو بخوف طوالت نہیں لکھے۔

مرزا جی نے اب تک ان کے کچھ جواب نہیں دیئے۔ ہاں ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء کے الحکم میں مرزا جی کے مفتی محمد احسن صاحب امروہی نے بعض اعتراضوں کے عجیب وغریب جواب لکھے ہیں۔ جو ناظرین کی دلچسپی کے واسطے ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

نمبر ۵ کی نسبت طول وطویل عبارت میں محمد احسن نے یہ مطلب لکھا ہے:

. مرزا جی عوام وخواص کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور عوام فصاحت و بلاغت کو سمجھتے ہیں لہذا ۲۰ دن کی میعاد سے عوام کو تسکین ہو جائے گی کہ کسی نے بالمقابل قصیدہ نہیں لکھا.

مگر اس جواب میں مشکل یہ واقع ہوئی کہ قرآن مجید بھی تو خاص عام کے واسطے آیا۔ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ مصلحت نہ سوجھی جو مرزا صاحب کو سوجھی۔ ضرور بیس پچیس روز کی میعاد قرآن مجید کی تحدی کے واسطے مقرر کرنا تھی، یا خدا کی خدائی میں ایسے گمراہی کے حریص موجود نہ ہوں گے جن کی رعائت اللہ کو منظور ہوتی۔ ایسے عوام تقدیر سے مرزا جی ہی کی مریدی کے واسطے منتخب کئے گئے جن کی روک تھام کے واسطے طرح طرح کی شعبدہ بازیاں اور شب و روز کی جانفشانیاں اور مختلف قسم کی تدابیر کی جاتی ہیں....

الزام نمبر ۶ کی نسبت محمد احسن فرماتے ہیں کہ

اس آیت (وما ارسلنا من نبیّ الّا بلسان ...) انبیاء سابقین مراد ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے خلفاء راشدین و مرزا جی مستثنے ہیں کیونکہ یہ ایک خاص قوم کے واسطے نہیں ہیں بلکہ کافۃ للنّاس کے واسطے آئے ہیں۔ چنانچہ مرزا جی نے اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں تحدی کی ہے.

یہ تفسیر آیت شریفہ کی تفسیر بالرائے ہے جس کو پیغمبر خدا نے کفر فرمایا ہے۔ نیز اس تفسیر کے بموجب مرزا جی کا دعویٰ ہی جڑ سے اکھڑ گیا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے خلفاء تمام دنیا کی زبانوں میں تبلیغ کرتے تھے۔ حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے۔ البتہ مرزا جی خود مستثنیٰ بن جاویں تو ان کی خوشی ہے مگر وہ تو خود مابہ النزاع ہیں لہذا مسلمان بحکم حدیث لا نبی بعدی مدعی نبوت کو ان تیس شخصوں میں شمار کرتے ہیں جو حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ اگر مرزا جی کی خاطر ہم مرزا جی کو مستثنیٰ مان بھی لیں تو پھر اردو، فارسی، عربی کے حصر کو نہیں مان سکتے کیونکہ مرزا جی تو بزعم خود تمام خلق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں پس تمام دنیا کی زبانوں میں تحدی کرتا۔

اسی طرح الزام نمبر ۱۷ کے جواب میں امروہی صاحب نے جو کچھ کہا ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں نقل کفر کفر نہ باشد۔

. جبکہ بحکم قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی . کلمات رب لا متناہی ہیں اور قرآن مجید متناہی ہے، لہذا قرآن کے حقائق و معارف والہامات مطہرین و مقربین

سب کلمات رب ہیں۔ پس مرزا جی کی تصانیف (نعوذ باللہ) عین قرآن ہیں۔ نہ قرآن مجید کی مثل کوئی لاسکتا ہے۔ نہ مرزا کی تصانیف کی.

ناظرین۔ کیا کوئی فرقہ اسلام میں اب تک ہوا ہے جس نے قول بشر کو عین قرآن کہا ہو؟ اللہ تعالی نے صرف قرآن مجید ہی کی مثل لانے کی تحدی فرمائی ہے، نہ کہ اپنے تمام کلمات نامتناہی کی، نہ توریت وانجیل کی، جو بالاتفاق کلام الہی ہیں۔ پس مرزا جی کے کلام کو کلام الہی کہنے سے بھی مطلب براری نہیں ہوتی۔

یہ ہیں جوابات امروہی صاحب کے جو اپنی (قادیانی) جماعت کے لاجواب مفتی ومناظر ومصنف کتب ہیں۔

(اپریل۔ پہلا ہفتہ ۱۹۰۳ شحنہ ہند ضمیمہ ص ۱۔۳)

(ڈاکٹر جمال الدین کی ایک اور تحریر یہاں درج کی جارہی ہے جس کا تعلق قادیانیت سے تو نہیں لیکن ختم نبوت سے ہے۔ اور اس کا تعلق ہمارے اس وعدے سے بھی ہے جو شائد ہم نے کسی جگہ کیا تھا کہ پیر مہر علی صاحب اور خان پوری بزرگوں کے علمی معرکوں کا ذکر کریں گے۔ اور اس کی طرف اشارہ مولانا عبدالاحد خان پوری کے اس خطاب میں بھی ہے جو انہوں نے پیر صاحب سے کیا تھا اور اس کا ذکر ہم کسی جگہ کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر جمال الدین

. سیف چشتیائی مصنفہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کی ایک غلطی کی اصلاح.

کے عنوان سے لکھتے ہیں:

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے رسالہ سیف چشتیائی میں ردمرزا غلام احمد قادیانی کے صفحہ ۱۹۷ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کو بھی مدعیان نبوت کی فہرست میں داخل کر دیا۔ چونکہ اس غلطی کو دیکھ کر گمان غالب ہے کہ ایک طرف تو مخالفین شیخ بدست آویز تحریر پیر صاحب موصوف غلطی میں پڑ کر شیخ کو مدعی نبوت سمجھ کر مرتکب گناہ عظیم ہوں گے اور دوسری طرف موافقین ومعتقدین شیخ، پیر صاحب کو غلط نویس یا غیر محقق بلکہ دشمن اہل حق سمجھنے لگیں گے، لہذا اس فتنہ کے انسداد کی غرض سے ۱۴۔ اگست ۱۹۰۲ء کو خاکسار نے خود پیر صاحب کو لکھا۔ پیر صاحب کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ میری لاعلمی میں میرے بعض احباب نے یہ الحاق کر دیا۔ طبع ثانی میں اس کی اصلاح ہو جائے گی اور موجودہ نسخوں میں اس مقام پر سیاہی پھیر دی جائے گی۔ پھر تخمیناً دو سال بعد میرے مطالبہ پر لکھا کہ تصحیح کر دی گئی اور طبع

ثانی کی غرض سے نسخہ مصححہ حافظ محمد دین صاحب مالک مطبع مصطفائی پریس لاہور میں موجود ہے، دیکھ لیا جاوے مگر حافظ صاحب موصوف کسی عوائق کی وجہ سے طبع میں توقف کر رہے ہیں۔

چونکہ عرصہ دو سال سے زیادہ وعدہء اصلاح ہوگیا اور ابھی تک اصلاح کی کوئی امید نہیں اور معلوم نہیں کہ مصححہ نسخہ کب تک طبع ہوگا، لہذا اس غلطی سے بچنے کی غرض سے پبلک پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ جس کے پاس سیف چشتیائی طبع اول ہو وہ اس مقام کو درست کر لے، غلطی میں نہ پڑے۔ جس کو شک ہو وہ خود پیر صاحب سے دریافت کر لے یا ان کے خطوط جو خاکسار کے پاس اور بعض مولوی عبدالاحد (خان پوری) کے پاس، جو راولپنڈی میں مقیم ہیں، محفوظ ہیں، ملاحظہ فرمائے۔ اگر طبع ثانی میں پیر صاحب کے احباب نے پھر غلطی کی یا تصحیح نہ فرمائی یا زیادہ دیر لگائی تو تمام خط وکتابت اس کے متعلق جو خاکسار اور پیر صاحب کے مابین ہوئی ہے، واسطے آگہی پبلک کے مشتہر کی جائے گی۔

راقم۔ کمترین ابومحمد جمال الدین، نیومیڈیکل ہال صدر بازار پشاور (شحنہ ہند ضمیمہ۔ ۸ نومبر ۱۹۰۴ء ص ۱)

یاد رہے کہ اسی معاملے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی عبدالاحد نے پیر صاحب گولڑوی کو لکھا تھا:

میرے آپ کے دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے. مرزائیوں کے مقابلے میں آپ کا میں دست راست بنا رہا۔ مرزا کے مقابلے میں آپ کی ڈھارس بندھائی یہ کہہ کر کہ مقابلہ ہوا تو ہم خود کریں۔ لاہور آپ کا ہمراہی بن کر گیا۔ سیف چشتیائی کی تالیف میں آپ کی علمی مدد کی۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی کی تصنیف ردّ مرزا میں نے آپ کو مہیا کی۔ جس سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کا ذکر کتاب میں نہ کیا۔ مرزا قادیانی کے قابل اعتراض اقوال کو اس کی متعدد تصانیف سے مولانا ہدائت اللہ صاحب صدر بازار راولپنڈی سے یکجا لکھوا کر آپ کو دیئے جس سے آپ کو بڑی مدد ملی، حالانکہ یہ کام آپ کے لئے اگر محال نہ تھا تو مشکل ضرور تھا۔ آپ نے سیف چشتیائی میں سے بعض عبارات کے نکالنے کا وعدہ کیا تھا جو جماعت اہل حدیث پشاور کے احتجاج کی بنا پر آپ کو بتائی گئی تھیں اور آپ کے اس وعدہ کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے میں اس جماعت کا ہدف ملامت بنا۔ (تذکرہ علماء خان پور)

☆ مرزا جی کا الہامی قصیدہ کے عنوان سے مولانا احمد حسن فرماتے ہیں:

مرزا جی کا ایک فارسی قصیدہ (ازالہ اوہام میں)..نظر سے گذرا۔ ہم اس کے پیاز کے سے چھلکے اتار کر دکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ پوست ہی پوست ہے مغز ندارد۔ لیجئے:

جائیکہ از مسیح ونزولش سخن رود گویم سخن اگرچہ ندارند باورم

کاندردلم دمید خداوند کردگار کان برگزیدہ را زرہ صدق مظہرم

لیجئے جناب عیسی مسیح برگزیدہ ہو گئے۔ شائد یہ قصیدہ بروزی اور مہدی بننے سے پہلے تصنیف کیا گیا ہے اور جب جنون نے زور کیا تو عیسی مسیح کو خدا جانے کیا کیا بنا کر چھوڑا، نبی ہونا تو کجا، وہ تو مہذب انسان بھی نہ رہے۔ جو مسیح ایسے اور ویسے ہیں مرزا جی ان کے مظہر بنے ہیں۔ یہ قصیدہ شعر انوری کے اس شعر سے اخذ کیا ہے:

جائیکہ از بلندی وپستی سخن رود　　از آسمان بلند تراز خاک کمترم

قرآن میں سے جو آیتیں چرا کر تغیر وتبدل اور مسخ کے بعد اپنا الہام قرار دیتے ہیں وہ تو مسلمانوں پر کھل جاتا ہے کیونکہ ہزاروں علماء اور حفاظ موجود ہیں۔ پس کاجل کا چور اپنا منہ کالا کرتا ہے تو پکڑا جاتا ہے۔ مگر شعراء کے قصائد پر تو لوگوں کی بہت ہی کم نظر ہوتی ہے، پس آپ اس کو چرا کر حمقاء میں سرخرو ہو جاتے ہیں لیکن تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں۔　　　　قصیدہ کا ایک شعر یوں ہے:

موعودم وبحلیہ ماثور آمدم　　حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

ہم نے تو یہ سنا تھا کہ کانوں سے دیکھتے ہیں، ناک سے دیکھتے ہیں، سر سے دیکھتے ہیں، پاؤں سے دیکھتے ہیں، گھٹنوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ آج ہی معلوم ہوا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب کہ آپ کا یہ مصرعہ نظر پڑا: حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم یوں فرمائیے: حیف است گر بغور نہ بینند منظرم

ایک شعر یوں ہے:

از کلمہ منارہ شرقی عجب مدار　　چون خود ز مشرق است تجلّی نیّرم

تمام اشعار میں ردی مفتوح ہے، مگر یہاں مکسور۔ یہ لفظ نیّر بروزن فیعل بکسر یاء ہے نہ کہ بفتح یاء۔ یہ آپ کی الہامی شاعری وہمہ دانی ہے۔ جی ہاں بجا ہے جو مشرق میں رہے اور ایک منارہ کھڑا کرلے وہ مسیح موعود ہے۔　　　　پھر فرماتے ہیں:

آن قبلہ رو نمود بگیتی بچار دہم بعد از ہزار وسہ کہ بت افگند در حرم

چاردہم کو بسکون ہاء ہوّز ملاحظہ کیجئے۔ پھر چاردہم سے چودھویں صدی مراد لینا شائد تقاضائے الہام ہے۔ علی ہذا، ہزار و سہ سے تیرھویں صدی۔ پھر بت افگند در حرم کے تو یہ معنی ہوئے کہ حرم میں بت لاکر ڈال دیئے، برافگندن، البتہ ڈھا دینے کے معنی میں مستعمل ہے۔ ترکیب کتنی مضطرب ہے۔ آپ جو چاہتے ہیں شعر میں اس کو ادا

نہیں کر سکتے ۔ آپ کا مدعا یہ ہے کہ دنیا میں اس قبلہ (آنحضرت ﷺ) نے تیرھویں صدی کے بعد پھر منہ دکھایا جس نے حرم سے بتوں کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ مگر شعر سے یہ معنی نہیں نکلتے بلکہ اسکے خلاف نکلتے ہیں، یعنی اس قبلہ نے پھر منہ دکھایا جس نے تیرہ سو برس قبل حرم میں بت لاکر ڈال دیئے تھے ۔ پھر فرماتے ہیں:

جوشید آنچنان کرمِ منبع فیوض کآمد ندائے یار زہر کوئے ومعبرم

(یار) تو بہت ہی خوب ہے اور (کوئے) کے ساتھ معبر کے تو کیا ہی کہنے ہیں ۔ معبر بالفتح بمعنی پل اور بالکسر بمعنی کشتی ہے، یہاں دونوں معنی سے کیا مناسبت ہے؟ یوں فرمایئے

کا ندائے غیب ز ہر کوئی و منظرم

مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

آخر نخواندہء کہ گمان نکو کنید چون میروی برون ز حدودش برادرم

جو شخص اپنے آپ کو برملا خدا کا لے پالک بتائے، بعد ختم نبوت، دعوی نبوت کرے، انبیاء کو گالیاں دے اور اپنے کو غیب دان بتائے ،اس پر نیک گمان کرنا مومن کا کام نہیں، اور (برادرم) تو بہت ہی فصیح واقع ہوا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

ما مورم ومراچہ دریں کار اختیار رہ ایں سخن بگو بخداوند آمرم

پھر قافیہ غلط، آمِر بکسر میم ہے، نہ کہ بفتح میم ۔ مرزا صاحب یہ شاعری ہے، کاتا اور لے دوڑی نہیں ۔ مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

اے قوم من بگفتہء من تنگدل مباش زاوّل چنیں مجوش ببیں تا بہ آخرم

قافیہ پھر غلط۔ سنیئے ایک آخِر تو بکسر خاء اسم فاعل ہے اور ایک آخَر بفتح خاء بمعنی دیگر کے ہے۔ آپ کی مراد بکسر خاء ہے نہ کہ بفتح خاء ۔ ورنہ بے معنی ہوگا اور یہ معنی ہوں گے کہ مجھے دوسرے کے ساتھ دیکھ۔ خود بدولت کا بھی یہ مطلب نہیں اور آخر اسم فاعل کی صورت میں ردی غلط ہوتی ہے ۔ پھر مرزا صاحب فرماتے ہیں:

ہر لحظہ مئے خوریم ز جام وصال دوست ہر دم انیس یار علی رغم منکرم

ردی پھر غلط۔ آپ کی مراد منکِر بکسر کاف اسم فاعل ہے نہ کہ منکَر بفتح کاف اسم مفعول، ورنہ مہمل ہے ۔ مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

برسنگ میکند اثر ایں منطقم مگر بے بہرہ این کسان ز کلام موثّرم

ردی پھر غلط۔ کیونکہ موثّر سے اسم فاعل مراد ہے جو بکسر ثاء مثلثہ ہے، نہ بفتح۔

مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

زاں گونہ دست او دلم از غیر خود کشید　　گوئی گہے نبود دگر در تصوّر رم

واہ وا۔ ردی بجائے مفتوح کے مکسور تو ہو رہی تھی اب ردی مضموم بھی ہونے لگی۔

کیوں جناب تصوّر بضم واو ہے یا بفتح واو۔　　مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

ہر تار و پود من بسراید بعشق او　　از خود تہی واز غم آں دلستان پرم

ردی پھر مضموم۔ تار و پو کا گانا نیا محاورہ ہے۔ یوں فرمایئے:

ہر تار موئے من بسراید بعشق او

مرزا صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب　　ہاں ملہم استم وز خداوند منذِ رم

ردی پھر غلط۔ آپ ڈرانے والے ہیں یا ڈرائے گئے ہیں۔ بے شک ڈرائے گئے۔ اور احمد حسن شوکت آپ کا منذر یعنی قہر خدا اور عذاب آخرت سے ڈرانے والا۔ آپ تو الہامی قصیدے کے لکھنے میں مجبور ہیں، قصور تو مسخرے آسمانی باپ کا ہے کہ الّم غلّم جو کچھ چاہتا ہے الہام کر دیتا ہے۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۳ء ص ۲۔۵)

☆ مرزا جی کے اردو کلام پر نظر کرتے ہوئے ایک دفعہ مولانا احمد حسن شوکت نے لکھا کہ مرزا جی آریا سے مخاطب ہو کر حسب ذیل تک بندی کرتے ہیں:

} اے آریا سماج پھنسو مت عذاب میں　　کیوں مبتلاء ہو یارو خیال خراب میں

مصرعہ اولی میں تو آریا کو عذاب میں پھنسنے سے روکا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابھی تک عذاب میں نہیں پھنسے اور مصرعہ ثانیہ میں ان کا مبتلاء ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ دو مصرعے اور یہ اختلاف۔ پھر دوسرے مصرعہ میں، یارو، برائے بیت۔ اصلاح:

{ کیوں آریا سماج پھنسے ہو عذاب میں　　کیوں مبتلاء ہوئے ہو خیال خراب میں

} اے قوم آریہ ترے دل کو یہ کیا ہوا　　تو جاگتی ہے یا تری باتیں ہیں خواب میں

کیوں صاحب مصرعہ اولی میں، یہ، کیا چیز ہے۔ دوسرا مصرعہ بے ربط ہے۔ اصلاح:

{ اے قوم آریا تجھے کیا ہو گیا بتا ہیں جاگنے میں یہ تری باتیں کہ خواب میں

} کیا وہ خدا جو ہے تری جان کا خدا نہیں ایمان کی بو نہیں ترے ایسے جواب میں

مصرعہ اولی کی بندش کتنی بے سرو پا اور لغو ہے۔ . جو ہے . کتنا بھونڈا ہے۔ اصلاح:

{ کہتی ہے تو کہ جان کا مالک نہیں خدا ایمان کی بو نہیں ترے ایسے جواب میں

} گر عاشقوں کی روح نہیں اس کے ہاتھ سے پھر غیر کیلئے ہیں وہ کس اضطراب میں

مرزا جی کا مطلب اس شعر سے نہیں نکلتا۔ آپ کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر عاشقوں کی روح خدا تعالی کے ہاتھ سے نہیں تو جو کچھ ان کو بیتابی رہتی ہے کیا وہ کسی غیر کی وجہ سے ہے، یعنی کیا وہ خدا کے سوا کسی اور کے عشق میں مضطرب رہتی ہے۔ اصلاح:

{ گر عاشقوں کی جان نہیں جانجان کے ہاتھ کیا غیر کیلئے ہیں وہ اس اضطراب میں

} گر وہ الگ ہے ایسا کہ چھو بھی نہیں گیا پھر کس نے لکھ دیا ہے وہ دل کی کتاب میں

مرزا صاحب کو بات تو سوجھتی ہے مگر اس کو ادا نہیں کر سکتے۔ دوسرے مصرعہ میں . وہ . کا مشار الیہ مصرعہ اولی کا . وہ . ہے۔ گویا ضمیر کیلئے بھی ضمیر کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا ہم سے ایسا الگ ہے کہ چھو بھی نہیں گیا تو اس کو دل کی کتاب میں کس نے لکھ دیا ہے۔ دوسرا مصرعہ یوں بنا لیجئے:

تو کس نے لکھ دیا اسے دل کی کتاب میں

} جام وصال دیتا ہے اس کو جو مر چکا کچھ بھی نہیں فرق یہاں شیخ وشاب میں

مرزا جی کا مطلب جب ثابت ہو کہ بوڑھے ہی مرتے ہوں، جوان نہ مرتے ہوں ۔ وہ اپنے خالہ کے بیٹے طاعون ملعون ہی کی دست برد دیکھ لیں کہ جوانوں کو بوڑھوں سے پہلے چکھ رہا ہے بلکہ جوانوں کو زیادہ اور بوڑھوں کو کم۔

} ملتا ہے وہ اسی کو جو وہ خاک میں ملا ظاہر کی قیل وقال بھلا کس حساب میں

مصرعہ اولی میں دو جگہ وہ، وہ، عجیب خبط ہے۔ اصلاح:

{ ملتا ہے وہ اسی کو جو مل جائے خواب میں ظاہر کی قیل وقال ہے یاں کس حساب میں

} پھولوں کی جا کے دیکھو اسی سے وہ آب ہے چمکے اسی کا نور مہ وآفتاب میں

جا بجا. وہ . کا مسالا بہت ہے۔ پھر حشو اور بے معنی۔ اصلاح:

{ پھولوں کی گلستان میں اسی سے ہے آب وتاب چمکا اسی کا نور مہ وآفتاب میں

} خوبوں کے حسن میں بھی اسی کا وہ نور ہے کیا چیز حسن ہے وہی چمکا حجاب میں

پھر وہی . وہ .، لفظ نہیں ملتا تو شعر گوئی کو جی کیوں للچاتا ہے؟ اصلاح:

{خوبوں کے حسن میں بھی ہے پنہاں اسی کا نور کیا چیز حسن ہے وہی چمکا حجاب میں

}اسکی طرف ہے ہاتھ ہراک تار زلف کا ہجران سے اسکے رہتی ہے وہ پیچ وتاب میں

یہ کیا تلازم ہے، تار زلف اور پیچ وتاب، پھر تار زلف کا ہاتھ؟ یوں کہیے:

{ہر تار زلف بھی ہے اسی پر جھکا ہوا ہر دم اسی کے غم سے ہے وہ پیچ وتاب میں

} ہر چشم مست دیکھو اسی کو دکھاتی ہے ہر دل اسی کے عشق سے ہے پیچ وتاب میں

چشم مست، پھر دیکھو اور دکھانا، کیا کیا مناسبات ہیں؟ پھر پہلے مصرعہ سے دوسرے مصرعہ کا تال میل تو ایسا ہے جیسے پلاؤ سے روغن بادام کا۔ اصلاح:

{ہر چشم مست میں ہے اسی کا خمار شوق ہر دل اسی کی آگ سے ہے التہاب میں

}جن مورکھوں کو کاموں پر اسکے یقین نہیں پانی کو ڈھونڈتے ہیں عبث وہ سراب میں

اصلاح:

{جن مورکھوں کو کام پر اسکے یقیں نہیں دریا کو ڈھونڈتے ہیں وہ رہ کر سراب میں

}قدرت سے اس قدیر کی انکار کرتے ہیں بکتے ہیں جیسے غرق کوئی ہو شراب میں

ربط اور ضبط تو چھو نہیں گیا۔ اصلاح:

{منکر ہوئے ہیں قدرت ربّ قدیر کے بکتے ہیں جیسے کوئی شرابی شراب میں

} دل میں نہیں کہ دیکھیں وہ اس پاک ذات کو ڈرتے ہیں قوم سے کہ نہ پکڑے عتاب میں

کیا لغو بکواس ہے۔ اصلاح:

{ آنکھیں نہیں کہ دیکھ سکیں اس کے نور کو وہ مبتلا ہیں قوم کے خوف عتاب میں

}ہم کو تو اے عزیز دکھا اپنا وہ جمال کب تک وہ منہ رہے گا حجاب ونقاب میں

وہ، وہ ہر جگہ موجود۔ شائد حجاب اور نقاب دو چیز ہیں۔ پھر سراسر لچر۔ اصلاح:

اپنے جمال کی ہمیں دکھلا جھلک کہیں دیکھیں رہے گا جلوہ کہاں تک نقاب میں

(شحنہ ہند ضمیمہ ۲۳ مارچ ۱۹۰۳ء ص ۶۔۸)

ظل و بروز

مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

تمام اہل اسلام بعد ختم نبوت کسی جعلی نبی کے تا قیامت منکر ہیں۔ نہ مرزا نے کسی مردے کو زندہ کیا، نہ کسی کانے یگانے کو دوگانہ کیا، نہ کسی لنگڑے کو چلتا کیا، نہ کسی اندھے کو سوانکھا کیا۔ ہاں بعض بیناؤں کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر کران کو بالکل چوپٹ اور نپت اندھا (گمراہ) ضرور کر دیا۔ اور جب مرزا غلام احمد، بروزی محمد ہونے کا دعوی کرتا ہے تو اپنے دعوی مسیح موعود ہونے میں جھوٹا ہے کیونکہ مسیح موعود، بروزی محمد نہیں ہوسکتا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک مستقل نبی دوسرے مستقل نبی کا بروز ہے جو بالکل تحصیل حاصل اور خلاف واقع ہے کیونکہ کوئی نبی، بروزی بن کرنہیں آیا۔

پھر کوئی پوچھے آپ بروزی مسیح کیوں نہ بنے اور عیسی مسیح نے آپ کے جسد میں کیوں حلول نہ کیا؟ اوائل میں بنے تو آپ عیسی مسیح ہی تھے، مگر عیسائیوں نے منہ نہ لگایا تب آپ نے عیسی مسیح کو گالیاں دینی شروع کیں کہ مسلمان خوش ہوں گے اور جھٹ سے بروزی محمد بن گئے۔ مگر استغفر اللہ مسلمانوں کا عمل تو لا نفرّق بين احدٍ من رسله پر ہے اور دونوں آنکھیں برابر۔ انہوں نے تناسخ اور آواگون کے نام کا کتّا بھی نہ پالا۔ ہاں چند اپاہج اور جہلاء منڈھ گئے۔ پھر جری اللّٰه فی حلل الانبیاء کہہ کر آپ تمام انبیاء کے بروزی بنے ہیں اور دعوی صرف بروزی محمد ہونے کا ہے۔

پھر مرزا غلام احمد اپنی مسیحیت کا ثبوت تو احادیث سے دیتا ہے مگر بروزی محمد ہونے کا ثبوت نہیں دیتا۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے کہاں فرمایا ہے کہ بروزی محمد آئے گا۔

پھر جب بروزی محمد ہے تو صرف قرآن اس کا معجزہ کافی تھا جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا، نہ کہ کوئی دوسری کتاب اعجاز المسیح وغیرہ۔ اعجاز المسیح اس کے زعم میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے حالانکہ وہ اس کا خانگی روزنامچہ ہے.. کیا کسی کتاب کا مفسر معجز ہوسکتا ہے؟ اور

جب وہ قرآن سے جداگانہ کوئی اعجاز ثابت کرنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ اعجاز قرآن کا منکر ہے۔ اور چونکہ یہ انکار درحقیقت اعجاز محمدی کا انکار ہے تو اس کا بروزی محمد ہونا باطل ہوا کیونکہ بروزی ظلی ہوتا ہے اور جب اصل شیئے زائل ہوتی ہے تو ظل کا زائل ہونا بھی ضروری ہے۔

اور جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء بھی بروزی محمد ہونے کا مخالف ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء اور خاتم بجانب انبیاء مضاف ہے اور مضاف، مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے ورنہ خاتم ہونا اپنے واسطے اور ایک ہی شیئے کا مقدم ومؤخر ہونا اور تقدم الشیء علی نفسه و تأخر الشیء عن نفسه لازم آئے گا، اور یہ محال ہے۔ پس جری الله فی حلل الانبیاء سے لازم آتا ہے کہ قادیانی ان انبیاء کا بروزی ہے جو آپ ﷺ سے پہلے گذرے ہیں، اس صورت میں وہ خود اپنے نفس کا مغائر ہوگا۔

ہم مرزا قادیانی کو مع چیلے چاپڑوں کے دس سال کی مہلت دیتے ہیں کہ ہماری ان باتوں کا جواب دیں۔ انشاء اللہ قیامت تک نہ دے سکیں گے اور السّاکت عن الحقّ شیطان اخرس ہوں گے۔ (شحنہ ہند ضمیمہ۔۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء ص ۱۔۲)

☆ ایک دوسرے موقع پر مولانا احمد حسن شوکت نے لکھا۔

اگر کتاب وسنت پر مرزا جی کا ایمان ہے تو ظلی اور بروزی نبی نہ تو آج تک کوئی ہوا ہے نہ قیامت تک ہوسکتا ہے، البتہ مذہب ہنود پر ایمان ہو تو تناسخ اور استدراجی اوتار ایک دو نہیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہوسکتے ہیں لیکن مرزا جی یقیناً خود بھی اس کے قائل نہیں۔ پھر بروز اور ظل یعنی چہ؟

اب رہی حدیث میں مہدی مسعود اور عیسی موعود کی پیش گوئی:

اگر احادیث رسول اللہ پر ایمان ہے تو اس کا وقت ابھی نہیں آیا۔ نہ اس کے آنے کے آثار وعلامات ظاہر ہوئے ہیں۔ اس دعوی میں مرزا جی ہی منفرد نہیں بلکہ سوڈان اور افریقہ میں بہت سے مہدی پیدا ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور ہوں گے جب تک کہ حدیث رسول اللہ کے موافق ۳۰ دجال پورے نہ ہولیں۔

اور پھر مہدیوں اور مسیحوں کا خروج اہل اسلام ہی میں نہیں بلکہ امت مسیح میں بھی ہو رہا

ہے چنانچہ لندن اور پیرس میں آج کل (یعنی بوقت تحریر) دو مسیح دندنا رہے ہیں جن کے دلائل مرزا جی سے کم نہیں، بلکہ بڑھے ہوئے ہیں...

مرزا جی کے پاس کیا دلیل ہے جو لندنی اور پیرسی مسیح کے مقابلے میں پیش کرسکیں کہ تم مسیح نہیں ہو بلکہ میں مسیح ہوں۔ حالانکہ ان کو حق شفعہ حاصل ہے کہ آسمانی باپ کے اکلوتے بیٹے کو مانتے ہیں اور اس لحاظ سے آسمانی باپ کی میراث کے وارث ہیں۔ مرزا جی تو ناخلف لے پالک ہیں کہ اپنے بڑے بھائی کو ناقابل وراثت ٹھہرانے کیلئے فاسق فاجر بتاتے ہیں اسلئے مورث اعلی آسمانی باپ کی درگاہ سے بھی راندے گئے ہیں

مرزا جی کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس آزاد سلطنت میں پیدا ہوئے جس کے عہد میں کوئی شخص خدائی کا دعوی بھی کرنے لگے تو اسے کچھ تعرض نہیں۔ مرزا جی سوڈان یا افریقہ میں پیدا ہوتے تو مزہ آتا جہاں کی سرزمین مہدیوں کے اگنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور مرزا کے وجود باجود کے خروج کی ہر طرح قابل ہے۔ پس سوڈان میں بروزی تعالیشی اور افریقہ میں بروزی سنوسی بنتے۔ (ضمیمہ شحنہ ہند نمبر ۱ و ۲۔ ص ۷)

☆ **مرزا جی کے دعاوی،** کے عنوان سے جناب احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

کرزن گزٹ کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہم مرزا کو اس وقت سچا جانیں کہ وہ کابل، ایران، روم (ترکی)، عربستان، بخارا میں خود جاکر یا کسی حواری کو بھیج کر تبلیغ رسالت کریں تو ہم بھی نقد چہرہ شاہی کا دس ہزار روپئہ نذر کریں گے، اس شرط پر کہ وہ مرقومۃ الصدر شہروں میں پہنچ کر ہم کو ایک خط بھیجیں کہ لو صاحب ہم وہاں پہنچ گئے اور اشاعت دین احمدیہ کر رہے ہیں۔ ہم اسی وقت خالص اور کھرے کھرے دس ہزار نیمے پانچ ہزار گن کر حوالہ کردیں گے۔ اگر ضمانت مانگتے ہو تو ہم مولوی سراج دین احمد بیرسٹرایٹ لاء مالک چودھویں صدی کو پیش کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اپنی وحی بھی شائع کردیں گے جو ہم کو اس وقت ہوگی کہ مرزا صاحب پھر مع الخیر کبھی قادیان کی ہوا نہ کھائیں گے۔ وہیں کے لوگ آپ کی زیارت اس جگہ بنالیں گے۔

ناظرین پر بخوبی روشن ہے کہ ہر وقت مرزا جی اور مرزائی جماعت اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی موٹا مرغا پھنسے، کوئی فربہ شکار ہاتھ لگے۔ دھڑا دھڑ چندے ہوں

مینار بنے، اثاث البیت زیورات سجاوٹ کے سامان عیش وعشرت کے اسباب مہیا ہوں۔ ......آنحضرت ﷺ نے تو نہ دنیادی سامان بنائے، نہ چندے بٹورے، نہ زیورات خریدے۔ وہ تو ایک مسافر کی طرح بغیر دل بستگی کے جیسے تشریف لائے ویسے ہی تشریف لے گئے۔ میں حیران ہوں کہ کیسی ظلّیت اور کیسی بروزیت اور کیسا آئینہ کا عکس، مشبّہ اور مشبّہ بہ میں کچھ تو مماثلت ہونی چاہیے۔.....

اور اس پر یہ غرور اور خشونت اور بدزبانی جیسا کہ اس جماعت کا طریقہ ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں گویا حلم، موعظہ حسنہ، خلق محمدی کی یہ جماعت بالکل ضد ہے۔

مرزاجی کی جماعت میں آگے سے جو موٹے موٹے شکار موجود ہیں، کسی کو حکیم الامت کا خطاب، کسی کو خلیفہ اول کا، کسی کو خلیفہ ثانی کی عزت، کسی کو خلیفہ ثالث کا فخر، کسی کو خلیفہ چہارم کا عرف بخشا گیا ہے۔ یہ تو معمولی بات ہے کہ جب مرزاجی نے خود خلعت نبوت پہن کر محمد کا روپ دہار لیا ہے تو مریدوں کو خلفاء کا خطاب ملنا ضروری ہے یہ مرزاجی کی فیاضی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خدا کا وعدہ ہے کہ نحن نزّلنا الذکر و انّا له لحافظون یعنی قرآن کریم کی گم شدہ عزت وعظمت کو پھر بحال کرنے کے لئے غلام احمد کی صورت میں یقیناً محمد رسول ﷺ آیا۔ اور خدا نے آسمان سے قرآن کریم کی حفاظت اور اس کی عظمت وجلال کے اظہار کا ایک ذریعہ پیدا کیا۔ اور ارادہ کیا کہ قرآن کریم کا نزول دوبارہ ہو۔ اور پھر دنیا کو اس کی عظمت پر اطلاع دی جاوے۔ اس غرض سے اس نے پھر محمد ﷺ کو بروزی رنگ میں غلام احمد قادیانی کی صورت میں نازل کیا۔ (الحکم قادیان ۱۰۔مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۹ کالم اول)

اور پھر ایسے سامان کی موجودگی میں یہ بھی لازم ہوا کہ بقول مرزا صاحب:

مماثلت سلسلہ موسوی کی غرض سے خدا نے تیرہ سو برس تک تو نبوت اور وحی پر مہر لگائے رکھی اور بہ پاس ادب آنحضرت ﷺ کسی نئے نبی ورسول کی ضرورت نہ سمجھی۔ مگر اب تیرہ سو سال بعد وہ مہر توڑ دی اور اس عاجز کو یا نبیّ اللہ صریح طور پر پکار کر ممتاز فرمایا اور سلسلہ موسوی کی طرح جیسا کہ حضرت موسی کے حواری نبی کہلائے، اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا (مرزاجی) بھی نبی کہلایا۔ (الحکم قادیان ۲۳۔اپریل ۱۹۰۳ء)

اس پر طرہ یہ کہ مرزاجی کو آنحضرت ﷺ کی قبر میں مسیح موعود کے دفن ہونے کا بھید

بہت عجیب طور سے منکشف ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسیح موعود کی قبر میری قبر میں ہوگی۔ اس پر میں نے سوچا کہ یہ کیا سرّ ہے؟ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت کا یہ ارشاد ہر قسم کی دوری اور دوئی کو دور کرتا ہے اور اس سے اپنے مسیح موعود کے وجود میں ایک اتحاد کا ہونا ثابت کرتا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی شخص باہر سے آنے والا نہیں ہے بلکہ مسیح موعود کا آنا گویا آنحضرت ﷺ کا آنا ہے جو بروزی رنگ رکھتا ہے۔

اگر کوئی اور شخص آتا تو اس سے دوئی لازم آتی اور عزت نبوی کے تقاضے کے خلاف ہوتا خدا نے جو قرآن میں اس قدر تعریف رسول اللہ ﷺ کی، کی ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا ہے، اگر کسی اور کو آپ کے بعد تخت نبوت پر بٹھا دیتا تو آپ کی کس قدر کسر شان ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی بہت ہی کمزور ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے تو اس سے یہ مطلب ہے کہ کتنی بڑی بات ہے کہ اگر سوائے میرے مسیح موعود عیسیٰ جو بنی اسرائیل کا آخری نبی ہے آوے اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کی مہر توڑے تو آپ کو غیرت نہ آوے گی؟ اور کیا خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی اس قدر ہتک کرنا چاہتا ہے؟ افسوس ہے کہ لوگ باوجود مسلمان ہونے اور آنحضرت کو خاتم الانبیاء ماننے کے نبوت کی مہر توڑتے ہیں۔ (الحکم ۔ص ۲ ۔ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء).

مرزا صاحب کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبر پھر تشریف لاویں تو اس سے ہتک اور کسر شان اور قوت قدسی کی کمزوری آنحضرت کی ثابت ہوتی ہے اور خود بدولت مرزا جی، نبی بن کر اس مہر کو توڑیں تو اس میں نہ نبی کو غیرت آوے اور نہ خدا ہی برا مانے کیونکہ محمد ﷺ نے مرزا جی کا روپ دھارا ہے۔ میرا اور مسلمان کا کانشنس یہ کہتا ہے کہ خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ختم الانبیاء فرمایا اور نبوت پر مہر لگا دی۔ اب نہ تو حضرت عیسیٰؑ کی مجال ہے کہ خدا کی لگائی ہوئی مہر توڑ سکے اور نہ حضرت موسیٰؑ کی۔ مرزا جی بے چارے کس باغ کی مولی ہیں۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ مرزا جی کی ابلہ فریبیوں میں آوے اور ہاتھ کو سر کے گرد گھما کر ناک پکڑے۔ مرزا جی عقل کے اندھوں ہی کو جل دے کر اپنا الّو سیدھا کریں، ہم ایسے خدا کو جس کا قول اور فعل مخالف ہو، ایک ناقص بے کار کم عقل خدا کہیں گے کہ کہے کچھ اور کرے کچھ۔ تیرہ

سو سال تک تو نبوت کی مہر مضبوط لگائے رکھی اور تیرہ سو سال کے بعد کمال بے وقوفی سے ایک ادنی ترین انسان کے واسطے اپنے قول کا خیال نہ کر کے اس مہر کو توڑ دیا۔ بات بات پر جو مرزا جی دس دس ہزار، پانچ پانچ ہزار روپیہ کی شرطیں لگاتے ہیں شائد ان کا خدا نفع نقصان میں شریک ہے۔ ہمارا خدا تو نہایت صادق الوعد، دانا بینا قول کا سچا غیور ہے جو بات کہتا ہے اس کو کبھی نہیں بدلتا۔ اس کا قول اور فعل موافق ہے۔ جیسے اس نے نبوت اور وحی پر مہر لگائی ہے قیامت تک اس کو کوئی نہ توڑے گا۔ مرزا جی جیسے کروڑوں کو ہلاک اور پیدا کرے گا، کانے گنجے لنگڑے تو کس شمار میں ہیں.

(شحنہ ہند میرٹھ، ضمیمہ ۱۶ جون ۱۹۰۳ء۔ ص ۱۔۳)

☆ مولانا احمد حسن شوکت نے ایک جگہ لکھا ہے:

مرزا اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا بروزی بتاتے ہیں اور جہاد سے ڈر کر یہ تاویل چھانٹتے ہیں کہ لفظ محمد میں جلال اور لفظ احمد میں جمال ہے پس میں احمد ہوں۔ یعنی غلام احمد، محمد نہیں ہوں۔ پھر جب ایک صفت سلب ہوگئی تو آپ گنجے بروزی ٹھہرے۔

جلال اور جمال کسی شخص کے نام سے متعلق ہے یا ذات سے؟ ذات سے تو مجموعہ صفات و تشخص کا نام ہے اور جب ایک مسلمہ صفت سلب ہوگئی تو ذات من حیث الذّات کہاں رہی؟ (شحنہ ہند ضمیمہ ۸۔ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۳)

☆ بروز و تناسخ کے عنوان سے مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

بروز بالضّم کے معنی باہر آنا اور ظاہر ہونا ہے، براز بالکسر کے معنی جنگ کے لئے صف سے باہر آنا ہے یعنی مبارزت، اور بالفتح زمین فراخ اور غائط۔

بروز کے معنی از روئے لغت روح کا ایک قالب سے نکل کر دوسرے قالب میں جانا ہرگز نہیں۔ اور چونکہ لغت اور اصطلاح میں مناسبت اور مشارکت فی المعنی ہوتی ہے لہذا بروز کی مندرجہ بالا اصطلاح بھی یاروں کی گھڑت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ بروز ہرگز تناسخ کا مرادف نہیں جس کے معنی ایک قالب سے دوسرے قالب میں روح کا جانا ہوسکیں۔ البتہ تناسخ کے لغوی معنی زائل ہونا اور ایک قرن کا

دوسری قرن کے بعد آخر کو پہنچنا اور ایک زمانے کا دوسرے زمانے کے بعد آنا اور میراث کی تقسیم سے پہلے کسی مردہ کے وارثوں کا مرجانا یعنی، اور، اصطلاحی معنی کسی روح کا ایک قالب سے نکل کر دوسری قالب میں جانا۔

مرزا جی کو یہ کہتے ہوئے تو شرم آئی کہ میں تناسخی نبی ہوں کیونکہ تناسخ کے معنی عرف عام میں آواگون کے ہیں جو ہندو دھرم کے اصول میں داخل ہے۔ اس کی جگہ بروزی بنے، مگر بات ایک ہی ہے، براز نہیں غائط۔ اخیر میں اپنے منہ پر آپ تھپڑ مارا کہ میں نے آریا سے مناظرہ کرتے ہوئے تناسخ کی کیوں تردید کی تھی، کرشن جی کے بروزی بن گئے۔ کوئی پوچھے کہ کرشن ہندو تھا یا مسلمان؟

پھر طرہ یہ کہ ہندو دھرم آپ کے تناسخی اوتار ہونے کا بھی انکار کرتا ہے کیونکہ آواگون کے معنی ایک ہی روح کا ایک ہی قالب میں جانا ہے، نہ کہ کئی روحوں کا ایک قالب میں جانا اور جمع ہونا۔ کیا معنی کہ آپ بروزی محمد بنے یعنی آنخضرت ﷺ کی روح مقدسہ ومطہرہ نے آپ کے پلید جسم میں حلول کیا ہے اور کرشن جی کے اوتار بنے کہ ان کے جیو نے میری سریر میں دھارن کیا ہے۔

دوسرا طرہ یہ کہ آسمانی باپ نے آپ پر الہام کیا جری اللّٰہ فی حلل الا نبیاء جس کے معنی یہ ہوئے کہ مرزا جی کی روح جیتے جی دوسرے انبیاء کے لباسوں یعنی جسموں میں۔ اول تو یہ خرابی ہوئی کہ انبیاء کے اجسام اب کہاں ہیں۔ دوم یہ کہ ایک روح بہت سے اجسام میں ہے۔

ایک خبط ہوتو اس کو رویا جائے آپ کو تو آسمانی باپ نے سینکڑوں خبطوں کا مرقع بنا کر بھیجا ہے۔ بھلا کوئی نبی دوسرے نبی کے قالب میں حلول کر کے دنیا میں آیا ہے؟

(شحنہ ہند ضمیمہ ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۵)

☆ مولانا ثناء اللہ امرتسری بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب کا قول ہے:

آخری زمانہ کا آدم درحقیقت ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں اور میری نسبت اس کی جناب کے ساتھ استاد اور شاگرد کی نسبت ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس آخرین کے لفظ میں فکر کرو اور خدا

نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا، پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین ﷺ کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنی آخرین منھم کے لفظ کے بھی ہیں جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور جو شخص مجھ میں اور مصطفے میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔ (تریاق القلوب۔ص ۱۷۰۔۱۷۱)

اس دعوی کی مزید تشریح مرزا صاحب یوں کرتے ہیں:

اس وقت حسب منطوق آیت و آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم اور نیز حسب منطوق قل یا ایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعاً آنخضرت ﷺ کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک زبان مشترک ہوگئی تھی، آنخضرت ﷺ کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تمام خدّام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں، آپ تشریف لائیے اور اپنے اس فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعوی ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتے ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں۔ تب آنخضرت ﷺ کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں مگر میں ملک ہند میں آؤں گا کیونکہ جوشِ مذاہب و اجتماعِ جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن و آزادی اسی جگہ ہے، اور نیز آدم اسی جگہ نازل ہوا تھا، پس ختم دور زمانہ کے وقت بھی وہ جو آدم کے رنگ میں آتا ہے اسی ملک میں اس کو آنا چاہیے، تا آخر اور اول کا ایک ہی جگہ اجتماع ہو کر دائرہ پورا ہو جائے اور چونکہ آنخضرت ﷺ کا حسب آیت وآخرین منھم دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا اس لئے آنخضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر

اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا، تا یہ سمجھا جائے کہ اس کا ظہور بعینہ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔ (تریاق القلوب۔ ص ۱۰۱)

مولانا امرتسری فرماتے ہیں کہ مطلب ان سب کا ایک ہی ہے کہ بقول مرزا صاحب آیت مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کی بابت جو ذکر ہے کہ آپ کو خدا نے قریش میں مبعوث کیا، نیز پچھلے لوگوں میں مبعوث فرمایا، اس سے مراد دو بعثتیں ہیں، ایک بعثت اصلی دوسری ظلّی۔ ظلّی سے مراد ہے عکسِ محمدی اور وہ میں ہوں۔ اسی طرح آپ نے جملہ کمالاتِ محمدیہ کو اپنے حق میں کرنا چاہا جو حدیث میں بطور مثال کے آئے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه ترک منه موضع لبنة فطاف به النظار تعجبون من حسن بنیانه الّا موضع تلک اللبنة فکنت انا سددت موضع اللبنة ختم بی البنیان و ختم بی الرّسل فانا اللبنة۔ متفق علیه (مشکوة باب فضائل سید المرسلین)۔ (حضور ﷺ نے فرمایا میری اور انبیاء کی مثال ایک بڑے شاندار مکان کی ہے جس کی عمارت بہت اچھی بنائی گئی مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی جس کو ناظرین دیکھتے اور عمارت کی عمدگی پر تعجب کرتے مگر اس ایک اینٹ کی وجہ سے (دل تنگ ہوتے) بس میں نے وہ اینٹ کی جگہ بند کر دی۔ اور میرے ساتھ رسول ختم کئے گئے، میں ہی وہ آخری اینٹ ہوں)۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سلسلہ نبوت کو ایک بڑے شاندار مکان سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ مکان نبوت میں ایک کونہ خالی تھا، میں اس کونے کی آخری اینٹ ہوں۔ مرزا نے شاگرد ہو کر استاد کی مسند پر یوں قبضہ کیا:

فکان خالیاً موضع لبنةٍ اعنی المنعم علیه من هذه العمارة فاراد اللّه ان یّتمّ النّبأ و یکمل البناء با للّبنة الاخیرة فانا تلک اللّبنة ایّها النّاظرون (خطبہ الہامیہ۔ ص ۱۷۷۔۱۷۸)

و دراں عمارت جائے یک کشت خالی بود یعنی منعم علیہ پس خدا ارادہ کرد کہ پیش گوئی را بکمال رساند، وبخشت آخری بناء تمام کند۔ پس من ہماں خشت ہستم

اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، یعنی منعم علیھم، پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس

پیشگوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بناء کو کمال تک پہنچا دے ۔ پس میں وہی اینٹ ہوں (ترجمہ فارسی و اردو از مرزا صاحب)

اس عبارت میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ ناظرین کے سامنے ہیں ۔کتنی دلیری ہے کہ اپنے حق میں وہی الفاظ لکھے ہیں جو آنخضرت ﷺ نے خدا کے حکم سے اپنے حق میں فرمائے ہیں یعنی لبنۃ (آخری اینٹ)

ثابت ہوا کہ کہ مرزا صاحب آنخضرت ﷺ کی شاگردی کا دعوی کر کے درحقیقت حضور ﷺ کی مسند پر قبضہ کرنا چاہتے تھے ورنہ شاگرد کا حق یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ استاد کی مسند پر شاگرد قبضہ کرے۔

ہمارے نزدیک بلکہ ہمارے خیال میں ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے نزدیک مرزا کے بروز محمد ہونے کا دعوی اس قابل نہیں کہ اس کی تردید کرنے پر توجہ دی جائے اہل منطق کا قول ہے کہ بعض دعوے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دلیل خود ان کے اندر ہوتی ہے ایسے دعاوی کو اہل منطق کہا کرتے ہیں قضایا قیاساتھا معھا ۔مرزا صاحب کا یہ دعوی بھی اس قسم کا ہے کہ اس کے بطلان کی دلیل خود اس کے اندر ہے، تاہم جی چاہتا ہے کہ اپنے ناظرین کو ایک معقول امر پر مطلع کریں۔

دنیا کی تاریخ اور اہل دنیا متفق ہیں کہ محمد اول ﷺ کے اوصاف کمال میں سے ایک کھلا وصف کمال یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنی زندگی میں اپنے اتباع کو تختہ ذلت سے اٹھا کر تخت عزت پر بٹھا دیا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضور ﷺ انتقال کے وقت خود بھی صاحب حکومت تھے اور امت کو بھی تخت سلطنت پر رونق افروز چھوڑ گئے۔اب ہم محمد ثانی (قادیانی) کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے امت مسلمہ کو عموماً اور امت مرزائیہ کو خصوصاً کس حالت پر چھوڑا؟ اس سوال کے جواب کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، اتنا ہی کافی ہے کہ مرزا قادیانی اپنی ساری زندگی انگریزوں کی رعیت رہے یہاں تک کہ ایک ادنی درجہ کے افسر ڈوئی ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کے حکم سے آپ کو اقرار کرنا کہ

ا۔ میں (مرزا غلام احمد) ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جاسکیں کہ کسی شخص کو ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الہی ہوگا۔

۲۔خدا کے پاس ایسی اپیل کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو ذلیل کرنے

یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہے یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

۳۔ میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشاء ہو یا ایسا منشاء رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی) ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہوگا۔ وغیرہ۔ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء (تفسیر ثنائی۔ص ۸۳۰)

☆ ایک دوسرے موقع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا صاحب کی بروزی نبوت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آیت و لو تقوّل علینا .... سے مرزا قادیانی اوران کی جماعت نبوت قادیانیہ کی صحت پر دلیل دیا کرتے ہیں کہ اس آیت سے ایک عام قانون ثابت ہوتا ہے کہ مدعی نبوت کاذبہ ہلاک ہوجاتا یا مارا جاتا ہے چونکہ مرزا صاحب باوجود دعوی نبوت کے مارے نہیں گئے، نہ اس مدت کے اندر مرے ہیں جو نبوت محمدیہ علی صاحبها الصّلوۃ و التّحیّۃ کی ہے یعنی ۲۳ سال، (کیونکہ بقول انکے مرزا صاحب کا دعوی ۱۲۹۰ھ میں شروع ہوا ہے اور ۱۳۲۶ھ میں انتقال ہوا)، تو آپ نے ۳۶ سالہ الہامی زندگی پائی۔ ثابت ہوا کہ وہ اپنے دعوی نبوت میں سچے تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے:

حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری پنشنر کو مخاطب کر کے بڑے زور سے ڈانٹا ہے کہ تم یہ کیوں کہتے ہو کہ مدعی نبوت کاذبہ تیئیس سال تک زندہ رہ سکتا ہے، کیا حافظ ہو کہ آیت لو تقوّل علینا ... تمہاری نظر سے نہیں گزری۔ (اربعین نمبر ۳۔ص ۲۔۴)

پھر اس کی مزید توضیح اربعین نمبر چار میں یوں کی:

اربعین نمبر ۳ میں گو ہم دلائل بینہ سے لکھ چکے ہیں کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ جو شخص خدا پر افتراء کرے وہ ہلاک کیا جاتا ہے مگر تاہم پھر دوبارہ ہم عقلمندوں کو یاد دلاتے ہیں کہ حق یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے مقابل پر کسی مخالف مولوی کی بات کو مان کر ہلاکت کی راہ اختیار کرلیں اور لازم ہے کہ قرآن شریف کی دلیل کو نظر تحقیق دیکھنے سے خدا سے ڈریں۔ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے آیت لو تقوّل علینا.. کو بطور لغو کے نہیں لکھا .... پس جس حالت میں اس حکیم نے اس

آیت کو اور ایسا ہی دوسری آیت کو جس کے الفاظ یہ ہیں : و اذالّاذقناہ ضعف الحیاۃ و ضعف المماۃ محل استدلال پر بیان کیا ہے تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ اگر کوئی شخص بطور افتراء کے نبوت اور مامور من اللہ ہونیکا دعوی کرے تو وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت کے مانند ہرگز زندگی نہیں پائے گا، ورنہ یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہرے گا۔ اور کوئی ذریعہ اس کے سمجھنے کا قائم نہیں ہوگا کیونکہ اگر خدا پر افتراء کرے اور جھوٹا دعوی مامور من اللہ ہونے کا کر کے ۲۳ برس کی زندگی پائے اور ہلاک نہ ہو بلاشبہ ایک منکر کے لئے حق پیدا ہو جائے گا کہ وہ یہ اعتراض پیش کرے جب کہ اس دروغ گو نے جس کا دروغ گو ہونا تم تسلیم کرتے ہو ۲۳ برس تک یا اس سے زیادہ عرصہ تک زندگی پالی اور ہلاک نہ ہوا تو ہم کیوں کر سمجھیں کہ ایسے کاذب کی مانند تمہارا نبی نہ تھا۔ ایک کاذب کو ۲۳ برس تک مہلت مل جانا صاف اس بات پر دلیل ہے کہ ہر ایک کاذب کو ایسی مہلت مل سکتی ہے پھر لوتقول علینا کا صدق کیونکر لوگوں پر ظاہر گا اور اس بات کے یقین کرنے کے لئے کون سے دلائل پیدا ہوں گے کہ اگر آنحضرت ﷺ افتراء کرتے تو ضرور ۲۳ برس کے اندر اندر ہلاک کئے جاتے لیکن اگر دوسرے لوگ افتراء کریں تو وہ ۲۳ برس سے زیادہ مدت تک بھی زندہ رہ سکتے ہیں، اور خدا ان کو ہلاک نہیں کرتا .... میں بار بار کہتا ہوں کہ صادقوں کے لئے آنحضرت ﷺ کا زمانہ نہایت صحیح پیمانہ ہے اور ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی شخص جھوٹا ہو کر افتراء کر کے آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت کے موافق ۲۳ برس تک مہلت پا سکے ضرور ہلاک ہوگا۔ (اربعین نمبر۴ ص ۱۔۴)

(مولانا فرماتے ہیں) اس توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کاذبہ کا دعوی نبوت کے وقت سے لے کر تئیس سال کے اندر اندر مرجانا یا مارا جانا ضروری ہے۔ ۲۳ سال پورے یا ۲۳ سال سے زیادہ مدت تک زندہ رہے تو صادق سمجھا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مرزا نے دعوی نبوت کے وقت سے ۲۳ سال مدت پائی؟

کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کی زندگی کے دو زمانے تھے۔ ۱۔ دعوی مجددیت۔ ۲۔ دوسرا زمانہ دعوی مسیحیت کا تھا۔ پہلے زمانہ میں تو ان کو نبوت کا خیال بھی نہیں آیا تھا دوسرے زمانہ کے شروع میں بھی نبوت کے دعوی کو ناپسند ہی نہیں بلکہ موجب کفر جاتے تھے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

آپ کے دعوی مسیحیت کے ابتدائی اعلان دو رسالے ہیں ۔ ا۔ فتح اسلام ۔۲۔توضیح مرام ۔ یہ دونوں رسالے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئے تھے ۔ ان میں سے پہلا رسالہ فتح اسلام جب شائع ہوا اس میں اپنے آپ کو مثیل مسیح لکھا تھا تو اس پر اعتراض ہوا کہ حضرت مسیح تو نبی تھے مگر آپ تو نبی نہیں پھر آپ مثیل مسیح کیسے ہوئے ۔ اس کا جواب آپ نے رسالہ توضیح مرام میں جو دیا، وہ اس مسئلہ کیلئے فیصلہ کن ہے ۔ آپ نے لکھا:

اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیے کیونکہ مسیح تو نبی تھا، تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنیوالے مسیح (موعود) کیلئے ہمارے سید و مولا ﷺ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی ۔ (توضح مرام ۔ص ۹)

اس جواب سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے حق میں نبوت کا اقرار نہیں کیا بلکہ عام طور پر مسیح موعود کے لئے نبوت کے لزوم سے بھی انکار کر دیا ۔ یہی ایک اعتراف بعدم النبوۃ ہمارے مقصود کو کافی ہے لیکن ہم ایک ہی اعتراف پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ایک اور اعتراف بھی بمنزلہ دوسرے گواہ کے نقل کرتے ہیں، جو یہ ہے:

قول اللّٰہ تعالی ما کان محمّد ابا احدٍ من رّجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیّین الا تعلم انّ الرّب الرّحیم المتفضل سمّی نبیّنا ﷺ خاتم الانبیاء بغیر استثناء و فسّر نبیّنا فی قولہ لا نبیّ بعدی ببیان واضحٍ للطّالبین ولو جوّزنا ظھور نبیّ بعد نبیّنا لجوّزنا انفتاح باب النّبوّۃ بعد تغلیقھا و ھذا خلف وکیف یجیء نبیّ بعد رسولنا ﷺ و قد انقطع الوحی بعد وفاتہ و ختم اللہ بہ النّبیّین (حمامۃ البشری ۔ص۲۰) ۔قرآن مجید میں خدا کا قول ہے کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں ۔ اس کی تفسیر نبی ﷺ نے واضح بیان فرمائی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اگر ہم بعد نبی ﷺ کے کسی نبی کا ظہور مانیں تو نبوت کا دروازہ بعد بندش کے مفتوح (کھلا) ہم کو ماننا پڑے گا یہ تسلیم کے خلاف ہے بھلا بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی آئے تو کیسے آئے جب کہ بعد وفات آنحضرت ﷺ کے وحی بند ہو چکی ہے اور اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔

اس کتاب میں دوسری جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

ما کان لی ان ادعی النّبوّۃ و اخرج من الاسلام و الحق بقومٍ کافرین

۔(حمامۃ البشری۔ص ۷۹) مجھے یہ بات زیبا نہیں کہ میں نبوۃ کا دعوی کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں میں جاملوں۔

یہ عبارت بآواز بلند اپنا مطلب بتا رہی ہے کہ مرزا صاحب نہ مدعی نبوت تھے نہ دعوی نبوت کو جائز جانتے بلکہ موجب کفر سمجھتے تھے۔ یہ ہے ۱۳۱۱ھ تک کا ذکر۔

کچھ شک نہیں کہ اس کے بعد مرزا صاحب نے نبوۃ کا دعوی کیا اور ان انکاروں کی تاویل بھی بہت خوبصورتی سے کی، چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعوی اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کر سکے، وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقع کے خلاف ہوتا ہے اس کے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے چنانچہ چند روز ہوئے کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعوی کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا، حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔حق یہ ہے کہ خدا تعالی کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول، مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود ہیں، جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں، مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں، مگر بغیر کسی جدید شریعت کے، اس طور کا نبی کہلانے سے میں کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کہہ کر پکارا ہے، سو اب میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے کا انکار نہیں کرتا۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔۵نومبر ۱۹۰۱ء)

(مولانا فرماتے ہیں) یہاں تک کہ اپنی حقیقت الوحی میں مرزا نے یہ بھی لکھ دیا کہ تیرہ سوسال کی اسلامی تاریخ میں کوئی ولی یا قطب وغیرہ نے نبی کا لقب نہیں پایا۔

چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

فلا یظھر علی غیبه احداً الّا من ار تضی من رسو ل ۔ یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہوسکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔ اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالی نے مجھ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی اگر کوئی منکر ہوتو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی۔ (حقیقت الوحی ص ۳۹۰۔۳۹۱ مطبوعہ مئی ۱۹۰۷ء)

ان عبارات میں مرزا صاحب نے اپنے حق میں نبوت کا دعوی کیا ہے، ہاں یہ بھی بتایا ہے کہ میری نبوت بماتحتی نبوت محمد یہ ہے جس کو فلسفی اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ نبوۃ محمد یہ، نبوۃ مرزا کے لئے واسطہ فی العروض ہے۔ جس کی مثال حرکت قلم یا حرکت چابی، بواسطہ حرکتِ ہاتھ ہے۔ اس واسطہ میں دونوں (واسطہ اور ذی واسطہ) موصوف ہوتے ہیں اسی لئے مرزا صاحب نبی بھی بنتے تھے اور امتی بھی کہتے تھے۔

ہمیں اس موقع پر مرزا صاحب کی نبوت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ حقّہ تھی یا کاذبہ تھی، بلکہ دکھانا صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے و لو تقوّل علینا..کے جو معنی اور تفسیر کی ہے اس تفسیر کے مطابق مرزا صاحب کی میعاد نبوت سات سال اور چھ ماہ ہوتی ہے جو نومبر ۱۹۰۱ء سے شمار کرنے سے مئی ۱۹۰۸ء تک پہنچتی ہے۔.. پس ثابت ہوا کہ مرزا نے دعوی نبوت سے ۲۳ سال عمر نہیں پائی بلکہ بہت جلد فوت ہو گئے۔

مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ ان کو جو نبوت ملی ہے وہ نبوت محمد یہ ہی کی ظلّ یا عکس یا بروز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ مرزا صاحب کی بعثت بعینہ بعثتِ محمد یہ ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نبوت محمد یہ میں ایک چیز ضد اور منافی نبوۃ ہے اور وہی چیز نبوۃ مرزا

میں جمع ہے، حالانکہ عکس میں ایسا ہونا ابطال عکس ہے۔ مثلاً ایک شخص (مرد) ناک میں نتھ کبھی نہیں ڈالتا بلکہ صاف لفظوں میں اس کا انکار ہے کہ ایسا زیور پہننا مردانگی کے خلاف ہے، بایں ہمہ اگر ایک فوٹو (عکس) ہمارے سامنے پیش کیا جائے جس کی ناک میں نتھ ہو تو کیا ہمارا حق نہیں کہ دیکھتے ہی ہم کہہ دیں کہ یہ اس مرد کا عکس (فوٹو) نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے۔ آیئے یہ مثال پوری طرح منطبق کر کے دکھائیں۔

:قرآن کریم میں ارشاد ہے: و ما علّمناه الشّعر و ما يبغى له ۔ہم نے اس نبی (محمد ﷺ) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور یہ شعر گوئی اسے لائق بھی نہیں۔

یہ آیت صاف اور واضح الفاظ میں شعر گوئی کو منافی نبوت محمد یہ بتاتی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تصنیفات میں ایک دو شعر نہیں، بڑے بڑے قصیدے موجود ہیں یہاں تک کہ ایک کتاب بطور کلیات مرزا (درثمین) شائع ہے۔ اور یہاں تک کہ اعجاز احمدی اور اعجاز مسیح میں اعجازی قصیدے شائع کئے ہیں... پھر با انصاف ناظرین بتا دیں کہ جس نبوت میں شعرو شاعری داخل ہو، وہ اس نبوت کا ظلّ یا عکس یا بروز کیسے ہوسکتی ہے جس میں شعر گوئی کو منافی نبوت قرار دیا ہو۔

ہمارے نزدیک اس آیت (لو تقوّل علينا...) کے معنی بالکل صاف ہیں جو اصطلاحی الفاظ میں یوں ادا ہوسکتے ہیں قضية عين لا عموم لها۔ یعنی یہ آیت خاص آنحضرت ﷺ کے حق میں بطور اظہار صداقت ہے اس کا حکم عام نہیں بلکہ بالخصوص آنحضرت ﷺ کی شان والا شان کے مطابق ہے، جیسے ازواج مطہرات کے حق میں فرمایا: من يّأت منكنّ بفا حشةٍ يّضاعف لها العذاب ضعفين ۔

پس ٹھیک اسی طرح یہ آیت (لو تقوّل علينا ...) خاص آنحضرت ﷺ کے حق میں جو اپنے معنی میں بالکل سچی ہے۔ (تفسیر ثنائی۔ص ۸۱۶۔۸۱۸)

مسیح اور امام زمان

☆ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی کیا کہ وہ مسیح موعود اور امام زمان ہیں ۔ یعنی نہ صرف مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیڈر ہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام وملل کے پیشوا ہیں ۔ ان کے اس دعوی پر نوع بنوع تنقید کے مواقع پیدا ہوتے رہے جیسا کہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری نے مولانا احمد حسن شوکت کو فقرات ذیل لکھنے کا موقع دیا:

پنجاب اور شمال مغربی صوبہ کی رپورٹ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد صرف ۱۱۱۳ لکھی ہے .اس پر الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء میں بہت کچھ واویلا کی گئی ہے اور بلا دلیل اور بلا ثبوت لکھا ہے کہ مرزائیوں کی کل تعداد تقریباً دو لاکھ ہے اور غیر ممکن ہے کہ صرف پنجاب میں منجملہ دو لاکھ کے کل تعداد ۱۱۱۳ ہو۔ مگر پنجاب کے مرزائیوں کی صحیح تعداد پھر بھی نہیں بتائی کہ کمشنر مردم شماری جھوٹا ہے اور مرزائیوں کی تعداد گیارہ ہزار، تیرہ ہزار یا اس سے بھی دو چند اور چہار چند۔ وجہ یہ ہے دنیا کو دھوکے میں رکھنا منظور ہے۔

پھر پنجاب مردم شماری کی رپورٹ کے حصہ اول باب ۳ فقرہ ۳۹ صفحہ ۱۴۳ میں کہا ہے

کہ مرزا جی کا پہلا کام بحیثیت ایک مولوی کے بھنگیوں کی تبلیغ کا تھا .

اس پر مرزا جی نے مکدر ہو کر بہت ہی خاک اڑائی ہے ۔اور گورنمنٹ پنجاب میں طویل عرض داشت بھیجی ہے کہ مرزائیوں کی کمی تعداد اور بھنگیوں کی تبلیغ کی اصلاح کی جائے ورنہ یہ میرے حق میں لائبل اور میری دو لاکھ پبلک کی سخت دل شکنی کا باعث ہے .

بھنگیوں کی تبلیغ کے بارے میں مرزا جی کہتے ہیں کہ جس شخص نے ایسا دعوی کیا تھا وہ ایک الگ آدمی ہے اور اس کا نام امام الدین ہے .

اگرچہ مرزا جی نے یہ نہیں بتایا کہ وہ بھی قادیان ہی کا باشندہ اور مرزا جی کا قریبی رشتہ دار بلکہ رقیب اور حریف ہے ...امام الدین بھنگیوں کا لال گرو بنا تو آپ نے اس

کے مقابلہ میں نبی بن کرنادان مسلمانوں کومونڈا۔

مرزا صاحب، عرض داشت کی دفعہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ

بھنگی ایک ایسی قوم ہے جو اس ملک میں جرائم پیشہ سمجھی جاتی ہے اور میرا تعلق ایسی قوم سے ظاہر کرنا میری طرف ایک ذلیل حالت کو منسوب کرنا ہے۔ بھنگی ایک ذلیل قوم سمجھی جاتی ہے اور اس قسم کا بیان جو مردم شماری رپورٹ میں ہے میری شہرت کو نقصان پہنچانے والہ اور میرے اور گورنمنٹ کی ہزارہا وفادار اور معزز رعایا کو دکھ دینے والہ ہے جو مجھے اپنا روحانی پیشوا اور مذہبی سرگروہ سمجھتے ہیں.

یہ آج ہی معلوم ہوا کہ بھنگی جرائم پیشہ ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ بھنگیوں سے زیادہ کوئی قوم غریب اور عاجز نہیں...مرزا جی کا ایسی عاجز اور بے کس قوم کو جرائم پیشہ بتانا ہر حلال خور کے لئے لائبل ہے۔ اگر بھنگیوں کا لال گرو زندہ ہوتا تو اپنے کسی چیلے کو ابھار کر لائبل کی نالش کراتا اور وارنٹ جاری کرا کر عدالت میں گھسٹواتا۔

عرض داشت کی دفعہ پانچ میں مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

. میرے اصول اور تعلیم جو ابتداء سے ہی لوگوں کو سکھاتا ہوں وہ ایسے اخلاق فاضلہ سکھانے والے اور اعلی مراتب روحانیت پر پہنچانے والے ہیں کہ بھنگی تو ایک طرف رہے، وہ مسلمان بھی نہ ان کو قبول کر سکتے، نہ قبول کیا ہے جو ذلیل حالت میں ہیں اور جن کی اخلاقی حالتیں گری ہوئی ہیں بلکہ ایسے فہیم و شریف انسان ان کو قبول کرتے ہیں جو نہایت پاکیزہ زندگیاں بسر کرتے ہیں اور میرے پیرؤوں میں کثرت سے رئیس جاگیردار معزز گورنمنٹ کے عہدہ دار، سوداگر، فاضل علماء اور اعلی درجہ کے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں.

جبکہ آپ امام الزمان بنے ہیں اور بھنگی بھی اہل زمان ہیں تو کیا وجہ کہ آپ ان کو اپنی امامت میں شامل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں، مقدس مذہب اسلام تو بھنگیوں کو بڑی خوشی سے مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ مذہب اسلام کی یہی خوبی اور صداقت ہے کہ جب کوئی ذلیل سے ذلیل قوم کا آدمی بھی توحید و رسالت کا کلمہ صدق دل سے پڑھ لیتا ہے تو بھائیوں کا بھائی بن جاتا ہے۔

(شحنہ ہند ضمیمہ یکم و ۸۔ اپریل ۱۹۰۳ء نمبر ۱۳۔۱۴ جلد ۲۱۔۲۳۔ ص ۱۔۲).

(باربرا میٹکاف نے اپنی کتاب میں حلال خوروں سے متعلق مرزا صاحب کے طرز عمل

کا بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

Mirza Ghulam Ahmad angrily denied that his was a mission to sweepers: "my principles and doctrines ... are morally so sublime and spiritually so exalted that they are not suited to ..Muhammadans of a low type and bad morals... they are accepted only by intelligent and raises, Jagirdars, respectable government officials, merchants, pleaders, learned Maulvis and highly educated young men."" Phoenix," His Holiness , Lahore, 1958, p.61. (Metcalf. p 355)

☆ ایک دوسرے موقع پر مولانا احمد حسن شوکت نے لکھا:

مرزائی اخبار البدر کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہوتا ہے

اے جہان منتظر خوش باش کا مدلستان آن مسیح دور آخر مہدی آخر زمان

جس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ آخری زمانہ کے آخری مسیح و مہدی ہیں۔ مگر بخلاف اس کے مرزا صاحب تحریر کر چکے ہیں کہ ممکن ہے میرے بعد اور بہت سے مہدی آئیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا جی وجدانی طور پر اپنے آپ کو مہدی موعود و مسیح منتظر نہیں جانتے۔ چنانچہ ہمارے سامنے حکیم نورالدین بھیروی نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا تھا کہ ہم نے محض نصاری کے مقابلہ کے واسطے مرزا صاحب کو مسیح بنا لیا ہے، مگر درحقیقت یہ مسیح منتظر نہیں ہیں۔ لیکن نادان مریدوں نے جو بانس پر چڑھایا تو مرزا صاحب کو بھی بخیال مفاد دنیاوی ان کی تقلید کرنی پڑی اور اپنے اقوال کے خلاف مسیح و مہدی تو کیا مسئلہ تناسخ کا پہلو لے کر اپنے کو، نقل کفر کفر نہ باشد، خاتم الانبیاء کا اوتار بنا دیا۔

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ ص ۱)

☆ **مسیح و مہدی کا اصل کام** کے عنوان سے ایک دفعہ مولانا احمد حسن نے لکھا:

مرزا جی کہتے ہیں کہ میں خون ریز مہدی اور مسیح نہیں ہوں۔ لیکن وہ کم از کم دجالوں اور ان کے کارناموں کے مٹانے کو تو ضرور ہی مبعوث ہوئے ہیں۔ اور اگر صرف حسب قول مرزا صاحب ریلیں ہی دجال ہیں، تو مسیح کا فرض ہونا چاہیے کہ ان کا قلع قمع کرے اور جس طرح ممکن ہو ہندوستان میں ان کا اجراء بند کر دے، کیونکہ ظاہر

ہے کہ دجال، عیسی مسیح کا بڑا بھاری مخالف اور رقیب ہوگا۔ اور اگر مرزا جی عمداً ایسا نہ کریں گے تو صاف ثابت ہو جائے گا کہ دجال اور مرزا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے، ایک ہی نسل کی پیدائش، ایک ہی خاندان کے رکن، ایک ہی سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ اور انیسویں صدی میں دجال اور مسیح دونوں گٹھ جوڑ کر کے اور آسمانی باپ کے پاس سے پاس لے کر آئے ہیں۔ اور اگر ریلیں دجال کا گدھا ہیں تو مرزا جی اور مرزائی بارہا ان پر سوار ہوئے ہیں؟ اب فرمایئے دجال کون ہیں؟ (شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء ص ۵)

☆ ایک دفعہ مرزائیوں نے ایک اہلحدیث عالم کے مرزائی ہو جانے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو مولانا احمد حسن شوکت نے لکھا:

مولوی محمد صاحب اہل حدیث لکھنوی جو ایک عالم با خدا ہیں اور عرصہ دراز تک گجرات پنجاب کے مسلمانوں کو اپنے علم وفضل اور ورع وتقوی سے مستفیض کرتے رہے ہیں، اب چند مدت سے کوئٹہ میں اقامت پذیر ہیں۔ جب اول اول قادیانی صاحب نے موعود مسیح کا دعوی کیا اور الہاموں وغیرہ کی سوجھی تو مولوی صاحب نے اس مشن کی حقیقت سے مسلمانوں کو خوب واقف کر دیا اور گجرات میں بھی تین چار دفعہ ایسے پر اثر وعظ کئے کہ گجرات کے لوگ اس مشن کی لگی لپٹی سے پورے پورے آگاہ ہو گئے۔ یہی باعث ہے کہ تا حال گجرات کا کوئی سمجھ دار آدمی اس ادعائی مشن کو اچھا نہیں سمجھتا۔ آج کل قادیانی کے دو تین مریدوں نے گجرات میں یہ بہتان اڑانا شروع کئے کہ مولوی محمد صاحب موصوف بھی مرزائی ہو گئے ہیں۔ چنانچہ الٰہی بخش کتب فروش مرزائی نے اس بارہ میں ان کو ایک دل آزار خط بھی تحریر کیا... مولوی صاحب نے اس خط کا یہ جواب دیا

مکرمی مولوی الٰہی بخش صاحب ۔۔۔ مزاج شریف

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جناب نے مسیح موعود قادیانی کو قبول فرما لیا۔ مسیح موعود قادیانی تو کوئی شخص نہیں جس کو شرعاً ہم کو ماننا پڑے۔ ہاں مرزا غلام احمد بن غلام مرتضی زمیندار قادیان مدعی ہیں کہ میں مسیح موعود یا مثیل مسیح موعود ہوں مگر یہ دعوی بلا دلیل ہے کیونکہ مسیح موعود دو شخص ہیں۔ مسیح الدجال۔ مسیح ابن مریم۔

(مرزا صاحب) اول تو نہیں ہے اس واسطے کہ اعور نہیں۔ الخ۔ اور نہ ک ف ر کا سکہ مابین

آنکھوں کے رکھتا ہے تا کہ دلیل بین ہو کہ یہ وہی ہے۔

رہا دوسرا تو وہ بھی نہیں ہے کیونکہ مثیل دو قسم کا ہوتا۔ اسمی اور وصفی۔

اسمی تو اس واسطے نہیں کہ مدعی (مرزا) کا نام عیسی نہیں، اور نہ اس کی والدہ کا نام مریم تھا، اور نہ بے باپ پیدا ہوا ہے، بلکہ والد ان کے مرزا غلام مرتضی، زمینداران قادیان سے گذرے ہیں۔ اور وصفی اس واسطے نہیں ہے کہ وہ خلق طیر، ابراء اکمہ وابرص، احیاء موتی ... حسب منطوق آیت قد جئتکم بآیۃ من ربکم ... سے بے نصیب ہے۔

میرے نزدیک مرزا صاحب حسب ارشاد نبوی منجملہ دجاجلہ کذابین موعودین سے ہے دیکھو حدیث صحیح قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم السّاعۃ حتی یبعث کذابون دجالون قریباً من ثلاثین۔ ترمذی۔ ربنا لا تجعلنا منهم و لا ممن تبعهم۔ آمین۔ محمد لکھنوی از کوئٹہ، محلّہ غریب آباد ۴ جمادی الاول۔ ۱۳۲۲ھ

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ یکم اگست ۱۹۰۴ء۔ ص۔ ۴۔ ۵)

کرشن قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک دفعہ سکھوں کو رام کرنے کی کوشش کی اور باوا نانک کی تعریفیں کرتے ہوئے لکھا:

باوا صاحب اپنے کمال معرفت اور گیان کی وجہ سے ہندوؤں کے ویدوں سے بالکل الگ ہو گئے تھے اور انہوں نے دیکھا کہ جس خدا کی خوبیوں میں کوئی نقص اور کسی عیب کی تاریکی نہیں اور ہر یک جلال اور قدرت اور تقدس اور کامل الوہیت کی بے انتہا چمکیں اس میں پائی جاتی ہیں وہ وہی پاک ذات خدا ہے جس پر اہل اسلام عقیدہ رکھتے ہیں۔اس لئے انہوں نے اپنی کمال خدا ترسی کی وجہ سے اپنا عقیدہ اسلام ٹھہرایا ...

میں سکھ صاحبوں سے اس بات میں اتفاق رکھتا ہوں کہ بابا نانک صاحب درحقیقت خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے تھے اور ان میں سے تھے جن پر الٰہی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے صاف کئے جاتے ہیں...

میں نے تحقیق کے بعد وہ پاک مذہب جس سے سچے خدا کا پتہ لگتا ہے اور جو توحید کے بیان میں قانون قدرت کا ہم زبان ہے اسلام ہی کو پایا ہے، سو میں خوش ہوں کہ جس دولت اور صاف روشنی کو مجھے دیا گیا ہے مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت نے باوا صاحب کو بھی وہی دولت دی۔سو یہ ایک سچائی ہے جس کو میں چھپا نہیں سکتا اور میں اپنا اور باوا صاحب کا اس میں فخر سمجھتا ہوں کہ یہ پاک توحید خدا کے فضل نے ہمیں دی۔ خاکسار غلام احمد قادیانی۔۲۰ نومبر ۱۸۹۵ء۔ (ست بچن)

بابا نانک . نے بڑے اخلاص سے بت پرستی کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کیا اور خدا تعالیٰ سے محبت کی تو وہی خدا جس نے....فرمایا ہے فلھم اجرھم عند ربھم اس پر ظاہر ہوا اور اپنے الہام سے اسلام کی طرف اس کو رہنمائی کی، تب وہ مسلمان ہو گیا اور حج بھی کیا۔ (حقیقت الوحی ص ۱۵۰)۔

اور پیغام صلح (ص ۱۱۔۱۲) میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

ایسا ہی اس آخری زمانہ میں ہندو صاحبوں کی قوم میں سے بابا نانک صاحب ہیں جن کی بزرگی کی شہرت اس تمام ملک میں زبان زد عام ہے اور جن کی پیروی کرنے والی اس ملک میں وہ قوم ہے جو سکھ کہلاتے ہیں جو بیس لاکھ سے کم نہیں ہیں۔ باوا صاحب اپنی جنم ساکھیوں اور گرنتھ میں کھلے کھلے طور پر الہام کا دعوی کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک جگہ وہ اپنی ایک جنم ساکھی میں لکھتے ہیں کہ مجھے خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ دین اسلام سچا ہے۔ اسی بنا پر انہوں حج بھی کیا اور تمام اسلامی عقائد کی پابندی اختیار کی۔ اور بلا شبہ یہ بات ثابت ہے کہ ان سے کرامات اور نشان بھی صادر ہوئے ہیں اور اس بات میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ باوا نانک ایک نیک اور برگزیدہ انسان تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جن کو خدائے عز وجل اپنی محبت کا شربت پلاتا ہے۔ وہ ہندوؤں میں صرف اس بات کی گواہی دینے کے لئے پیدا ہوا تھا کہ اسلام خدا کی طرف سے ہے جو شخص اس کے وہ تبرکات دیکھے جو ڈیرہ نانک میں موجود ہیں جن میں بڑے زور سے اس نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دی ہے...تو کس کو اس بات میں شک ہوسکتا ہے کہ باوا نانک صاحب نے اپنے پاک دل اور پاک فطرت اور اپنے پاک مجاہدہ سے اس راز کو معلوم کرلیا تھا جو ظاہری پنڈتوں پر پوشیدہ رہا .... پنڈتوں نے اس کو دکھ دیا کہ کیوں وہ اسلام کی تعریف بے جا کرتا ہے۔

☆ لیکن سکھوں نے مرزا صاحب کو خوش آمدید نہ کہا۔ تاہم سکھوں کے علاوہ آپ نے ہندوؤں کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی اور ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو سیالکوٹ میں جو تقریر فرمائی، اس میں ارشاد فرمایا:

واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالی کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے (چینیوں، جاپانیوں، بدھوں، افریقیوں، جنوبی امریکیوں کا کیا ہوگا؟ بہاء) اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کرکے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کے لئے

جن سے زمین پر ہوگئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا، یوں کہنا چاہیے کہ روحانی حقیقت کے رو سے میں وہی ہوں۔

یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین وآسمان کا خدا ہے اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔

میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اس کو سن کر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے اوپر لے کر کیوں کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے، لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو پیش کرتا ہوں کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن، جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا ۔ وہ خدا کی طرف سے فتح مند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا وہ اپنے زمانے کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔

خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت یہ بھی الہام ہوا تھا کہ

ہے کرشن روڈر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔

سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔

اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے کہ جو صفات کرشن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنی پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دل جوئی کرنے والا اور ان کو پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں۔ پس گویا روحانیت کے رو سے کرشن اور مسیح موعود ایک ہی ہیں، صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے۔ اب میں بحثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہہ کرتا ہوں .... الخ۔ (لیکچر سیالکوٹ)

اور حقیقت الوحی میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گذرا ہے جس کو رڈّر گوپال بھی کہتے ہیں (یعنی فنا کرنیوالا اور پرورش کرنیوالا)، اس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے۔ پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں۔ اور یہ دعویٰ میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا، وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔ ص ۵۲۱۔۵۲۲)

☆ اور پیغام صلح میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

جس قدر اسلام میں تعلیم پائی جاتی ہے وہ تعلیم ویدک تعلیم کی کسی نہ کسی شاخ میں موجود ہے۔ مثلاً اگرچہ نو خیز مذہب آریہ سماج کا یہ اصول رکھتا ہے کہ ویدوں کے بعد الہام الٰہی پر مہر لگ چکی ہے مگر جو ہندو مذہب میں وقتاً فوقتاً اوتار پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے تابع کروڑ ہا لوگ اسی ملک میں پائے جاتے ہیں، انہوں نے اس مہر کو اپنے دعویٰ الہام سے توڑ دیا ہے جیسا کہ ایک بزرگ اوتار جو اس ملک اور نیز بنگالہ میں بڑی بزرگی اور عظمت کے ساتھ مانے جاتے ہیں جن کا نام سری کرشن ہے وہ اپنے ملہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے پیرو نہ صرف ان کو ملہم بلکہ پرمیشر کر کے مانتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ سری کرشن اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا اور خدا اس سے ہم کلام ہوتا تھا۔ (پیغام صلح۔ ص ۱۰۔۱۱)

.ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور ان کے رشیوں کو بزرگ اور مقدس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وید کی تعلیم پورے طور پر کسی فرقے کو خدا پرست نہیں بنا سکی اور نہ بنا سکتی تھی... وید ایک ایسی مجمل کتاب ہے کہ یہ تمام فرقے اسی میں سے اپنے اپنے مطلب نکالتے ہیں۔ تاہم خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسان کا افتراء نہیں ہے۔ انسان کے افتراء میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ کروڑ ہا لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر ایک دائمی سلسلہ قائم کر دے۔ (پیغام صلح۔ ص ۲۳)

. ہم ... خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور جو کچھ اس کی تعلیم میں غلطیاں ہیں وہ وید کے بھاشکاروں کی غلطیاں سمجھتے ہیں۔ (پیغام صلح۔ ص ۲۵)

بٹالوی ریویو

مرزا صاحب کے منقول بالا دعاوی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

قادیان کے کرشن مہاراج (مرزا غلام احمد) نے پہلے وکیل، مناظر غیر اقوام من جانب اسلام کا روپ بھرا تھا۔ اور قرآن و اسلام کی حقانیت پر تین سو دلائل قرآن ہی سے نکالنے کا وعدہ دے کر (بحسب اعتراف خود) دس ہزار روپئہ مسلمانوں کا بٹورا، و ازانجا کہ ان تین سو دلائل کا وجود کتاب براہین میں تو کب ہوتا، اس کے دماغ میں بھی نہ تھا، لہذا اس کتاب کے تیسرے حصے (یا جلد) سے ایک اور روپ، ولی اور نبی بننے کا جمایا۔ اور وحی والہام (جو انبیاء و اولیاء کا خاصہ ہے) کا دعوی کر کے پیری مریدی کا جال بچھایا۔ ان الہاموں میں کبھی آپ نے آدم علیہ السلام کا روپ بھرا۔ کبھی حضرت عیسی و آنحضرت ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام کا اوتار لیا۔ اور اس ذریعے سے بہت سے عقل کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو اپنے دام میں پھنسایا۔ ان مختلف روپ بھرنے سے مالدار آپ کے مرید بن گئے اور کافی سے زیادہ روپئے آپ نے جمع کر لئے۔ حتی کہ سرکار انگریزی کو بھی ان کی آمدنی دیکھ کر انکم ٹیکس وصول کرنے کا موقعہ مل گیا اور آپ پر ٹیکس لگایا گیا۔ اور پھر وہ ایک مسلمان افسر تحقیقات کی مہربانی سے اور کرشن مہاراج کی حکمت عملی و غلط عذر داری و غلط بیانی سے اٹھ بھی گیا۔ مگر بحکم حدیث نبوی اگر ابن آدم (حریص دنیا) کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں، تب بھی وہ تیسرا جنگل تلاش کرتا ہے، اور اس کے پیٹ کو مٹی ہی پر کرتی ہے

تنگ چشمی ہائے دنیا دار یا قناعت پر کند یا خاک گور

جوں جوں مہاراج کی دولت بڑھتی گئی، حرص مال زیادہ ہوتی گئی۔ لہذا آپ نے ایک اور روپ بھرنے کی ٹھہرائی (سکھوں کے گرونانک صاحب کا روپ)۔ اور اس کے واسطے پہلی پٹڑی یہ جمائی کہ گورونانک آپ کے ہم مذہب تھے، تاکہ سکھ پارٹی سے جو اس وقت مال و دولت میں بڑھی ہوئی ہے، اور ان میں کئی ریاستوں کے والی، راجہ، مہاراجہ ہیں، کچھ روپیہ آوے اور زیورات وغیرہ میں صرف ہو۔ سکھوں میں کوئی اس کا قائل و مائل ہو جاتا تو ایک نہ ایک دن اس نے ضرور بابا نانک صاحب بن جانا تھا۔ مگر چونکہ سکھ پارٹی کے لیڈر تعلیم یافتہ تھے، وہ آپ کی چال تاڑ گئے اور اس کے قابو میں نہ آئے اور انہوں نے بجائے لبّیک کے، تبرّے سنائے۔

اب آپ کو یہ سوجھی ہے کہ ہندو پارٹی میں گو تعلیم یافتہ لوگ بھی ہوں، مگر ان پڑھ زیادہ ہیں اور زود اعتقادی ان کا خاصہ اور قدیمی شیوہ ہے، اور مال و دولت میں بھی سکھوں سے کم نہیں، تو اب آپ نے کرشن جی کا اوتار لیا ہے اور اپنی نسبت تازہ اور گرما گرم الہام گھڑ کر شائع کر دیا ہے جو آپکے لیکچر سیالکوٹ اور ریویو آف ریلی جنز میں مشتہر ہوا ہے، یہ ہے:

کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔

یہ روپ اور یہ اوتار لینا آپ کے روز افزوں تبدّلات وانتقالات بحکم اس بیت کے جس کو ہم نے زیب عنوان کیا ہے، عین لازمہ ونتیجہ تھا اور انسلافات کی نظر سے سے اس کا پہلے ہی یقین تھا۔ اور آئندہ بھی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایک نہ ایک دن آپ مہتروں (بھنگیوں) کے پیشوا، لال بیگ کا روپ بھی بھریں گے، کیونکہ بھنگیوں میں تعلیم برائے نام بھی نہیں۔ اور ان کی آمدنی (جب سے اڑوڑی یعنی میلے اور کھاد کی قیمت بڑھتی جاتی ہے) دن بدن ترقی پر ہے۔

کرشن قادیانی کا بھائی مرزا امام الدین جلد بازی کر کے لال بیگ کا خلیفہ بنا تھا اس لئے وہ اس میں ناکام رہا۔ اور اس کے مر جانے سے وہ عہدہ پھر خالی ہو گیا اور چونکہ کرشن قادیانی گہری پالیسی کا پالیٹیشن ہے اور دنیا کمانے کی مصلحت اور دور اندیشی میں وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، لہذا امید واثق اور یقین کامل ہے کہ وہ حکمت و مصلحت سے پہلے عہدہ خلافت لال بیگ اپنے لئے تجویز کرے گا اور پھر بتدریج خود ہی لعل

بیگ بن بیٹھے گا اوراس میں کام یاب ہوگا۔اس کے بعدوہ پارسیوں کے پیغمبر زردشت کا اوتار لے گا اوران پر ہاتھ پھیرے گا۔وعلی ہذا القیاس

اس مضمون میں جو بات ہم مسلمانوں کے متعلق کہنا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اب تو مسلمان ،کرشن قادیانی سے بحث ومباحثہ چھوڑ دیں۔اوران کواوران کے ہندو بھائیوں کو (جن کووہ اپنے رسالہ ریویوآف ریلیجز میں جابجا بھائی کہتے ہیں) بھگت لینے دیں اگروہ ان میں کرشن مانے گئے اور ہندواس کو دھن مہاراج، دھن مہاراج بول اٹھے،تو وہ شوق سے ان کی حلوا پوریاں کھائیں ،مسلمانوں کا اس میں کیا حرج ہے۔اوران کو حسد وبخل سے کیا حاصل؟ ہم تواس کے حق میں کڑاہ پرشاد (حلوہ) کے لئے خود گورنمنٹ سے مضمون طاعون میں سفارش کرچکے ہیں۔اورمسلمان بھی ہماری موافقت کریں اوراس کو ہندوؤں کا حلواپوری کھانے دیں۔اوراگر ہندوؤں کی ان سے ان بن ہوگئی تو کچھ دنوں مسلمانوں کوان کی خدمت گذاری سے فرصت وفراغت رہے گی۔اور آیت کفی اللہ المؤمنین القتال صادق آئے گی۔

ہاں بحث مباحثہ کے بغیر تزویرات کشن قادیان پر ناواقف مسلمانوں کو واقف کرنا، اور مسلمانوں کواس کے دام تزویر سے بچانا (جیسا کہ اس مضمون میں ہوا ہے) مضائقہ نہیں رکھتا۔اس سے ہم مسلمانوں کونہیں روکتے۔کیونکہ یہ نصیحت ہے اور نصیحت ہرمسلمان پر ہمیشہ کے لئے فرض ہے۔الدّین نصیحۃ للّٰہ و لرسولہ و لائمّۃِ المسلمین و لعامتھم۔ (اشاعۃ السنہ جلد۲۰۔ص ۲۲۶۔۲۲۹)

ثنائی تردید

مولانا ثناء اللہ نے بھی متعدد مواقع پر مرزا صاحب کے ان دعاوی کوموضوع سخن بنایا۔ جیسا کہ ایک دفعہ انہوں نے مسیح موعود ہیں یا آریہ؟ کے زیر عنوان لکھا:

مرزا صاحب نے براہین لکھی تو اکثر حصے آریوں کے جواب اور ردّ میں تھے۔ سرمہ چشم آریہ لکھا تواسی گروہ کے جواب میں تھا۔ تصدیق (براہین) لکھوائی تو اسی فرقہ کے ردّ میں ۔... نیوگ ناول بنا تو اسی گروہ کوشرمندہ کرنے ،اوران کے حیا سوز مسئلہ

نیوگ کے نتائج قبیحہ دکھانے کو تسلیم دعوۃ وغیرہ کئی کتابیں لکھیں۔

مرزا صاحب نے اپنے لاہوری لیکچر میں کہتے کہتے بے ساختہ کسی جذبہ میں کہہ مارا کہ خدا چونکہ قدیم سے خالق ہے اس لئے ہم مانتے اور ایمان لاتے ہیں کہ دنیا اپنی نوع کے اعتبار سے قدیم ہے لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں۔

مطلب مرزا صاحب کا یہ ہے کہ موجودہ دنیا گو قدیم نہیں لیکن اس سے پہلی دنیا اور اس سے پہلی دنیا، علی ہذا القیاس دنیا کا سلسلہ قدیم ہے۔ جب سے خدا ہے تب سے مخلوق ہے۔..اب اسی مسئلہ کی بابت سوامی دیانند بانی آریا سماج کی کتھا بھی سنیئے:

جیسے دن کے پہلے رات اور رات کے پہلے دن اور نیز دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن برابر چلا آتا ہے، اسی طرح پیدائش کے بعد فنا اور فنا کے بعد پیدائش کا دور چلا آتا ہے اس کا شروع یا انتہا نہیں۔ البتہ جیسے دن اور رات کا آغاز اور اختتام دیکھنے میں آتا ہے اسی طرح پیدائش اور فنا کا آغاز اور اختتام ہے۔ (ستیارتھ۔صفحہ ۲۹۵)

اگر ان دونوں عبارتوں کو ملا کر پڑھیں، لفظ بے شک مختلف ہوں گے مگر مضمون بالکل ایک ہے۔..آریا اور مرزائیوں کے اس وحدت الوجود پر تو ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں لیکن مسئلہ کی غلطی اظہار کرنے کو مختصراً اتنا کہتے ہیں کہ نیوگ کی سچائی کے بعد بھی ایک مسئلہ ہے جو آریا سماج کو اہل علم کے ماننے کے لائق نہیں رہنے دیتا۔ ایک مرزا صاحب نہیں بیسیوں مرزا بھی مل کر اس مسئلہ میں حامی اور مددگار بن جائیں، جو کچھ امداد کریں گے اس سے زیادہ نہ ہوگی: سگ چو تر شد پلید تر باشد

سنیئے! کچھ شک نہیں کہ دنیا اجسام کا نام ہے (مادہ اگر آریوں کے خیال میں کوئی شئے ہے تو اس کا نام دنیا نہیں وہ ایک مفرد حالت میں ہے) اور اجسام کتنے ہی ہوں مگر سب مرکب ہیں اور مرکب کوئی بھی ہو حادث ہے، کیونکہ اس کی ترکیب ہی بتلا رہی ہے کہ میرے اجزاء ایک وقت میں ازہم جدا تھے۔ نتیجہ صاف ہے کہ کوئی جسم قدیم نہیں، دنیا قدیم نہیں، دنیا کا سلسلہ قدیم نہیں۔

علاوہ اس کے جب دنیا کا ہر فرد حادث ہے تو مرزا صاحب کی یا آریہ سماج کی کون سی منطقی دلیل ہے کہ اس کے نوع کو قدیم کہا جائے۔ کیا کسی نوع کا وجود خارجی بغیر کسی فرد کے ہو سکتا ہے؟ پھر کیونکر ممکن ہے کہ سلسلہ کے تمام افراد تو حادث ہوں مگر

سلسلہ اس کا قدیم ہو۔ (شحنہ ہند۔ضمیمہ یکم نومبر ۱۹۰۴ء ص ۴۔۵ بحوالہ اہل حدیث امرتسر)

☆ ایک دفعہ مولانا امرتسری نے لکھا:

ہم قادیانی مسیح تو سنتے رہے مگر قادیانی کرشن جی نہیں سنا۔ یہ وہی حضرت قادیانی مسیح ہیں۔...آپ کا نزول اجلال سیالکوٹ میں ۲۷۔ اکتوبر بوقت ۶ بجے شام کے ہوا۔ چونکہ تشریف آوری کے پہلے چند روز علمائے کرام نے آپ کی تشریف آوری کی خبر عوام کے کانوں تک پہنچا دی تھی، گردونواح سیالکوٹ کے علماء اپنا فرض منصبی پورا کرنے کو چند روز پہلے ہی رونق افروز تھے اور خوب زور شور سے آپ کی آؤ بھگت مناسب الفاظ میں کررہے تھے اور چشم براہ تھے کہ ناگاہ گاڑی قریب سٹیشن سیالکوٹ پہنچی..دیکھتے ہی نعرہ لعنت بلند ہوا۔ تمام ریلوے سٹیشن اور باہر کا میدان جس میں تقریباً دواڑھائی ہزار آدمی ہوں گے، پر(بھرا ہوا) تھا۔ جدھر کو حضور کی گاڑی جاتی تھی لعنت کے چیرز اور نعرے بلند ہوتے تھے۔ خاک اڑائی جاتی تھی۔ خیر بصد شکرانہ آپ فرودگاہ تک تشریف لےگئے۔

اس واقع کو مرزا کے لیکچر کے سرورق کے صفحہ ۲ پر یوں لکھا گیا ہے: تقریباً پینتیس چالیس ہزار ہندو مسلمان استقبال کو آئے تھے اور بہت سے لوگوں نے اس خوشی میں روشنی کی تھی۔

حالانکہ تمام شہر سیالکوٹ کی مردم شماری تقریباً ۴۰ ہزار ہے جن میں ہندو مسلمان ..زن و مرد بوڑھے جوان بالغ، نابالغ سب شامل ہیں۔ روشنی کا یہ عالم تھا کہ خاک اور دھول کے اڑنے سے ایک اندھیرے کی صورت پیدا ہو رہی تھی۔ کاش اس روز بادل ہی چمکا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ مرزا جی کی خاطر آسمان پر روشنی ہوئی ہے جیسا کہ خود ان کا خیال ہے۔ چنانچہ ۱۱ مئی ۱۹۰۳ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ

آج جو میں بیماری سے اٹھ کر باہر آیا ہوں اور بادل چمک رہا ہے اور بارش بھی کسی قدر ہو رہی ہے۔ یہ اسی طریق سے ہے جو بادشاہوں کے آنے پر سڑکوں پر چھڑکاؤ کیا جاتا ہے اور آتش بازی چھوڑی جاتی ہے اسی طرح ہماری باہر تشریف آوری کی وجہ سے آسمان پر چھڑکاؤ ہوا ہے اور آتش بازی چھٹی ہے۔ (حاضرین) سبحان اللہ جل جلالہ امام الزمان کی برکت ہے مگر شقی ازلی ایسے صریح معجزات بھی دیکھ کر بدنصیب رہے۔

خیر خدا خدا کر کے حضرت فرودگاہ تک پہنچے اور لیکچر لکھنے میں مشغول ہوئے۔ ۲ نومبر کی تاریخ لیکچر کے لئے تھی۔ لیکچر کیا تھی وہی معمولی شاعروں کی طرح بطور تشبیب

چند لفظوں میں اسلام کی تعریف، پھر آریوں سے دو چار ہو کر اپنی تعریف کہ میں ایسا ہوں، یہ ہوں، میں وہ ہوں۔

ہاں ایک نئی بات لیکچر میں کہی گئی جو اس سے پہلے نہ سنی گئی تھی۔ جس کا خود حضرت کو بھی اقرار ہے کہ آج سے پہلے میں نے یہ بات ظاہر نہیں کی تھی یعنی آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے تو مسیح موعود ہو کر آیا ہوں مگر ہندوؤں اور آریوں کے لئے خدا نے مجھے کرشن جی بنا کر بھیجا ہے۔

اس دعوی کو سن کر مجسٹریٹ کیمپ سیالکوٹ نے مسلمانوں سے کہا کہ اب تم جاؤ، مرزا صاحب جانیں اور ہندو جانیں۔ مگر مسلمانوں کو اپنے پیدائشی مسلمان کی جدائی کہاں گوارا تھی۔ جس حال میں کہ وہ بابو عبدالغفور نو آریہ کی جدائی کو ابھی تک نہیں بھولے تھے حالانکہ بابو مذکور ایک کمسن بائیس تئیس سالہ عمر کا لڑکا اور مرزا جی ایک معمر تجربہ کار مسنّ۔ پھر بھلا ایسے گرگ کہن کی جدائی مسلمانوں کو کہاں گوارا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جہاں تک ہو سکا مرزا صاحب کا ساتھ دیا۔ روانگی کے وقت بدستور ریلوے سٹیشن تک جیسا استقبال کیا تھا، اس سے بڑھ کر استدبار کیا۔..

(شحنہ ہند۔ ضمیمہ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء۔ ص ۲۔ ۳ بحوالہ اہل حدیث امرتسر)

میٹھی تحریریں

☆ مرزا صاحب کا کرشن ہونے کا دعوی منظر عام پر آیا تو مولانا احمد حسن نے لکھا:

اب تو آپ کرشن جی کے اوتار بھی ہو گئے جیسا کہ سیالکوٹ والے لیکچر میں بیان کیا۔ کوئی پوچھے کہ وہ (کرشن) ولی تھے یا نبی؟ اگر نبی تھے تو کسی نبی نے آج تک دوسرے نبی میں حلول نہیں کیا۔ نہ یہ توریت و انجیل سے ثابت ہے نہ قرآن سے۔ اور اگر ولی تھے تو آپ نے اپنی نبوت کو آسمانی باپ کے ایوان سے تحت الثری میں کیوں گرایا۔ یہ شرارت آمیز مالیخولیا آپ کے دماغ میں کس نے ٹھونسا۔ بایں ہمہ نبی ہو یا ولی، آپ اپنے مقابلے میں کسی کی کچھ حیثیت نہیں سمجھتے۔ اول اول جب سب پر سبّ و

شتم کیا تو چار طرف سے چندیا پر لیپڑوں اور گھونسڑوں کا مینہ برسا۔ اب ہوش آیا تو سب کے بروزی بن گئے۔ مسیح بھی ہیں، نبی بھی ہیں، کرشن بھی ہیں، گرونانک بھی ہیں، کبیر پنتھی بھی ہیں، لال بیگیوں کے لال گرو بھی ہیں۔ اور حسینؓ سے تو آپ بدرجہا افضل ہیں کیونکہ وہ آنخضرت کے نواسے اور آپ کسی چینی مغل کے نطفے۔ اور قوم مغل بہ اعتبار حسب ونسب کے سیّدوں سے بہت بڑھی ہوئی ہے (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)۔

(شحنہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۰۴ء۔ ص ۷)۔

☆ مرزا قادیانی کا نیا سوانگ، کے زیر عنوان جناب احمد حسن شوکت بتاتے ہیں۔

پبلک میگزین لکھتا ہے لاہور کے لیکچر میں مرزا غلام احمد نے صرف اتنا ظاہر کیا تھا کہ وہ مہاراج رام چندر جی اور سری کرشن چندر جی کو بھی کامل انسان اور نبی مانتے ہیں۔ لیکن گذشتہ ہفتہ میں بمقام سیالکوٹ مرزا صاحب نیا رنگ لائے۔ مسیح موعود، عیسائیوں کے لئے، اور مہدی آخرالزمان، مسلمانوں کے تو آپ بن ہی چکے تھے اب ہندو باقی تھے، ان کیلئے کرشن چندر جی بن گئے۔ چنانچہ اپنی نسبت الہام سنایا کہ

ہے کرشن رددرر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔

مرزا صاحب نے خطرہ ظاہر کیا کہ:

جاہل مسلمان فی الفور یہ کہیں گے کہ مرزا نے کافر کا نام قبول کر کے صریحاً کفر قبول کرلیا۔ لیکن یہ خدا کی طرف سے ہے جس کا اظہار کئے بغیر میں نہیں رہ سکتا اور سری کرشن چندر درحقیقت کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی یا اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے وقت کا نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتح مند اور بااقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ اور میں کرشن سے محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔

مرزا صاحب نے اپنی خیالی شہرت کی اور ایک منزل طے کی، لیکن شائد انہیں خیال ہوگا کہ ہندوؤں کے کرشن کا مظہر بن کر انہوں نے کیسی عظیم ذمہ داری سر لی۔ کرشن اور اس کی تعلیم کو قبول کر کے مرزا کو تقریباً سارے اسلامی عقاید سے انکار اور بجائے اس کے کہ وہ قرآن کو الہامی مانیں، انہیں کرشن کا مظہر ہونے کی غرض سے گیان کا بھنڈار آریاؤں کی قدیمی الہامی کتب ویدوں کی ہدایتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑیگا

مرزا جی ،کرشن کے مظہر تو بنے لیکن گیتا کی ... فلاسفی کی تشریح کرتے ہوئے ضرور چکرانا پڑے گا۔ جب انہیں جتلایا جائے گا کہ کرشن کی تعلیم کیا تھی تو شاید پشیمان ہونا پڑے اور نئے ہندو مرید موںڈنے کی امید میں پرانے مسلمان مرید بھی فرنٹ ہوں ۔مرزا صاحب نے کرشن کا سوانگ بھر کر اپنا سارا بھرم کھول دیا۔اب کسی کو شک نہ کرنا چاہیے کہ مرزا جی دماغی تبخیر سے رنگ برنگے دعوی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہندو مرزا کو کرشن تو کیوں مانیں گے، البتہ مرزا کرشن بن کر اپنی مسیحیت اور مہدویت بھی کھوئیں گے ۔کرشن ازم کا ایک ہی مسئلہ مرزا جی کو چپ کر دے گا اور مرزا جی کرشن کا مظہر بننے سے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے ۔کرشن کرم کانڈ کو موکش کا سا دھن بناتے ہیں مرزا جی کی عمر شفاعت کا ڈھکوسلا سناتے گذر گئی ۔کیا مرزا صاحب اس کو رواج دیں گے اور کیا اعلان کریں گے کہ کرشن کا مظہر ہونے کی حیثیت سے وید اور سارے ویدک کے مسائل ان کے مقبولہ ہیں۔ اگر یہ ہو تو ہندوؤں کو اپنے دھرم کی بزرگی اور دھارمک اصول کی عظمت اور راستی پر فخر کرنا چاہیے جس نے مرزا جی کو آخری عمر میں اپنی صداقت کا قائل بنا لیا۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء ص ۱)۔

☆ اور ایک دفعہ مولانا احمد حسن شوکت نے لکھا:

سیالکوٹ والے لیکچر نے مرزا جی کی کایا پلٹ دی۔ ...اب نہ امام الزمان رہے، نہ بروزی رہے۔اب تو گھڑے گھڑائے اور چھلے چھلائے کرشن جی کی مورتی بن گئے۔ یا یوں کہو کہ آپ کی ذات طلم سمات میں متضاد کمپونڈ مسالا جمع ہو گیا ہے۔مگر اس معجون مرکب میں ابھی چند اجزاء کی کسر ہے۔کیا معنی کہ نہ تو آپ ابھی آریا کے دیانند جی مہاراج بنے ،نہ بودھوں کے گوتم ، نہ آتش پرستوں کے زرتشت، نہ سکھوں کے گرو نانگ ، نہ لعل بیگیوں کے لعل گرو۔

مناسب تھا کہ سب سے پہلے اپنا ورثہ سنبھالتے کیونکہ آپ بیگیوں کے بیگ ہیں۔اور آپ کے بڑے بھائی امام الدین لعل بیگیوں کے سرپرست بن بھی چکے ہیں۔مگر آپ ایسے ناخلف ہیں کہ ان کی گدی پر اب تک لات مار رہے ہیں۔تاہم گھبرانے کی کوئی بات نہیں، رفتہ رفتہ جب آپ سب کچھ ہو جائیں گے، تب لعل گرو بنیں گے۔..

سری کرشن جی میں اس لئے آپ نے دہارن کیا ہے کہ مرزا ئینوں کا پردہ اٹھا دینے کا جنرل آرڈر جاری کر چکے ہیں ۔ پس آپ گوپیوں میں کنہیا جی بن کر بیٹھیں گے اور ایک ہی وقت میں سب کے پرالبت میں فوراً پراپت ہوں گے

(گوپیوں والے معاملے کی وضاحت میں ملاحظہ فرمائیے کہ ڈاکٹر اسماعیل نے مرزا صاحب سے . عرض کیا کہ میرے ساتھ شفاخانہ میں ایک انگریز لیڈی کام کرتی ہے وہ بوڑھی عورت ہے ۔ کبھی کبھی میرے ساتھ مصافحہ کرتی ہے ۔ اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا یہ تو جائز نہیں ۔ آپ کو عذر کر دینا چاہیے تھا کہ یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں (سیرۃ المھدی ۲ ص ۷۲) اور خود مرزا صاحب کا اپنا یہ حال یہ تھا کہ خود قادیانیوں نے ایک لڑکی کے بارے میں لکھا ہے . حضور (مرزا) کو اس کی خدمت حضور کے پاؤں دبانے کی بہت پسند تھی .الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء ۔ اس کا نام عائشہ تھا ۔ کنواری تھی اور چودہ سال کی عمر میں مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجی گئی تھی)

کیوں صاحب ! جب آپ امام الزمان ہیں تو آریا کیوں برے ہیں؟ اور آپ دیانند جی کے اوتار کیوں نہیں بنے حالانکہ ان کا آپ سے رشتہ بخوبی ملا ہوا ہے ۔ کیا معنی کہ لاز آف نیچر کے وہ بھی قائل اور آپ بھی ۔ مادے کے قدیم ہونے کے وہ بھی معتقد اور آپ بھی ۔ مگر چونکہ وہ نبوت و رسالت کو نہیں مانتے اور دیانند سرستی کو ایک معزز انسان کے رتبے سے زیادہ رتبہ نہیں دیتے اور خود بدولت ٹھہرے نبی ۔ بس آپ سے ان کا ستارہ نہ ملا ۔ آپ نے دیکھا ہندوستان میں (بیسویں صدی کے آغاز میں) بت پرست ہنود ۲۲ کروڑ ہیں جن میں آریاؤں کی تعداد لاکھوں سے زیادہ نہیں ۔ اور بت پرستوں سے بڑھ کر کوئی قوم احمق اور سادہ لوح نہیں ۔ لہذا کیا عجب کہ ہنود آپ کی جانب رجوع لائیں ۔ مگر یہ بھی مشتے بعد از جنگ یاد آید کا مضمون ہے ۔ وید اور شاستر کے اصول یوگ وغیرہ کی جو آپ نے مذمت کی ہے تو یہ تمام ہنود پر یکساں ناگوار ہے کیونکہ ہنود خواہ بت پرست ہوں خواہ آریا ، وید کو یکساں پوتر (مقدس) مانتے ہیں اور خود سری کرشن بھی مانتے تھے ۔ پس ہنود کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیسا کرشن ہے جو وید کا انکار کر کے گویا آپ اپنی جڑ کاٹتا ہے ۔ انجام یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عیسائیوں نے آپ کو نہیں مانا ، ہندو بھی نہیں مانیں گے ۔

پھر ہنود کنہیا جی کو انسان نہیں مانتے بلکہ کرشن یعنی خدا مانتے ہیں ۔ پس جیسے اہل الرائے

کا عندیہ تھا کہ آپ بہت جلد خدائی کا دعوی کریں گے، سیالکوٹ میں پورا ہو گیا۔

اس عیاری اور دنیا طلبی کو دیکھئے کہ دنیا میں جس قدر باعظمت لوگ گذرے ہیں ان سب کا جو ہر اورست ...آپ کے وجود ... میں آ گیا ہے ۔ پہلے ایک قوم کے نبی یا اوتار کا دامن پکڑا، جب وہاں سے جھٹکا ملا تو دوسرے کا دامن جا پکڑا۔....حضرت بیدل نے مندرجہ ذیل شعر غایت مجبوری و ہمدردی اور انکسار کی حالت میں لکھا تھا مگر مرزا جی کی واقعی حالت کے مطابق ہے

نہ بدامنے زحیا رسد نہ بدستگاہ دعا رسد
چو رسد بہ نسبت پا رسد کف دست آبلہ دار ما

یعنی میرے ہاتھ میں پائے آبلہ دار کی نسبت ہے۔ نہ تو کسی کے دامن تک پہونچتا ہے کیونکہ سب لوگ حیا اور عار کرتے ہیں دامن تک نہیں چھونے دیتے، نہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھتا ہے۔یعنی جس طرح آبلہ دار پاؤں ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں پہونچتا یہی حالت میرے ہاتھ کی ہے۔گویا وہ ہاتھ نہیں رہا بلکہ پائے آبلہ دار بن گیا ہے ۔

(شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء ص ۳ تا ۵)

☆ ایک موقع پر مولانا احمد حسن شوکت بتاتے ہیں:

تمام انبیاء کا مذہب صرف اسلام ہے اور وہ مبعوث اس لئے ہوئے ہیں کہ دنیا سے بت پرستی اور کفر کو مٹائیں اور توحید کا جھنڈا گاڑیں ...انبیاء نے اپنا فرض ادا کیا... کسی نبی نے یہ کہہ کر کہ میں نبی اور امام الزمان ہوں، بت پرستوں کے اوتاروں کو نہیں مانا کیونکہ یہ تو بعینہ بت پرستی کا مان لینا تھا۔...

مرزا جی عجیب اسلامی ہیں کہ جب تک مشرکوں اور بت پرستوں کے اوتاروں کو نہ مانیں اور ان کی مورتیوں کے سامنے سر نہ جھکائیں، اپنا فرض تبلیغ وفرض نبوت ادا نہیں کر سکتے ...کون نہیں جانتا کہ سری کرشن جی بت پرست تھے اور ان کے اصول وہی ہیں جو بت پرستوں کے ہیں، اسلامی اصول سے ان کو کوئی علاقہ نہیں ۔مگر مرزا جی نے جو بت پرستوں کے سردار کو مانا ہے، تو محض دنیوی طمع سے ۔

انہوں نے اپنی کامیابی کیلئے حتی الوسع پاپڑ بیلے، مگر جب کسی طرح عقدہ کشائی نہ ہوئی تو

اب رنگ میں اور ہی بھنگ ملائی ۔ مسلمان تو ہر طرح کے بھوکے اور لنگوٹیا، دھن مال و دولت میں ہنود سے ہر طرح گرے ہوئے ہیں۔ ان سے خاطر خواہ موہن بھوگ کی تمنا فضول ۔ پس جو کچھ جتن کئے اب ان پر پچھتانا پڑا، لہذا کفر کی پناہ میں آنا ضروری تھا

دولت بغلط ہنود از سعی پشیماں شو　　　کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

پھر سری کرشن اور رام چندر جی نے کون سی کتاب میں اپنے کو نبی یا اوتار کہا ہے اور وید میں نبیوں کا آنا کہاں لکھا ہے؟ کیا آریہ ہنود نہیں؟ وہ رام چندر جی اور کرشن جی کو کیوں نہیں مانتے ۔ صرف آپ پر یہ الہام ہوا کہ ہنود کے تمام رشی اور منی نبی تھے ۔ مدعی سست گواہ چست ۔　　　(اڈیٹر ۔ شحنہ ہند ۔ ضمیمہ　یکم دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱ ۔ ۲)

☆　ایک جگہ مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

عیسے اور مسیح کا ایک وجود میں جمع ہو کر آنا تو آپ (یعنی مرزا) قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں مگر ان دونوں میں مہاراجہ کرشن جی کا دہارن کرنا کہاں سے ثابت کریں گے؟ کیا وید سے؟ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کرشن جی کو نبی اور صاحب الہام اور وحی اور صاحب روح قدس مان چکے ہیں، تو ویدوں کو کیونکر وحی و الہام نہ مانیں گے؟ اب آپ کو ثابت کرنا پڑے گا کہ کون سی وید میں کرشن جی کا نبی اور اوتار ہونا اور پھر دوبارہ ایک مسلمان (جیسا کہ آپ خود کو سمجھتے ہیں) کے سر میں دہارن کرنا لکھا ہے ۔

(شحنہ ہند ضمیمہ　۸ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۳)

☆　ایک دوسرے موقع پر مولانا احمد حسن شوکت رقم طراز ہیں:

جب مسلمان مرزائیوں کو کہتے ہیں کہ تمہارے بروزی نے اب کرشن جی کے بروزی ہونے کا ابراز کیا ہے تو وہ گرو جی کے کلام کی تاویل مالا یرضی بہ القائل کرتے ہیں کہ انہوں نے یوں نہیں کہا، بلکہ یوں کہا ہے ۔ اور ان کا مطلب یہ نہیں، بلکہ یہ ہے ۔

ملہم کو ان ناخلفوں پر، جو گھر کے بھیدی بن کر لنکا ڈھا رہے ہیں، اس قدر غصہ آتا ہے کہ قابو چلے تو ہندوستان سے نکال دیں ۔ گرو نے تو صاف کہہ دیا کہ میرے سر میں اب کرشن جی نے دہارن کیا ہے اور اب مجھے اسلام اور اہل اسلام سے کچھ واسطہ نہیں رہا

۔ چنانچہ جب سیالکوٹ میں بڑی بھاری سبھا کے سامنے اپدیش کیا تو وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے بھی یہی فرمایا کہ اب مسلمانوں کو اس اوپدیشک سے کچھ سابقہ نہ رہا، ہنود جانیں اور وہ جانے ۔ ڈی سی نے بجا فرمایا لیکن وہ یہ فرمانا بھول گئے کہ اب اس بہروپئے سے عیسائیوں کو بھی کچھ واسطہ نہ رہا کیونکہ وہ اس سے پہلے مسیح بھی بن چکا ہے۔
ہم کہتے ہیں اسی طرح قلع قمع ہوتا چلا جائے گا اور اخیر میں آپ چینی مغل رہ جائیں گے اور مرزا صاحب کے خدا نے وقتاً فوقتاً جو خطابات کے خلاعِ فاخرہ مرزا صاحب کو دیئے ہیں سب سلب ہو جائیں گے۔

جب کہا میں بروزی نبی ہوں تو سنّی مسلمانوں نے لا حول پڑھا۔ جب کہا کہ میں حسینؑ سے افضل ہوں، تو شیعہ نے تبرّے سنائے ۔ جب کہا میں عیسی مسیح سے کئی بانس اونچا ہوں تو عیسائیوں نے ایسا نیچا دکھایا کہ زمین دوز کر دیا۔ اب کہا کہ میں کرشن جی کا اوتار ہوں تو دیکھیں ہنود کیسی آؤ بھگت کرتے ہیں ۔

(شحنہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱)

☆ مولانا احمد حسن شوکت ایک موقع پر لکھتے ہیں:

. پہلے مرزا جی محمد ﷺ کے بروز تھے، اب کرشن کے بروز ہیں ۔یعنی اسلام کے بھی بروز اور کفر کے بھی بروز ۔ ...

جب آپ مسیح بنے ہیں تو ضرور ہے کہ آیت و ان من اهل الکتاب لیؤ منّ به قبل موته کا بھی اپنے کو مصداق بنائیں ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب عیسی دوبارہ نزول فرمائیں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی باقی نہ رہے گا کہ آپ پر ایمان نہ لائے ۔ حالانکہ آپ اس معنی کی جس پر جمہور مفسرین و مجتہدین علماء وفضلاء کا اتفاق ہے تاویل و تحریف کرتے ہیں کہ لیؤمنّ به میں بہ کا مرجع عیسی مسیح کا قتل وصلیب ہے حالانکہ لیؤمنّ صیغہ مستقبل ہے اور نون تاکید کی شان ہی یہ ہے کہ مضارع کو مستقبل بنائے مگر آپ خلاف سیاق وسباق قواعد عرب مستقبل کو بمعنی ماضی لیتے ہیں اور یہ معنی گھڑتے ہیں کہ تمام اہل کتاب عیسی مسیح کے قتل وصلب پر ایمان لا چکے ہیں ۔..

اب مرزا جی، کرشن کے بروز بنے ہیں کہ ہنود مجھ پر ایمان لائیں اور میں ہندوستان کے

ہندو، مسلمان کو مرزائی بنا کر متحد کر دوں گا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کیا ہنود اہل کتاب ہیں؟ ہاں ہاں کہہ دیجئے کہ وید بھی الہامی کتاب ہے اور عیسی کے قتل و صلیب پر ہنود بھی ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ مرزائی مقولہ بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی نبی آیا ہی نہیں اور نبی آئے ہیں رام چندر اور کچھمن اور کرشن وغیرہ رشی اور منی۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ انبیاء بنی اسرائیل سے ہنود کو کیا واسطہ رہا اور وہ کیونکر عیسے مسیح کے قتل و صلب پر ایمان لائے کہ جب واقعات صلیب وغیرہ کی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ اور اب بھی کروڑوں ہنود ایسے موجود ہیں جو انبیاء کے واقعات سے آگاہ نہیں، چہ جائے کہ ان پر ایمان ہو۔

آپ امام الزمان ہیں اور خیر سے دنیا کے تمام اقوام و مذاہب کو متحد کرنے آئے ہیں مگر یہ تو بتائیے کیا عیسائیوں کے مختلف فرقے مذہب ہنود سے متفق ہو جائیں گے۔ اور بت پرستی اور صلیب پرستی اور تثلیث پرستی گڈ مڈ ہو جائے گی۔ اب تک کتنے سناتن دھرمی ہندو یا آریہ آپ پر ایمان لائے ہیں؟ کیا کسی عیسائی نے آپ کی سی سالہ بعثت میں بت اور صلیب توڑ کر آپ کا کلمہ پڑھا ہے؟ دنیا کے مذاہب تو اس وقت متحد ہوں گے کہ پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔

آپ باوصف امام الزمان ہونے کے یورپ کو بھول گئے، چین کو بھول گئے، آتش پرستوں کو بھول گئے۔ آپ کے نزدیک ہر زمین میں تو انبیاء گذرے مگر دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں ایک بھی نبی نہیں گذرا۔ بدھ مذہب، پارسی مذہب میں کوئی نبی کیوں نہیں گذرا؟ ہاں سکھ مذہب کے نبی گورونانک پر آپ ایسا ہی ایمان لائے جیسا کرشن پر۔ لیکن ان کے سوا اور بھی بہت سے مذاہب ہیں جن کے متحد و متفق کرنے کا آپ نے اب تک بیڑہ نہیں اٹھایا۔ تاہم کچھ جلدی نہیں۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو آپ ہنود سے حلال خوروں تک کو یوں ملا دینا چاہیں گے جیسا کھیت میں کھاد۔ اس وقت سری کرشن کی روح کیا کہے گی؟ یہی کہے گی کہ

ہے رام، ہے رام، اس کلجگ میں آئے کہ کیسے راکھشش اور مہا ملیچھ سے پالا پڑا جس نے ہندو دھرم کو نسٹ کر دیا۔ (شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱-۲)

متفرق تحریریں

 ضمیمہ شحنہ ہند، میرٹھ میں مذکور ہے کہ

اخبار زمین دار لکھتا ہے کہ مرزا صاحب نے سیالکوٹ کے لیکچر میں مسیح موعو کے علاوہ سری کرشن جی کا اوتار ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ صوفیاء کرام میں فنا فی الشّیخ ، فنا فی الرّسول، فنا فی اللّٰہ ہونے کے تو درجے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس شخص کے خیال میں محو اور مستغرق رہے اس کے دماغ میں اس چیز یا اس شخص کا عکس بھی اس درجہ تک منعکس ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے کو وہی چیز، وہی شخص سمجھنے لگتا ہے۔ ایک زمین دار ایک بزرگ کی خدمت میں مرید بننے کے لئے حاضر ہوا۔ اس بزرگ نے پہلا سبق یہ دیا کہ جو چیز یا جو شخص تمہیں دنیا میں زیادہ محبوب اور عزیز ہو، اس کا خیال اپنے دل میں باندھو۔ مرید نے کہا کہ مجھے تو اپنی بھینس بہت عزیز ہے۔ بزرگ نے کہا کہ اسی کا خیال دل میں قائم کرو۔ اس ارشاد کی تعمیل میں زمین دار اپنے چوبارہ میں بیٹھ کر بھینس کا خیال پکانے لگا اور ہفتہ دو ہفتہ کے عرصہ میں فنا فی البھینس ہو گیا۔

ایک بار مرشد صاحب اس گلی میں سے گذرے جہاں زمین دار کا چوبارہ تھا۔ زمین دار نے کھڑکی میں سے مرشد کو دیکھ لیا اور کہنے لگا کہ اگر میرے سینگ دریچہ میں نہ اٹکتے ،تو میں آپ کی پیشوائی کو حاضر ہوتا۔

منصور کا انا الحق کہنا اسی اصول پر مبنی تھا۔ پس مرزا صاحب بھی عرصہ دراز سے مسیح کے حالات پر غور وغوض کر رہے ہیں اگر انا المسیح کہہ دیں تو مندرجہ بالا حالات کی رو سے ان کا ایسا کہنا بالکل جائز ہوگا۔ اور اگر وہ انا الکرشن کہہ اٹھیں تو غلط نہ مانا جائے گا۔ ذلک مسیح القادیان قول الحق الذی فیہ یمترون

(شحنہ ہند۔ ضمیمہ دسمبر ۱۹۰۴ء۔ ص ۱۶)

 شحنہ ہند کے ضمیمہ میں منقول ہے کہ آریہ گزٹ لکھتا ہے:

.مرزا قادیانی جو مسیح موعود بنے تھے اب سری کرشن جی کے اوتار بن بیٹھے۔

اگر مرزا جی مسیح ہی بنے رہتے تو شائد کچھ عذر چل سکتا لیکن کرشن مہاتما کا اوتار بننا اور یہ دعوی کرنا کہ میں ہندوؤں کی اصلاح کے لئے آیا ہوں اپنے منہ کی کھانا ہے۔ کہاں کرشن کامل انسان اور کہاں مرزا قادیانی۔ ہم نہیں جانتے یہ الہام آپ کو قادیان کے حجرہ میں آیا، یا مجسٹریٹ کی عدالت میں۔ مرزا صاحب ہندوؤں پر نظر شفقت رکھیں ہندوان کی انوکھی لیلاؤں سے پناہ مانگتے ہیں۔ عطائے تو، بہ لقائے تو۔

ابھی بہت دن نہیں ہوئے مرزا صاحب جن لفظوں سے ہندوؤں کو یاد کیا کرتے تھے وہ شاید بہتوں کو بھولے نہ ہوں گے۔ مرزا صاحب کے نئے سوانگ سے لوگ بھرّے میں نہ آئیں گے۔.....

اگر مرزا صاحب مونڈ منڈا کر کسی سنیاسی کے چیلے بنے ہوتے تو شاید یہ داؤں چل جاتا، مگر ہندو تو ایسوں کی شدھی کرنے کو تیار نہیں۔ اکبر نے بیربل سے کہا کہ مجھ کو ہندو بنالو۔ بیربل نے کہا کہ ایک ہفتہ کے بعد اس کا جواب دونگا۔ جب ایک ہفتہ گذر گیا، بیربل ایک گدھا لے کر شاہی محل کے نیچے نہر کے کنارے صابون سے اس کو خوب مل مل کر دھونے لگے۔ بیربل کے رتبہ کے آدمی کو ایسا ذلیل کام کرتے ہوئے دیکھ کر لوگوں نے اکبر تک خبر پہنچائی۔ شہنشاہ اکبر خود آئے اور متحر ہو کر پوچھنے لگے، بیربل یہ کیا ہو رہا ہے؟ بیربل نے سادگی سے جواب دیا، خداوند گدھے کو دھو کر گھوڑا بناؤنگا۔ اکبر نے ہنس کر جواب دیا، نادان ایسا بھی کہیں ہوا؟ بیربل نے کہا خداوندا اگر یہ امر غیر ممکن ہوتا تو حضور کیسے حکم دیتے کہ آپ کو ہندو بنالوں۔

گو یہ ایک مذاقیہ روایت ہے لیکن اس کو مرزا قادیانی کے آخری اعلان سے کسی قدر نسبت ضرور ہے۔ مرزا جی مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ فرض کرو وہ مسلمان نہ بھی ہوں، کیونکہ اکثر دین دار بزرگ مسلمان ان کے محمدی طریقہ کے پیرو کار ہونے میں شک کرتے ہیں، لیکن ان کی محمدی پیدائش ہندوؤں کی نگاہ میں ان کے حوصلہ کی راہ میں

رکاوٹ سمجھی جائے گی ۔ مرزا جی کو تو ہندو کبھی کرشن بھگوان کا اوتار نہ سمجھیں گے بلکہ ان کی یہ نئی الہامی اونچ حقارت اور تمسخر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی ۔ ہم نہیں جانتے مرزا جی کے اللہ پاک کو کیا ہو گیا ہے کہ مرزا جی کی تضحیک کے لئے آئے دن ایسی اول فول وحی نازل فرماتا رہتا ہے، اگر ہم سے ملاقات ہوتی تو ہم ضرور کہتے

افسوس چندیں مدت خدائی کردی   گاؤ و خر را نہ شناختی

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۴۔ ص ۸)۔

☆ شحنہ ہند کے ضمیمہ میں منقول ہے کہ رسالہ اتحاد لکھتا ہے:

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اس سے پہلے تو مسیح موعود ہی تھے جن کے منتظر یہود ونصاری اور اہل اسلام ہیں ۔ اب کرشن مہاراج ہونے کا بھی دعوی کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہندوؤں کے بھی محبوب ومطلوب بن گئے ۔ ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرانے کا یہ نیا اور بہت اچھوتا پہلو ہے ۔

شاید اب بھی پارسیوں اور بودھ وغیرہ کی طرح بعض فرقہ ان کے ماننے سے انحراف کرتے ہوں جن کو نہ مسیح سے کچھ علاقہ ہے، نہ سری کرشن جی سے ۔

میں سمجھتا ہوں کہ الوہیت کی شان دنیا کے تمام مذاہب میں مشترک ہے ۔ لہذا اب کے روحانی عروج میں انہیں خدائی کا دعوی کرنا چاہیے ۔ پھر کوئی گروہ ان کے ماننے سے مستثنی نہ رہ جائے گا ۔ اگرچہ سری کرشن مہاراج بننے میں بھی اس درجہ کے قرین پہونچ گئے ہیں کیونکہ سری کرشن جی اپنے ماننے والوں میں پیغمبر یا بندے نہیں بلکہ خدا کا مظہر اور خود خدا ہیں ۔ غرض ہم اپنے روحانی بزرگ (مرزا) کو اس جدید ترقی پر مبارک باد دیتے ہیں ۔   بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

(شحنہ ہند میرٹھ ۔ ضمیمہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱)

مسیح علیہ السّلام کی قبر

کتاب ہذا کے کسی حصے میں بتایا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب، حضرت مسیح کی قبر تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ایک دفعہ انہوں نے اعلان کیا کہ مسیح کی قبر ملک شام میں ہے اور اس پر انہوں نے کوئی شہادت بھی پیش کی اور اس کا انکار کرنے والوں کو خوب جلی کٹی سنائیں۔ پھران پر انکشاف ہوا کہ سری نگر کشمیر میں حضرت مسیح کی قبر موجود ہے، اور وہ اپنی پہلی بات بھول کر کشمیر میں قبر مسیح کے موجود ہونے کا دعوی کرنے لگے حتی کہ انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کو بھی منقول ذیل عریضے (موسومہ ستارہ قیصر) میں یہ بات لکھی۔

بحضور عالی شان قیصرہ ہند ملکہ معظّمہ شہنشاہ ہندوستان وانگلستان ادام اللّٰہ اقبالھا۔

سب سے پہلے یہ دعا ہے کہ خدائے تعالی قادر مطلق اس ہماری عالی جاہ قیصرہ ہند کی عمر میں بہت بہت برکت بخشے (یہ عرضداشت ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کی ہے۔اور دعا یوں قبول ہوئی کہ اس کے ایک سال چار ماہ بعد جنوری ۱۹۰۱ء ملکہ فوت ہوگئی، جبکہ دعاء صرف برکت کی نہیں، بہت برکت کی بھی نہیں، بلکہ بہت بہت برکت کی تھی۔ بہا)......

اس کے بعد اس عریضہ لکھنے والا جس کا نام میرزا غلام احمد قادیانی ہے ...یہ عرض کرتا ہے ....(کہ) اس عاجز کو..وہ اعلی درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوش اطاعت حضور ملکہ معظّمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جن میں اس اخلاص کا اندازہ بیان کرسکوں۔ اسی سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرہ ہند دام اقبالہا کے نام سے تالیف کر کے اور اس کا نام تحفہ قیصریہ رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا۔اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی۔اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا۔...مگر مجھے نہائت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا۔...اس حسن ظن نے جو میں حضور

ملکہ معظّمہ دام اقبالہا کی خدمت میں رکھتا ہوں دو بارہ مجھے مجبور کیا کہ میں اس تحفہ یعنی رسالہ تحفہ قیصریہ کی طرف جناب ممدوحہ کو توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے خوشی حاصل کروں۔ اسی غرض سے یہ عریضہ روانہ کرتا ہے ....اس عریضہ کو نہ صرف میرے ہاتھوں نے لکھا، بلکہ میرے دل سے یقین کا بھرا ہوا زور ڈال کر اس پرارادت خط کے لکھنے کے لئے چلایا ہے ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خیر اور عافیت اور خوشی کے وقت میں خدا تعالی اس خط کو قیصرہ ہند دام اقبالھا کی خدمت میں پہنچا دے اور پھر جناب ممدوحہ کے دل میں الہام کرے کہ وہ... مجھے پر رحمت جواب سے ممنون فرماویں ...

(اے ملکہ) تیرے عہد سلطنت میں ... مسیح موعود کا آنا خدا کی طرف سے یہ گواہی ہے کہ تمام سلاطین میں سے تیرا وجود امن پسندی اور حسن انتظام اور ہم دردی رعایا اور عدل اور دادگستری میں بڑھ کر ہے ... تیرے عہد سلطنت کے علاوہ اور کوئی بھی عہد سلطنت ایسا نہیں ہے جو مسیح موعود کے ظہور کے لئے موزوں ہو۔ سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا کیونکہ نور، نور کو اپنی طرف کھینچتا ہے....

اے مبارک اور با اقبال ملکہ زمان! جن کتابوں میں مسیح موعود کا آنا لکھا ہے ان کتابوں میں صریح تیرے پر امن عہد کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں .... سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا، تیرے ہی وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہم دردی کا نتیجہ ہے....

بہت سے قطعی دلائل اور نہائت پختہ وجوہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا نے اس پاک نبی کو صلیب پر سے بچا لیا۔ اور آپ خدا کے فضل سے، نہ مر کر بلکہ زندہ ہی قبر میں غشی کی حالت میں داخل کئے گئے ...آپ نے یہ معجزہ دکھلایا کہ زندہ ہی قبر میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ ... دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عیسی کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔

اور یہ امر ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ آپ یہودیوں کے ملک سے بھاگ کر نصیبین کی راہ سے افغانستان آئے اور ایک مدت تک کوہ نعمان میں رہے۔ اور پھر کشمیر میں آئے اور ایک سو بیس سال کی عمر پا کر سری نگر میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور سری نگر محلّہ خان یار میں آپ کا مزار ہے ...... ۔ ۲۰، اگست ۱۸۹۹ء ۔ المتمس ۔ خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

دعوے کی مسیحی تردید

مرزا غلام احمد نے کشمیر میں حضرت مسیح کی قبر کے موجود ہونے کا پروپیگنڈہ کیا تو مسلمانوں اور عیسائیوں نے اس کی تحقیق کر کے ان کے جھوٹ کو آشکارا کیا۔ شحنہ ہند میں

مرزا جی کے عیسیٰ مسیح یوذ اسف کی قبر سری نگر میں

کے عنوان سے ایک نوٹ شائع ہوا جس میں بتایا گیا کہ

رسالہ ترقی لاہور کا مسیحی نامہ نگار، جو سری نگر کشمیر میں تھا، ۲۳ ستمبر ۱۹۰۲ء کو مرزا جی کے مزعوم عیسیٰ کی قبر دیکھنے گیا جو درحقیقت کسی ولی کی قبر ہے اور مندرجہ ذیل مضمون رسالہ ترقی میں دیا:

یہ قبر خاص سری نگر محلہ خان یار میں واقع ہے جو جامع مسجد سے تقریباً نصف میل اور شاہ عبدالقادر پیر دستگیر کی زیارت سے پاؤ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہمیں اس مقبرے کے ڈھونڈنے میں بہت دقت پیش آئی کیونکہ شہر کے لوگ اس سے بہت کم واقف ہیں آخرکار ایک منشی نے جس نے قبر یوذ اسف کا ذکر سنا تھا ہمیں اس کا نشان دیا اور یہ ہدایت کی کہ آپ لوگوں سے روضہ صاحب کا پتہ پوچھیں۔ معلوم ہوا کہ گردونواح میں یہ قبر اسی نام سے مشہور ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا مکان ہے، عمارت کی کرسی پتھروں کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر کسی دوسری پرانی عمارت سے نکال کر لگائے گئے ہیں جیسا کہ کہیں ان پر نقاشی سے معلوم ہوتا ہے۔ سری نگر کی کئی اور عمارات کا بھی یہی حال ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں ہندوؤں کی عمارتوں کے مصالحہ سے جو شائد کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت کے وقت مسمار ہوئیں، تعمیر ہوئیں۔...

یہ مکان باہر سے تقریباً ۳۵ فٹ لمبا اور ۱۴ فٹ چوڑا ہے اور اس کے اندر لکڑی کا جالی دار کٹہرا لگا کر ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا گیا ہے۔ اس کٹہرے کے اندر دو چھوٹی چھوٹی

قبروں کے نشان ہیں ۔ یہاں کوئی مجاور موجود نہ تھا۔ ہم نے ہمسایہ کے کئی آدمیوں کو بلوایا اور ایک ضعیف العمر آدمی سے دریافت کیا کہ یہ قبریں کن کی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ شمال کی جانب کی قبر، جو دوسری قبر سے ذرا بڑی ہے، یوز آسف نبی کی ہے اور چھوٹی سید نصیر الدین کی ہے جو ایک پیر تھا...۔مگر یوز اسف اور اس پیر کا کسی کو بھی کوئی خاص حال معلوم نہ تھا۔ اور الفاظ شاہ زادہ یا عیسی صاحب تو ایک دفعہ بھی ان کی زبان سے نہ نکلے۔ اس لئے یہ بیان کہ

ہزار ہا آدمی ہر مذہب وفرقہ کے جوسری نگر واس کے گردونواح میں رہتے ہیں باتفاق یہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس قبر میں دفن ہے وہ ایک اجنبی شخص تھا جو تقریباً ۱۹۰۰ سال گزرے شام کے دور دراز ملک سے آیا اور اسرائیلی ہی سمجھا جاتا تھا اور اس کا نام عیسی صاحب اور شاہزادہ نبی مشہور تھا،

سراسر بے بنیاد اور مرزا صاحب کی گھڑت ہے۔

میں نے ان لوگوں سے سوال کیا کہ وہ یوز اسف کو نبی کیوں سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن اور حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مانے جاتے ہیں اور غالباً یہ بھی ان میں سے ایک ہے جن کے نام لکھے نہیں گئے ۔مگر اس سوال کا کہ جب اس کا کہیں ذکر درج نہیں تو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا، کچھ جواب بن نہ آیا۔مگر انہوں نے بیان کیا کہ اس شخص کی نبوت ایک معجزہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی قبر کے پاس پتھر کی ایک سل ہے جس پر بڑے بڑے پاؤں کے نشان ہیں یہ نشان (ان کے بیان کے مطابق) اس وقت جبکہ سید نصیر الدین کو وہاں دفن کیا گیا تو دفعۃً پیدا ہو گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو پہلے یہاں مدفون تھا پھر اپنی قبر پر آیا ہوگا۔ اور نبی کے سوا کسی کے پاؤں اتنے بڑے نہیں ہو سکتے ۔ میرے ایک دوست کا (جس نے مجھ سے دو سال پہلے اس قبر کو دیکھا تھا) بیان ہے کہ اس سے بعض اشخاص نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس نبی کا قد دراصل ستر گز تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ روضہ صاحب کشمیر کے دیگر بے شمار مزارات کی طرح کسی پیر یا ولی کی قبر ہے جس کے نام ونشان کو لوگ بھول گئے اور اس کی نسبت طرح طرح کی حکایات مشہور ہو گئیں ۔ بلکہ یہ لوگ لفظ یوز آسف سے بھی بالکل مانوس معلوم نہ ہوتے

تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے پیرو جو اس پیر کو دیکھنے جاتے رہے ہیں اس نام کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔لیکن اگر بالفرض اسی ولی کا نام یوذ اسف بھی مان لیں تو بھی اس کی کچھ شہادت موجود نہیں کہ یہ یوذ اسف دراصل تاریخی مسیح ہے۔یہ بات کہ

اس قبر پر ایک قدیمی کتبہ درج تھا مگر اب زائل ہو گیا ہے بعض لوگوں نے پڑھا تھا اور وہ بیان کرتے ہیں کہ (یہ کہنا کہ) یہ یسوع مسیح کی قبر ہے،

محض بناوٹ ہے۔ (شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴۔اپریل ۱۹۰۳ء ص ۷۔۸)

لکھوی تحقیق

حکیم محمد الدین سکرٹری انجمن نصرت السنہ امرتسر لکھتے ہیں:

مرزا قادیانی نے ایک رسالہ الہدی کے نام سے لکھا جس میں چند اہالی کشمیر کے دستخط ثبت ہیں کہ واقعی حضرت مسیح کی قبر یہاں (کشمیر) میں ہے۔گو دانا لوگ تو ہنستے ہیں کہ کہاں یوز اصف اور کہاں یسوع آصف اور کہاں انیس صدیوں کا واقعہ اور کہاں آج کل کے اہالی کشمیر کی تصدیق۔مگر مرزا قادیانی کو تو ایسے داناؤں سے کام نہیں، وہ تو احمقوں کی خیر مناتا ہے جو اس کے دام تزویر میں پھنسیں۔

اس لئے خدا نے اپنے ایک بندے جناب مولوی نور احمد صاحب ساکن موضع لکھو کے ضلع فیروز پور کو توفیق دی کہ انہوں نے کشمیر جا کر...... مسیح کاذب کا کذب طشت از بام کر ہی دیا۔یعنی وہاں کے معزز لوگوں سے دستخطی شہادتیں لائے کہ مرزا قادیانی جھوٹ کہتا ہے، یہاں حضرت مسیح کی قبر ہرگز نہیں۔چنانچہ شہادتیں درج ذیل ہیں۔

(اصل مفصل شہادتیں فارسی زبان میں ہیں، مگر ہم نے عام فہم کے لئے اردو میں ترجمہ کیا ہے اگر کسی کو اصل دیکھنی ہو تو انجمن نصرت السنہ امرتسر کے دفتر سے دیکھ سکتا ہے)

سب سے پہلے جناب مولوی رسول بابا صاحب میر واعظ فرماتے ہیں کہ کسی مورخ نے نہیں لکھا، نہ کسی شخص سے سنا کہ کشمیر میں حضرت عیسی کی قبر ہے۔

اس پر مفتی واعظ رسول، محمد شاہ مفتی کوٹھی دار مقام روضہ محلّہ خانیار، منشی محمد دلاور شاہ سکنہ خانیار، مفتی محمد شریف الدین، غلام محمد احمد قادری، غلام مصطفیٰ خانیاری، غلام حسین قادری، میر یوسف قادری کے دستخط ہیں۔

پھر لکھا ہے:

. مرزا قادیانی اپنے دعوی میں کہ (کشمیر میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر ہے) جھوٹا ہے، سخت گمراہ اور مفتری ہے۔ صحیح الاعتقاد مسلمان تو اس کی واہیات باتوں پر کان بھی نہ رکھیں گے۔ دستخط: مفتی یوسف شاہ، مفتی جلال الدین، مفتی سعد الدین، مفتی سیف الدین، مفتی نور الدین، مفتی صدر الدین۔

اور لکھا ہے:

. کشمیر میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر نہیں اور نہ کسی نے یہاں سے اس مضمون کی تحریر مرزا قادیانی کو دی ہے کہ مسیح کی قبر کشمیر میں ہے۔ دستخط: مفتی ضیاء الدین، احمد شاہ، محمد یوسف شاہ، غلام محمد، پیر قمر الدین سجادہ نشین، سید کبیر سجادہ نشین، احسن شاہ ایشانی، پیر غلام مصطفیٰ تارہ بلی، غلام محمد عاصم، پیر علی شاہ۔

مواہیر خادمان خانقاہ معلیٰ، اس بیان پر ہیں:

ہم شہادت دیتے ہیں کہ کشمیر میں حضرت عیسی کی قبر نہیں اور جو بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محلّہ خانیار میں یوز اصف کو حضرت عیسی کی قبر قرار دیتے ہیں، غلط اور واہیات ہے، یوز اصف کی تو نبوت بھی ثابت نہیں۔ محمد یوسف، غلام رسول ہمدانی، سید علی شاہ ہمدانی، خلیل بابا، بابا عبد الکبیر ہمدانی، سید احمد شاہ ہمدانی، سید محی الدین، علی بابا موذن، عبد المجید، احمد فراش درگاہ، نور الدین نعت خان صاحب، یوسف ہمدانی سجادہ نشین خانقاہ معلیٰ، مولوی حسن تقی خانیاری۔ غلام علی ہمدانی۔

مواہیر خادمان جامع مسجد اس بیان پر ہیں:

ہم شہادت دیتے ہیں کہ کشمیر میں حضرت عیسی کی قبر نہیں۔ احمد بابا خادم مسجد جامع، عبداللہ بابا خادم مسجد، سید حسن خادم مسجد، عبد الصمد خادم مسجد، غلام رسول خادم مسجد، سید سکندر خادم مسجد، سلام الدین امام مسجد جامع۔

مواہیر خادمان آستان حضرت مخدوم اس بیان پر ہیں:

کشمیر میں حضرت عیسی کی قبر بعض جاہلوں میں غلط مشہور ہے ۔ غلام الدین مخدومی، اسد اللہ مخدومی، نورالدین مخدومی، احمد بابا مخدومی، نورالدین مخدومی ، احسن اللہ مخدومی، محمد شاہ مخدومی، محمد بابا مخدومی، حفیظ اللہ مخدومی، میرک شاہ مخدومی، صدیق اللہ مخدومی۔

مواہیر خاندان سہروردیہ نقشبندیہ اس بیان پر ہیں:

حضرت عیسی کی قبر کشمیر میں نہیں اور جو مرزا قادیانی کہتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔ نظام الدین، محمد بن محمود رفیقی ، غلام حسین رفیقی، عبد السلام رفیقی ، غلام حمزہ رفیقی ، سیف الدین رفیقی ، عبداللہ رفیقی ،نورالدین رفیقی ، شریف الدین رفیقی ، غلام نبی رفیقی، محمد قاسم رفیقی، انور رفیقی، عبدالصمد رفیقی، محمد مقبول بن نصیرالدین رفیقی، محمد یوسف رفیقی اسلام آبادی، سعد الدین رفیقی، محمد مقبول رفیقی، عبدالرحمٰن رفیقی، نورالدین محمد بن محی الدین رفیقی ، محمد یوسف رفیقی ۔

مواہیر خاندان قدیمی اس بیان پر ہیں:

کشمیر میں حضرت عیسی کی قبر نہیں اور جو بعض جاہل یوز اصف کی قبر کو مسیح کی قبر قرار دیتے ہیں بالکل غلط اور واہیات ہے ۔علی شاہ قدیمی ، غلام محمد قدیمی، امیر الدین قدیمی، غلام محی الدین قدیمی، غلام حسن قدیمی، محمد شاہ قدیمی، مولوی نور الدین قدیمی ،قمر الدین قدیمی، غلام الدین قدیمی، غلام حسین قدیمی ۔

مواہیر خاندان قریشی اس بیان پر ہیں:

کشمیر میں کوئی قبر حضرت عیسی کی نہیں ۔محمد سعید الدین قریشی ، نظام الدین ، سعد الدین قریشی محلّہ خانیار، بدرالدین قریشی، عبدالمجید قریشی، غلام حسن قریشی ۔

مذکورہ بالا بیانات کی بنا پر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ:

قادیانی نے اہل کشمیر کو دھوکہ دیا اور بدنام کیا ۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ان لوگوں نے صرف یہ گواہی دی کہ یہاں یوز اصف کی قبر ہے جس کو قادیانی نے اپنی طرف سے یسوع اور یسوع سے مسیح بنا دیا۔

. مرزا اس بارے میں (ہمارے ساتھ) فیصلہ بھی کر لے ۔ فیصلے کی صورت یہ ہے کہ ایک کمیشن مقرر ہو جس کے ممبر پانچ کس ہوں ۔ دو امرتسر کی انجمن کی طرف سے اور دو مرزا کی طرف سے، اور ایک انگریز یا سکھ جس کو یہ چاروں ممبر منتخب کر لیں۔ وہ کشمیر

میں جا کر حضرت مسیح کی قبر کی بابت تحقیق کریں۔

انجمن کو چونکہ تحقیق حق منظور ہے اس لئے اپنے ممبروں کی کونامزد کرتی ہے ۔

اول جناب مولانا سید محمد حسن شاہ صاحب ساکن شوپیاں ضلع سری نگر۔

دوم جناب حکیم محمد علی معالج خاندان شاہی جموں وکشمیر۔

اگراب مرزا صاحب کوسچائی کا کچھ بھی دعوی ہے تو بہت جلد اپنے ممبران کمیشن کو نامزد کریں اوران کی روانگی کی اطلاع انجمن کے دفتر میں بھیجیں تا کہ اپنے ممبروں کو اطلاع دے کہ اس کام پر مستعد ہو جاویں۔

حکیم محمد الدین سکرٹری انجمن نصرت السنہ امرتسر چوک لوہ گڈھ ۔ ۲۵ مارچ ۱۹۰۳ء

(شحنہ ہند میرٹھ ۔ضمیمہ۔مئی ۱۹۰۳ء ص ۳۔۶)

الخبر الصحیح عن قبر المسیح

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے الخبر الصحیح عن قبر المسیح کے عنوان سے ۱۳۲۵ھ میں ایک مختصر رسالہ تالیف کیا (جو ان کی مصروفیات کے باعث کچھ عرصہ بعد شائع ہوا تھا) اس رسالے میں آپ نے کشمیر میں قبر مسیح کے وجود کے مرزائی دعوی پر تحقیقی بحث کی ہے۔اس کی افادیت کے پیش نظر ہم اسے ملخصاً نذر قارئین کرتے ہیں۔ مولانا سیالکوٹی فرماتے ہیں:

مرزا صاحب نے اپنے رسالہ الھدی و التّبصرة لمن یّری کے صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے:

و ثبت بثبوت قطعی انّ عیسی ھاجر الی ملک کشمیر بعد ما نجاہ اللّہ من الصّلیب بفضل کبیر و لبث فیہ مدّة طویلة حتّی مات و لحق الاموات ۔ و قبرہ موجود الی الآن فی بلدة سری نگر الّتی ھی من اعظم امصار ھذہ الخطة (اور قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ عیسی نے ملک کشمیر کی طرف ہجرت کی بعد اس کے کہ آپ کو اللہ نے بڑے فضل سے نجات دی اور اس ملک میں بہت مدت تک بستے رہے، حتی کہ مر گئے اور مردوں کو جا ملے اور آپ کی قبر شہر سری نگر میں، جو اس خطہ کے سب شہروں سے بڑا ہے، اب تک موجود ہے)

اور پھر اسکے بعد کتاب اکمال الدین کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ تسلی واطمینان کیلئے اس کتاب کو پڑھنا چاہیے کیونکہ اس میں یہ بیان تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

مرزا صاحب کا یہ سارا بیان بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔ اس بیان سے مرزا صاحب کا مدعا صرف یہ ہے کہ جب حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں، اور فوت شدہ لوگ پھر دنیا پر نہیں آتے، تو حدیث میں جس مسیح کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سے خواہ مخواہ کوئی مثیل مسیح مراد ہے۔ اور وہ مسیح موعود، بہ حسبِ ادّعاء خود، مرزا صاحب ہیں۔ مرزا صاحب کے اس بیان کا تار و پود بالکل باطل اور خلاف واقع ہے اور قرآن وحدیث کے سراسر مخالف ہے کیونکہ نہ تو حضرت روح اللہ صلیب پر چڑھائے گئے، اور نہ ان کیلئے کوئی مرہم تیار کی گئی، اور نہ وہ کشمیر کی طرف کو بھاگے، اور نہ وہ وہاں فوت ہوئے، نہ کتاب اکمال الدین واتمام النعمۃ میں حضرت عیسیٰ کا ذکر لکھا ہے، اور نہ احادیث نبویہ کا مصداق کوئی مثیل ہے، نہ مرزا صاحب مسیح موعود ہو سکتے ہیں۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کو اللہ عزیز وحکیم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے آسمان پر اٹھا لیا، اور یہودیوں کے ہاتھوں کو آپ تک نہ پہنچنے دیا، اور آپ آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے زمین پر نزول فرما ہوں گے، اور مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے اور قیامت کو آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ اسی قبرستان سے اٹھیں گے واللّٰہ علی ما نقول شھید

مرزا صاحب کی نئی اور پرانی تصانیف حضرت مسیح کی قبر کے متعلق متفق نہیں ہیں، چنانچہ آپ الہدیٰ میں تو عیسیٰ کی قبر کشمیر میں بتاتے ہیں لیکن ازالہ اوہام (تقطیع خرد ص۴۷۳ اور تقطیع کلاں ص ۲۳۷) جلد اول میں فرماتے ہیں:

سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا، پھر زندہ ہو گیا۔

دنیا کے نقشہ پر نظر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ گلیل اور سری نگر میں مشرق و مغرب کا فرق ہے اور یہ دو مختلف مقامات ہیں۔ کہاں ولایتِ کشمیر اور کہاں علاقہ شام؟ اگر یہ عذر کیا جائے کہ ازالہ اوہام کا بیان پادری صاحبان کے مقابلہ میں لکھا ہے، اور انہیں انجیلی حوالہ سے جواب دیا ہے، تو یہ عذر درست نہیں۔ کیونکہ اول تو انجیل کی عبارت سے ایسا مفہوم نہیں ہوتا اور اگر مرزا صاحب نے اپنی نئی منطق سے اناجیل سے ایسا ہی سمجھا ہے تو پھر بھی عذر صحیح نہیں، کیونکہ اس عبارت کو آپ اس طرح شروع کرتے ہیں: یہ تو سچ ہے۔ جس سے

ظاہر ہے کہ مرزا صاحب مضمونِ بعد کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اگر کہیں کہ یہ سچ انجیلی سچ ہے، نہ کہ نفس الامری، تو یہ بھی معقول نہیں کیونکہ اسی اپنے ازالہ اوہام میں آپ نے اناجیل کے مسئلہ صلیب اور موتِ مسیح پر اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر کھینچے تو گئے، مگر اس پر مرے نہ تھے، بلکہ نیم جان اتارے گئے تھے۔ پس اس کے بعد مرزا صاحب کا حضرت مسیح کو زندہ ماننا اور پھر گلیل میں جا کر فوت شدہ جاننا، ثابت کر رہا ہے کہ مرزا صاحب اس عبارت میں اپنا ذاتی خیال ظاہر کر رہے ہیں، گو اس کی بناء اناجیل پر ہے۔ دیگر یہ کہ مرزا صاحب اس موقع پر اناجیل کا مطالعہ اضطراری طور پر کرتے ہیں کیونکہ انکے پاس واقعہ صلیبی کے ثبوت کیلئے سوائے بیان اناجیل کے کوئی دستاویز نہیں ہے۔ اور ان میں سے بعض امور کو جو آپ کے خیال کے موافق ہوں، تسلیم کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہوں، انہیں رد کرتے ہیں یا تاویل کرتے ہیں۔ اس سے اتنا ثابت ہے کہ مرزا صاحب ان کتابوں کو بالکل حق اور سراسر راست قرار نہیں دیتے۔ پس حق کو حق سمجھنے اور باطل کو باطل قرار دینے کیلئے انکے پاس اناجیل کے علاوہ کوئی اور معیار ہونا چاہیے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ وہ معیار مسلمانوں کے پاس قرآن اور حدیث نبوی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے تورات و انجیل کے ذکر کے بعد قرآن شریف کا ذکر فرمایا اور اس کی یہ صفت بیان کی و مهيمناً عليه ۔ یعنی اے پیغمبر ہم نے یہ قرآن تم پر پہلی کتاب (یعنی جنس کتاب، خواہ توریت ہے، خواہ زبور، خواہ انجیل) پر مہیمن کر کے نازل کیا ہے یعنی اختلاف کو دور کر کے محکم رائے سے فیصلہ کرنے والا اور (حق) کی حفاظت کرنیوالا۔ اور اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا کہ پچھلی کتابوں کا بیان جو کتاب اللہ یعنی قرآن کے موافق ہو، وہ (بوجہ تحریف سے محفوظ رہنے کے) قبول کر لو، اور جو موافق نہ ہو، اسے چھوڑ دو۔ پس مرزا صاحب پر واجب ہے کہ واقعہ صلیب کے اثبات کیلئے قرآن و حدیث میں سے کوئی دلیل پیش کریں، اور بیان اناجیل پر (جن کو وہ خود محرف مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل نے کئی امور از خود بڑھا دیئے ہیں یا صرف حسن ظنی سے لکھ دیئے ہیں یا پچھلی نسلوں میں سے کسی نے لکھ دیئے ہیں) کفایت نہ کریں کیونکہ ان پر سے امان مرفوع ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ ازالہ اوہام کی تصنیف کے وقت بے شک مرزا صاحب کی تحقیق یہی تھی کہ مسیح گلیل میں فوت ہوئے اور اب یہ تحقیق ہے کہ ان کی قبر کشمیر میں ہے اور اس کے متعلق آپ کو وحی بھی ہو چکی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مرزا

صاحب کی تحقیق میں نقص ہوتا ہے اور بات بات میں وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں، اور الزام سے بچنے کے لئے پچھلی عبارت کو وحی الٰہی قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس سے پیشتر کی تحریر بھی وحی یا بمنزلہ وحی مانی جاتی تھی چنانچہ ازالہ اوہام کا یہی حال ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا کو وحی نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان کے ازالہ اوہام کی تصنیف اور رسائل الہدیٰ وغیرہ کی تصنیف میں کئی برسوں کا عرصہ ہے۔ اگر آپ صاحبِ وحی ہوتے، تو اللہ تعالیٰ علیم وخبیر آپ کو اتنے سال تک اس غلطی کے اندھیرے میں نہ پڑا رہنے دیتا، کیونکہ پیغمبرانِ خدا اپنی غلطی کے بعد بلا مہلت متنبہ کئے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن اور کتب حدیث اور کتبِ عقاید کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ اور یہ امر عرفِ شرع میں عصمت کی تعریف میں داخل ہے۔ طوالع الانوار میں عصمت کی تعریف میں یہ بھی لکھا ہے:

وتتاکّد فی الانبیاء بتتابع الوحی علی التّذکّروالاعتراض علی ما یصدرعنھم سھواً

مرزا صاحب اپنے غلط دعاوی و اقوال کی تائید میں کبھی تو موضوع و ضعیف روائتیں پیش کیا کرتے تھے اور کبھی قرآن کی آیتیں جن کو آپ کے مدعا سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اس سے آپ کی حدیث وتفسیر دانی معلوم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کشمیر میں ہونے کے متعلق اس آیت سے استدلال کیا ہے:

و جعلنا ابن مریم و امّہ آیۃً و آوینٰھما الی ربوۃٍ ذات قرارٍ و معین (مؤمنون۔۱۸)۔ (ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور دونوں کو ایک اونچی جگہ پر، جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب بھی تھی، لے جا کر پناہ دی)۔

اس آیت سے مرزا صاحب اس وجہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خبر دی ہے کہ ہم نے مسیح کو اور اس کی ماں مریم کو ایک ایسی جگہ پناہ دی، جو اونچی ہے اور شاداب ہے۔ اور چونکہ کشمیر ان ہر دو صفتوں سے موصوف ہے، اسلئے اس آیت میں ولایتِ کشمیر کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ واقعہ تب ہی ہوا جب عیسیٰؑ واقعہ صلیب کے بعد مرہم پٹی کرا کر اس طرف بھاگ آئے۔

اس آیت کی تفسیر صحیح بیان کرنے سے پہلے ناظرین کی توجہ اس طرف کرنی ضروری ہے کہ اس آیت میں کشمیر وغیرہ کسی ولایت کا نام مذکور نہیں، بلکہ ایسے دو وصف

مذکور ہیں جو دنیا میں بہت سے مقامات میں پائے جاتے ہیں اور وہ جغرافیہ دانوں سے پوشیدہ نہیں۔ پس اس مقام کی تخصیص کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ جو امر کئی ایک میں مشترک ہو، اس کے متعلق یہ حکم لگانا کہ اس مقام پر فلاں مقصود ہے اور فلاں مراد نہیں ہے، بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہو سکتا۔ اور مرزا کی تحریر میں ہم نے اس آیت کے سوا کوئی آیت یا حدیث یا کسی صحابی یا مفسر کا قول نہیں دیکھا جو آپ کے اس خیال کی تائید کرے۔

دوم یہ کہ مرزا صاحب کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی سیاحت کشمیر کیلئے آپ کا صلیب پر چڑھایا جانا ضروریات میں سے ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ واقعہ صلیبی حضرت عیسیٰؑ کی نسبت بآیت قرآنی وما قتلوہ و ما صلبوہ (انہوں نے حضرت عیسی کو نہ تو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا) بالکل باطل ہے، تو اسکے بعد کشمیر کی طرف ہجرت کرنے کے کیا معنی؟

اب ہم اس آیت کی صحیح تفسیر بیان کر کے ثابت کرتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے متعلق ایک امر کا اشارہ ہے اور اس مقام سے بیت المقدس مراد ہے جہاں حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ سمیت پناہ لی تھی۔ اس امر کی دلیل کہ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے متعلق ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے، یہ ہے کہ اس کے شروع میں فرمایا و جعلنا ابن مریم و امّہ آیۃً (یعنی ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو، اپنی قدرت کا، ایک نشان بنایا) اور ان کا یہ نشان ہونا عیسیٰؑ کے بے باپ ہونے کے اعتبار سے ہے اور اس کے بعد فرمایا وآویناھما الی ربوۃٍ ذات قرارٍ وّ معین۔ اور ان دونوں جملوں کو حرف عطف سے وصل کیا اور لفظ آیت کو مفرد ذکر کیا، حالانکہ ذکر ان دونوں کو نشان بنانے کا ہے تو جب تک دونوں اکٹھے ایک ہی امر میں نشان نہ ہوں تب تک ان کو ایک نشان نہیں کہہ سکتے بلکہ پھر دو نشان کہنا پڑے گا، جیسا کہ فرمایا و جعلنا اللّیل و النّھار آیتین (بنی اسرائیل) بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشان۔

اور وہ امر جس میں حضرت عیسیٰؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ دونوں اکٹھے ایک نشان ہیں، سوائے آپ کی ولادت بلا پدر کے اور کونسا ہے؟ چنانچہ اسی کے موافق سورۃ انبیاء میں بھی فرمایا: و جعلنھا و ابنھا آیۃً للّعالمین۔ ہم نے مریم کو اور اس کے بیٹے کو ایک نشان بنایا۔

سورہ مومنون کی آیت میں مقصود عیسیٰؑ کا ذکر ہے اس لئے اس مقام پر آپ کا ذکر پہلے کیا اور آپ کی ماں مریم کا ذکر پیچھے، لیکن سورہ انبیاء میں مقصود مریم کا ذکر ہے اس لئے

ان کا ذکر پہلے کیا اور حضرت عیسی کا پیچھے۔

اسی طرح سورہ مریم میں مذکور ہے کہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بلا پدر کی بشارت کے وقت بھی سنایا گیا تھا (کہ اس کے بلا پدر پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے) کہ اس کو لوگوں کے لئے نشان بنانا چاہتے ہیں و لنجعلہ آیۃ للنّاس ۔

اور اسی طرح سورہ زخرف میں بھی کفار کے جواب میں فرمایا: و جعلناہ مثلاً لّبنی اسرائیل ۔(ہم نے اس، ابن مریم، کو بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان بنایا)۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ دوسری آیات قرآنی کی طرح آیت زیر بحث میں بھی حضرت عیسیٰؑ کے بلا باپ پیدا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں میرے ناظرین شاید یہ کہہ اٹھیں کہ دلیل تو اس امر کی دینی تھی کہ جملہ و آوینا ھما حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بلا پدر کے متعلق ایک واقعہ کا اشارہ ہے، اور تقریر حضرت عیسیٰؑ کے بلا پدر ہونے کی چھیڑ دی، تو آپ کی حیرانی کو دور کرنے کے لئے اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یہ سارا بیان اصل مقصود کے ثابت کرنے سے پہلے ذکر کیا ہے، تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت تو ضرور ہے، اور وہ حکمت یہ ہے کہ سورہ مریم میں جہاں عیسیٰؑ کی ولادت کا ذکر ہے، فرمایا:

فحملتہ فانتبذت بہ مکاناً قصیّاً فاجاء ھا المخاض الی جذع النّخلۃ قالت یلیتنی متّ قبل ھذا و کنت نسیاً مّنسیاً فنادا ھا من تحتھا ان لّا تحزنی قد جعل ربّکِ تحتکِ سریّاً و ھزّی الیک بجذع النّخلۃ تساقط علیکِ رطباً جنیاً ۔(مریم)۔(پس جبریل کے بشارت سناتے ہی (خدا کی قدرت سے) اس نے (پیٹ میں) اس (بیٹے) کو اٹھالیا (جس کی بشارت سنائی گئی تھی) پس اس کو دردِ زہ کھجور کے تنے کی طرف لے پہنچا۔ کہنے لگی اے کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی، اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔ اس پر اس کے نیچے سے آواز آئی، تو کوئی اندیشہ نہ کر (دیکھ تو) تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ بہا دیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا)۔

سورہ مریم کی ان آیات میں عیسیٰؑ کی ولادت کے ذکر میں چشمہ کا ذکر صاف طور پر موجود ہے جو کہ اللہ نے مریم کو اس وقت مرحمت فرمایا تھا۔ پس آیت زیر بحث یعنی و جعلنا ابن مریم و امّہ آیۃً و آوینا ھما الی ربوۃٍ ذات قرارٍ وّ معین میں بھی حضرت

عیسیٰؑ کی ولادت کے ذکر کے بعد اسی کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ہے جو نہایت اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ خوشگوار پانی والا اونچا قطعہ زمین وہی علاقہ شام ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:

و اورثنا القوم الّذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربها الّتی بارکنا فیها ۔ (اعراف)۔ (اور وارث کیا ہم نے ان لوگوں کو جو ضعیف شمار کئے جاتے تھے اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے)۔

اسی سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے:

سبحان الّذی اسری بعبده لیلاً مّن المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الّذی بارکنا حوله ۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے)۔

سورہ مائدہ میں اس مبارک زمین کو ارض مقدسہ بھی کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

یا قوم ادخلوا الارض المقدّسة الّتی کتب اللّٰه لکم ۔ (اے میری قوم داخل ہو اس زمین پاک میں جو خدا نے تمہارے لئے لکھی ہے)۔

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے متعلق فرمایا:

ولسلیمان الرّیح عاصفة تجری بامره الی الارض الّتی بارکنا فیها (انبیاء)۔ (سلیمانؑ کے لئے زور کی ہوا بھی چلتی تھی اس کے حکم سے اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی ہے)۔

ان آیات مذکورہ بالا سے صاف واضح ہو گیا کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارض مبارکہ اور ارض مقدس فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ نے روحانی و جسمانی ہر طرح کی برکتیں رکھی ہوئی ہیں۔ روحانی یہ کہ اس میں بہت پیغمبر پیدا کئے۔ جسمانی یہ کہ اس میں میٹھی نہریں چلتی ہیں، باغات بکثرت ہیں، میوہ جات بافراط ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر دو امر ایسے ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ پس اس آیت زیر بحث میں اس جگہ سے جہاں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو جگہ ملی، یہی زمین مراد ہے کیونکہ اس کی صفات دوسرے

مقامات پر قرآن میں مذکور ہیں جو ہم نے بیان کر دیں۔ تفسیر ابن کثیر میں اس قول کو اقرب اور اظہر اور مؤید بالقرآن کہہ کر لکھا ہے :

و اقرب الاقوال فی ذلک ما رواہ العوفی عن ابن عباس فی قولہ: و آوینا ھما الی ربوۃٍ ذات قرارٍ وّ معین، قال المعین الماء الجاری و ھو النّھر الّذی قال اللّٰہ تعالی: قد جعل ربکِ تحتکِ سریّا۔ و کذا قال الضّحاک و قتادہ الی ربوۃٍ ذات قرارٍ وّ معین ، ھو بیت المقدس فھذا و اللّٰہ اعلم ھو الاظھر لانّہ المذکور فی الآیۃ الاخری و القرآن یفسّر بعضہ بعضاً۔ (اور سب اقوال سے اقرب وہ ہے جو عوفی نے ابن عباسؓ سے اس آیت (و آوینا ھما ...) کی بابت روایت کیا ہے کہ معین جاری پانی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد وہ نہر ہے جس کی بات دوسری جگہ فرمایا قد جعل ربّکِ تحتکِ سریّا۔ (یعنی عیسیٰؑ کی ولادت پر جو مریمؑ کے لئے خدا نے ظاہر کی) اور اسی طرح ضحاک اور قتادہ نے کہا کہ ربوۃٍ ذات قرارٍ و معین سے مراد بیت المقدس ہے اور یہی قول اظہر ہے کیونکہ دوسری آیت میں مذکور ہے، اور قرآن کی بعض آیتیں بعض کی تفسیر کرتی ہیں)۔

مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ اس زمین سے مراد ملک کشمیر ہے، نہ تو قرآن مجید سے اور نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، اور نہ اقوال صحابہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ پس ان کی اپنی رائے قرآن کی آیات اور آثار صحابہ و تابعین کے مقابلہ میں ہرگز پیش نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً یہ کہ آوینا ھما سے تحقق موت ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ جملہ صرف اس امر کا مفید ہے کہ خدا نے ان کو جگہ دی۔ اس سے موت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے؟

چونکہ مرزا صاحب نے کتاب اکمال الدین و اتمام النعمۃ کا ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کشمیری قبر کی تصدیق کیلئے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس سے انہوں نے خلق خدا کو سخت دھوکہ دیا ہے اور یوذ آسف کو یسوع بنا کر اپنا مطلب سیدھا کرنا چاہا ہے اس لئے ہم اس کتاب کا کچھ ترجمہ بطور خلاصہ درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ اصل کتاب میں کسی اور شخص کا ذکر ہے اور مرزا صاحب حسب عادت دھوکے سے اسے حضرت عیسیٰؑ کہہ کر اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔

شیخ ابن بابویہ، کتاب اکمال الدّین و اتمام النّعمۃ میں بسند خود محمد بن زکریا

سے نقل کرتے ہیں:

مما لک ہندوستان میں ایک بادشاہ تھا، جس امر کو دنیا سے چاہتا تھا بآسانی میسر ہوتا تھا۔ اس کی مملکت میں دین اسلام (رائج) ہو چکا تھا جب یہ تخت پر بیٹھا تو اہل دین سے بغض رکھنے لگا اور ان کو ستانے لگا، بعض کو قتل کروا دیا اور بعض کو جلا وطن کر دیا اور بعض اس کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ ایک دن بادشاہ نے ان لوگوں میں سے جو اس کے نزدیک نظر عزت سے دیکھے جاتے تھے، ایک شخص کی نسبت سوال کیا تو وزراء نے جواباً عرض کیا کہ وہ چند ایام سے تارک دنیا ہو کر گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے طلبی کا حکم دیا اور اسے لباس زہاد وعباد میں دیکھ کر بہت خفگی ظاہر کی۔ اس باخدا کے ساتھ بادشاہ کی بہت باتیں ہوئیں اور اس نے بہت حکمت آموز باتیں کیں لیکن بادشاہ کو کچھ اثر نہ ہوا اور اسے اپنی مملکت سے نکلوا دیا۔ بعد اس واقعہ کے تھوڑا عرصہ نہ گذرا تھا کہ بادشاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام یوذ آسف رکھا۔ شہزادے کی ولادت پر منجموں نے اس کے طالع کی نسبت بالاتفاق کہا کہ یہ شہزادہ فرخندہ طلعت، نیک اختر، نہایت اقبال مند ہوگا لیکن ایک بوڑھے منجم نے کہا کہ اس کا طالع و اقبال دنیوی جاہ وحشم کے متعلق نہیں بلکہ یہ سعادت مندی عاقبت کی ہے اور گمان قوی ہے کہ یہ شاہزادہ پیشوایان زہّاد وعباد سے ہوگا۔ بادشاہ یہ سن کر نہایت حیران وغمگین ہوا اور اس کی تربیت کے لئے حکم دیا کہ ایک شہر وقلعہ خالی کرایا جائے جس میں صرف شاہزادہ اور اس کے خادم سکونت کریں اور سب کو نہایت تاکید کی کہ آپس میں کوئی دینِ حق اور مرگ وآخرت کا ہرگز نہ کریں تاکہ یہ خیالات اس کے کان میں نہ پڑیں۔

اس کے بعد کئی سو صفحات تک شاہزادے کی تربیت اور دین حق کی طرف اس کی رغبت اور علم دین کی تعلیم اور ترک سلطنت اور اختیار فقر کا ذکر ہے۔ اس بیان سے صاف واضح ہے کہ شہزادہ یوذ آسف مما لک ہندوستان کے شہزادوں میں سے ایک باہدایت و باایمان شاہزادہ ہوا ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے دین کی راہ دکھائی، نہ یہ کہ حضرت عیسی بنی اسرائیلی پیغمبر ملک کشمیر میں آئے اور یہاں فوت ہوئے۔ ہم مرزا صاحب کے مقلدوں کو پکار کر کہتے ہیں کہ وہ کتاب اکمال الدین واتمام النعمۃ کو نکال کر ہمارے سامنے کسی مجلس میں اس میں سے حضرت عیسی پیغمبر خدا کا ذکر نکال کر دکھائیں ورنہ جھوٹ کا اقرار کرلیں اور کہیں:

جھوٹے پر خدا کی لعنت۔

اکمال الدین واتمام النعمۃ لنڈن کے سرکاری کتب خانہ میں بزبان فارسی موجود ہے چنانچہ شیخ عبدالقادر بیرسٹر کا ایک خط، جوانہوں نے سفرِ ولایت کے ایام میں لنڈن سے لکھا تھا، پیسہ اخبار لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔اس میں انہوں نے اس کتاب کے دیکھنے کا ذکر کیا تھا اور اس کی بعض عبارتیں اصل فارسی زبان میں نقل کی تھیں جن کا ترجمہ ہماری عبارت منقولہ بالا میں آ گیا ہے اور اب اس تمام کتاب کا اردو ترجمہ بنام تنبیہ الغافلین مطبع صبح صادق میں چھپ چکا ہے، لاہور وغیرہ سے دست یاب ہوسکتا ہے۔مزید اطمینان کے لئے شائقین خود کتاب منگوا کر تسلی کر لیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا مدفن مدینہ میں داخل حجرہ نبویہ ہے جیسا کہ حدیث ہے:

ثمّ یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسی بن مریم فی قبرٍ واحدٍ بین ابی ابی بکر وعمر (بعد نزول کے فوت ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ کے روضہ شریفہ میں آپ کے ساتھ شیخین، ابوبکر وعمر، کے درمیان مدفون ہوں گے)

یہ روایت بروایت عبداللہ بن عمر بتخریج ابن الجوزی در کتاب الوفاء مشکوۃ کے باب نزول عیسی میں موجود ہے اس سے منصوصاً اور منطوقاً ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کا مدفن مقبرہ نبی ﷺ ہے، نہ کوئی اور موضع۔اور اس حدیث کے متعلق ہم علاوہ امر مقصود کے دیگر امر بھی ذکر کرتے ہیں جن سے مرزا صاحب کی مسیحیت، ان کی اپنی زبانی، بالکل درہم برہم ہو جاتی ہے۔مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم اور اپنی شہادت القرآن کے صفحہ ۵۳ پر اس حدیث کو اپنی مسیحیت کی دلیل گزارتے ہیں، اس تقریب سے کہ اس حدیث کا شروع اس طرح ہے:

ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوّج و یولد لہ و یمکث فی الارض خمساً و اربعین سنۃً ثمّ یموت (اتریں گے عیسی بن مریم زمین پر، پس نکاح کریں گے، اور انکے اولاد پیدا ہوگی، اور زمین میں ۴۵ سال رہیں گے پھر فوت ہونگے)

اس حدیث میں حضرت عیسیٰؑ کے نکاح کا جو ذکر ہے اس کی بابت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کی لڑکی محمدی بیگم کے میرے نکاح میں آنے اور پھر اس سے اولاد کے ہونے کی بشارت ہے۔چنانچہ شہادۃ القرآن (مصنفہ مرزا صاحب) میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس نکاح کو مسیح موعود کی صداقت کی علامت خود

حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ پھراسی حدیث کا ذکر کیا ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب مرزا صاحب اس حدیث کو اپنے دعوی کے دلائل میں شمار کرتے ہیں تو یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح اور قابل استناد ہے۔ پس جب اسی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا مدفن مدینہ طیبہ میں داخل حجرہ شریفہ ہے، تو مرزا صاحب کا آپؑ کی قبر کی بابت یہ کہنا کہ وہ کشمیر میں ہے، باطل ہے۔

نیز یہ کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کی رو سے محمدی بیگم کے نکاح کو اپنی میسیحیت کا نشان قرار دیا۔ اور معلوم ہے کہ مرزا صاحب دنیا سے اس نکاح سے محروم رخصت ہوئے۔ تو جس امر کو انہوں نے میسیحیت کا نشان قرار دیا تھا وہ پورا نہ ہوا تو مرزا صاحب کا دعوی میسیحیت غلط ہوا۔ مولوی محمد احسن نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا کہ اس سے اہانت نبی ﷺ کی لازم آتی ہے کیونکہ جب عیسی، رسول اللہ کی قبر مبارک میں دفن کئے جائیں گے، تو بالضرور قبرِ رسول کا کھودنا لازم آئے گا اور یہ بے ادبی ہے جناب اقدس رسول کریم ﷺ میں۔

مولوی محمد احسن (امروہی) نے لیاقت علمی اور قوت نظری سے بالکل کام نہیں لیا اور تقوی اور ادب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ اعتراض تو رسول اللہ ﷺ ناطق بالوحی کے کلام ہدایت التیام پر ہوا، نہ کہ اہل سنت کے اعتقاد پر۔ کیونکہ اہل سنت تو صرف کلمات نبویہ کے ناقل ہیں۔ اور ان کے مطابق اعتقاد رکھنے والے افصح الفصحاء ناطق بالوحی ﷺ کے کلمات جامعہ خود اس شبہ واہی کو ردّ کرتے ہیں اور تصریح بین ابی بکر و عمر اسی لئے ہے کہ کسی متجاہل کو شبہ قبر کے کھودنے کا نہ پڑے، کیونکہ مرکب اضافی بین ابی بکر و عمر متعلق ہے فعل یدفن کے، نہ اقوم کے، کیونکہ نقشہ روضہ پاک اس کا انکار کر رہا ہے۔ جب یہ صاف بتلا دیا کہ عیسی شیخین خلیفتین کے درمیان مدفون ہوں گے، تو شبہ قبر کھودنے کا جاتا رہا اور یہی تنصیص بین ابی بکر و عمر مفید ہے اس امر کی کہ قبر بمعنی مقبرہ ہے اور فی بمعنی من ہے (فافهم)۔ اس حدیث میں قبر بمعنی مقبرہ اور فی ثانی بمعنی من کی تصریح ملا علی قاری نے اسی حدیث کی شرح میں کی ہے۔...

نیز کنز العمال میں بتخریج ابن عساکر نقل کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب اقدس ﷺ میں عرض کیا:

یا رسول اللّٰہ انّی اری انّی اعیش بعدک فتاذن ان ادفن الی

جنبک۔ فقال و انّی لی بذلک الموضع ما فیه الّا موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسی ابن مریم ۔(کنز العمال علی ھامش المسند احمد۔جلد سادس۔ص ۵۷) (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی۔ پس آپ اجازت فرمائیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن کی جاؤں۔تو آپ نے فرمایا اس جگہ کی نسبت میرا کچھ اختیار نہیں، وہاں تو سوائے میری قبر، ابوبکر اور عمر اور عیسی بن مریم کی قبر کے کسی کی جگہ نہیں)۔

ان احادیث سے مرزا صاحب کی عمارت مسیحیت بالکل منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ پہلوئے نبی ﷺ میں مدفون ہونا تو در کنار، ان پر دخول حرمین بھی حرام ہے۔اسلئے ان الزامات سے بچنے کیلئے ایک دروغ بے سروپا کھڑا کر دیا اور عیسی کی قبر کشمیر میں بتا دی۔قرآن میں حضرت عیسیؑ کے مصلوب نہ ہونے کا ذکر موجود ہے،لیکن مرزا صاحب نے عیسائیوں کی کتابوں کی پیروی کی، اور قرآن کی آیت کے معنی ہی بدل دیئے ،حالانکہ وہ معنی نہ تو لغت کی رو سے درست ہیں اور نہ سلف وخلف میں سے کسی سے منقول ہیں ۔اسی طرح اس آیت و آوینا ھما الی ربوۃٍ کو انھوں نے محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے پیش کیا ہے اور اس سے حضرت عیسیؑ کی قبر کشمیر میں ہونا بتایا ہے، حالانکہ اس میں نہ حضرت عیسیؑ کی موت کا ذکر ہے، اور نہ قبر کا، اور نہ ملک کشمیر کا۔علاوہ بریں یہ کہ اس آیت میں صرف حضرت عیسیؑ ہی کا ذکر نہیں بلکہ آپ کی والدہ حضرت مریم کا بھی ساتھ ہی ذکر ہے اور صیغہ تثنیہ کے یہی معنی ہیں کہ ایک کے ساتھ دوسرا بھی اس حکم میں شامل ہے۔پس اگر حضرت عیسیؑ (معاذ اللہ) مصلوب ہونے کے بعد کشمیر بھاگ گئے ،تو مریم بھی ساتھ ہونگی ،اور ان کی قبر بھی کشمیر میں ہی چاہیے ،کیونکہ اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے لیکن بیان بالا سے معلوم ہو چکا کہ حضرت عیسیؑ کی قبر مدینہ میں ہوگی اور حضرت مریم کی قبر تو بیت المقدس میں ہے جہاں وہ بعد رفع عیسی فوت ہوئیں اور دفن کی گئیں۔پس مرزا صاحب کا قول سراسر باطل ہے۔(منقول از شہادۃ القرآن۔ طبع ۲۰۰۱ء۔ص ۴۳۰۔۴۵۱)

الہامات وکرامات

☆ مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کیلئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے بلکہ جس نبوت کا دعوی کرنا قرآن کی رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعوی نہیں کیا گیا، صرف یہ دعوی ہے کہ ایک پہلو سے میں امتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرت ﷺ کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں۔ اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالی سے بکثرت شرف مکالمہ ومخاطبہ پاتا ہوں بات یہ ہے کہ جیسا کہ مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ:

اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔..

اب واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسی اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا یعنی اس کثرت سے امور غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہوسکتے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

فلا یظهر علی غیبه احداً الّا من ارتضی من رسول۔

یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہوسکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالی نے مجھ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی، اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے

اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی۔ (حقیقت الوحی۔ص ۳۹۰۔۳۹۱)

مرزا قادیانی کی اس تحریر پر تبصرہ فرماتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

پہلے تو ہم نے یہ دکھانا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت مجدد قدس سرہ کی طرف جو قول منسوب کیا ہے کہ امور غیبیہ جاننے والا نبی کہلاتا ہے، وہ صحیح نہیں۔ حضرت مجدد کا یہ مکتوب گرامی بنام محمد صدیق مکتوبات مجددیہ میں مرقوم ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اعلم ایّھا الصّدّیق انّ کلامه سبحانه مع البشر قد یکون شفاھاً و ذلک الافراد من الانبیاء و قد یکون ذلک لبعض الکمل من متابیعھم واذ اکثر ھذا القسم من الکلام مع واحدٍ منھم سمّی محدثاً کما کان امیر المؤمنین عمرؓ وھذا غیر الالھام وغیر الالقاء فی الرّوع و غیر کلام الّذی مع الملک انّما یخاطب بھذا الکلام الانسان الکامل واللہ یختصّ برحمته من یّشاء۔

(دفتر دوم مکتوبات۔مکتوب نمبر ۵۱)

یہ ہے اصل عبارت۔ اس میں کما کان امیر المؤمنین عمرؓ کی عبارت حذف کر کے باقی سارا کلام خود مرزا نے ازالہ اوہام میں نقل کر کے ترجمہ یوں لکھا ہے:

اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو اور ہم کلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدا تعالی کے ہم کلام ہوتے ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ اور کبھی یہ ہم کلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہیں اور جو شخص کثرت سے شرف ہم کلامی کا پاتا ہے اس کو محدث بولتے ہیں اور یہ مکالمہ الہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے اور یہ القاء فی الروع بھی نہیں ہے اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو اور خدا تعالی جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ص ۹۱۵)۔

اس سے پہلے مرزا صاحب اپنی الہامی کتاب براہین احمدیہ میں بھی اس مکتوب مجددی کو نقل کر چکے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

امام ربانی اپنے مکتوبات کی جلد ثانی جو مکتوب پنجاہ ویکم ہے اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات ومخاطبات میں حضرت احدیت (اللہ تعالی) سے مشرف ہو جاتا ہے اور ایسا شخص محدث کے نام سے موسوم ہے اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ص ۵۴۶)

مجدد صاحب کی اس عبارت میں خود مرزا صاحب کو تسلیم ہے کہ ایسا ملہم غیر نبی ہے۔ پس اس تصریح مجددی اور مرزا کی اپنی دو شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعوی کرنا کہ حضرت مجدد نے کثرت سے امور غیبیہ پانے والے کو نبی کہا ہے، غلط اور مجدد صاحب پر افتراء ہے۔

اس انکشاف کے بعد ہم مرزا صاحب کے امور غیبیہ کی پڑتال کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ آپ پر جو امور غیبیہ کھولے جاتے تھے، جن کی وجہ سے آپ نے منصب نبوۃ پایا ہے، کہاں تک صحیح ثابت ہوتے تھے۔

مرزا صاحب نے ایک قریبی رشتہ دار کو اس کی لڑکی سے رشتہ کی درخواست کی۔ اس رشتہ دار نے انکار کر دیا تو مرزا صاحب نے الہام شائع کیا کہ یہ لڑکی دوسری جگہ بیاہی گئی تو بیوہ ہو کر بھی میرے نکاح میں ضرور آئے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب کے الہامی الفاظ درج کئے جاتے ہیں جن کو وہ بڑی خفگی کے لہجہ میں خدا کی طرف سے سناتے ہیں:

اس خدا نے اس تمام گروہ کے حق میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ

كذّبوا بآياتنا و كانوا بها يستهزؤن ۔ فسيكفيكهم و يردّها اليك۔ لا تبديل لكلمات الله انّ ربّك فعّال لّما يريد ۔ یعنی ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھہ کیا، سو خدا ان کے شرّ دور کرنے کے لئے تیرے لئے کافی ہوگا اور انہیں یہ نشانیاں دکھائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا، یعنی آخر کار وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں درمیان سے اٹھائے گا، خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ تیرا رب ایسا قادر ہے کہ جس کام کا وہ ارادہ کرے وہ اپنے منشاء کے موافق ضرور پورا کرتا

ہے۔ (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم۔ص ۱۱۳)

اس الہام کی تشریح میں مرزا صاحب لکھتے ہیں :

نفس پیش گوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے : لاتبدیل لکلمات اللہ ۔یعنی میری بات ہرگز نہ ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا تعالیٰ کا کلام باطل ہوتا ہے (حوالہ مذکور) پھر ۱۹۰۱ء میں مرزا گورداسپور کی عدالت میں شہادت دینے کو پیش ہوئے تو وہاں آپ سے اس نکاح کی بابت سوال ہوا۔آپ نے کہا:

عورت اب تک زندہ ہے میرے نکاح میں ضرور آئے گی۔ امید کیسی ،یقین کامل ہے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں ٹلتی نہیں، ہوکر رہے گی۔ (الحکم قادیان ۱۰۔اگست ۱۹۰۱ء)

اور پھر یہ ہوا کہ مرزا صاحب ساری عمر کوشش کرتے رہے اور ۱۹۰۸ء میں اس دنیا سے نامراد چل بسے جب کہ وہ عورت زندہ اور اپنے خاوند کے گھر میں شاد و آباد تھی۔

مرزا صاحب کے امور غیبیہ کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ جون ۱۸۹۳ء میں انہوں نے امرتسر میں عبداللہ آتھم عیسائی پادری سے ۱۵ روز تک مباحثہ کیا پھر اپنا الہام سنایا:

آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر ، اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے، تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے، یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر، یعنی ۱۵ ماہ میں ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی، بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیش گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے۔ (کتاب جنگ مقدس ص ۱۸۸)۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ انسان کو خدا بنانے والا فریق پادری آتھم تھا کیونکہ اس کا مذہب تھا کہ حضرت عیسیٰ معبود اور خدا کا بیٹا تھا، چنانچہ اس مسئلہ پر اس کا مرزا صاحب سے مباحثہ ہوا۔ باوجود اس کے پادری آتھم ۱۵ ماہ میں مرنے کی

بجائے قریباً دوسال زیادہ مدت لے کر مرا کیونکہ اس الہامی پیش گوئی کے مطابق آتھم کو ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک مرجانا چاہیے تھا، لیکن وہ جولائی ۱۸۹۶ء میں مرا جیسا کہ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں: عبداللہ آتھم ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے ہیں۔ کتاب انجام آتھم ص ا۔ (تفسیر ثنائی۔ ص ۸۳۱-۸۳۲)

☆ مرزا صاحب نے بہت سی پیش گوئیاں کر رکھی تھیں جنہیں وہ الہامی قرار دیتے تھے۔ قادیانی لٹریچر پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ جب کوئی پیش گوئی غلط نکلتی تو مرزا صاحب اس کی تاویلیں شروع کر دیتے۔ کبھی کہتے ہیں کہ مدت میں ترمیم ہو گئی ہے، کبھی کہتے کہ واقعات کی ترتیب بدل گئی ہے، کبھی کہتے پیشگوئی تو پوری ہو گئی ہے مجھے ہی الہام کے سمجھنے میں غلطی لگی تھی، اور اس طرح کی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی اس ابلہ فریبی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا احمد حسن نے ایک مرتبہ فرمایا:

الحکم میں لکھا ہے کہ کسی نے مرزا صاحب کی مجلس میں ذکر کیا کہ منشی الٰہی بخش (مؤلف کتاب عصائے موسیٰ) اور اس کا ترجمان (صوفی منشی عبدالحق) کہتا ہے کہ الہام وہ ہے جو پورا ہو جائے۔ اور جو پورا نہ ہو وہ شیطانی کام ہے۔

مرزا جی نے فرمایا کہ: مکہ معظّمہ میں داخل ہو کر اگر خدا کی قسم دی جائے تو میں کہوں گا کہ میرے الہامات خدا کی طرف سے ہیں، لیکن جس شخص نے خیالی طور پر دعوی کیا ہو وہ ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ کیا وہ شخص جو کامل یقین رکھتا ہو، اور وہ شخص جو مشکوک ہے، برابر ہو سکتے ہیں۔

(مولانا احمد حسن کہتے ہیں) سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ منشی صاحب اور صوفی صاحب نے ایک ٹکسالی اور اصولی بات کہی تھی جس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا کہ جو الہام پورا نہ ہوا سے الہام کہنا الہام کرنے والے پر افتراء ہے۔ مگر چونکہ اس سے مرزا صاحب کا کونا دبتا تھا کیونکہ ان کا کبھی کوئی الہام پورا نہیں ہوا لہذا الہامات پورے نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ (شحنہ ہند۔ ضمیمہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء ص ۱)

اب ذیل میں چند پیش گوئیاں مع مآل اور توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔

غلبہ روم کی پیش گوئی

مولانا ثناء اللہ امرتسری ، غلبہ روم کی پیش گوئی ، قادیان سے ، کے عنوان سے لکھتے ہیں:

قادیانی مشن کی طرف سے ایک مضمون بصورت اشتہار و رسالہ شائع ہوا جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے مسیح موعود قادیانی نے ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۸ء میں یہ مضمون ظاہر کر دیا تھا کہ رومیوں (ترکوں) کو پہلے شکست ہوگی ۔ آخر میں فتح پائیں گے ۔ (مرزائی) راقم مضمون کے اصل الفاظ یہ ہیں:

مرزا صاحب نے دعوی کیا کہ وہ مجدد ہیں اور مجدد بھی وہ مجدد ہے کہ مسیح اور مہدی کے نام سے حدیث شریف میں پکارا گیا ۔ آپ نے دعوی کیا کہ خدا مجھ سے کلام کرتا ہے ۔ ہزاروں خدا کی باتیں آپ نے سنیں ۔ پیش از وقت ہم کو سنائیں، جو ہمارے سامنے پوری ہوئیں ۔ ان میں سے صرف اس وقت میں وہ بات ہی عرض کروں گا جس کا کہ آج کل زیادہ چرچا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو ۴ ، جنوری ۱۹۰۴ء کو الہام ہوا:

الم ۔ غلبتِ الرّوم ۔فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۔ فی بضع سنین ۔

پھر ۲ جنوری ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا: ھم من بعدِ غلبھم سیغلبون

فرمایا کہ اللہ کے سوائے اور کوئی غیب کا علم نہیں جانتا ۔ فرمایا اگر چہ بقول یورپ، بیمار روم (عثمانی سلطنت) ، وہ روم جس کے اپنے گھر میں آج سینکڑوں جھگڑے فساد نظر آتے ہیں ، وہ روم جس کے اکابران سلطنت کی نسبت مجھے الہام ہوا ہے کہ وہ سب بے وفا، مکار، جھوٹے، دغا باز، نمک حرام، دشمن ملک اور خود غرض ہیں ، وہ ٹرکی جو تعلیم میں ، وسائلِ حرب میں سب ممالک سے پیچھے ہے اور جو کہ پے در پے شکستیں کھا کر اپنے صوبے دوسروں کے قبضہ میں آئے دن دیئے چلے جا تا ہے، اور جس کا سارا یورپ

دشمن ہے، اور جس کی مسلمان سلطنتوں سے بھی کوئی ساز و باز نہیں۔ یہ روم جس کے بچنے کے ظاہر میں تو کوئی سامان نظر نہیں آتے، یہ عنقریب باوجودیکہ اب مغلوب ہے، غالب ہوگا۔ فرمایا کہ یہ غلبہ ان کا چند سال میں ہی واقع ہو جائے گا۔ ظاہر بینوں کو اور ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنے والوں کو جو کہتے ہیں کہ اب یہ مرا، کہ مرا، کہدے کہ ہم ان کی حرمین شریفین کا خادم ہونے کی وجہ سے نصرت کریں گے اور اس بے سروسامانی کے باوجود اس کو غلبہ دیں گے اور وہ جو اس پر غالب آرہے ہیں وہ مغلوب ہوں گے۔ ان کو کہدے کہ یہ اللہ نے کہا ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسا ہو۔ اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ ایسا ہوگا اور ضرور ہو کر رہے گا۔

اس کے ساتھ (مرزائی مضمون نگار) یہ بھی لکھتا ہے:

. ۱۹۰۴ء میں جب انہوں نے کچھ ملک ہاتھ سے اور دینے تھے، فرمایا (مرزا نے) مغلوب ہو کر غالب ہوں گے۔

۱۹۰۸ء میں (مرزا نے) فرمایا: بس وہ وقت ان کے غلبہ کا بہت نزدیک ہے۔

یہ علم غیب ہے۔ اگرچہ سارے ظاہری علم اور وسائل اور دلائل اس خبر کی تردید کرتے ہیں، جو حال میں ہی ہو رہی ہے لیکن وہ (مرزا) کہتا ہے کہ یہ سب غلط ثابت ہوں گے اور خدا کی کلام سچی نکلے گی۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ آج کل جو چھیڑ چھاڑ ہوئی ہے ایک مومن کو یقین دلاتی ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ اس لئے میں اعلان دنیا پر کر دیتا ہوں اور پکار پکار کر اسے سننے والوں کو سناتا ہوں کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوا کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ پورا ہو رہا ہے۔ تم کو واضح رہے خدا کی نصرت کے دن آگئے۔ اس کلام الٰہی میں جو اس طرح مجدد وقت پر نازل ہوا غور کرو خدا پر ان نشانات سے اپنے ایمان کو تازہ کرو اور نیکیوں میں لگ جاؤ، کیونکہ نصرت الٰہی وہ چیز ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی توپ، نہ تلوار اور نہ ہی جہاز کر سکتے ہیں۔ اور جس کو سوائے تقویٰ کے نہ کوئی روپیہ ہی خرید سکتا ہے نہ کوئی جتھا ہی حاصل کر سکتا ہے۔ بس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس خدا کے کلام پر یقین لاؤ۔ جس نے تمہیں اس وقت تسلی دی۔ اور غمگین اور مایوس نہ ہو خدا کی قسم زمین ہل جاوے، آسمان ٹل جائیں لیکن وہ خدا کی بات اسی طرح پوری ہوگی جس طرح پیغمبر خدا کے زمانے

میں ہوئی کہ ایک یورپ آگاہ ہو۔ تیری تدبیریں، تیرے مدبروں کی رائیں سب خاک میں مل جائیں گی اللہ تعالی اس بات کو پوری کر کے چھوڑے گا۔ روم فتح یاب ہوگا دن بدن اچھی حالت حاصل کرے گا۔ بس ابھی کلام الہی سے فائدہ اٹھاؤ، اور خدائی ارادوں کا مقابلہ نہ کرو۔ ورنہ پرانے ایرانیوں کی طرح صفایا ہو جائے گا اور پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا۔ (ص ۱۳)

(مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں)۔

راقم مضمون کے اصلی الفاظ ہم نے ناظرین کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ اس بیان میں دعوی کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی مجدد بصورت مسیح ومہدی ہیں، اس کے ثبوت میں آپ نے ہزاروں نشان اور پیش گوئیاں دکھائیں، منجملہ ان کے ایک غلبہ روم کی پیش گوئی ہے ... ان ہزاروں نشانوں کی تحقیق اور تفتیش اہل حدیث امرتسر شروع تاریخ سے کرتا رہا ہے جو ناظرین سے مخفی نہیں۔

چند روز کا ذکر ہے ایک گاڑی میں منشی یعقوب علی اڈیٹر الحکم قادیان مل گئے۔ اثناء گفتگو میں اس پیش گوئی کا ذکر آیا جو مسٹر ڈوئی امریکن کی بابت مرزا صاحب کی طرف سے مشہور کی جاتی ہے کہ وہ حسب پیش گوئی مرزا صاحب کے مرا ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اڈیٹر الحکم نے کہا اچھا آپ اس کے متعلق چیلنج دیجئے گا تو ہم بتلا دیں گے۔ سو میں حسب وعدہ اڈیٹر الحکم کو خصوصاً اور قادیانی مشن کو عموماً چیلنج دیتا ہوں کہ وہ اپنا سارا زور لگا کر بھی ثابت کرنا چاہیں تو کچھ ثابت نہ کر سکیں گے ولو کان بعضھم لبعضٍ ظہیراً (عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیلنج دسمبر ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے۔ اور جنوری ۱۹۱۳ء کے پہلے شمارے میں منظر عام پر آیا ہے اس لئے ۱۹۱۲ء تک کی تاریخ تحریک ختم نبوت کا یہ آخری چیلنج سمجھا جا سکتا ہے۔ بہاء)۔

خیر یہ تو ایک ضمنی تذکرہ تھا۔ اب ہم اصل مضمون پر متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمارا سوال (قادیانی) راقم مضمون سے صرف اتنا ہے کہ آپ نے جو اتنی طویل تقریر کی ہے، یہ مرزا صاحب کے الفاظ ہیں یا آپ کے؟، مرزا صاحب کے ہیں تو کہاں ہیں؟، آپ کے ہیں تو آپ کو کیا حق حاصل ہے؟

آیئے! ہم آپ کو مرزا کے الفاظ بتلا دیں۔ الہام جو ۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو ہوا، یہ ہے:

غلبت الرّوم فی ادنی الارض و ھم من بعد غلبھم سیغلبون۔

(رسالہ ریویو جنوری ۱۹۰۴ء ص ۴)۔

بس اتنا ہی لکھا ہے۔ یہاں تک اس کو مہمل چھوڑا گیا ہے کہ اس الہام کا ترجمہ بھی نہیں۔ اسی طرح فروری ۱۹۰۸ء کے اشتہار میں جو آپ (مرزا) کا الہام شائع ہوا ہے اس میں بھی صرف اتنے ہی لفظ ہیں: وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔

اس کو بھی محض اسی قدر چھوڑ دیا، نہ ترجمہ کیا نہ تشریح۔ پھر ہم نہیں سمجھتے کہ اتنی لمبی چوڑی تفسیر جو راقم مضمون نے لکھی ہے، کہاں سے لکھی ہے۔

غالباً یہ سوال ہوگا کہ الہامی عبارت جو دراصل آیت ہے، اس کا جو مطلب قرآن شریف میں ہے وہی الہامی عبارت میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب کی الہامی عبارتوں میں کئی دفعہ قرآن شریف کے سوا اور قصے ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں آیت ہے سنعیدھا سیرتھا الاولی۔ حضرت موسیٰؑ کے عصا کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم اس کی پہلی حالت لے آویں گے۔ لیکن مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا تو آپ نے اس کو آسمانی منکوحہ کی طرف لگایا ہے کہ گو وہ منکوحہ ہو چکی ہے، ہم اس کو تمہارے پاس لے آویں گے۔ (انجام آتھم)۔

اس کی ایک مثال اور سنئے: یکم جنوری ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب کو الہام ہوا

دبدبہ خسروویم شد بلند زلزلہ در گور نظامی فگند

اس شعر کا مطلب تو صاف ہے کہ میری بادشاہی کا رعب جب بلند ہوا تو نظامی کی قبر میں زلزلہ آیا۔ مگر جن دنوں حیدرآباد دکن میں طوفان آیا، جس سے حیدرآباد میں بڑی بربادی ہوئی تو حکیم نورالدین صاحب نے ایک رسالہ نظام حیدرآباد دکن کے نام لکھایا، جس میں اس الہامی شعر کی تفسیر یوں کی کہ

نظامی سے مراد حضور نظام ہیں اور گورے سے مراد ان کا دارالحکومت حیدرآباد۔ مطلب شعر کا یہ ہوا کہ میری (مرزا کی) مخالفت سے حیدرآباد کے شہروں میں جو طوفان آیا، گویا حضور نظام کی قبر میں عذاب آیا۔

پس راقم مضمون نے جو کچھ نقل کیا ہے جب تک مرزا صاحب کی کوئی تحریر نہ دکھادیں قابل وقعت نہیں ہوسکتا۔

(اہل حدیث ۳ جنوری ۱۹۱۳ء۔۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ۔نمبر۱۰ جلد۱۰۔ص ۱۔۲۔۳)

☆ درج بالا تحریر کے چند ماہ بعد مولانا امرتسری نے، قادیانی مشن یورپ میں، کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا جو درج ذیل ہے:

قادیانی مشن (جس میں خواجہ کمال الدین وغیرہ شامل تھے۔اور (خواجہ کمال الدین ،مرزا کے غلام احمد کے قریبی ساتھی تھے اور حکیم نورالدین کے متوقع جانشینوں میں ان کا نام آتا تھا۔ چوہدری ظفراللہ جب لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے ان دنوں خواجہ صاحب لندن گئے۔ ظفراللہ کہتے ہیں: ۱۹۱۲ء میں خواجہ کمال الدین لندن تشریف لائے .. مجھے روزانہ کچھ وقت ان کی صحبت میں گذارنے کا موقع مل گیا۔ دوران گفتگو سلسلہ احمدیہ کا ذکر بھی آتا تھا۔ایک دفعہ ہم دونوں سیر کے لئے جارہے تھے کہ فرمایا: نورالدین کے بعد خلافت کے متعلق بھی رولا ہی پڑے گا (گفتگو پنجابی زبان میں تھی اور محبت کے رنگ میں خواجہ صاحب اکثر خلیفہ صاحب کا نام اسی بے تکلفی سے لیتے تھے اور حضرت مرزا کا ذکر بعض دفعہ صرف مرزا کہہ کر کرتے تھے) میاں محمود ابھی بچہ ہے۔محمد علی (لاہوری) بہت حساس ہے، بات بات پر رو پڑتا ہے اور میں ہوں لیکن مجھ میں یہ نقص ہے کہ میں سچی بات منہ پر کہہ دیتا ہوں مجھ سے لوگ خفا ہو جاتے ہیں .۔ میں نے عرض کیا خواجہ صاحب خلافت کے متعلق حضرت خلیفہ اپنی لاہور کی تقریروں میں بہت کچھ وضاحت فرما چکے ہیں ۔آپ کیوں فکر کرتے ہیں، وقت آنے پر اللہ جسے پسند فرمائے گا کھڑا کر دے گا۔ اس پر فرمایا: یہ مفتی صادق کم بخت ہمارے خلاف سب کچھ شائع کر دیتا ہے ہمارے حق کی کوئی بات نہیں لکھتا ۔ تحدیث نعمت۔ ص ۴۵) نے لندن جا کر بذریعہ تحریر وتقریر شائع کیا کہ ہمارے مجدد مرزا نے الہام شائع کیا ہوا ہے کہ ترک مغلوب ہو کر پھر غالب آویں گے،ضرور ایسا ہی گا۔مشن کے ہیرو خواجہ کمال الدین نے ایک مطبوعہ خط ترکوں کے نام یورپ میں شائع کیا جس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ان کو تقوی کی نصیحت کی ہے اور دوسرے حصے میں ان کو قادیانی مشن کی تبلیغ بایں الفاظ کی ہے:

برادران ملت! تمہیں بھی اپنے نبی مکرم کی وہ حدیث نہ بھولی ہو گی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ خدا تعالی امت مرحومہ کی اصلاح وتجدید کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد بھیجا کرے گا۔خدا تعالی خود اسے مبعوث کرے گا اور اسے مسلمانوں کی تجدید اور تہذیب کے لئے مشرف بالہام کرے گا۔

یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ یہ صدی گذر جائے اور اس کے سر پر اس صدی کا مجدد پیدا نہ ہو۔ چنانچہ وہ مقدس انسان عالی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی پنجاب ہند کے

وجود مسعود میں پیدا ہوا۔

چونکہ وہ خادم اسلام تھا، لازماً اس والاہمم کو تمہارے حالات معاملات سے دل چسپی تھی۔ تمہیں وہ دن یاد ہوں گے جب تمہارا جنگ یونان سے تھا۔ اس وقت اس خدا کے ولی نے تمہاری فتح ونصرت کیلئے دعا کی اور اس وقت اس پر یہ بھی خدا نے ظاہر کیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو بہت ضعف اور نقصان خود اپنی قوم کے غداروں سے پہونچنے والہ ہے۔

یہ باتیں شاید ۱۸۹۶ء میں حوالہ قلم وکاغذ ہوکر ملک میں شائع ہوگئیں اور ٹرکی میں وقتاً فوقتاً غداروں اور دغا بازوں کی نسل نے بہ لباس اراکین سلطنت پیدا ہوکر اس پیشگوئی کو پورا کیا۔ لیکن ۱۹۰۴ء میں اس حضرت محمد ﷺ کے غلام کو ایک زبردست اور بین الہام ہوا جس میں خدا تعالی نے مجدد موصوف سے بالفاظ قرآن ہم کلام ہوکر تمہاری موجودہ مصیبت وہزیمت کو بالوضاحت بیان کیا اور فرمایا:

غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سیغلبون (ترک اس زمین میں جوان کے ملحق ومتصل ہے، شکست پاویں گے اور پھر وہ اپنے شکست دینے والوں کو مغلوب کریں گے)۔

یہ پیش گوئی ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ ریویو آف ریلی جنز میں بماہ جنوری ۱۹۰۴ء شائع ہوئی۔ یہ رسالہ قادیان سے نکلتا ہے۔ اس پیش گوئی کا پہلا حصہ پورا ہو چکا ہے اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ عنقریب آئندہ واقعات اس پیش گوئی کے دوسرے حصہ کو پورا کر دیں گے ... الہام میں تو وہ جگہ بھی بتائی گئی ہے جہاں ترکوں نے شکست کھانی ہے، الفاظ ادنی الارض جو عربی میں نہایت واضح اور ہر قسم کے شک وابہام سے پاک ہیں اس سے وہ زمین مراد ہے جو سرزمین ترکان سے ملحق ومتصل ہو اور اس سے صاف طور پر مراد سرزمین (اتحادیان بلقان) ہے۔

اس الہام کو مؤکد کرنے کے لئے الہام بالا کا پچھلا حصہ، جس میں بلقانی اقوام کی شکست وہزیمت کا ذکر ہے، پہلی پیش گوئی سے چار سال بعد الہام ہوا۔ اور جنوری ۱۹۰۸ء میں خدا تعالی کے ولی نے اس الہام کی تعبیر اور تعیین میں ذیل کے الفاظ فرمائے جو اس کے وطن میں کے بعض اخباروں میں اس وقت چھپ گئے اور وہ یہ ہیں:

. خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ ترکی بالفاظ یورپ ایک مریض سلطنت ہے

اس کے اراکین سلطنت جیسے کہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے، غدار ، دغا باز، نمک حرام اور خود غرض ہیں۔ آلات حرب اور تعلیم حرب کے لحاظ سے اس وقت ترک کل اقوام یورپ سے بہت پیچھے ہیں، اس کے چاروں طرف اس کے دشمن ہی دشمن یورپ میں ہیں۔ کسی دیگر اسلامی سلطنت سے اسے کوئی ساز داری نہیں۔ بظاہر ٹرکی سلطنت کو کوئی امید زیست نہیں۔لیکن یہ مقدر ہو چکا ہے کہ ٹرکی عنقریب مظفر و منصور ہوگا اور یہ فتح و نصرت اسے چند سال میں ہونے والی ہے۔ ان لوگوں کو کہہ دو ، میرا خدا کہتا ہے جو صرف آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز پر ایمان رکھتے ہیں اور جن کا بھروسہ کل کا کل ظاہری اسباب پر ہے، ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ ہم ٹرکی کی اس لئے مدد کریں کہ وہ حرمین شریفین کی خادم ہے۔ جو اس کو ہلاک کریں گے وہ خود ہلاک ہوں گے۔ ان لوگوں کو کہہ دے کہ خداوند یوں فرماتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے اور خدا کے وعدے سچے ہی ہوتے ہیں یہی مقدر ہو چکا ہے اور یہی ہو کر رہے گا۔ (بدر، مورخہ ۲۰۔ مارچ ۱۹۱۳ء)

خواجہ (کمال الدین) صاحب نے (لندن سے) ایک خط اپنی جماعت قادیانی کو لکھا، وہ یوں ہے:

برادران قوم!.. یہ وقت دعا ہے.. احمدی قوم کو ایک خاص وجہ سے بھی اس دعا میں مصروف ہونا چاہیے۔ یہی وہ جنگ ہے جس کے متعلق حضرت امام (مرزا) کو ۱۹۰۴ء میں بالفاظ قرآن الہام ہوا: غلبت الرّوم فی ادنی الارض وھم من بعدِ غلبھم سیغلبون آج اس کا ایک حصہ اپنے لفظی معنوں میں پورا ہو گیا، ترک ادنی الارض یعنی اس زمین میں جو ان کی سلطنت سے ملحق اور متصل ہے یعنی سرزمین بلقان ، وہاں مغلوب ہو گئے .... اور خدا کے الفاظ نو سال کے بعد پورے ہو گئے۔ اب اس کا دوسرا حصہ باقی ہے۔ ایک نیک دل مومن کے لئے تو ہزاروں نشان مسیح موعود کی صداقت میں موجود ہیں لیکن میرے زیر نظر اس وقت مغربی دنیا ہے، خدا وہ وہ دن لائے جب یہ پیش گوئی لاکھوں مسلم غیر مسلم کی ہدایت کا موجب ہو۔

اس وقت جو کل دنیا کی نگاہ قسطنطنیہ کی طرف لگی ہوئی ہے اور مغربی دنیا کے اہل الرائے حتمی طور پر ترکوں کی شکست پر پیش گوئی کر چکے ہیں، میں نے پسند کیا کہ انسانی پیشگوئی کے مقابل اس وقت رحمانی پیش گوئی پیش کروں۔ ناظرین بدر کو علم ہے کہ سرزمین

انگلستان میں یہ پیش گوئی تین ماہ سے شائع ہو چکی ہے ۔اب میں نے ارادہ کیا کہ اس کی اشاعت کو بڑھاؤں ۔....میرے بزرگو! بہت نازک وقت ہے دعا کرو.. خدا وہ دن لائے جب پیش گوئی کا دوسرا حصہ اپنے کامل رنگ میں پورا ہو۔..تم دیکھو گے کہ (پھر) تمہارا مسیح اس مغربی دنیا میں کس قدر جلدی قبول کیا جاتا ہے جس مصلحت پر اس کا نام مسیح رکھا گیا ہے اس کے ظہور کا وہ پہلا دن ہوگا۔(بدر۔ ۲ مارچ ۱۹۱۳ء)

لندن میں قادیانی مشن کے متعلق خواجہ صاحب کا ایک خط درج ذیل ہے:

اس وقت بالکل مطلع صاف ہو رہا ہے جس طرح ترکوں نے اپنی مغلوبیت خود پسندوں میں آکر ایام کانفرنس صلح میں تسلیم کی تھی اس کے بالمقابل اتحادیان بلقان کا ومن بعد غلبهم سيغلبون کا مصداق ہونا یورپیئن پریس میں دن بدن مانا جارہا ہے۔اب یورپئین طاقتیں فکر میں ہیں کہ بہت جلد بیچ بچاؤ کر دیں۔ مانٹی نگرو کی تباہی قریباً ہو چکی ہے۔سقوطری کا قبضہ خواب وخیال ہونے لگا۔یورپیئن دھمکیاں سرد ہو رہی ہیں۔ میرے نزدیک ایک پیش گوئی تو پوری ہو رہی ہے لیکن میں اس دن کا منتظر ہوں جس دن علی الاعلان اتحادیوں کی مغلوبیت تسلیم کر لی جاوے اور پھر صداقتِ محمدیت اور عرفانِ احمدیت کی طرف کل یورپ کو بلا جائے .....اے مولا! وہ دن لا جب ہم کہیں کہ خدا کی بڑی نعمت جس کا نام الہام یا مکاشفہ الہیہ ہے ... اس نے تیرے بولائے الفاظ بولے ۔ خدایا تو عالم الغیب ہے ترکی آج یورپ کی اصطلاح میں بیمار ہے وہ آلات حرب وتعلیم میں کل یورپئن اقوام سے پیچھے ہے اس کے اردگرد کل دشمن ہی دشمن ہیں ۔.... بظاہر اس کی زیست کی کوئی امید نہیں لیکن وہ عنقریب مظفر ومنصور ہو گی اور یہ چند سالوں میں ہو کر رہے گا ۔...

یہ الفاظ چند سال ہوئے بولے گئے اور ابھی دو ماہ ہوئے ٹرکی کا جنازہ پڑھ دیا گیا لیکن قدرت کے کاروبار نمودار ہو گئے ۔آج سب سے پہلے اسکی طرف سے آواز آتی ہے کہ بحرہ روم یعنی میڈیٹرینین کی حفاظت اٹلی سپین آسٹریا اور ترکی کے حوالے ہونی چاہیے ... مجھے کہاں سے خدا کہاں لایا؟ صرف اس لئے کہ پیش از وقت جب کل دنیائے یورپ ٹرکی کو مغلوب سمجھے اس وقت بماہ دسمبر یورپ میں پیش گوئی کا اعلان کروں اور پھر اگر خدا کو منظور ہو تو پھر آنے والا دن بھی دیکھ لیویں جب میرے مرزا کی پیش گوئی کامل

طور پر پوری ہو جاوے۔...

مولانا ثناء اللہ فرماتے ہیں۔ ان خطوط کا مضمون کیا ہے، کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہیں۔ عیاں را چہ بیان۔ مجھے یاد ہے جن دنوں مرزا قادیانی نے پیش گوئی شائع کی تھی کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گا، اسی اثنا میں مرزا صاحب کے چچازاد بھائی مرزا نظام الدین سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا قادیان میں طاعون کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا جس روز سے بھائی صاحب نے قادیان میں طاعون نہ آنے کی پیش گوئی کی تھی ہمارا ماتھا تو اسی روز ٹھنکا تھا کہ اب قادیان کی خیر نہیں، خدا اس کی تکذیب کرنے کو قادیان میں ضرور طاعون بھیجے گا۔ سو ایسا ہی ہوا، اتنا طاعون قادیان میں آ گیا کہ مرزا صاحب کا مدرسہ بھی بند اور جلسہ بھی بند۔

اسی طرح اس واقع کے متعلق وقوع ہوا۔ تمام دنیا میں، حرم کعبہ میں، حرم مسجد نبوی میں، ترکوں کی فتح اور غلبہ کی دعائیں ہو رہی ہیں مگر خدا کی تقدیر کہ غلبہ نہ ہوا۔ کیوں نہ ہوا؟ آج یہ راز قدرت ظاہر ہوا۔ خدا کو منظور تھا کہ ہندوستان کی طرح یورپ میں بھی مرزا صاحب کی نبوت کا اظہار بکمال وخوبی ہو جائے۔

ترکوں کو فتح ہوئی یا شکست، یہ ایک دل فگار واقعہ سب دنیا کو معلوم ہے اس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ چونکہ آثار شروع سے بے ڈھب تھے اور قادیانی مشن کے سارے نہیں، بعض ارکان تو بڑے ہشیار ہیں اس لئے ہوا کا رخ پہچان کر قادیانی مشن کے ایک ممبر نے بدر، مورخہ ۳۔اپریل ۱۹۱۳ء میں ایک مضون لکھا، جو درج ذیل ہے:

اڈریا نوپل کی فتح کی خبریں پہنچنے پر بعض دوستوں کو میں نے دیکھا کہ اس بات پر اظہار افسوس کر رہے ہیں کہ غلبت الروم والی پیش گوئی کیوں شائع کی گئی۔ اور بعض لوگ اپنی طبیعت کے مطابق پیش گوئی کرنے والوں پر ہنس رہے تھے۔ میرے خیال میں ان لوگوں کا افسوس اور ہنسی دونوں قبل از وقت ہیں۔ پیش گوئی میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ اڈریا نوپل فتح نہیں ہوگا۔ ممکن ہے کہ ایڈریانوپل کے علاوہ اتحادیوں کو اور بھی فتوحات ہوں، ممکن ہے دشمن قسطنطنیہ سے گذر کر یروشلم تک پہونچ جائیں اور اس کے بعد مسلمانوں کو فتح ہونی شروع ہو۔ جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے حالات پڑھے ہیں، جن لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ کس طرح مغل نے بغداد برباد کرنے

کے بعد غلاموں کے ہاتھ پر شکست کھائی، جن لوگوں نے صلیبی جنگوں کی تاریخ مطالعہ کی ہے اس قدر جلد بازی سے کام لیں، تعجب ہے۔

پیش گوئی شائع کرنے والوں نے الہام کے لفظوں سے ایسا یقین کیا کہ یہ الہام رومی سلطنت کے مسلمانوں کے متعلق ہے۔ ہاں اصل علم اللہ تعالی کے پاس ہے یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت ... وعندہ علم الکتاب

(فتح محمد قادیان۔ بدر ۳۔اپریل ۱۹۱۳ء ص ۴)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کہتے ہیں:

اس مضمون نے کیا اثر کیا اور کیا بتلایا۔ کہنے اور سمجھنے کی حاجت نہیں۔ کہاں وہ زور شور کہ یورپ اور امریکہ، فارس اور مراکش میں یہ پیش گوئی پھیلائی جاتی تھی کہ آخر کار ترکوں کو فتح ہوگی، اور کہاں یہ کہنا کہ اصل علم اللہ کے پاس ہے اور پھر یہ بھی خوف ساتھ لگا ہوا یمحو اللہ ما یشاء ویثبت خدا جو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے، جس سے قادیانی اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ خدائی وعدوں کا کوئی اعتبار نہیں ..حالانکہ خدا تو لا یخلف المیعاد ہے۔

ہوا کا رخ دیکھ کر اڈیٹر بدر نے خود بھی اس پیش گوئی (غلبہ شک) کی تاویل کی طرف دو طرح اشارہ کیا ہے اور خواجہ کمال الدین کے خط کے ذیل میں جہاں یہ فقرہ ہے:

. ہم ایمان رکھتے ہیں کہ عنقریب آئندہ کے واقعات اس پیش گوئی کے دوسرے حصے کو پورا کر دیں گے۔

اس پر اڈیٹر بدر نے ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے کہ:

مگر کس رنگ میں؟ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔ (اڈیٹر)

اس نوٹ میں اڈیٹر نے بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔.....

ہوا کا رخ دیکھ کر دوسرا جواب اڈیٹر نے یہ دیا کہ ترکوں نے اس لڑائی کو چونکہ جہاد کے نام سے موسوم کیا ہے اس لئے شکست یاب ہوئے کیونکہ مرزا صاحب نے جہاد منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھا:

ہمارے بعض مسلم اخبارات نے بھی اس جنگ (بلقان) کو مذہبی جنگ اور جہاد قرار دیا ہے اور ہمارے معزز مکرم خواجہ (کمال الدین) کا میلان بھی اسی طرف ہے لیکن

اگر یہ سچ ہے کہ ترک ایک جہاد میں مصروف ہیں تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان کی شکست یقینی ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود (مرزا) فرماتے ہیں

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ۔ (بدر ۲۰ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۱۷۔ ۹)

(مولانا امرتسری فرماتے ہیں)

کیا ہی معقول جواب ہے کہ چونکہ ترکوں نے جہاد کی نیت کی ہے اس لئے شکست ہوئی، ہم نہیں سمجھتے ان لوگوں نے جہاد کو کیا سمجھا ہے۔ شاید آریوں کی طرح یہ سمجھا ہے کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے تلوار چلانا جہاد ہے۔

کیا قادیانی مشن ہمیں بتائے گا کہ جہاد کی کیا تعریف ہے اور وہ آج کل کیوں ایسا قابل ترک ہے کہ ترکوں جیسی آزاد سلطنت بھی اس کی نیت سے شکست یاب ہوتی ہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۳ مئی ۱۹۱۳ء۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ، ص ۱۔۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قادیانیوں نے مرزا صاحب کے دو الہامات سے یہ پیش گوئی بنائی کہ ترکوں کو ابتداء میں شکست ہوگی لیکن جلد ہی ان کی شکست فتح میں بدل جائے گی

پھر ہوا کہ جنگ عظیم اول کے خاتمہ کے ساتھ عثمانی سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے۔ خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی۔ عثمانی خلیفہ جلاوطن کر دیا گیا۔ اور اہل حدیث امرتسر میں ایک دفعہ خبر شائع ہوئی کہ نظام دکن نے معزول عثمانی خلیفہ کے سالانہ الاؤنس اضافہ کیا ہے۔ لکھا ہے:

. نظام حیدر آباد دکن نے سلطان عبدالمجید خان سابق سلطان ترکی کے سالانہ الاؤنس میں ایک سو پونڈ کا اضافہ کر دیا ہے۔ اب ان کو پانچ سو پونڈ سالانہ ملا کریں گے۔ (اہل حدیث امرتسر۔ ۴ مئی ۱۹۳۴ء۔ ص ۲)

یوں مرزا صاحب کی پیش گوئی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔

حجاز ریلوے

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

حدیث میں حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی چند علامتیں آئی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے ولیترکن القلاس فلا یسعی علیھا یعنی اونٹ چھوڑے جائیں گے ان پر سواری نہ کی جاوے گی۔ اس فقرہ میں، اونٹ چھوڑے جائیں گے، کا مطلب محدثین یہ بتلاتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ ایسے غنی اور متمول ہوں گے کہ ایسے پیارے مال کی بھی ان کو قدر نہ ہوگی۔

جناب مرزا قادیانی فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ پر سواری نہ ہوگی کیونکہ ریل بن جائے گی۔ یہ علامت ہے مسیح کی۔ جب ان پر سوال وارد ہوئے کہ ریل تو دنیا میں بہت مدت سے جاری ہے ہندوستان میں بھی ایک عرصہ ہو گیا ہے تو اس کا جواب دیتے کہ باقی دنیا کا ذکر نہیں خاص حجاز (مکہ، مدینہ) کی سرزمین مراد ہے۔

اس مضمون کو مرزا صاحب نے کئی ایک مقامات پر لکھا۔ سب سے آخری ایک رسالہ کی عبارت ہم دکھاتے ہیں جو مرزائی جماعت نے مرزا صاحب کے بعد شائع کیا ہے جس کا نام رکھا ہے حجۃ اللہ۔ اس رسالہ میں مرزا صاحب نے اس سوال کا جواب دیا کہ باوجود قرآن شریف اور رسول خدا ﷺ کو ماننے اور نماز روزہ کرنے کے آپ کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ اس جواب میں آپ لکھتے ہیں:

ہمیں مسیح موعود ہونے کا دعوی ہے۔ اب ہر شخص کا جو خدا اور رسول سے پیار کرتا ہے اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتا ہے، فرض ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے کہ آیا ہم نے جو دعوی کیا ہے بجا ہے یا جھوٹا؟ خدا کی طرف سے آنے والوں ..(نے)...... بیان کیا ہے کہ یترکن القلاص فلا یسعی علیھا۔ اب سوچنے والوں کو چاہیے کہ ان امور میں جو آج سے تیرہ سو برس پیشتر خدا اور اس کے رسول کے منہ سے نکلے اور

اس وقت وہ الفاظ بڑی شان اور شوکت سے پورے ہو کر اپنے کہنے والوں کے جلال کا اظہار کر رہے ہیں دیکھئے اب اس پیش گوئی کے پورا ہونے کے کیسے کیسے سامان پیدا ہو رہے ہیں حتی کہ حجاز ریلوے کے تیار ہو جانے پر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سفر بجائے اونٹ کے ریل کے ذریعہ ہوا کریں گے اور اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی (حجۃ اللہ ص ۱۔۲)

اس بیان میں مرزا صاحب نے کھلے الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں ریل کا جاری ہونا مسیح موعود کی علامت اور اس کی صحت کے دعوی کی تصدیق ہے ...مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں نے جب اس دعوی کو بہت زور سے بلند کیا تو خدائی غیرت کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس ریل بننے کے لئے جملہ مسلمانان عالم دست بدعا ہیں تاہم خدا نے اس کے بننے میں ایسی رکاوٹیں ڈالیں کہ آج تک نہیں اٹھیں ۔اس وقت تو مسلمانوں کے دلوں پر ان رکاوٹوں کا صدمہ ہوا تھا مگر پھر معلوم ہوا کہ ان کی تہ میں یہ راز ہے کہ لوگ اس بات کو باور کرسکیں کہ قادیانی مسیح اور مہدی اپنے بتلائے اور مقرر کیے ہوئے نشانات میں بھی فیل ہیں اور ڈبل فیل ہیں۔

کیا ہمارے قادیانی مشن کے جوشیلے ممبر جو (لدھیانہ میں) مبلغ تین سو دے کر سخت گھسیانے ہو رہے ہیں، بتلا سکتے ہیں کہ جس صورت میں ابھی مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اونٹوں ہی پر سفر ہوتا ہے چنانچہ اس دفعہ (بوقت تحریر مضمون ہذا) بھی ایسا ہی ہوا، جس کی تصدیق مرزا صاحب کے فرزند میاں محمود سے بھی ہوسکتی ہے۔...اچھا ہوا مرزا صاحب ریل بننے سے پہلے ہی تشریف لے گئے ورنہ اس وقت ہم ان کی خدمت میں عرض کرتے کہ جناب والا! سردست تو آپ تشریف لے جاویں جب آپ کے نشان اور علامت کے مطابق حجاز میں ریل بن جائے گی تو آپ تشریف لائیں۔

کیا یہ مناسب نہیں کہ جن لوگوں نے جناب مرزا صاحب کی یہ تقریر حجۃ اللہ کی صورت میں شائع کی ہے جس میں حجاز ریلوے کے اجراء کو مسیح موعود کا نشان بتلایا گیا ہے کم از کم وہ لوگ تو مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت کو سردست چھوڑ دیں۔ جب حجاز ریلوے بن جاوے گی اس وقت کوئی شخص مسیح موعود ہونے کا دعوی کرے گا جس میں دیگر علامات بھی پائی جاویں تو بے شک اس کو مسیح موعود مانیں اور مہدی مسعود قبول کریں۔کوئی منع نہیں کرے گا۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۰ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۱۔۲)

بیٹے کی ولادت کی پیشگوئی

ایک دفعہ مرزا غلام احمد نے پیش گوئی فرمائی کہ ان کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوگی لیکن مرزا کے ہاں بیٹے کی بجائے بیٹی پیدا ہوگئی۔ اس پر مسلمانوں نے مرزا کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس سلسلے میں شحنہ ہند بصورت مکالمہ، ایک مزاحیہ تحریر شائع ہوئی۔ ملاحظہ فرمایئے:

قادیانی مرزا نے ایک نئی گپ یہ ہانکی تھی کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ اخبار الحکم ۱۷مئی ۱۹۰۴ء میں جلی حروف میں یہ الہام شائع کیا: شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہوگا۔

اوراس الہام پر تمام مرزائیوں کی خاص نظر تھی لیکن خدا کی شان کہ مرزا جی کے ہاں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوگئی۔ ....

اس الہام کے متعلق زید وعمر کا ایک مختصر مگر دلچسپ مکالمہ درج ذیل ہے۔

زید۔ بھائی جان آج مرزائیوں میں کچھ عجیب اداسی چھائی ہوئی ہے، خیر تو ہے؟

عمرو۔ کیا آپ نے نہیں جانتے کہ وہ شوخ وشنگ لڑکے والہ الہام جو ابھی تازہ تازہ شائع ہوا تھا، غلط ہوگیا۔

زید۔ الہام اور غلط ہو، ہم نہیں مانتے۔ اس خبر پر کیونکر وثوق ہوسکتا ہے؟

عمرو۔ یہاں مرزائی بے چارے اپنے منہ سے تصدیق کررہے ہیں کہ ام المرزائین کے ہاں لڑکی پیدا ہوگئی۔

زید۔ کیوں کر ہوگئی؟ کیا مرزا جی وہاں موجود نہ تھے؟

عمر۔ مرزا جی بے چارے مقدمہ میں پھنسے ہوئے ہیں اس روز گرداسپور تشریف رکھتے تھے۔ ۲۴ جون کو چھٹی ملی تو جاتے ہوئے یہ بشارت سنی کہ لڑکی ہوگئی۔

زید۔ اس وقت مرزا جی کی حالت کیسی تھی؟

عمرو۔ وہی جو قرآن نے بتایا ہے:

اذا بشر احد هم بالانثی ظلّ وجهه مسوداً و هو کظیم۔

زید۔ مرزا جی کو پہلے سوچ کر الہام کرنا (چاہیے) تھا۔ یہ تو منجم، رمال، قیافہ شناس،

طبیب بھی بتا دیتے ہیں کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ بلکہ تجربہ کار عورتیں بھی کہہ سکتی ہیں۔

عمرو۔ اجی! یہ تو سب کچھ سوچ بچار کر کے ہی الہام کیا گیا تھا، کیونکہ ۷ امئی کو الہام ہوا اور ۲۴ جون کو تولّد ہوا۔ مگر یہ عجیب قدرت ہے کہ خدا نے لڑکے سے لڑکی بنا دی۔

زید۔ تو کیا اہلیہ نے مرزا صاحب سے شکوہ نہ کیا ہو گا کہ آپ نے مجھے دنیا میں بدنام بھی کیا اور بات بھی پوری نہ ہوئی؟ کون ہے جو دنیا میں ڈھنڈورہ پیٹتا پھرتا ہے کہ میری عورت کچھ جننے والی ہے اور اس کے لڑکا ہو گا۔

عمرو۔ نہیں وہ خود چاہتی ہیں کہ جب ان کا شوہر دعوی نبوت سے دنیا بھر میں شہرت حاصل کر چکا ہے تو کیا انہیں حق نہیں کہ دنیا میں اس کی شہرت کا بھی ڈنکا بجے۔

زید۔ اب تو مرزائیوں کو مارے شرم کے ڈوب مرنا چاہیے۔

عمرو۔ نہیں نہیں۔ شرم چہ کنی است کہ پیش ساکنان دارالامان بیاید

ایسی باتیں روزہ مرہ پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ تو بات ہی کیا ہے؟

زید۔ مقدمہ کی کچھ سنایئے کیا ہو رہا ہے؟

عمرو۔ بس زور سے چل رہا ہے۔ مرزا جی دارالامان سے بدر گورداسپور میں فروکش ہیں۔ پیشی روزانہ ہوتی ہے اور گھنٹوں کھڑا رہنا پڑتا ہے۔

زید۔ دن بھر کہاں بسر ہوتی ہے؟

عمرو۔ ریلوے سٹیشن سے اتر کر کچہری کو جاؤ، راستے میں عین سڑک کے متصل جامن کے درختوں کے نیچے پگڑی اتارے مسیح زمان بیٹھا ہے ...سڑک پر چلنے والوں کی جوتیوں کی ساری خاک مسیح زمان کی نذر ہوتی ہے۔

زید۔ کیا مرزا جی کو عدالت میں کرسی نہیں ملتی؟

عمرو۔ کرسی تو کرسی، بے چارے کو پانی پینا نصیب نہیں۔ کیا اخباروں میں پڑھ نہیں چکے۔

زید۔ ایسا کیا ہوا؟

عمرو۔ بس سزائے اعمال ہے۔ اللہ میاں سے اپنے کرتوتوں کی سزا مل ہی ہے۔

زید۔ مگر اب بھی تو وہ فتح فتح پکارے جاتے ہیں۔

عمرو۔ جی ہاں پہلے جو کہہ چکا ہوں کہ شرم چہ کنی است ...

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ۔ ۸ جولائی ۱۹۰۴ء ص ۱۔۲)

خدا سے برابری



جھنگ سے جناب اللہ دتّا صاحب لکھتے ہیں۔

. مرزا غلام احمد خدا سے برابر ہونے کے بھی مدعی ہیں۔ دیکھو ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۲ میں کہتے ہیں: براہین احمدیہ میں خدا نے مجھے کہا ہے انت منّی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی یعنی تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید وتفرید۔

اس الہام سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کی تصنیف کے وقت توحید وتفرید کا مرتبہ تو حاصل کر چکے تھے، لیکن پورا خدا بننے میں کچھ کمی تھی جو عبارت ذیل سے پوری ہوگئی۔ دیکھو اربعین نمبر ۳ کے صفحہ ۲۵، مطبوعہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کا حاشیہ

. اور دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی زبان میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں ہے انت منّی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی۔

مرزا صاحب نے آپ ہی اپنے پہلے الہام کی تفسیر کر دی یعنی دانیال نبی کی کتاب سے تحریری ثبوت پیش کر کے اپنا خدا تعالیٰ کی مانند ہونا ثابت کیا۔ کیا اب بھی مرزائی جماعت انکار کرے گی کہ مرزا صاحب خدا کی مانند ہونے کے مدعی نہیں۔ قرآن میں تو لیس کمثلہ شیء اور قل ھواللّٰہ احد۔ اللّٰہ الصّمد وارد ہو۔ اور براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ مرزا جی کو انت منّی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی کہے۔

الحکم نمبر ۸ جلد ۵، ۳ مارچ ۱۹۰۱ء میں عبدالکریم، مرزا جی سے روایت کرتے ہیں:

ایک روز کا سر الصلیب (مرزا) فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ضرور جانتا ہے کہ کس قدر مجھے نصرانی مذہب کے استیصال کے لئے جوش ہے۔ پس میں اس کو لفظوں میں ادا نہیں کر سکتا کہ مجھے اس اعتقاد کی تباہی کیلئے اتنا جوش ہے کہ جتنا خود خدا کو نصاریٰ کی بیخ کنی اور ان کے اعتقاد کی تباہی کیلئے۔

(یعنی) مرزا صاحب کے خدا کو بھی مرزا جی کے مساوی جوش ہے۔ اس تحریر کو تقریباً چار سال کا عرصہ گذرا اور جوش تو دونوں کو اس سے پہلے کا ہوگا۔ لیکن اب تک دونوں سے کچھ نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کا خدا تو اس سے پاک ہے کہ اس کو کسی چیز کی تباہی کیلئے عاجز انسان کی مانند جوش کھانا پڑے۔ بلکہ وہ تو ایسی طاقت رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو تمام جہان کو طرفۃ العین میں ہلاک کر دے۔..

اور تحفہ قیصریہ کے صفحہ ۱۴ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اے قیصرہ ملکہ معظّمہ ہمارے دل تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جناب الٰہی میں جھکتے ہیں اور ہماری روحیں تیرے اقبال اور سلامتی کے لئے حضرت احدیت میں سجدہ کرتی ہیں۔

کجا مرزا اور اس کے خدا کی عیسویت کی بیخ کنی اور تباہی کا جوش اور کجا عیسوی مذہب کی ملکہ کی اقبال مندی اور سلامتی کی دعا۔

اور رسالہ دافع البلاء کے صفحہ ۶۔۷ مطبوعہ ۲۳۔ اپریل ۱۹۰۲ء میں مرزا لکھتے ہیں:

انت منّی و انا منک ۔ انا منک

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا جی کا خدا مرزا جی سے پیدا ہوا ہے۔ معاذ اللّٰہ قرآن بتاتا ہے لم یلد ولم یولد۔ اور انت منّی و انا منک مرزا جی کا الہام؟

اے مرزائیو! تم خداوند قہار سے ڈر کر سچ کہو اگر کوئی اور شخص کہے کہ

میں توحید و تفرید کا مرتبہ رکھتا ہوں؛

یا یہ بات کہے کہ دانیال نبی کی کتاب میں مجھے خدا کی مانند لکھا ہے؛

یا یہ کہے کہ میں خدا سے ہوں اور خدا مجھ سے ہے،

تو تم اس کو کافر کہو گے یا نہیں؟ اگر دانستہ جھوٹ کہو گے تو کاذب کے واسطے خداوند قہار کی طرف سے لعنت کا خطاب موجود ہے۔

(شحنہ ہند میرٹھ، ضمیمہ ۸ تا ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۴ء ص ۳۔۴)

بعض الہامات کا لغوی تجزیہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی عربی دانی کا یہ حال تھا کہ وہ عربی کے مختصر فقرات بھی بعض اوقات درست نہیں لکھ سکتے تھے جیسا کہ ان کے ایک الہام کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

الہام انی صادق سیشھد اللہ لی ، یہ کس کا مقولہ ہے؟

ظاہر ہے مرزا صاحب کے ملہم کا۔ یعنی ان کا ملہم کہتا ہے کہ میں سچا ہوں، عنقریب خدا میری گواہی دے گا۔

معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے ملہم کا بھی کوئی خدا ہے۔ اگر آسمانی باپ الہام کے سرے پر قل کہنا بھول گیا ہے، یعنی کہدے اے مرزا کہ میں سچا ہوں سیشھد کی جگہ وسأ شھد ہونا چاہیے تھا۔ یعنی کہدے اے مرزا کہ میں سچا ہوں، میں تیرے سچے ہونے کی عنقریب گواہی دوں گا۔ مگر اس میں یہ خرابی ہے کہ صادق ہونے کا دعوی تو بالفعل ہے اور شہادت ہوگی کالی جمعرات کو جبکہ لال گرو کی قبر پر چراغی چڑھے گی۔

اسی کو کہتے ہیں: برات عاشقاں برشاخ آہو

(شحنہ ہند ضمیمہ ۱و۲۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء ص ۸)

☆ ایک اور موقع پر جناب مولانا احمد حسن شوکت، مرزا صاحب کے الہامات کی فنی لغوی، نحوی غلطیاں اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

. براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۸ میں مرزا صاحب پر یہ الہام ہوا:

الم نشرح لک صدرک الم نجعل لّک سھولة فی کلِّ امر بیت الفکر و بیت الذّکر و من دخلہ کان آمنا۔

اپنی مزخرفات ٹھونس کر کلام الٰہی کی کیسی توہین کی ہے۔ ذرا خبط تو ملاحظہ فرمائیے کہ

بیت الفکر اور بیت الذکر آپ (مرزا) کے دو گھر ہیں اور آپ خود لکھتے ہیں کہ بیت الفکر سے مراد وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف میں مشغول رہا ہے اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے۔ تعجب ہے کہ مرزا صاحب کا خدا واحد تثنیہ میں بھی تمیز نہیں کرسکتا ورنہ ومن دخلھا کان آمنا کہتا کیونکہ بیت الفکر اور بیت الذکر دو مکان جدا جدا ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

من دخلہ کان آمنا صرف مسجد کی صفت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صفت اور موصوف کے گھڑنے کا بھی مرزا صاحب کے ملہم کو شعور نہیں ورنہ عبارت یوں ہوتی و بیت الذکر من دخلہ کان آمنا۔ کیا وجہ ہے کہ آپ کا بیت الذکر تو دار الامن ہو اور بیت الفکر دار الامن نہ ہو بلکہ دار الحزن و دار الکفر ہو۔ جناب باری نے تو تمام مکہ کو دار الامن قرار دیا ہے مگر وہ تو تیرہ سو برس کے بعد دار الامن نہ رہے اور مرزا صاحب کا جھونپڑا دار الامن بن جائے۔ پھر فی کل امر بیت الفکر و بیت الذکر کتنا فصیح جملہ ہے۔

ارے مرزا صاحب! تتابع اضافات مخل فصاحت ہے۔ الم نشرح لک صدرک کے ساتھ اس خانگی عبارت کو ملانا بہشتی حلّے میں ناپاک ٹاٹ کا پیوند لگانا ہے۔

جناب باری نے الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الّذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک .. الآیۃ میں آپ ﷺ پر اپنے احسانات جتائے ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا؟ کیا ہم نے تیرا بوجھ نہیں اٹھایا جس نے تیری کمر توڑ ڈالی تھی (تکلیف دے رکھی تھی)، کیا ہم نے تیرا ذکر آسمانوں اور زمینوں میں بلند نہیں کیا؟

یہ مربوط اور مضبوط معجز کلام ملاحظہ فرمایئے اور مرزا صاحب کی خانگی لغویات دیکھئے۔ مرزا کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مدارج نبوت تکلیفوں اور سختیوں کے جھیلنے کے بعد ملے اور مجھے نہایت سہولت کے ساتھ گھر بیٹھے چھپر پھاڑ کر مل گئے۔ میں خدا کا چہیتا ہوں۔

اور (مرزا کی) حماقت دیکھئے، کلام مجید میں ہے یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ، آپ اس پر یوں اضافہ فرماتے ہیں یا آدم اسکن انت و زوجک

الجنۃ ۔ یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ یا احمد اسکن انت و زوجک الجنۃ ۔ (براہین احمدیہ۔ص ۴۹۶) ۔

یہاں خود بدولت نے آدم اور مریم اور احمد سے اپنے کو مراد لیا ہے۔ اور زوج سے اپنے رفیق اور جنت سے مراد جنت کے وسائل ۔ لیکن مرزا صاحب کا ملہم شاید بھول گیا ہے ورنہ جب مرزا صاحب کے رفقاء مراد تھے تو یا احمد اسکن انت و ازواجک الجنۃ ہونا چاہیے تھا۔ آیت یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ میں تو زوج سے مراد حضرت حوا ہیں ۔ پس تقابل پر لحاظ کر کے یہی لازم آتا ہے کہ تمام مرزائی مسخ ماہیت ہو کر، یعنی مرد سے عورت بن کر، آپ کی جورو ئیں بن گئے ہیں جس طرح مرزا جی الہام میں مریم بن گئے ہیں ۔ پھر حضرت مریم کا کوئی زوج نہ تھا (گو آپ یہودی بن کر یوسف نجار کو ان کا زوج بتاتے ہیں) مریم ، حضرت عیسیٰ کی ماں تھیں، یہاں آپ کی زوج مریم ہے (گو یا مرزا، یوسف نجار کے مثیل ہوئے ۔ بہا)
اور چونکہ آپ مسیح موعود ہیں تو اپنی زوجہ (مریم) کے شکم سے پیدا ہوئے ہیں ۔
(شحنہ ہند میرٹھ ۔ ضمیمہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۴ء ۔ص ۶ ۔ ۷)

☆ بے معنی الہام ، کے عنوان سے مولانا احمد حسن لکھتے ہیں:

مرزا جی نے حال ہی میں یہ الہام بیان کیا کہ الفتنۃ و الصدقات۔ اور فرمایا کہ اب الہام بھی اسے کیا کہیں، ایسی صاف اور واضح وحی ہوتی ہے کہ کسی قسم کے شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں رہتی شاذ و نادر ہی کوئی ایسی وحی ہوتو ہو ورنہ ہر وحی میں پیشینگوئی ضرور ہوتی ہے ۔۔

مولانا فرماتے ہیں : ، الہام تو ابلاغ و تبلیغ اور ہدایت کے لئے ہوتا ہے جس کی صفت یہ ہے کہ واضح ہو، صاف ہو۔ کیا ایسا مجمل اور مہمل اور نا تمام کلام، ربانی الہام ہو سکتا ہے جس کا سر ہے نہ پاؤں ۔ فتنہ اور صدقات علاوہ اس کے کہ باہم متضاد ہیں کیونکہ جہاں صدقہ اور خیرات ہو گا وہاں کسی قسم کے فتنہ کو ہرگز دخل نہ ہو گا ، اگر ان کو معطوف و معطوف علیہ مانا جائے تو صرف مبتداء ہو گی جس کی خبر غت ربود ہے ۔ بظاہر معلوم نہیں ہوتا کہ صدقے اور فتنے دونوں جمع ہو کر کیا کریں گے ۔ (میرے خیال میں اس کا) مطلب

یہ ہے کہ مرزائی لوگ کفر اور الحاد شرک اور بدعت کے کاموں تعمیر وغیرہ میں صدقات (چندہ) دیں گے اور فتنہ (غضب الٰہی) میں مبتلاء ہوں گے۔ اس الہام کے حقیقی معنی تو یہی ہیں اور لے پالک (مرزا) نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ جلد جلد چندہ دو ورنہ فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور پھر کیا عجب ہے کہ سولی پر لٹکائے جاؤ کیونکہ قادیانی مسیح وہ مسیح نہیں کہ خود سولی پر لٹک کر دنیا کا کفارہ بنے اور سب کو پاک کر دے۔ یہ تو وہ مسیح ہے کہ اوروں کو سولی پر چڑھائے گا اور خود ناپاک رہے گا۔

یہ ویسا ہی الہام ہے جیسا چند سال قبل ہوا کرتا تھا کہ فلاں اور فلاں مارا جائے گا، اس کے پیٹ میں بغدا بھونکا جائے گا، اور اس کے سر پر آرہ چلایا جائے گا۔ فلاں کو کولہو میں پیلیں گے اور فلاں کو تہِ تیغ کریں گے۔ اتنا فرق ہے کہ یہ غضب ناک الہام خاص وعام دونوں کے لئے تھا جس کی بولتی مجسٹریٹ گورداسپور نے بند کر دی۔ لیپا لک (مرزا) اور باپ (مرزا کا ملہم) دونوں سہم گئے۔ اب از سر نو یہ غضبی الہام خاص خاص مرزائیوں کے لئے ہوا ہے کہ بچہ جی! صدقہ نہ دو گے تو ایسے اڑ گڑے میں جوتے جاؤ گے کہ لید تک نکل پڑے گی اور گھاس دانہ اور خوید اور راتب سب بھول جاؤ گے۔

(شحنہ ہند میرٹھ، ضمیمہ۔ ۱۶۔ اگست ۱۹۰۳ء، ص ۶)

قبرِ قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

ایک مدت کی بات ہے جو اس عاجز (مرزا) نے خواب میں دیکھا جو آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارکہ پر میں کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا مقتول ہیں، ان کو لوگ دفن کرنا چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں سرکنڈا تھا اور وہ اس سرکنڈہ کو زمین پر مارتا تھا اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ تیری اس جگہ قبر ہو گی۔ تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے سامنے کھڑا ہو کر روضہ شریف کے پاس کی زمین پر اس نے اپنا سرکنڈہ مارا اور کہا کہ تیری اس جگہ قبر ہو گی۔ تب آنکھ کھل گئی۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۴۷۱)

اور مرزا محمود احمد کہتے ہیں:

. حضرت مسیح موعود کا جو یہ الہام ہے کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ، اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام قادیان کے ہیں۔

(تقریر میاں محمود مندرجہ الفضل ۵ جنوری ۱۹۳۳ء منقول از پرویز ص ۱۲۸)

بقول مرزا محمود اگر مدینہ بھی قادیان ہی کا نام ہے تو آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک بھی قادیان میں ہونا چاہیے۔ اور اس کے جوار میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی قبریں موجود ہونا چاہییں۔ قادیانیوں کو چاہیے کہ کشمیر میں حضرت مسیح کی قبر کی تلاش کی مہم مؤخر کر کے قادیان میں مذکورہ بالا قبور کی تلاش شروع کریں۔

دعاءِ قادیانی

قاضی اشفاق حسین وکیل درجہ اول ریاست پٹیالہ ساکن سرساوہ نے مرزا صاحب کو لکھا کہ میری والدہ بعارضہ فالج بیمار ہیں، اگر آپ کی دعا سے صحت یاب ہو جاویں تو میں تمام عمر آپ کی خدمت میں صرف کرونگا اور اکثر خلق خدا کو ہدایت نصیب ہو گی۔ مگر بصورت دیگر مجھے آپ سخت سے سخت مخالفوں میں شمار کریں۔

اس کے جواب میں مرزا قادیانی کے ایک حواری نے لکھا۔

۱۔ معجزات کا اقتراح (یعنی سوال) کبھی کسی مامور سے سعید الفطرتوں اور صدیقوں نے نہیں کیا۔

۲۔خدا تعالی صدیقوں کو خود ہزاروں نشان ایمان کے بعد دکھلا دیتا ہے۔

۳۔نشان مانگنے والے ہمیشہ شقی اور بے نصیب رہے اور راست بازوں کے منہ سے خطرناک القاب سنے۔

۴۔حضرت مسیح موعود (مرزا) کی تائید میں خدا تعالی نے سینکڑوں نشان دکھلائے۔ کتابوں میں موجود ہیں۔ لا انتہی مخلوق گواہ ہے۔

۵۔آپ ان کی طرف استخفاف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیا سوال کرتے ہیں۔ یہ امر خدا کی سنت کے خلاف ہے۔

۶۔ہم دونوں گواہ موجود ہیں جو بے شمار نشان دیکھ چکے ہیں۔ایک سلیم الفطرۃ کا دل کس طرح گوارا کرتا ہے کہ ہماری تکذیب کرے۔ (الحکم قادیان۔ یکم مئی ۱۹۰۲ء)

جواب میں مولانا محمد عبدالحق سرہندی نے ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ کو لکھا:

۱۔ نہ معلوم یہ مسئلہ کس لال کتاب میں ہے۔قرآن حدیث تو اس امر کے ثبوت میں مملو ہیں کہ انبیاء اور اولیاء نے معجزات اور کرامات دکھلائے بلکہ خود انبیاء نے بھی نشان دیکھنے

کے لئے اللہ تعالی سے سوال کئے ۔ دیکھو قصہ ابراہیمؑ۔

و اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی۔

اورقصہ عزیرؑ، و ذکریاؑ، و موسیٰؑ، و قصہ من وسلوی، و قصہ سوال نزول مائدہ جوقرآن میں بالتشریح موجود ہیں ۔کیا معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد یہ انبیا وصلحاء سعید الفطرت و صدیق نہ تھے؟

۲۔ اگرنشان کا دکھانا ایمان سے مشروط ہےتو عرصہ تیس سال سے یہ دعوی کیسا ہے کہ اگرمخالفین نشان آسمانی دیکھنا چاہیں تو قادیان آکر دیکھیں۔

۳۔ یہ اعتراض آپ کا پہلے ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعزیرؑ پر ہوا۔ سچ ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میل او در طعنہ پاکان برد

نیز یہ کلام آپ کا دروغ بے فروغ ہے۔ قصہ نزول مائدہ ان کی شہادت دے رہا ہے اوراحادیث نبوی میں ایسے کئی قصے ہیں۔ قصہ قوم یونسؑ بالتشریح قرآن میں مذکور ہے اگرآپ کے پاس کچھ ہوتا تو سائل پراتمام حجت کرتے ۔ مامور پر یہ تکلیف نہیں کہ مخالفین یا نشان مانگنے والوں کی آئندہ سعادت وشقاوت پر کار بند ہو۔ یہ تو علم غیب خدا ہی کو ہے۔ مامور پر یہ فرض ہے کہ وہ علم جواس کو دیا گیا ہے، پہنچادے اور وہ نشانات جو اتمام حجت کے لئے اس کومرحمت ہوئے ہیں دکھلا کومخالفین کو عاجز کردے۔

۴ ۔ ہزاروں نشانات کیا بیت الفکر قادیان کے اندر دکھائے گئے ۔کیا یہ وہی نشانات پیش گوئی موت آتھم، و تزوتج مسمات محمدی بیگم، و پیدائش فرزندار جمند ہیں ، جن کا فوٹو ہم نے اپنے رسالہ مظہرنعت کے اخیر میں اچھی طرح کھینچ دیا ہے،جن کے جھوٹ ہونے کی کل مخلوق خدا گواہ ہے ۔اپنی کتابوں میں لکھ کرخوش ہونا اس شعر کا مصداق ہے

ثنائے خود بخود گفتی نمی زیبد تراصائب

چوزن پستان خود مالد حظوظ نفس کے یابد

۵ ۔جھوٹوں کو ہمیشہ استخفاف کی نظر سے دیکھا جا تاہے،آپ تعجب کیوں کرتے ہیں؟

۶ ۔مرزائیوں کا گواہ ہونا خواجہ کا گواہ ڈڈو کی مثل ہے ۔کوئی سلیم الفطرت آپ جیسے کا ذہین کی ہرگز ہرگز تصدیق نہ کرے گا۔

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ۔۲۴ جولائی و یکم اگست ۱۹۰۳ء۔ص ۱۔۲)

ایک اور مقام پر مولوی عبدالحق سرہندی لکھتے ہیں:

. البدر نمبر۴ جلد ایک میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

آتھم نے پیشگوئی کے پہلے دن رجوع کیا تھا۔ چالیس مسلمان اور عیسائی گواہ ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ اگر پہلے دن رجوع کرلیا تھا تو

۱۔ پندرہ ماہ تک اس کی موت کا کیوں انتظار کیا گیا؟

۲۔ ہر طرف مرزائی جماعت میں شوروغوغا کیوں پڑا رہا؟

۳۔ چار جانب سے مرزائیوں نے تار کی گھوڑ دوڑ کیوں جاری رکھی؟

۴۔ پندرھویں ماہ کے آخیر دن کے غروب تک قادیان میں مرزائیوں کا کیوں جھمیلہ رہا

۵۔ پیٹ پیٹ کر اور رو رو کر کیوں دعائیں مانگی گئیں؟

اگر مرزا صاحب اس کا معقول جواب، جس کو مخالفین مذہب تسلیم کرلیں، عطا کریں تو مبلغ دس روپئہ انعام۔ ابوالمنظور محمد عبدالحق کوٹلوی سرہندی۔

(شحنۂ ہند۔ ضمیمہ ۱۶۔ اگست ۱۹۰۳ء ص ۲)

شفاعتِ قادیانی

مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

۱۷۔ اور ۲۴ (نومبر ۱۹۰۳ء) کے الحکم میں مولوی عبدالکریم کی طرف سے بعنوان

. مسئلہ شفاعت بہت صفائی سے حل ہوگیا .

لکھا ہے کہ محمد علی خان کا چھوٹا لڑکا عبدالرحیم سخت بیمار ہوگیا۔ اور حکیم الامۃ المرزائیہ کی تشخیص و معالجہ کی ترکی بھی تمام ہوگئی۔ بالآخر مرزا صاحب سے شفاعت چاہی۔ آپ نے تہجد کے وقت دعا کی، تو وحی نازل ہوئی کہ تقدیر مبرم ہے اور ہلاکت مقدر۔

مرزا جی نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ اس قہری وحی سے مجھ پر حد سے زیادہ حزن طاری ہوا اور میرے منہ سے نکل گیا کہ یا الٰہی یہ دعا کا موقع نہیں تو شفاعت کا موقع تو ہے، لہذا میں شفاعت کرتا ہوں۔ اس پر معاً وحی نازل ہوئی: یسبّح له من فی السّماوات ومن فی الارض من ذا الّذی یشفع عنده الّا باذ نه۔ اس جلالی وحی سے میرا بدن کانپ گیا کہ بلا اذن میں نے کیوں شفاعت کی۔ ایک دومنٹ کے بعد پھر وحی نازل ہوئی کہ انک انت المجاز یعنی تجھے اجازت ہے، پھر کیا تھا، عبدالرحیم کی صحت کو روز بروز ترقی ہونے لگی جو دیکھتا تھا کہتا تھا کہ مردہ زندہ ہوا ہے۔

اس پر اڈیٹر الحکم عیسائیوں پر برستا ہے کہ ایک ناتوان انسان کے پھانسی ملنے کو شفاعت کی غایت سمجھتے ہیں۔

(احمد حسن کہتے ہیں)، اس فرمائشی وحی شفاعت کے کیا کہنے ہیں جس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلے۔ پہلے تو ملہم نے ڈانٹ بتائی کہ خبردار، جو پرائے پھٹے میں پاؤں دیئے۔ اور پھر خود ہی رضامند ہو گیا۔ پہلے تو یہ الہام کیا کہ تقدیر مبرم ہے اور ہلاکت مقدر اور پھر خود ہی تقدیر اور مقدر دونوں کو بدل دیا۔ بھلا تقدیر مبرم بھی کہیں بدل سکتی ہے اور اگر بدل سکتی ہے تو مبرم نہیں۔ پھر وحی کیسی تازہ بتازہ..ٹوٹی ہوئی نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں یہ آیت جس کو آیت الکرسی کہتے ہیں یوں ہے: له ما فی السّماوات وما فی الارض من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه۔

مرزا صاحب نے پہلی آیت کی جگہ دوسری آیت لگائی یعنی یسبّح له ما فی السّماوات وما فی الارض۔ جس سے قرآن کا سیاق وسباق بگڑ گیا اور مطلب خبط ہو گیا۔ یعنی مطلب تو یہ ہے کہ خدا ہی زمین و آسمان کا مالک ہے۔ پس اس کے بلا اذن کون شفاعت کر سکتا ہے۔ اور جب دوسری آیت اس کے ساتھ لگائی گئی تو مطلب یہ ہوا کہ ہر شئے جو زمین و آسمان میں ہے خدا تعالیٰ کی تنزیہہ کرتی ہے۔ فرمایئے! تنزیہہ سے شفاعت وغیر شفاعت کو کیا تعلق؟ کیا شجر اور حجر اور ذرہ اور قطرہ وغیرہ جو زبان حال سے تسبیح خواں ہیں، کسی کی شفاعت کر سکتے ہیں؟

پھر (مرزا کے) اپنے کئی بچے طعمہ نہنگ اجل ہو گئے، ان کی شفاعت نہ کی۔....

(شحنہ ہند ضمیمہ۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ ص ۵)

انبیاء کی پیش گوئیاں

مرزا صاحب کو اگر چہ دبے لفظوں میں تسلیم تھا کہ بعض اوقات ان کی پیشگوئیاں، الہامات، دعائیں وغیرہ الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں، لیکن وہ ایسی باتوں کو دل پر لگانے کی بجائے ایسے وقوعے انبیاء کی نہج پر شمار کرتے اور فرماتے کہ انبیاء کرام سے بھی الہام اور مکاشفات کے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی تھی جیسا کہ ایک دفعہ ۴۰۰ ۔انبیاء کی مشترکہ پیش گوئی غلط نکلی تھی۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے اس پر بحث کی ہے جسے ہم تائید الاسلام سے نقل کرتے ہیں (اور اس کے ساتھ عہد نامہ جدید کی انگریزی عبارات کا اضافہ کرتے ہیں۔ بہاء)

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

بعض اوقات انبیاء کے الہامات صحیح نہ ہونے پر مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۲۹ پر لکھا ہے:

مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چارسو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست ہوئی بلکہ وہ اسی میدان میں مارا گیا۔

اس حوالہ توریت کے بعد انبیاء کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹے نکلنے کا سبب اسی صفحہ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

.اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا اور نوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا۔ اور ان نبیوں نے دھوکا کھا کر ربانی سمجھ لیا تھا۔

اسی واقعہ کا حوالہ مرزا صاحب نے رسالہ تقریر دل پذیر بر وفات بشیر کے صفحہ ۷ زیر حاشیہ میں بایں الفاظ دیا ہے:

بنی اسرائیل کے چارسو نبی نے ایک بادشاہ کی فتح کی نسبت خبر دی اور وہ غلط نکلی یعنی بجائے فتح کے شکست ہوئی۔ دیکھو سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹۔ مگر اس عاجز کی کسی پیشگوئی

میں کوئی الہامی غلطی نہیں نکلی۔

قاضی صاحب بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس جگہ عہد نامہ قدیم کو بالکل الٹ پلٹ دیا ہے۔ اوراس موقعہ پران یہودیوں کی یاد تازہ کر دی ہے جن کی شان میں یحرّفون الکلم عن مواضعہ نازل ہوا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ

بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کا نام احاب اوراس کی بیگم کا نام جزیبل تھا۔ یہ دونوں بعل بت کے پجاری تھے۔ بادشاہ کے دین پر بہت سے پجاری اپنے آپ کو بعل کا نبی کہلاتے تھے جن میں سے ساڑھے چارسواس بت کے مندر پر حاضر رہتے اور چارسو بادشاہ کے مستقر پر۔ ان کو بادشاہ کی بیگم کے دسترخوان پر کھانا ملتا تھا۔ حضرت ایلیاہ نے آ کر بتایا کہ خدا کے نبیوں میں سے صرف میں ہی باقی ہوں اور یہ بھی بتایا کہ بعل کے ساڑھے چارسو نبیوں کو اور ان چارسو نبیوں کو جو جزیبل کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں، کوہ کرمل پر میرے پاس اکٹھا کر۔ پھر ایلیاہ نے بعل کے نبیوں کو معجزہ دکھانے کی دعوت دی جب وہ نہ دکھا سکے، تو آپ نے دکھایا۔

اس بادشاہ نے ایک مرتبہ دشمن پرلشکرکشی کا ارادہ کیا تو بعل کے ان چارسو نبیوں سے اس بارہ میں دریافت کیا۔ سب نے بتایا کہ وہ فوج کشی کرے، تو فتح پائے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ ان نبیوں کے سوا کوئی اور نبی ہو تو اس کو بلا کر بھی پوچھ لو۔ چنانچہ .....

ان سب کے بالمقابل سچے نبی نے فرمایا کہ بادشاہ کی بیگم نے ایک غریب ہمسایہ کو ناحق قتل کرایا ہے اوراس کی زمین پر زبردستی قبضہ کیا ہے۔ جہاں وہ ہمسایہ مارا گیا اسی جگہ بیگم کا خون کتے چاٹیں گے ...اس بعل پرست بادشاہ کو شکست ہوئی اور بیگم قتل ہوئی۔ ایلیاہ نے ان ساڑھے چارسو نبیوں کو قتل کیا۔ سلاطین دوم میں ہے کہ یہوہ نے بعل کے باقی سب نبیوں کو قتل کیا۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بعل کے جن لوگوں کو بعل کے نبی اور کاذب بتایا ہے اوران کا خدا کے نبی کے سامنے ذلیل وخوار اور مقتول ہونا بیان کیا ہے، مرزا صاحب نے پہلے تو ان کاذبوں کو خدا کے نبی قرار دیا اور پھر نبی بنا کر ان کو جھوٹا اور شیطانی وحی کا قبول کنندہ بتایا ہے۔ اوراس کے بعد پھر اپنا تفوق ان پر ظاہر کیا ہے .. افسوس کہ نقل اور حوالہ کتاب میں ایسی تحریف کی جاتی ہے اور شیطانوں کا نام انبیاء رکھا

جاتا ہے۔ (تائید الاسلام۔ص۱۵۰۔ ۱۵۳)

And in the thirty eight years of A-sa, king of Judah began Ahab the son of Omri to reign over Israel; and Ahab son of Omri reigned over Israel in Sa-maria twenty and two years.

And Ahab son of Omri did evil in the sight of Lord above all that were before him (1. Kings:16: 29-30)

And he reared up an altar for Ba'al, which he had built in Sa-mar-ia. (1 Kings:16:32)

And Eilijah, the Tishbitr, who was of the inhabitants of Gilead, said unto Ahab, 'As the Lord God of Israel liveth, before whom 'I stand, there shall not be dew nor rain these years, but according to my word.

And the word of the Lord came unto him, saying,

Get thee hence, and turn thee eastward, and hide thyself by the brook Che-rith, that is before Jordan. (1 Kings:17, 1-3)

And it came to pass' after many days, that the word of the Lord came to Eiljah, in the 3rd year, saying, Go, shew thyself unto Ahab; and 'I will send rain unto the earth.

and Eilijah went to shew himself unto Ahab. And there was a sore famine in Sa-maria.

And Ahab called Obadiah, which was the governor of his house, now Obadiah feared the Lord greatly;

For it was so, when Jezebel cutt off the prophets of the Lord, that Obadiah took an hundred prophets, and hid them by fifty in a cave, and fed them with bread and water. (1 Kings 18: 1-4)

And as Obaidiah was in the way (in search of water) behold, Eilijah met him: and he knew him, and fell on his face, and said, Art thou that my lord Eiljah?

And he answered him, I am, 'go, tell thy lord, Behold, Eilijah is here (1 Kings:18: 7-8)

So Obadiah went to meet Ahab, and told him; and Ahab went to meet Eilijah.

And it came to pass, when Ahab saw Eilijah, that Ahab said unto him, 'Art thou he' that

troubled Israel?

And he answered, I have not troubled Israel; but thou, and thy father's house, in that ye have forsaken the commandments of the Lord, and thou hast followed Ba-a-lim.

Now therefore send, and gather to me all Israel unto mount Carmel and the prophets of Ba'al four hundred and fifty, and' the prophets of the groves four hundred, which eat at Jezebel's table.

So Ahab sent unto all the children of Israel and gathered the prophets together unto mount Carmel. (1 Kings 18: 16-20)

Then said Eilijah unto the people, I, even I only, remain a prophet of the Lord; but Ba'al's prophets are four hundred and fifty men. (1 Kings 18: 22)

And Eilijah said unto them, "Take the prophets of Ba'al; let not one of them escape. and they took them; and Eilijah brought them down to the brook Kfshon, and slew them there. (1 Kings 18: 40)

Then the King of Israel gathered the prophets, about four hundred men, and said unto them, Shall I go against Ramothgilead to battle, or shall I forbear? And they said, Go up; for the Lord shall deliver it into the hands of the king.

And Jehoshaphat said, Is there not here a prophet of the Lord besides, that we might inquire of him?

And the king of Israel said unto Jehoshaphat, "there is yet one man, Micaiah the son of Imlah, by whom we may inquire of the Lord; but I hate him; for he doth not prophesy good concerning me, but evil. And Jehoshaphat said, let not the king say so.

Then the king of Israel called an officer, and said, Hasten hither Micaiah the son of Imlah. (1 kings . 22: 6-9)

And he (Micaiah) said, hear thou therefore the word of the Lord: "I saw the Lord sitting on his throne, and all the host of heaven standing by him on his right hand and on his

left.

And the Lord said, who shall persuade Ahab, that he may go up and fall at Ramothgilead? And one said on the manner, and another on that manner.

And there came forth a spirit, and stood before the Lord, and said, I will persuade him. and the Lord said unto him, Wherewith? And he said, I will go forth, and I will be a lying spirit in the mouth of all his prophets. And he said, "Thou shalt persuade him, and prevail also; go forth and do so.

Now therefore, behold, the Lord hath put a lying spirit in the mouth of all these thy prophets, and the Lord hath spoken evil concerning thee. But Zedekiah the son of Chenaanah, went near, and smote Micaiah on the cheek, and said, Which way went the spirit of the Lord from me to speak unto thee. (1 Kings .22: 19-24)

So they took the King, and brought him up to the King of Babylon to Riblah, and they gave judgement on him.

And they slew the sons of Zedekiah before his eyes, and put out the eyes of Zedekiah, and bound him with with fetters of brass and carried him to Babylon. (2 Kings 25:6-7):

مولانا محمد ابراہیم کمیر پوری مرحوم، مرزا صاحب قادیانی کے کذبات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مرزا صاحب کا دامن جھوٹ سے پاک نہ تھا۔ اور انہوں نے ..اپنی تحریرات میں سینکڑوں جھوٹ بولے اور صدہا مقامات پر تحریف لفظی ومعنوی اور دجل وفریب سے کام لیا ہے۔ جب ہم اس نقطہ نگاہ سے مرزا صاحب کی ذات کو زیر بحث لاتے ہیں اور اسی معیار سے ان کا کذب ثابت کرتے ہیں تو مرزائی جماعت ہم پر یہ الزام عائد کرتی ہے کہ آپ لوگ انبیاء کے جھوٹ جائز تسلیم کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم کو تین جھوٹ کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ بخاری کی حدیث بھی صحیح ہے ، کیونکہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ (یعنی قرآن شریف کے بعد روئے زمین کی تمام کتابوں سے صحیح ترین کتاب) ہے (شہادۃ

القرآن ص ۴۵) ،لیکن ابراہیم کا دامن بھی جھوٹ سے پاک اور صاف ہے کیونکہ ابراہیم کا یہ فعل کذب نہیں بلکہ توریہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ توریہ کیا ہوتا ہے؟ اور اس پر کذب کا لفظ کیوں چسپاں کیا جاتا ہے؟، اس کی وضاحت بھی مرزا صاحب کی زبان سے سنیئے :

بعض احادیث میں توریہ کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کو نفرت دلانے کی غرض سے کذب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ایک جاہل اور احمق جب ایسا لفظ کسی حدیث میں بطور تسامح کے لکھا ہوا پاوے تو شاید حقیقی کذب ہی سمجھ لے، کیونکہ وہ اس قطعی فیصلہ سے بے خبر ہے کہ حقیقی کذب اسلام میں پلید اور حرام اور شرک کے برابر ہے، مگر توریہ جو در حقیقت کذب نہیں، گو کذب کے رنگ میں ہے۔ اضطرار کے وقت عوام کے واسطے اس کا جواز حدیث سے پایا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی لکھا ہے کہ افضل وہی لوگ ہیں جو توریہ سے بھی پرہیز کریں۔ اور توریہ اسلامی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے ایک بات کو چھپانے کے لئے یا کسی اور مصلحت پر ایک راز کی بات مخفی رکھنے کی غرض سے ایسی مثالوں اور پیرایوں میں اس کو بیان کیا جائے کہ عقل مند تو اس بات کو سمجھ جائے اور نادان کی سمجھ میں نہ آئے۔ اور اس کا خیال دوسری طرف چلا جائے، جو متکلم کا مقصود نہیں۔ اور غور کرنے کے بعد معلوم ہو کہ جو کچھ متکلم نے کہا ہے وہ جھوٹ نہیں بلکہ حق محض ہے۔ اور کذب کی اس میں آمیزش نہ ہو اور نہ دل میں کذب کی طرف ذرہ بھر میلان ہو۔ جیسا کہ بعض احادیث میں دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے یا اپنی بیوی کو کسی فتنہ اور خانگی ناراضگی اور جھگڑے سے بچانے کے لئے اور دشمن کو اور طرف جھکا دینے کی نیت سے توریہ کا جواز پایا جاتا ہے۔

(نور القرآن حصہ دوم طبع سوم ص ۲۱)

مرزا صاحب کے اس بیان سے توریہ کی حقیقت، غرض و غایت اور موقع استعمال کے علاوہ اس کا جواز بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ توریہ کو کذب کس مصلحت کے تحت کہا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں کذبات ابراہیمی اور حدیث بخاری کی یہی حقیقت ہے۔

اور مرزا غلام احمد آئینہ کمالات اسلام (طبع لاہور ص ۴۷۸) میں فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ اکثر ایسے اسرار دقیقہ بصورت اقوال و افعال انبیاء ظہور میں آتے رہے ہیں جو ناواقفوں کی نظر میں سخت بے ہودہ اور شرمناک کام ہے۔ جیسا کہ موسیٰ کا مصریوں

کے برتن مانگ کر لے جانا اور پھر اپنے مصرف میں لانا۔ اور حضرت مسیح کا کسی فاحشہ کے گھر چلے جانا، اور اس کا پیش کردہ عطر، جو حلال وجہ سے نہیں تھا، استعمال کرنا اور اس کے لگانے سے روک نہ دینا۔ اور حضرت ابراہیم کا تین مرتبہ ایسے طور پر کلام کرنا جو بظاہر دروغ گوئی میں داخل تھا۔ پھر اگر کوئی تکبر اور خودستائی کی راہ سے اس بنا پر حضرت موسیٰ کی نسبت یہ کہے کہ نعوذ باللہ وہ مال حرام کھانے والہ تھا، یا حضرت مسیح کی نسبت یہ زبان پر لاوے کہ وہ طوائف کے گندہ مال کو اپنے کام میں لایا، یا حضرت ابراہیم کی نسبت یہ تحریر شائع کرے کہ مجھے جس قدر ان پر بدگمانی ہے اس کی وجہ ان کی دروغگوئی ہے، تو ایسے خبیث کی نسبت اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فطرت ان پاک لوگوں کی فطرت کے مغائر پڑی ہے اور شیطان کی فطرت کے موافق اس پلید کا مادہ اور خمیر ہے۔

مرزا محمود احمد کہتے ہیں:

. بخاری کی حدیث کو ایک نبی کی عصمت کو محفوظ رکھنے کے لئے ردّ تو کیا جا سکتا ہے . لیکن اس بارہ میں میرے لئے ایک مشکل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مجھے اللہ ہی نے رؤیا کے ذریعہ بتایا ہے کہ بخاری میں جس قدر حدیثیں ہیں وہ سب سچی (یعنی صحیح) ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بخاری میں ہی ثلاث کذبات کے الفاظ آئے ہیں، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کا مفہوم کیا ہے۔ جہاں تک کذبات کے لفظ کا سوال ہے، اس حدتک یہ بات بالکل صاف ہے کہ کذب کے معنی عربی زبان کے محاورہ کے مطابق ایسی بات کہنے کے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کی نگاہ میں جھوٹ نظر آئے لیکن ہو سچی .... جس حدتک یہ واقعہ بخاری میں آتا ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دفعہ ایسا موقعہ پیش آیا کہ حضرت ابراہیم نے ایک بات کہی جس کے لوگوں نے ایسے معنی لئے جن کی بنا پر بعد میں انہوں نے حضرت ابراہیم کو جھوٹا کہا اور وہ غلطی پر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور لوگوں نے خود غلطی کی تھی اور یہ ان لوگوں کا اپنا خیال تھا۔ (الفضل ج ۳۲ شمارہ ۱۵۰۔ ۲۹ جون ۱۹۴۴ء ص ۱۔۲)

ہمیں امید ہے کہ قادیانی جماعت اپنے مسیح موعود اور مصلح موعود کا فرمان ملاحظہ کرنے کے بعد ہم پر یہ الزام عائد نہ کرے گی (دس جھوٹ مع جواب الجواب ص ۱۰۔۱۴)

حکیم نورالدین کی بے بسی

حکیم نورالدین نے مرزا غلام احمد کا جانشین منتخب ہونے کے بعد ۱۴ جون ۱۹۰۸ء کو اپنے مریدوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت مرزا کی وفات پر جن مشکلات کا ہمیں خیال ہوسکتا تھا کہ ہمارے سامنے ہوں گی ان کے علاوہ لاہور کے عوام کا وہ شور وغل تھا جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ لوگ ہمیں گاڑی تک بھی نہ پہنچنے دیتے کہ معاً اللہ تعالی نے ابر رحمت کی طرح پولیس ہمارے لئے بھیج دی اور گورنمنٹ کا دل سے شکریہ کرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر آرام سے سوار ہو گئے۔ اگر مرزا صاحب اپنے امن اور سامان اشاعت اور ہر طرح کے سکھوں کے باعث اس گورنمنٹ کے شکرگزار تھے اور قوم کو اطاعت کی تاکید کرتے گئے تو اس کی وفات نے از سرنو اس کی قوم کو امن پسند اور گورنمنٹ کا شکر گزار بنا دیا۔ (وفاۃ مسیح موعود۔ ص۱۴)

اب میں ان حملوں کا ذکر کرتا ہوں جو ہم پر ہو چکے ہیں اور تمام حملوں میں زبردست حملہ جس کو دشمن یقین کرتا ہے کہ اس سے ہم کو پاش پاش کر دے گا، اور اس حملہ سے ثابت کرتا ہے کہ اس نے مرزا کو ہلاک کر دیا اور اس کا نام ونشان نہیں چھوڑا، وہ یہ حملہ ہے کہ میرزا صاحب قبل از وقت انتقال کر گئے۔ اور ان کے الہامات کی رو سے جو ان کی عمر چاہیے تھی اس میں سے چار پانچ برس تو ضروری ہی کم ہو گئے کیونکہ عمر کی نسبت اصل الہام یہ تھا: تیری (یعنی مرزا کی) عمر اسّی (۸۰) برس کی ہوگی یا پانچ کم یا پانچ زیادہ۔ ....

(عمر کم ہونے کے) اس اعتراض کے جوشیلے معترض ایڈیٹر اہل حدیث اور امرتسر کے نرم دل مرنج ومرنجان مرحوم ومغفور انسان عبداللہ الغزنوی کی طرف تلمذ کا مدعی عبدالحق ہے۔ ہاں ایک امرتسری وکیل بھی ہیں جو ایک طرف تو ہمیں متانت وبردباری کی تعلیم دیتے ہیں اور دوسری طرف علماء کرام اور اپنے خطبائے عظام کو ہماری مخالفت

میں تیز قلمیں اٹھانے کی ترغیب دیتے ہوئے ہمیں اور ہمارے امام کو جتنا برا کہنا اس کی کاروائی میں جس قدر زور لگانا اس کو مناسب تھا اس سے بہت زیادہ زور لگایا۔ ...

مرزا صاحب کی کیا عمر تھی جب آپ کا انتقال ہوا؟ اس کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں کہ پتہ لگے۔ مرزا سلطان احمد نے تولّد کا سنہ ۳۶، ۳۷ بتایا ہے۔ پس اس شمسی حساب سے آپ کی عمر قمری حساب میں چوہتر پچھتر ہوتی ہے اور کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور حضرت (مرزا) نے نصرۃ الحق میں قریباً یہی لکھا ہے۔ مگر قبل از اطلاع تام اگر مان لیں کہ آپ نے کچھ عمر کم پائی ہے تو اڈیٹر اہل حدیث اور عبدالحق کا علاج ایک حدیث شریف کے نسخہ سے شروع کرتا ہوں .... (وفاۃ مسیح موعود۔ ص ۱۴۔۱۶)

(اس کے بعد ایک حدیث نقل کر کے حکیم صاحب کہتے ہیں) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عظیم الشان انسان (آدم) کی عمر سے چالیس برس کم ہو گئے اور ہمارے مرزا جی کو، میں آج نہیں کہتا، براہین احمدیہ کے لکھتے وقت یا آدم اسکن انت و زوجک الجنّۃ کا الہام ہو چکا تھا اور اسے آدم کہا گیا۔ پھر اگر یہاں مانا جاوے کہ چار پانچ برس کی کمی ہوئی، اگرچہ واقع میں کمی نہیں ہوئی، تو آپ لوگوں نے کیوں حسن ظن سے کام نہ لیا؟ (کتاب مذکور۔ ص ۱۶۔۱۷)

(پھر حکیم صاحب کہتے ہیں) ایک لڑکی (محمدی بیگم بنت احمد بیگ) کے متعلق کہ اس سے آپ (مرزا غلام احمد) کی شادی ہو گی؛ اور ایک عورت (محمدی بیگم زوجہ منظور محمد) سے زلازل کے پہلے ایک لڑکا (عالم کباب) ہو گا؛ اور پانچویں اولاد (مبارک احمد کی موت کے بعد اس کی مثل ایک اور لڑکے) کی بشارت۔

(ان) پر جو اعتراض ہیں ان کا للہ و باللہ قرآنی جواب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا طرز ہے کہ مخاطب گاہے خود مخاطب ہی مراد ہوتا ہے، اور گاہے وہ اور اس کا جانشین اور اس کی اولاد بلکہ اس کا مثیل مراد ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ زمانہ نبوی میں فرماتا ہے: اقیموا الصلوۃ و آتوا الزّکوۃ۔ اس حکم الٰہی میں خود مخاطب اور ان کے مابعد کے لوگ شامل ہیں جو ان مخاطبین کی مثل ہیں۔ اور جعلکم ملوکاً میں مخاطب تو مراد ہی نہیں مگر اور ان کے پس ماندوں میں سے بھی بعض مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل اس خطاب کے وقت بادشاہ نہ تھے۔ (وفاۃ مسیح موعود۔ ص ۲۰۔۲۱)

جب مخاطبت میں مخاطب کی اولاد، مخاطب کے جانشین اوراس کے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی، کیا داخل نہیں ہوسکتی؟ اور کیا آپ کے علم الفرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا؟ اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں؟ میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت (مرزا) کی وفات ہو جاوے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آوے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا، پھر یہی وجہ بیان کی۔

..اسی طرح مبارک احمد کے بدلہ میں اگر اللہ تعالی اس کا نعم البدل عطا کرے جس کا ہم کو یقین ہے ...اور جس دن پانچواں مبارک احمد کا بدلہ دنیا میں آیا (یعنی مرزا کے بیٹے کے ہاں بیٹا پیدا ہوگیا)، اور علم فرائض کے موافق و لابن الابن حکم الابن موجود ہے تو آپ لوگ کیا کریں گے۔ پس یہ تمام پیش گوئیاں اگر بظاہر منسوخ ہوں تو ہمیں حرج نہیں اور اگر اپنے شرعی رنگ میں اللہ تعالی سے پوری ہوئیں اور ہوں گی تو تم کیسے خطرہ میں ہو۔ (وفاۃ مسیح موعود۔ص ۲۳)

(مرزا کی) کم عمری کا اعتراض ہمارے زیر نظر ہے۔ مگر اس ملک پنجاب میں خاص گاؤں میں جوافراتفری سکھوں کے عہد میں آئی ہے اس سے اور جو خاندانوں اور شرفاء میں تکالیف پڑی اوران کا ذکر حضرت مہدی نے اپنی تصانیف میں بھی مفصل فرمایا ہے۔ ایسے وقتوں میں گاؤں کے لوگوں میں تاریخ تولد کا پتہ لگنا ایک مشکل کام ضرور ہے اور الٰہی مصلحت بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی میں ہے تاکہ دشمن ذرا ٹھٹھا کر لے۔ اسی لئے ہمیشہ حضرت مرزا صاحب نے تخمیناً سے اس معاملہ میں کام لیا ہے۔ اظہاروں (عدالتی بیانات) میں بھی آخر تخمیناً ہی کام لینا پڑا۔ اس واسطے کسی قدر اختلاف ہوا۔ اور نصرۃ الحق کے صفحہ ۹۷ میں ارقام فرماتے ہیں . اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ اور صفحہ ۱۹۳ میں ارقام فرمایا ہے عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت تک جو ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستّر کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔ اسکوایک عقل مند غور سے دیکھے۔ خطبہ حکیم نورالدین ۱۴جون ۱۹۰۸ء۔ (خطبات نورالدین۔ ص ۲۴)

یہ تو جیہات و دلائل قادیانیوں کے سربراہ کے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر ۱۳۲۳ھ میں مرزا صاحب کی عمر ۷۰ برس نہیں ہوئی بلکہ ۷۰ سال کے قریب تھی، تو اس کے دو سال

بعد ۱۳۲۵ھ میں (بوقت وفات) مرزا صاحب کی عمر ۷۲ سال نہیں بلکہ ۷۲ کے قریب ہونی چاہیے۔اور پیش گوئی تو چوہتر سال سے زیادہ عمر ہونے کی تھی۔

اور جس حدیث سے دفاع کیا ہے اس میں تو حضرت آدمؑ کی عمر ۴۰ سال کم ہونے کا ذکر ہے اور یہاں حکیم صاحب نے مرزا کو آدمؑ کی مثل بتایا ہے تو مرزا کی عمر بھی چالیس سال کم ہونی چاہیے ۔ غرض یہ تقریر حکیم صاحب کی بے بسی کا مظہر ہے اور ایسی تاویلات کی گئی ہیں جن کا کوئی وزن نہیں ہوسکتا۔

باپ کا بیٹا وارث تو ہوتا ہے اور پوتا بھی مثیل ہوسکتا ہے لیکن بیٹا ،باپ کی بیوی سے شادی نہیں کرسکتا۔ یہاں محمدی بیگم کی شادی آسمان پر مرزا صاحب سے ہو چکی تھی، زمین پر اس کے ہونے کا انتظار تھا۔ اور اس تقریر کے بعد بھی مرزا صاحب کے کسی بیٹے کی شادی محمدی بیگم یا اس کی کسی بیٹی سے نہیں ہوئی۔ اور حکیم صاحب کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ۱۹۰۸ء تک یہ پیش گوئی منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ اور مرزا کی زندگی کے آخر میں جب سب کو اس بات کا امکان نظر آنے لگا تھا کہ اب یہ شادی شائد نہ ہو،اس وقت بھی حکیم نوردین نے یہ نہیں کہا، نہ مرزا نے کہا، کہ یہ پیش گوئی منسوخ ہو چکی ہے۔

اور حکیم صاحب کا مرزا محمود احمد کو یہ کہنا :

شادی نہ ہونے کی صورت میں بھی مرزا صاحب سے اس کی عقیدت کم نہ ہوگی ،

دراصل ختم اللّٰہ علی قلوبھم کی مثال اور مرزا کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ مرزا صاحب تو کہتے ہیں کہ یہ کام (محمدی بیگم سے ان کی شادی) نہ ہو تو مجھے جھوٹا کذاب دجال سمجھا جائے، بدتر سے بدتر سمجھا جائے وغیرہ (دیکھو انجام آتھم وضیمہ) ۔اور حکیم صاحب اپنے پیر کی بات نہیں مانتے بلکہ محمود احمد کو کہتے ہیں کہ تم تیار رہو، کیا معلوم محمدی بیگم کی بیٹی تمہارے نکاح میں آجائے۔

مرزا کے پانچویں بیٹے (مثل مبارک احمد) کے پیدا نہ ہونے کی کوئی توجیہہ حکیم صاحب نہیں کر سکے۔ اور محمدی بیگم زوجہ منظور محمد کے بطن سے عالم کباب کے پیدا ہونیوالی پیش گوئی کی طرف تو حکیم صاحب نے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ زلازل سے پہلے اس عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہونے والی پیش گوئی کا یہ جواب دینا کہ اس کی بیٹی یا پوتی کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا ،تو پیش گوئی پوری ہو جائے گی، کیوں کر پیش گوئی کو درست کرسکتا

ہے کیونکہ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مرزا صاحب تو مر چکے اور عالم کباب نامی بیٹے نے مرزا کی زندگی میں پیدا ہونا تھا اور اس خاص عورت، محمدی بیگم زوجہ منظور محمد، کے بطن سے۔ اگر مرزا کی کسی آئندہ پشت کی زندگی میں اس عورت کی کسی آئندہ پشت میں کسی بیٹے کی پیدائش کی پیش گوئی ہے تو یہ کیا پیش گوئی ہوئی؟

مرزا صاحب کی عمر کے بارے میں تو حکیم صاحب نے تسلیم کرلیا یہ معاملہ ابھی ان کے ہاں زیر تفتیش ہے، طے نہیں ہوا۔ اور یہ کہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ مرزا کی عمر ۷۵ سے ۸۵ کے درمیان ہوئی ہو۔ (اور جب تک تفتیش مکمل ہو کر عمر ۷۵ سے ۸۵ سال ثابت نہیں ہو جاتی، مرزا صاحب کی نبوت مجددیت مہدویت وغیرہ مشکوک رہے گی۔ بہا)

مرزا محمود کی بے کسی

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ مرزا محمود احمد قادیانی بتاتے ہیں:

حضرت مسیح موعود (مرزا) کی وفات کے قریباً دو سال بعد جب یہ سوال اٹھا ہوا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا انجام کیا ہوگا۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود تشریف لائے ہیں۔ میں دوڑ کر گیا تا کہ آپ کے آنے کی لوگوں کو خبر دوں۔ جب آپ پہونچے اور گفتگو فرمانے لگے تو میں نے پوچھا ثناء اللہ کا انجام کیا ہوگا؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوسری بات شروع کر دی۔ میں نے پھر پوچھا۔ پھر آپ نے اسی طرح کیا۔ مگر میں نے اصرار سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ انجام کیا ہوگا؟ انجام کیا ہو گا؟ انجام کیا ہوگا؟ میرے الہام میں جو موجود ہے کہ طاعون سے ہلاک ہوگا۔

طاعون کا مفہوم کئی رنگ میں پورا ہو سکتا ہے۔ گویا تین دفعہ آپ نے انجام کیا ہوگا؟ کے الفاظ دہرائے اور پھر اپنے ایک الہام کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس کے بعد میں نے آپ کی ایک کاپی دیکھی جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق بقیۃ الطاعون الہام درج تھا۔ (الفضل۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۴ء۔ ۶)۔

(مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں) ہم اس کی تحقیق سناتے ہیں۔

مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۱۰۸ پر یہ الہام درج ہے جس کے متعلق مرزا صاحب کے اپنے

الفاظ یہ ہیں ۔ اُریت قرطاساً من ربّی العلام و اذا نظرت فوجدت عنوانه بقیة الطّاعون ۔ و علی ظهره اعلان منّی کانّی اشعت من عندی واقعة ذلک المنون ۔ نمودہ شدمرا کاغذے از خداوندعلیم خود۔ پس چوں نظر کردم پس عنوان اوایں فقرہ یافتم کہ بقیّۃ الطاعون ۔ و دیدم کہ بر پشت او اعلانے از طرف من است گویا من از طرف خود آں واقعہ مرگ راشائع کردم

یعنی مرزا کہتے ہیں، مجھے ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر بقیۃ الطاعون لکھا تھا۔

یہ کتاب مواہب الرحمٰن ۱۹۰۳ء میں چھپی ہوئی ہے، غالباً الہام اس سے پہلے کا ہوگا۔اس میں میرا یا کسی اور کا کوئی ذکر نہیں (اس وقت آخری فیصلہ کا کوئی اشتہار نہیں تھا) علاوہ اس کے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ بقیۃ الطاعون کی ترکیب کیا ہے۔مبتداء ہے یا خبر؟ فاعل ہے یا مفعول ہے؟

میری وجہ سے قادیانی امت میں جو اضطراب ہے وہ مرزا صاحب کے اعلان آخری فیصلہ کی وجہ سے ہے جس میں آپ نے لکھا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہیضہ یا طاعون سے ہلاک ہو جائے گا۔ یہ اعلان ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو کیا تھا اس لئے ۱۹۰۳ والے الہام کو ۱۹۰۷ والے واقعہ پر چسپاں کرنا سخت بے انصافی ہے۔

بہت اچھا یہ بھی سہی۔مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں انتقال کر گئے آج اس پر ۳۶ برس گزر گئے۔خدا کے فضل سے اس الہام کا ظہور اب تک نہیں ہوا۔ (ویسے جب ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب مرکر اپنا جھوٹا ہونا ثابت کر گئے تو اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی جو مولانا ثناء اللہ اگلے ہی روز کسی بھی مرض سے مرجاتے، کیونکہ فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ بہا)۔ خلیفہ جی کو چاہیے تھا کہ اپنے والد سے یہ بھی کہہ دیتے کہ ثناء اللہ ہیضے سے مرے یا طاعون سے، اس سے ہمیں کیا فائدہ؟ فائدہ تب ہوتا اگر وہ آپ کے بقول آپ سے پہلے مرتا۔ اب وہ طاعون سے مرے یا بخار سے، ہمیں اس سے کیا مطلب؟

خلیفہ جی کہتے ہیں کہ بڑے مرزا کے انتقال کے دو سال بعد خواب میں مجھ سے یہ بات چیت ہوئی تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات مرزا کے دو سال بعد بھی قادیان میں اضطراب باقی تھا کہ مرزا کا اعلان بابت وفات ثناء اللہ کیوں غلط ہو گیا۔اس کی کوئی صحیح توجیح چاہیے۔اسی لئے خلیفہ جی نے پریشانی کی حالت میں اپنے والد سے اس عقدہ کو

حل کرانا چاہا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ حل نہیں ہو سکا۔ (اہل حدیث ۲۶ مئی ۱۹۴۴ء ص ۴)

اعداد کا کھیل

مرزا صاحب کو حروف تہجی کے اعداد سے بہت دل چسپی تھی ۔ اور وہ الفاظ کے اعداد نکال کر بھی اپنے دعاوی کی صداقت کے ثبوت پیش کیا کرتے تھے ۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

مسیح ابن مریم کے آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیش گوئی موجود ہے ۔قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی ۱۴۰۰ برس تک مدت ٹھہرائی ہے، بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں ۔ اور آیت و انّا علی ذھاب به لقادرون (مومنون۔ ۱۸) جس کے بحساب جمل ۱۲۷۴ عدد ہیں اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عددوں میں بحساب جمل پائی جاتی ہے

(ازالہ اوہام ۔ ص ۶۷۵)

نیز فرماتے ہیں:

یہ عاجز دجال معہود کے خروج کے بعد آیا ہے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دجال معہود یہی پادریوں اور عیسائی متکلموں کا گروہ ہے جس نے زمین کو اپنے ساحرانہ کاموں سے تہ و بالا کر دیا ہے اور جو ٹھیک ٹھیک اس وقت سے زور کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور جو اعداد آیت انّا علی ذھاب به لقادرون سے سمجھا جاتا ہے یعنی ۱۸۵۷ء کا زمانہ۔ تو ساتھ ہی اس عاجز کا مسیح موعود ہونا بھی ثابت ہو جائے گا ۔ اور ہم پہلے بھی تحریر کر آئے ہیں کہ عیسائی واعظوں کا گروہ بلا شبہ دجال معہود ہے ۔ (ازالہ اوہام ۔ ص ۷۲۲)

مزید لکھتے ہیں:

آیت انا علی ذھاب به لقادرون میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپید

ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں اور ۱۲۷۴ھ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ء ہوتا ہے۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھا لیا جائے گا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہوگئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا اور انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی کا باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعاً جائز نہ تھا۔ ...اس حکیم و علیم کا قرآن میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام، آسمان پر اٹھایا جائے گا، یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ پر یہ الزام لگانا کہ ایسے جہاد اور ایسی لڑائیاں اس کے حکم سے کی تھیں یہ دوسرا گناہ ہے۔ (ازالہ اوہام۔ حاشیہ ص ۷۲۴۔۷۲۶)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

. ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۸۵ پر آپ (مرزا) نے لکھا ہے کہ مجھے کشفی طور پر غلام احمد قادیانی کے الفاظ پر توجہ دلائی گئی جس کے عدد پورے تیرہ سو ہیں جس سے معلوم ہوا کہ الآیات بعد المائتین سے یہی عاجز مراد ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔

(قاضی صاحب کہتے ہیں)

یہ تاریخ گویا مسیح موعود ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے جو مرزا صاحب نے ایسے پرزور الفاظ میں پیش کر دیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ، غلام احمد قادیانی، ایسے الفاظ ہیں، جو مدح یا ذم کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے، جو اپنے مسمّی کے صدق یا کذب پر ذرا بھی شہادت نہیں دیتے۔

اگر اعداد بھی حجت بن سکتے ہیں اور تاریخ بھی دلیل و ثبوت کا رتبہ پا سکتی ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے اس کشف سے راقم کا کشف بدرجہا صاف و برتر ہے۔

جب مرزا صاحب نے دہلی جا کر شیخنا وشیخ الکل سے درخواست بحث ومناظرہ کی اور طرفین کے مطبوعہ اشتہارات پٹیالہ پہنچے، تو میرے دل میں آیا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے فوراً میرے دل میں ڈالا گیا

. مولوی سید نذیر حسین دہلوی .

میں نے جب اعداد شمار کئے تو پورے ۱۳۰۹ ہوئے جو ہجری کیلنڈر میں سنہ مناظرہ تھا۔

ظاہر ہے کہ مولوی اور سید ایسے دو لفظ ہیں جو اپنے مسمی کی شرافت ذاتی وعلمی اور اعزاز حسبی ونسبی پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی میں دعوی سے کہتا ہوں کہ آج دنیا میں . مولوی سید نذیر حسین دہلوی . شیخنا وشیخ الکل کے سوا، جن سے مرزا صاحب مناظرہ کرنے کے شوق میں دہلی پہنچے تھے، اور کسی کا نام نہیں۔

برادر عزیز قاضی عبدالرحمٰن کے دل میں ایسا ہی خیال کرنے پر یہ الفاظ ڈالے گئے

. سید محمد نذیر حسین دہلوی .

اس کے اعداد بھی پورے ۱۳۰۹ھ ہیں و ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء۔

ایک دفعہ پھر اسی عزیز کے دل میں یہ الفاظ ڈالے گئے

. غلام احمد قادیانی مسیح موعود ہرگز نہیں۔

اعداد شمار کرنے پر پورے ۱۸۹۱ء نکلے جو مرزا صاحب کا سن دعوی (مسیحیت) ہے۔

(تائید الاسلام۔ ص۱۲۴۔۱۲۵)

 منشی سعد اللہ لدھیانوی لکھتے ہیں:

مرزا غلام قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۸۵ پر ایک عجیب لطیفہ لکھا ہے:

مجھے کشفی طور پر مندرجہ ذیل اعداد کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھو یہی مسیح ہے جو تیرہویں صدی کے پورا ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی۔ اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی۔ اس نام کے عدد پورے ۱۳۰۰ ہیں۔

افسوس ہے کہ قادیانی کو یہ کشف بھی کیسا مہمل ہوا جس سے کچھ بھی ظاہر نہ ہوا کہ غلام احمد قادیانی ہے کیا؟ (یعنی اس سے مسیح یا مہدی یا بروزی نبی ہونا کہاں نکلا؟)۔

بغیر ذرا سی توجہ کے یوں جملہ پورا ہوتا ہے۔ یعنی، غلام قادیانی دجال ہے۔

مرزا اب غلام احمد تو رہا نہیں، جن معنوں میں ماں باپ نے اس کا نام رکھا تھا۔

کیونکہ جب اس نے خود ہی آقا بننا چاہا جس کا یہ غلام تھا تو آقا نے خود اسے مردود بارگاہ کر دیا۔ تو اب غلام محض رہ گیا، یعنی اپنے نفس کا غلام۔ اس لئے، غلام قادیانی دجال ہے، بہت صحیح حسب حال مادہ تاریخ حاصل ہوگیا جس کا مضمون علمائے اسلام نے تصدیق کر دیا اور اب آخر مرزا نے بھی اپنے آپ کو رسول اور نبی ٹھہرا کر حسب منشائے حدیث خاتم النبیین ﷺ خود ہی دجال ہونے کا اقرار کرلیا۔ فنعم الوفاق۔

اور یہ ایسا جملہ ہے کہ اس زمانے میں بجز مرزا قادیانی کے کسی پر صادق نہیں آ سکتا

(شحنہ ہند۔ضمیمہ۔۲۴۔اپریل ۱۹۰۳ء۔ص ۸)

☆ مولانا ثناء اللہ امرتسری، **بہاء اللہ اور قادیانی** کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

ایک شخص بہاء اللہ ایران میں ہوا جس کا دعوی تھا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اس نے اپنی دعوت بڑی بلند آنگی سے ملک میں پہنچائی۔ آخر میں اس کا دعوی یہاں تک ترقی کر گیا کہ میں نبی ہوں میری کتاب قرآن کی ناسخ ہے۔ ایرانی حکومت نے ہر چند اس کی دعوت کو دبایا مگر وہ پھیلتی گئی آخر کار وہ عکہ میں قید کی حالت میں مر گیا۔

ادھر پنجاب میں مرزا قادیانی نے مسیحیت موعودہ کا دعوی کیا تو بہاء اللہ کے مریدوں نے مرزا کی رفتار کا اندازہ کر کے کہنا شروع کیا کہ ان کی تقریر و تحریر ہمارے ایرانی مسیح کی نقل ہے۔ یعنی جو کچھ ایرانی نے دعوی کیا تھا قادیانی نے اس کی کاپی کی ہے۔ اس پر عرصہ تک ان دونوں پارٹیوں میں چلتی رہی۔ آج کے مضمون کا رخ ایک خاص طرف ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب نے چند اصول لکھے ہیں جن سے نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ بہاء اللہ سچا تھا اور مرزا صاحب جھوٹے۔ یہ ایک مقابلہ کی گفتگو ہے ورنہ ہمارے نزدیک چونکہ مرزائی پیش کردہ اصول ہی صحیح نہیں اس کا نتیجہ کہاں صحیح ہوسکتا ہے؟ مرزائی اصول ہے کہ سچا مدعی سابقہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر ظاہر ہوتا ہے اور جھوٹے اس کے بعد ہوتے رہتے ہیں لیکن سچا سب سے پہلا ہوتا ہے۔

(مولانا امرتسری فرماتے ہیں کہ) مندرجہ ذیل مضمون میں مرزا صاحب کی تحریروں سے اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تم دونوں (قادیانی اور بہاء اللہ) میں سے ایرانی سچا ثابت ہوتا ہے مگر ہمارے نزدیک دونوں ان تیس میں سے

ہیں جن کی بابت حدیث میں پیش گوئی آئی۔ اللّٰہ اعلم ۔ اب مضمون پڑھیں اور نامہ نگار کی محنت کی داد دیں۔

محترم محمد حسین صابری، ہفت روزہ اہل حدیث مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۱۱ میں ایک لاجواب مطالبہ کا بدیں الفاظ ذکر فرماتے ہیں کہ

آخر میں خلیفہ (قادیان) صاحب کے مبایعین سے یہ پوچھنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ شیخ بہاء اللہ عرب وشام میں عرصہ سے مسیح موعود ہونے کے مدعی تھے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بعد مرزا صاحب نے دعوی کر دیا۔ پھر ۱۸۹۲ء میں شیخ بہاء اللہ فوت ہو گئے اور مرزا صاحب کئی سال زندہ رہے۔ تو اب ان کے مقابلہ میں مرزا صاحب کو مسیلمہ سمجھنے میں کون سی وجہ مانع ہے؟ ذرہ سوچ سمجھ کر اور خلیفہ صاحب سے پوچھ کر بتائیے۔

چونکہ اس سوال کا جواب مرزائی جماعت خصوصاً میاں محمود احمد سے طلب کیا گیا ہے لہذا ہم جواب دیتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں گے کہ جواب حتی الامکان مرزائی لٹریچر یا مرزا محمود صاحب کے الفاظ میں ہو۔

مگر قبل اس کے کہ ہم مذکورہ بالا سوال کا جواب دیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بالفاظ مرزا قادیانی اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچائیں کہ شیخ بہاء اللہ کے مقابلہ پر واقعی مرزا صاحب مسیلمہ تھے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اسی مضمون کی دوسری شق میں ہم قادیانی نبوت کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ و باللہ التوفیق۔

اس سوال کے جواب کے لئے کہ واقعی مدعی قادیان، بہائے ایران کے مقابلہ میں مسیلمہ تھے، اولاً ہم مرزا صاحب کی کتاب چشمہ معرفت کا حاشیہ پیش کرتے ہیں جس میں آپ نے صادق ملہموں کی پہچان کے معیار لکھتے ہوئے فرمایا کہ سچا مدعی اپنی بعثت کے وقت جو اس کے لئے سابق انبیاء کی کتب نے مقرر فرمایا ہے سب سے پہلے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منجملہ ان لوازم خاصہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں اس کا ظہور (یعنی سچے مدعی کا ظہور) سب مدعیوں سے پہلے ہوتا ہے۔ (چشمہ معرفت۔ص ۳۰۱)

اب میں دکھاتا ہوں کہ ظہور مسیح موعود کا کون سا زمانہ ہے کیونکہ جب تک یہ معلوم

نہ ہو، ہر ایک مدعی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ میں نبیوں کے مقرر کردہ وقت میں ظاہر ہوا ہوں لہذا میں صادق ہوں، اور اب کسی مدعی کو قدم رکھنے کی گنجائش نہیں، جیسا کہ خود مرزا صاحب کہتے ہیں:

میری سچائی پر ایک یہ دلیل ہے کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار میں ظاہر ہوا ہوں اور اگر اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی۔ (ریویو آف ریلی جنز۔ ج ۳ نمبر ۱۱ ص ۳۶۸)

پھر تحفہ گولڑویہ میں لکھتے ہیں۔

کسی مدعی کو قدم رکھنے کی گنجائش نہیں کیونکہ مسیح موعود کے ظہور اور پیدائش کا وقت گذر گیا (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۹۵)

لہذا ضروری معلوم ہوتا کہ زمانہ ظہور موعود کی وہ تعیین بیان کردی جائے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کہتے ہیں:

نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا۔ (ریویو مذکور۔ ص ۳۶۸)

دوسری جگہ ساتویں ہزار کے سر کی تعیین بدیں الفاظ کرتے ہیں: الف ششم یعنی چھٹا ہزار ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء ختم ہوا تھا۔ (الحکم ۶ جنوری ۱۹۰۸ء ص ۶ کالم ۳)

ریویو کی عبارت محولہ بالا سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود کی پیدائش ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء سے پہلے ضروری ہے۔ اور ۱۸۵۳ء میں مسیح کا دعوی ظاہر ہونا ضروریات حقہ سے ہے کیونکہ بقول مرزا صاحب ۱۸۵۳ء میں بعثت موعود کی پیش گوئی تمام نبیوں سے مرقوم ہے اور یہی وقت ظہور موعود کا ہے۔ اس کے بعد جو شخص دعوی کرے گا وہ سچا نہیں۔

اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ بقول مرزا صاحب، تمام نبیوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ ۱۸۵۳ء میں مسیح موعود کا دعوی موجود ہو، کیونکہ یہ اس کے ظہور کا وقت ہے۔ اور ٹھیک اسی وقت شیخ بہاء اللہ ظہور فرماتھے۔ چنانچہ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کے ص ۴ میں ایک احمدی گجراتی کے الفاظ ہمارے بیان کی یوں تصدیق کرتے ہیں کہ:

بہاء اللہ جس نے مسیح موعود ہونے کا دعوی ۱۲۶۹ھ میں کیا تھا وہ ۱۳۰۹ھ تک زندہ رہا۔ بلفظہ بقدر الحاجة۔

پس بقول مرزا صاحب، نبیوں کے ٹھیک مقررہ وقت پر شیخ بہاء اللہ ظاہر ہو گئے اور کسی موعود کا اپنے وقت پر ظاہر ہو جانا ہی اس کے صدق کی کافی دلیل ہے۔ مرزا کہتے ہیں:

چونکہ میں چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوا لہذا یہ میری صداقت کی دلیل ہے۔

حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ جناب مرزا لکھتے ہیں:

چھٹے ہزار میں پیدا ہوگا اور ۱۸۵۳ء یعنی ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا۔

یوں تو چھٹے ہزار میں آدھا جہان پیدا ہوا ہوگا۔ ایسی فضول پیدائش کس کام کی؟ پیدائش وہ اہم ہے جو ساتویں ہزار کے شروع سے اتنا عرصہ پہلے ہو کہ ۱۸۵۳ء میں اس انسان کی عمر پیغام الٰہی کی حامل ہو سکے اور مرزا میں یہ وصف موجود نہیں جیسا کہ ان کا بیان ہے:

میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار میں سے گیارہ برس رہتے تھے۔

(تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۵۴)

یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ ۱۸۵۳ء میں مرزا صاحب ۱۱ برس کے بچے تھے اور اس وقت موصوف کا کوئی دعوی نہیں تھا۔ مگر ان کا اپنا قول یہ ہے کہ ۱۸۵۳ء میں مدعی مسیحیت کا ظہور ضروری ہے کیونکہ جملہ انبیاء کا اسی پر اتفاق ہے۔

اس قدر بتا دینے کے بعد ہم چشمہ معرفت کے معیار کو لیتے ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں: منجملہ ان لوازم خاصہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں اس کا ظہور سب مدعیوں سے پہلے ہو۔ (چشمہ معرفت۔ حاشیہ ص ۳۰۱)

موعود زمانہ کی تعیین بالفاظ مرزا ہو چکی ہے کہ ۱۸۵۳ء ہے۔ ٹھیک اسی وقت میں شیخ بہاء اللہ کا دعوی مسیحیت موجود تھا پس بقول قادیانی، بہائے ایرانی سچا موعود ہوا کیونکہ اپنے وقت میں پہلا مدعی ہے اور مرزا صاحب بعد میں مدعی بنے۔ بعد میں مدعی بننے والوں کے حق میں آپ جو لکھتے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے:

منجملہ ان لوازم خاصہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں اس کا ظہار سب مدعیوں سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ جب مبعوث نہ تھے تب جھوٹے نبیوں کا نام ونشان نہ تھا اور جب ان کا نور زمین پر خوب روشن ہو گیا تب مسیلمہ کذاب، اسود عنسی وغیرہ جھوٹے نبی ظاہر ہوئے تا خدا دکھائے کہ وہ کس طرح سچے کی حمایت کرتا ہے۔

یہ ہم بتا چکے ہیں کہ ۱۸۵۳ء میں شیخ بہاء اللہ نے دعوی کیا۔ جب ان کا نور زمین پر خوب روشن ہو گیا یعنی ۱۸۹۱ء کا وقت آ گیا تب مثیل مسیلمہ وغیرھا جناب مرزا صاحب وغیرہ جھوٹے نبی ظاہر ہوئے تا خدا دکھاوے کہ وہ کس طرح سچے کی حمایت کرتا ہے۔

یہ ہے ثبوت شیخ بہاء اللہ کے مقابلے میں مرزا صاحب کے مسیلمہ ہونے کا جو اسی مسیلمہ کا مسلّمہ ہے۔

مرزا صاحب کا ایک الہام ہے: راز کھل گیا۔ (البشری۔ ج ۲ ص ۱۲۹)۔

سو الحمد للہ کہ اس راز کے کھلنے کا وقت آ لگا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جناب مرزا کا ایک الہام ہے: اے عبدالحکیم خدا تعالی تجھے ہر ایک ضرر سے بچاوے۔ (البشری۔ ج ۲ ص ۱۲۰)

مرتب البشری نے اس الہام پر نوٹ لکھا ہے کہ

عبدالحکیم حضرت مسیح موعود کا الہامی نام رکھا گیا ہے۔

جس کی تصدیق مکاشفات ص ۵۵ سے یوں ہوتی ہے

میرے دل میں ڈالا گیا کہ میرا نام عبدالحکیم رکھا گیا ہے۔

یہ ہے وہ الہامی نام جس میں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ عبدالحکیم اور مسیلمہ کے اعداد حسب ذیل ہیں۔

مسیلمہ۔ م ۴۰۔ س ۶۰۔ ی ۱۰۔ ل ۳۰۔ م ۴۰۔ ھ ۵۔ کل ۱۸۵

عبدالحکیم۔ ع ۷۰۔ ب ۲۔ د ۴۔ ا ۱۔ ل ۳۰۔ ح ۸۔ ک ۲۰۔ ی ۱۰۔ م ۴۰۔ کل ۱۸۵

یہ ہے وہ راز جو آج آ کر کھلا کہ جناب مرزا صاحب کا الہامی نام عبدالحکیم کیوں رکھا گیا؟ پھر مرزا صاحب کا الہام کنندہ اسے بے ثبوت ہی نہیں رہنے دیتا۔

اول تو ہم واقعات کی روشنی میں احمدی تحریرات سے بہائے ایران کا تقدم زمانی دکھا کر مرزا صاحب کو مسیلمہ ثابت کر چکے ہیں۔ پھر عبدالحکیم نام نے دوٹوک فیصلہ کر دیا اس سے اوپر کا الہام یوں ہے:

کاذب کا خدا دشمن ہے وہ اس کو جہنم میں لے جائے گا۔

اس الہام میں صریح طور پر بتایا گیا ہے کہ تو کاذب ہے، کیسا کاذب؟ عبدالحکیم کا نام راز میں بتا کر فیصلہ کر دیا کہ مسیلمہ کذاب۔ (ڈاکٹر محمد حسین۔ ایم ڈی۔ بٹالہ)

(اہل حدیث امرتسر ۱۵۔ اپریل ۱۹۲۷ء ص ۴۔۶)

قادیانی مباحثات

مرزا صاحب اور ان کے مریدوں سے ان کے مخالفین کے بے شمار مباحثے ہوئے ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر ہم سابق میں کر چکے ہیں، اب ہم ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد ۱۹۱۲ء تک ہونے والے چند تحریری و تقریری مباحثات (یا ان کی تجویزات) کا بیان کریں گے۔ ان مباحثوں سے دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ تحریک ختم نبوت کے زیر نظر دور میں رد قادیانیت کے محاذ پر کون کون لوگ سرگرم تھے۔ کن بزرگوں نے علمی میدان میں مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کا مقابلہ کیا ہے اور کہاں کہاں حق و باطل کے معرکے انجام پائے ہیں۔

جہلم میں دعوت مباحثہ

مرزا صاحب کا سفر جہلم تاریخ تحریک ختم نبوت میں یادگار سفر ہے ایک تو اس لئے کہ جہلم میں انہیں مناظرے کی دعوت دی گئی اور وہ خاموش رہے۔ دوسرے یہ کہ اس سفر کے واقعات کے بارے میں، خصوصاً تعداد زائرین اور نئے مریدوں کے بارے میں، جو انہوں نے دعوی کئے ان کی قلعی بیچ چوراہے کے کھول دی گئی۔ اس سلسلے میں پہلے دعوت مباحثہ کا خط اور پھر دوسرے معاملے سے متعلق جناب امام الدین لاہوری کی تحریر نقل کی جاتی ہے۔

دعوت مباحثہ سے متعلق خط یوں ہے:

از جہلم ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۰۳ء

بخدمت فیض درجت جناب مرزا صاحب مرزا غلام احمد قادیانی ... مزاج شریف۔

مسئلہ حیات مسیح وغیرہ متنازعہ فیھا میں جناب سے استفسار ضروری ہے۔ اگر آپ ازراہ عنائت مہربانی فرما کر موقع دیویں تو زہے سعادت۔ و الباقی عند التّلاقی

دستخط خاکپائے اہل اللہ کلیم اللہ از مچھیانہ ضلع گجرات، غلام احمد از دو کے ضلع گجرات، صاحبزادہ صاحب ماؤلی والی، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی

☆ یہ رقعہ ہم دست مولوی محمد دین شادیوالیہ بخدمت مرزا بھیجا گیا مگر مکتوب الیہ نے انکار و عذر کیا اور بلا جواب واپس دیا اور وقت دس بجے کا تھا، جب رقعہ واپس دیا۔

گواہ شد مولوی غلام محی الدین ساکن سڑک دھروالہ ضلع جہلم، مولوی محمد غالب ساکن پنڈیال ضلع جہلم

☆ مرزا صاحب نے روبرو ہمارے، گفتگو سے انکار کیا کہ ہم بحث نہیں کرتے۔

شیخ احمد فتح پوریہ ضلع گجرات۔ شیخ احمد ساکن عالم کہر ضلع گجرات۔ حافظ شاہ محمد از کابتہ ضلع گجرات۔ (ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۱۹۰۳ء۔ص ۱)

(یاد رہے کہ یہی وہ واقعہ ہے جس کی طرف اشارہ جناب مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے شہادت القرآن میں کیا ہے کہ انہوں نے جہلم میں مرزا صاحب کو دعوت مباحثہ دی لیکن وہ پہلو بچا گئے)۔

مباحثہ قلعہ صوبا سنگھ

۵ مارچ ۱۹۰۳ء کو مولوی شاہ محمد برادرزادہ مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ، قلعہ صوبا سنگھ تحصیل پسرور میں وارد ہوئے۔ چودھری پیر محمد زمین دار مرزائی نے کہا کہ اگر آپ ہمارے مولوی فضل کریم سے گفتگو کریں (تو مناسب رہے گا)۔ مولوی شاہ محمد نے کہا کہ مولوی فضل کریم موضع گھمن میں ہم سے شکست کھا چکا ہے اب وہ سامنے نہیں آئے گا، اگر آپ کے مجبور کرنے سے آ گیا تو عہدہ برآ نہ ہو سکے گا اور میری ۳ چیت کو موضع گجر چک میں تاریخ مباحثہ مرزائیوں سے مقرر ہے جہاں مولوی مبارک علی سیالکوٹی کو مقابلے کے لئے طلب کیا ہوا ہے۔ اس لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا تاہم آج کی رات یہاں ٹھہرتا ہوں آپ مولوی فضل کریم کو لے آئیں۔

پھر مرزائیوں کی مسجد میں یوں مناظرہ ہوا کہ مولوی شاہ محمد صحن میں بیٹھے اور فضل کریم سامنے آنے سے گریزاں تھے اس لئے مسجد کے اندر رہے۔ بڑی مشکل سے انہیں باہر نکال کر روبرو کیا گیا۔ شرائط کی بات پیش ہوئی تو مولوی فضل کریم نے کہا کہ حیات و ممات مسیح پر گفتگو ہوگی

اور میں تمام دلائل بابت ممات مسیح پہلے سناؤں گا۔ پھر مولوی شاہ محمد ان کی تردید کریں۔ مولوی شاہ محمد نے اس طریق پر اعتراض کیا تو فیصلہ ہوا کہ ایک ایک دلیل بیان ہوگی اور شاہ محمد تردید کریں گے

اس پر مولوی فضل کریم نے سورۃ مائدہ کی آیت واذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم أ أنت قلت للنّاس ..الخ.. بآواز بلند پڑھی اور فلما توفّیتنی کے معنی حدیث کما قال عبد الصّالح فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم سے مطابق کر کے حضرت مسیح کی وفات ثابت کی اور مشکوۃ سے یہ تمام حدیث باترجمہ پڑھی اور کہا کہ چونکہ قال کا لفظ ماضی ہے لہذا فلمّا توفّیتنی سے مطابق حدیث گذشتہ زمانہ میں موت مسیح ثابت ہوتی ہے۔

مولوی شاہ محمد نے کہا کہ فضل کریم نے جو ترجمہ کیا ہے غلط ہے، اس سے وفات مسیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سوال قیامت کو ہوگا۔

مولوی فضل کریم نے زور دیا کہ قال کا صیغہ ماضی ہے اور یہ سوال برزخ میں ہوا ہے اور پھر آیت قد خلت من قبلہ الرّسل پڑھی اور بیٹھ گئے۔

مولوی شاہ محمد نے کہا کہ اگر برزخ میں یہ سوال ہو چکا ہے تو مولوی فضل کریم کوئی شاہد پیش کریں؛ کسی امام کا قول، کسی صحابی کا قول، کسی مجتہد کا قول۔ یا میں شاہد پیش کرتا ہوں کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا۔ اور اس آیت اور حدیث سے ہرگز حضرت عیسی کی ممات ثابت نہیں ہوتی۔

مولوی فضل کریم اس امر کے جواب سے تہی دست نکلے۔ اور بلاوجہ شور کر کے میدان مناظرہ سے چلے گئے۔ اس کے بعد تین دن مولوی شاہ محمد قلعہ صوبا سنگھ میں مقیم رہ کر اپنے وعظ سے مسلمانوں کو محظوظ کرتے رہے۔ رسالہ دافع البلاء بھی ان کے پاس تھا، مرزا صاحب کے عقائد تمام لوگوں کو سنائے اور مولوی فضل کریم کو تین روز دعوت دیتے رہے کہ مقابلے پر آئیں، پولیس منگا لیں اور خرچ پولیس میں دونگا۔ اگر مولوی فضل کریم مقابلے پر نہیں آتے تو قادیان سے کسی شخص کو بلا لیں ۔مگر مرزائیوں کی طرف سے صدائے برنخواست۔

راقمان۔ نواب خان حصہ دار بالوکی؛ چودھری کرم الٰہی حصہ دار قلعہ صوبا سنگھ؛ نواب خان بقلم خود اہل حدیث سالن مالوکی متصل قلعہ صوبا سنگھ؛ چودھری غلام محمد نمبردار قلعہ صوبا سنگھ؛ حافظ غضنفر علی حنفی امام مسجد۔ (شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء نمبر ۱۸ جلد ۲۱۔۲۳)

بہائی قادیانی مناظرے کی تجویز

شحنہ ہند میرٹھ میں بتایا گیا ہے کہ پیسہ اخبار (لاہور) لکھتا ہے:

اگر چہ حضرت عیسی روح اللہ علیہ السلام کے معتقدین اس وقت مہذب و غیر مہذب دنیا کے ہر حصہ میں کروڑوں روپیہ صرف کر کے اور ہزاروں جانوں کے نقصان سے دین عیسوی کے عقائد کی اشاعت کر رہے ہیں اور اپنے پاک مقصد تبلیغ کی پیروی میں لاکھوں مربع میل رقبہ اور کروڑوں نفوس آبادی یوروپین سلطنتوں کو دلا چکے ہیں۔ مگر مشرقی حصہ عالم میں حضرت ممدوح کو جو شہرت ایشائی شعرا نے دی ہے اور جس طرح آپ کے نام مبارک کو اپنی انشاء پردازی کا جزو لاینفک بنا لیا ہے اس کی مثال پادریوں راہبوں کی کوششوں میں نہیں ملتی۔ حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر رسول کریم ﷺ تک صدہا نبی ہوئے اور ان میں حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ صاحبان شریعت یا خاص ذریعہء شہرت بھی گذرے مگر السنہ شرقیہ میں کسی کا نام اتنا کثیر الاستعمال نظر نہیں آتا۔۔اردو فارسی عربی میں نظم کے ٹکڑے ایسے بمشکل ملیں گے جن میں حضرت ممدوح کا اسم گرامی کسی نہ کسی طرح وارد نہ ہوا ہو اور آپ کے اعجازِ جاندہی کی طرف اشارہ نہ کیا گیا ہو۔ لوگ مسیحا، مسیح، عیسی روح اللہ، اعجاز عیسوی، دم عیسی، شفائے مسیحا وغیرہ الفاظ سے اس قدر گوش آشنا ہیں اور حضرت موصوف کو اتنا مظہر قدرت الٰہی و مصدر فیوض غیر متناہی جانتے اور لایق توقیر و احترام مانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خود کو آپ کے نام سے نسبت دیتا ہے تو اس کی ذات میں بھی ایک نوع کی دلچسپی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ بخیال تعظیم و تکریم اور کچھ بغرض تحقیر و تذلیل اس کے درپئے رہتے ہیں۔ جس سے بمصداق شعر

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام   بدنام بھی گر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آج کل اسی مسیحی نسبت سے مدّ نظر خلائق بنے ہوئے ہیں۔ اور تقریباً ملک کے ہر حصہ میں کسی نہ کسی خیال سے یاد کیئے جاتے ہیں، لفظ مسیح کا اسلامی لٹریچر پر اتنا اثر ہے کہ گو آپ نے ایک ساتھ مسیح معہود ومہدی موعود ہونے کا دعوی کیا ہے۔ اور خود کو مہدی اصلی ہونے کے ساتھ مسیح کا صرف مثیل قرار دیا ہے مگر لوگ آپ کے القائے مہدیت پر اتنی توجہ نہیں کرتے جتنی مسیحیت پر کر رہے ہیں۔ دراں حالیکہ علماء کے نزدیک مہدی آخر الزمان کی فضیلت مسیح موعود پر ثابت ہے جو لوگ حروف مقطعات میں عجیب عجیب معنی پیدا کرتے ہیں اور لفظوں کی تاثیروں کے قائل ہیں، انہیں شائد اس کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہ ہوگا کہ حضرت عیسی کے دم معجز نما کی کچھ تاثیر اس لفظ میں بھی آ گئی ہے اور اس نے کم از کم اردو فارسی عربی لٹریچر میں حیات جاوید پائی ہے کیونکہ ایران میں جو فرقہ بابیہ..ہے اس نے اپنے بانی مدعی مہدویت محمد علی عرف باب کے زمانہ میں اتنی ترقی نہیں کی جتنی ان کے جانشین بہاء اللہ کے عہد میں اسے نصیب ہوئی۔ شاہ بہاء اللہ بھی مسیحیت کے مدعی تھے اور اپنی فصاحت و بلاغت سے مردہ دلوں کو زندہ کرتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا

اعجاز جان دہی ہے ہمارے کلام کو زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

سننے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے سنگدل ان کی تقریر کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ اور ہر مجلس میں سینکڑوں آدمی یک لخت ان کے مسیح ولقائے رب ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ انہوں نے مسیح کی نسبت سے فرقہ بابیہ میں جان ڈال دی اور لوگوں کو ایسا قوی الاعتقاد بنایا کہ سلطنت کی مخالفت اور کشت وخون کے باوجود وہ اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ اور اسے دین حق کہتے رہے حتی کہ اس وقت ایران۔ ترکستان۔ ایشائے کوچک اور روس وغیرہ میں بلاد عالم میں کئی لاکھ بابی موجود ہیں۔ ان لوگوں نے ہر قسم کے شدائد و عتاب کا مقابلہ بڑی مردانگی سے کیا۔ اور ہر موقع پر ثابت قدمی کا سخت سے سخت امتحان رہا۔ اس لئے اگر وہ اپنے مقتداء شاہ بہاء اللہ کو سچا مسیح کہیں اور کسی ایسے شخص کا دعوی اس کے مقابلہ جھوٹا سمجھیں جس نے یہ کرشمے نہ دکھائے ہوں تو کسی قدر حق بجانب کہے جاسکتے ہیں۔ فرقہ بابیہ کے لاکھوں مرید زبان حال سے بآواز بلند جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا　　　کہ جادوگر سے اعجاز مسیحا ہو نہیں سکتا

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب اور ان کے مریدان با اختصاص کو آزمائش کے وہ صعب و خطرناک موقع بھی پیش نہیں آئے جو باب والوں کو آ چکے ہیں اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اِدھر وہ بات نہیں جو ان کے ہاں سنی جاتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ انہیں جناب مرزا صاحب کے دعاوی کی صداقت میں کلام ہو۔ حسن اتفاق سے جیسا کہ پیسہ اخبار میں پہلے لکھا جا چکا ہے ان دنوں لاہور میں ایک صاحب حکیم مرزا محمود نامی ایرانی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جو فرقہ بابیہ کے ایک مقتدر عالم اور مشنری ہیں۔ آپ نے اسی غرض سے سفر دور دراز کی صعوبت اور صرف گوارا کیا ہے کہ ہندوستان میں اپنے عقائد کو رواج دیں۔ قبل ازیں وہ جملہ ادیان کے پیروؤں کو بحث کا صلائے عام بھی دے چکے ہیں۔ اور چونکہ آج کل جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مسیحیت و مہدویت بھی اتفاقاً یہاں رونق افروز ہوئے ہیں، اسلئے لوگوں کو ایرانی مدعی مسیحیت اور ہندوستانی مدعی مسیحیت میں حق و باطل کا فیصلہ کرنے کا اچھا موقع ہے۔ حکیم مرزا محمود ایرانی نے خود پہل کی ہے اور اپنی یہ خواہش بذریعہ اخبار ظاہر کرنے پر زور دیا ہے کہ وہ جناب مرزا غلام احمد قادیانی سے ان کے ادعائے مسیحیت و مہدویت میں بحث کرنے کو آمادہ ہیں۔ حکیم صاحب موصوف چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد اپنی قیام گاہ یا کسی دوسرے مکان یا مسجد وغیرہ میں ایک مجلس عام منعقد فرماویں اور اس میں اپنے مریدوں کے علاوہ عام لوگوں کو شرکت کی اجازت دیں تو میں ان کے اعتراضات کا جواب دوں گا اور (فرقہ بابیہ کے بہاء اللہ کے دعاوی کی نسبت) ان کے شبہات رفع کر دونگا۔ یہ نہیں تو ایک ایسی مجلس خاص مقرر کریں جس میں طرفین کے علاوہ چند غیر اصحاب بھی بطور حکم بلائیں جائیں اور جانبین کے دلائل سنیں۔

یہ درخواست سراسر معقول ہے، اس لئے میں اپنی رائے پیسہ اخبار میں درج کر کے متوقع ہوں کہ مرزا صاحب بھی اسے منظور فرمائیں گے اور خواہ دفتر اخبار ہذا کی معرفت یا براہ راست حکیم مرزا محمود صاحب سے گفتگو کا وقت مقرر کرلیں گے۔

(شحنہ ہند ۸ ستمبر ۱۹۰۴ء ص ۲۱-۳- بحوالہ پیسہ اخبار لاہور)

اس کے جواب میں مرزا صاحب کہتے ہیں:

آج پر چہ پیسہ اخبار ۲۷۔ اگست ۱۹۰۴ء کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ حکیم مرزا محمود نام ایرانی لاہور میں فروکش ہیں، وہ بھی ایک مسیحیت کے مدعی کے حامی ہیں، دعوی کرتے ہیں سو رمجھ سے مقابلہ کے خواہش مند ہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس قدر شدت کم فرصتی ہے کہ میں ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ کل ہفتہ کے روز جلسہ کا دن ہے جس میں میری مصروفیت ہوگی۔ اور اتوار کے دن علی الصباح مجھے گورداسپور میں ایک مقدمہ کے لئے جانا، جو عدالت میں دائر ہے، ضروری ہے۔ میں قریباً بارہ دن سے لاہور میں مقیم ہوں۔ اس مدت میں کسی نے مجھ سے ایسی درخواست نہیں۔ اب جب کہ میں جانے کو تیار ہوں اور ایک منٹ بھی مجھے کسی اور کام کے لئے فرصت نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بے وقت کی درخواست سے کیا مطلب اور کیا غرض ہے۔ (لیکچر لاہور۔ ٹائٹل کا اندرونی صفحہ)

یہ فرار کی ایک مثال ہے۔ مان لیا کہ بروز تحریر، یا بروز جلسہ ان کے پاس فرصت نہیں تھی، وہ دو، چار، دس روز بعد کا وقت دے سکتے تھے۔ لاہور نہیں تو قادیان یا کسی اور مقام پر انہیں بلا سکتے تھے۔ یا اپنے آئندہ دورہ لاہور تک گفتگو کو مؤخر کر سکتے تھے، کیونکہ ایرانی عالم نے وقت مناظرہ مقرر کیا تھا، نہ مقام۔ بلکہ مرزا صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ خود کوئی جلسہ یا نجی مجلس منعقد کر کے انہیں بحث کا موقع دیں۔

مباحثہ میرٹھ ۱۹۰۴ء

مولوی محمد احسن امروہی قادیانی، ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء کو میرٹھ گئے اور ۲۸۔ اگست کو انہوں نے ایک تقریر فرمائی جس میں وفات مسیح کا ذکر کیا، آیت استخلاف پر بحث کی؛ آیت سبعاً من المثانی پر بحث کی کہ قرآن قیامت تک لوٹ لوٹ کر نازل ہوتا رہے گا۔ اور فرمایا کہ میں میرٹھ اس لئے آیا ہوں کہ مرزا صاحب کے مامور من اللہ ہونے میں کسی کو شک ہو، تو رفع کروں۔

اس پر مولوی حکیم محمد میاں، خواجہ غلام الثقلین وکیل واڈیٹر عصر جدید اور احمد حسن

اڈیٹر شحنہ ہند ان کی مزاج پرسی کو بڑھے اور شرائط مناظرہ کی تنقیح ہونے لگی۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم قرآن کی رو سے عیسے کو مارتے ہو، تو پہلے قرآن کی رو سے ان کا آنا ثابت کرو۔ پھر قرآن ہی سے یہ ثابت کرو کہ وہ مسیح موعود مرزا جی ہیں۔ امروہی صاحب نے کہا کہ جس طرح تم خلفاء اربعہ کی خلافت ثابت کرو گے اسی طرح ہم مرزا صاحب کی خلافت ثابت کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا خلفاء اربعہ میں سے کسی نے نبوت اور مسیحیت کا دعوی نہیں کیا اس پر امروہی صاحب مبہوت ہو گئے۔

خواجہ غلام الثقلین نے کہا نبوت ختم ہو چکی۔

امروہی صاحب نے کہا لم یبق من النّبوّ ۃ الّا المبشّرا ت (حدیث)

خواجہ صاحب نے فرمایا رؤیا وغیرہ دوسروں کے لئے حجت نہیں۔

احمد حسن شوکت نے کہا کہ المبشر ات صفت ہے، اس کا موصوف بیان کرو۔

اس پر بھی امروہی صاحب غت ربود ہو گئے .....

پھر میزبان نے کہا کہ وقت تنگ ہو گیا ہے۔ حکیم محمد میاں نے کہا احقاق حق کے لئے اگر صبح بھی ہو جائے تو ہم حاضر ہیں۔ میزبان نے کہا مولوی محمد احسن امروہی ضعیف آدمی ہیں، ان کی آواز بیٹھ جائے گی۔ الغرض خدا خدا کر کے ان کی جان بچی اور مناظرہ کی شرطیں طے نہیں ہوئیں۔

دوسری شام کو پھر حکیم صاحب اور خواجہ صاحب نے مولوی محمد احسن امروہی سے ملاقات کی، مگر کوئی بات نہ بنی۔ مولوی احمد علی استاد مدرسہ اسلامیہ میرٹھ نے خط بھیجا کہ آپ (امروہی) جن شرائط پر رضامند ہوں، میں تحریری یا تقریری مناظرہ کے لئے حاضر ہوں۔ مگر امروہی صاحب نے صاف انکار کر دیا۔

الغرض جز خفت و ذلت کے امروہی صاحب کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ (رحیم الدین نامی ایک شخص جو مرزائی ہو چکا تھا امروہی صاحب کا عجز دیکھ کر ۳۰۔ اگست کو بعد نماز مغرب مولوی حاجی احمد علی کے ہاتھ پر تائب ہوا اور از سر نو مشرف باسلام ہوا)۔ (اڈیٹر۔ ضمیمہ شحنہ ہند ص ۷۔۸ یکم ستمبر ۱۹۰۴ء)

۲۹۔ اگست ۱۹۰۴ء کو مولوی حکیم محمد میاں اور خواجہ غلام الثقلین نے شرائط مناظرہ کی بحث میں امروہی صاحب کو کہا کہ جن شرائط پر آپ رضامند ہوں ہم ان کو بجا لائیں گے اور جس قدر روپیہ آپ فرمائیں ہم خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر امروہی صاحب منکر رہے۔

ذیل میں کھلی چٹھی از مولوی حاجی احمد علی استاد مدرسہ اسلامیہ میرٹھ درج ہے:

جناب مرزا غلام احمد بیگ قادیانی و مولوی حکیم نور الدین

جناب من! السّلام علی من اتّبع الھدی ۔مولوی محمد احسن امروہی میرٹھ میں تشریف لائے تو میں اور تمام مسلمانان میرٹھ بہت خوش ہوئے کہ اب احقاق حق اور ابطال باطل کا وقت آ گیا اور مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں ۲۸۔ اگست کو اعلان عام بھی دیا کہ اگر کسی صاحب کو مرزا صاحب کے دعووں میں کلام ہو تو آئیں اور بذریعہ مناظرہ کے اپنا ارمان نکالیں۔

خاکسار نے دوسرے روز مولوی صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ آپ جس طرح اور جن شرائط پر رضا مند ہوں میں احقاق حق کے لئے حاضر ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: عریضہ پر اپنی مہر ثبت کر کے بھیجو۔

میں نے مہر بھی ثبت کردی۔ مگر بالآخر یہی جواب ملا کہ مجھے مناظرہ کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ خاکسار نے سبقت نہ کی تھی۔ مولوی صاحب نے مقابلہ پر آنے سے غالباً سمجھ لیا ہوگا کہ چند روز پیشتر جو کیفیت ڈیرہ دون میں ہوئی، وہی میرٹھ میں بھی ہوگی جس سے ڈیرہ دون کے ہزاروں مسلمان خصوصاً مسلمانان افغانستان ہمراہیان و اراکین سردار محمد یعقوب خان سابق امیر کابل اچھی طرح واقف ہیں۔ پس وہ میرٹھ میں مناظرہ کرنے سے گریز نہ کرتے تو تعجب ہوتا۔

اب میں جناب والا کو اعلان دیتا ہوں کہ آپ بذاتِ خود یا مولوی نور الدین میرٹھ میں رونق افروز ہو کر حیات ممات مسیح پر یا جس معاملہ میں چاہیں خاکسار سے اتمام حجت کریں۔ اگر مجھے قائل کر دیں تو ۵۰۰ روپئہ لیں اور اگر خود قائل ہو جائیں تو ایک حبہ کا مطالبہ بھی میری جانب سے نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالی۔

امید ہے آپ میری کھلی چٹھی کے مطالبہ سے اعراض نہ فرمائیں گے کیونکہ آپ مدعی نبوت ہیں اور نبی کا یہ منصب اور فرض ہے کہ تحدی سے اغماض نہ کرے اور اپنا معجزہ یا آسمانی نشان خاص و عام کو دکھائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اخبار الحکم اور البدر میں مناظرہ کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر کے جواب باصواب مشتہر فرمائیں گے۔

خاکسار احمد علی پروفیسر مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ معروضہ ۶۔ ستمبر ۱۹۰۴ء

(ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ ص ۵۔۶۔۹ ستمبر ۱۹۰۴ء)

خط بابت دعاوی مرزا قادیانی

بخدمت جناب مولوی محمد احسن صاحب محدث امروہی۔ قادیانی

جناب مولانا صاحب تسلیم۔ اس عاجز نے ۲۸۔ اگست ۱۹۰۴ء کی شام کو نہایت شوق سے جناب کا وعظ سنا، بلحاظ عبور بر آیات قرآنی وطلاقت بیان وتسلسل تاویلات کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اس وعظ سے محظوظ یا جناب کی لیاقت کا قائل نہ ہوا ہوگا۔ مگر جو دلائل آپ نے مرزا صاحب قادیانی کو مسیح ثابت کرنے کیلئے پیش کیئے وہ مذہبی یا منطقی اصول سے لائق تشفی نہیں۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ چند وجوہ عرض کرتا ہوں۔

۱۔ آپ کا یہ دعوی کہ مرزا صاحب کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی وفات وحیات پر بحث ہو جائے، ایک غیر متعلق سی بات ہے کیونکہ اگر حضرت عیسیٰؑ کی حیات کو مان لیا جائے (اور قرآن شریف میں لکھا ہے کہ تمام شہداء زندہ ہیں) تو آپ کے لئے کچھ مضر نہیں اس لئے کہ مرزا صاحب، عیسیٰؑ بن مریمؑ ہونے کا دعوی نہیں کرتے، وہ تو کہتے ہیں کہ میں ان جیسا ایک شخص ہوں۔ مشبہ کے وجود کے لئے یہ لازم نہیں کہ مشبہ بہ معدوم ہو جائے۔

۲۔ نہ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ ماننا آپ کیلئے مضر ہے کیونکہ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان زندہ ہو اور دوسرا انسان اسی قسم کی صفتوں والا موجود ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ بھی مماثلت کاملہ اور تشبہ تامہ کے قائل ومدعی نہیں کیونکہ اس صورت میں آپ کو بنی اسرائیل اور مرزا کو ابن مریم ثابت کرنا پڑے گا اور یہ خود آپ مان لیں گے کہ محال ہے۔

۳۔ اگر حضرت عیسی کو مردہ مان لیا جائے جیسا کہ آپ کے دعوی سے پہلے سر سید احمد خان تہذیب الاخلاق میں لکھ چکے ہیں اور بعض قدیم معتزلہ کی بھی یہی رائے ہوئی ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ محض دعوی کرنے سے کہ میں عیسی ہوں، کوئی شخص عیسیٰؑ ہو جائے کیونکہ اصلی عیسیٰؑ تو فوت ہو گئے۔

اور تمثیلی عیسی جو کوئی آئے گا اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑے گا کہ میں تمثیلی یا موعود عیسی ہوں۔ ایک شخص کے مرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا جو اپنے آپ کو مثیل ظاہر کرے یا اپنے تئیں موعود بتائے وہ محض اس دعوی سے کامیاب ہو جائے۔ ظاہر ہے

کہ سکندر اعظم مر گیا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں سکندر اعظم یا سکندر ثانی ہوں تو صرف اس بات کا ظاہر کرنا کافی نہیں کہ پہلا سکندر مر چکا ہے۔

۴۔ پس ان وجوہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وفات عیسی یا حیات عیسی کی بابت خواہ کوئی رائے ہم رکھیں آپ کے عقیدہ پر اس کا اثر مطلق نہیں پڑ سکتا۔ اور اس مسئلہ پر بحث کرنا بالکل غیر متعلق ہوگی۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ بحث کی جاوے کہ مثلث کے دو اضلاع تیسرے سے بڑے ہوتے ہیں یا نہیں کیونکہ اس سے بھی آپ کے دعوی پر اثر نہیں پڑ سکتا اور اقلیدس کا ایک مسئلہ ذہن نشین ہو جاوے گا۔

۵۔ اب میں آپ کے دلائل کے متعلق جہاں تک مجھ کو یاد ہے مختصر عرض کروں گا۔

الف۔ حدیث میں آیا ہے کہ مہدی نہیں مگر عیسی۔

سو یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہے جو امام مہدی کے متعلق ہیں۔ علاوہ اس کے محققین نے اس کو موضوع لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ ملہم مسیح، ایک موضوع حدیث کی بنیاد پر اپنے تئیں علاوہ مسیح کے مہدی موعود بھی قرار دے۔

ب۔ آیت استخلاف سے مرزا صاحب کی مسیحیت ثابت ہے تو اس میں کہیں مہدیت یا مسیحیت کا ذکر نہیں، نہ مرزا صاحب کا، حسن بن صباح، مہدی سوڈانی، محمد علی باب، الحاکم بامراللہ۔ اور ہر مسلمان والی ملک اس آیت کو اپنے لئے پیش کر سکتا ہے۔ پھر اسی آیت میں یہ ہے کہ دین کو مضبوط اور خوف کو ان سے بدل دینے کے واسطے استخلاف ہوگا۔ اسلام کا خوف مرزا صاحب کی وجہ سے کم نہیں ہوا بلکہ امور باعث خوف جو آپ نے بتائے ہیں ان میں ایک معنی سے مسلمانوں کا عیسائی ہو جانا علماء کی کوشش سے مرزا صاحب کے دعووں سے قبل ہی جاتا رہا تھا۔ یا بہت کم ہو گیا تھا۔ آریا سماج ہو جانا، یہ خوف مرزا صاحب کے زمانہ میں اور ان کی تمکین کے بعد ہوا ہے لہذا ان کے دعوے سے اسلام میں تفرقہ اور خوف اور بھی بڑھ گیا ہے، زائل نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں آیت عام ہے اور تخصیص نہیں، اس لئے آپ کے لئے مفید نہیں۔

ج۔ تیسری دلیل یہ کہ مرزا صاحب چودھویں صدی ہجری میں آئے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ موسی سے چودہویں صدی میں آئے تھے۔ تشبیہ بالکل غلط ہے۔ موسی، عیسی دونوں صاحبان شریعت نبی اولوالعزم تھے۔ کیا آپ حضرت ﷺ کے مقابل

اپنے حضرت عیسی (مرزا) کو بھی صاحب کتاب نبی سمجھتے ہیں۔
علاوہ اس کے قرآن و حدیث میں کہیں چودہ سو برس کی کوئی شرط نہیں۔ اسلام کے انحطاط و بداخلاقی کے شیوع کو جو آپ نے فرمایا سوئی سو برس سے حالت خراب ہے، نئی بات نہیں جیسا کہ ماہران تاریخ جانتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ثابت نہیں کہ موسیٰ سے عیسیٰ ٹھیک چودہ سو برس بعد آئے۔ قیاس آپ کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ سے عیسیٰ تک ۲۸ نسلیں ہیں اور حضرت داؤدؑ سے ابراہیمؑ تک ۱۴۔ کل ۴۲ نسلیں اور بحساب اوسط عمر تہائی صدی فی نسل جیسا کہ عام انسانی دستور ہے، ۱۴ سو سال کی مدت ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ سے موسیٰ تک کم سے کم ۴۰۰ برس کا زمانہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ یہ دو نسلیں ہوئیں اور پھر تیس کی تعداد سے بڑھ کر ہزار ہا بنی اسرائیل مصر میں ہو گئے۔ اس حساب سے موسیٰ، عیسیٰ سے ایک ہزار برس قبل ہوئے۔ ایک ہزار کا قرن مانا جاوے تو اکبر بادشاہ کا دعوی کہ اب میں (اک ہزار سن ہجری میں) خلیفۃ اللہ ہوں، بموجب آیت استخلاف درست ہوگا۔ یہ حساب عقلی ہے۔
نقلی حساب یہ ہے کہ بموجب تاریخ یہود حضرت عیسی سے ۱۶۳۵ء سال قبل بموجب شمسی سال حضرت موسی پیدا ہوئے جو قمری حساب سے ۱۶۸۴ سال ہوتے ہیں۔ آپ اپنے مسیح کا آنا مثیل موسی سے ۱۴۰۰ سال بعد بتاتے ہیں (اگرچہ دراصل سترہ سو برس ہوئے) اس ۳۸۴ یا ۲۸۴ کا فرق کس طرح نکلا۔
د۔ آپ کی یہ دلیل کہ مجدد ہر صدی کے شروع میں آویگا۔ سو صدی سے مراد اگر بعد بعثت (نبوی ﷺ) مراد ہے اور یہ تسلسل ثبوت سے ہے تو اس کی ابتداء ۱۲۸۸ھ کے قریب ہوئی جب کہ تہذیب الاخلاق شائع ہوا۔ علاوہ ازیں مجدد کا درجہ ایک مسیح سے بہت کم ہے۔ عیسے بقول آپ کے موجودہ اور صرف ایک ہے اور مجدد سینکڑوں آئیں گے۔ دعوی خاص اور دلیل عام۔ اور ڈاکٹر ڈوئی وغیرہ کی نسبت بھی آسانی سے یہی پیش گوئی صادق آسکتی ہے۔ اگر اسلام کی شرط ہو تو صبح ازل بابیوں کا امام زندہ ہے اور سید بھی ہے اور مدعی مہدویت بھی ہے۔ اس کو کس واسطے مہدی نہ سمجھا جائے۔ اس سے بھی تخصیص نہیں ہوتی کیونکہ قاعدہ ہیئت کے موافق اس شرط کا دورہ بھی ہوا کرتا ہے۔
منور علی مینجر عصر جدید میرٹھ (شحنہ ہند میرٹھ، ضمیمہ ۹ و ۱۶ ستمبر ۱۹۰۴ء)

اوٹاوہ سے دعوت مباہلہ : ۱۹۰۴ء

سید محمد شاہ وارثی لکھتے ہیں:۔

مرزا صاحب پہلے تو مسیح تھے اب راجہ کرشن جی بھی ہیں۔... آپ اپنی کتاب میں علمائے دین اور فقرائے صالحین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ لوگ مجھ سے مباہلہ کریں۔ اگر آپ لوگ اپنے دعوی میں سچے ہوں گے تو خدا آپ کی مدد کرے گا۔ اور اگر میں سچا ہوں گا تو خدا میری مدد کرے گا.

میں مرزا صاحب کے لاطائل دعوی کے مقابلے کے لئے تیار اور بخوشی مباہلہ کے لئے مستعد ہوں۔

مرزا صاحب کو واضح ہو کہ میرا نام پہلے محمد شفیع تھا، اب محمد شاہ ہے۔ میں اپنے اللہ کے حضور سربسجود ہوا کہ اے مالک کون و مکان! اے قادر دو جہان! اے میرے پروردگار! اے میرے خدا! جو بات حق ہو مجھ پر عیاں کر دے۔

معبود برحق کی جناب سے جواباً میرے تیرہ و تاریک دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ تو مرزا صاحب سے مباہلہ کرنے کو ہمہ تن تیار ہو جا خدا تیری مدد کرے گا۔

یہ مبارک آواز ایسی تھی جس نے مجھے فوراً آمادہ کر دیا کہ میں مرزا صاحب کو مباہلہ کے لئے اطلاع دوں۔ چنانچہ وہی آواز آج میری قوت بازو بن کر لکھوا رہی ہے۔

میں یہ مباہلہ اس طرح کرنا چاہتا ہوں کہ پانچ من بارود کے ڈھیر پر ایک تخت چوبی اتنا بڑا بچھا دیا جائے جس پر میں اور مرزا صاحب دونوں بخوبی اور بآرام کھڑے ہوسکیں۔ اس کے بعد باجازت گورنمنٹ بارود میں دیا سلائی دکھلائی جائے۔

اگر میں حق پر ہوں تو خدا میری مدد کرے گا اور میں سوزش سے محفوظ رہوں گا اور اگر مرزا صاحب راہ حق پر ہیں تو خدا ان کی مدد کرے گا۔

میری اس قدر آرزو ہے کہ اس خدائی فیصلہ کے جلسہ میں ہر مذہب و ملت والے

شریک ہوں اور جس جگہ یہ مباہلہ ہو وہاں کے مجسٹریٹ صاحب بھی تشریف فرما ہوں۔

امید کہ مرزا صاحب بعد ملاحظہ مضمون ہذا بقید تاریخ دن وقت و مقام سے ناچیز کو مطلع فرمائیں گے۔ خاکسار بلا کسی حیلہ و حجت کے حاضر ہوگا۔

بالفرض اگر مرزا صاحب اس میں کوتاہی کریں تو ہر شخص اور ہر مذہب و ملت والے کو لازم ہے کہ وہ مرزا صاحب کو ایک اعلیٰ نمبر کا کاذب اور نجومی سمجھ کر اپنے آپ کو دام تزویر سے بچاویں۔

سید محمد شاہ۔ اوٹاوہ (شحنہ ہند ضمیمہ یکم دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۲۔۳)

امروہہ سے دعوت مباحثہ

مولانا احمد حسن امروہی لکھتے ہیں:

امروہہ میں اور خاص محلّہ دربار (کلاں) میں ایک مرض وبائی یہ پھیل رہا ہے کہ محمد احسن (امروہی) جو مرزا قادیانی کا خاص حواری ہے، اس نے حکیم آل محمد کو جو مولانا نانوتوی سے بیعت تھا، مرزا کا مرید بنا چھوڑا۔ اور سید بدر الحسن کو، جس نے مدرسہ میں مجھ ناکارہ سے بھی کچھ پڑھا ہے، مرزا کی طرف مائل کر دیا۔ ان دونوں کے بگڑنے سے محمد احسن کی بن پڑی۔ لن ترانیاں شروع کیں۔ طلبہ کے مقابلہ سے یوں عقب گزاری (کی) احمد حسن میرے مقابلہ پر آوے۔ میں جب مناظرہ پر آمادہ ہوا اور یہ پیغام دیا کہ حضرت! مرزا کو بلائیے، صرفِ راہ میرے ذمہ۔ یا مجھ کو لے چلئے۔ میں خود اپنے صرف کا متکفل ہوں۔ بسم اللہ آپ اور مرزا دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کر لیجئے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجئے، ان کی مغلوبی میری مغلوبی۔

تب مناظرہ کا دعوی چھوڑ، مباہلہ کا ارادہ کیا۔ بنام خدا میں اس پر آمادہ ہوا اور بے تکلف کہلا بھیجا۔

بسم اللہ مرزا آوے، مباہلہ مناظرہ، جو شق وہ اختیار کرے میں موجود ہوں۔ (میں نے) اس کے بعد جامع مسجد امروہہ میں ایک وعظ کہا اور اس پیغام کا بھی اعلان کر دیا اور مرزا کے خیالات کا پورا رد کیا۔ (تذکرہ مجاہدین تحریک ختم نبوت۔ ص ۱۲۷)

تردید قادیانیت میں شعراء کا منظوم کلام

محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کا عربی کلام

اردنا باللّسان جهاد دینا
لننصر دین ربّ العالمینا
نجاهد من یّخالفنا بدین
جدید فیه تبع الکافرینا
فصار مصدقاً نقل النّصاری
فایّد دینهم کفراً مّبیناً
فصدّق بالصّلیب لکلمت اللّٰه
وصار النّصر کفر المشرکینا
وقال بانّ مذهبه قریباً
لدین الکفر دون المؤمنیناً
فهذا الدّین دین القادیانی
غدا ضداً لدین المسلمینا
فنسأل ربّنا نصراً عزیزاً
لدین اللّٰه دین المرسلینا
فنحن ندین دین اللّٰه حقاً
ونبغض من یّحبّ الملحدینا

(غایت المرام ۔ قاضی سلیمان ۔طبع دارالعلم ممبئی ۲۰۰۶ء ۔ص ۱۵۹)

یادرہے کہ قاضی سلیمان منصور پوری کی کتاب غایۃ المرام، مرزا صاحب کی ازالہ اوہام کی اشاعت کے فوراً بعد منظر عام پر آ گئی تھی ۔ اس کتاب میں ان اشعار کے وجود سے معلوم ہوتا ہے کہ رد قادیانیت میں یہ منظوم کلام تحریک ختم نبوت کے بالکل ابتدائی دور کا ہے۔

قصیدہ از قاضی محمد سلیمان منصور پوری

ا۔ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں ایک فارسی قصیدہ لکھا ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے

جائے کہ از مسیح و نزولش سخن رود
گویم سخن اگرچہ ندارند باورم

اس قصیدہ کا جواب قاضی صاحب نے ذیل کے قصیدہ میں دیا۔

جائے کہ از مسیح و نزولش سخن رود
گوئم حدیث صدق کہ گیری بر و قرار
گفتند دشمنان حقیقت یہود ما
کردیم بر صلیبش و حق گشت آشکار
زیرا کہ گفتہ بود خداوند در کتاب
بر دار آن رود کہ بود لعنتی و خوار
گفتند منکراں صداقت سہ تن پرست
او خویش را نمود ز خود بر ہمہ نثار
تا عدل بے نیاز بجا ماند و درست
تا فضل کردگار نماید ہمہ عیار
گفتند سرکشاں کہ بمرد او از کرب و درد
کشتیم وہم صلیب بر آورد زدو بار
یک ہفتہ پاسبانی گورش نمودہ ایم
تا دزد نعش او نشود باز کامگار
گفتند پیروان کہ بیا سود تا سہ روز
در قبر ابن مریم و فرزند مرزگار
از خاک جست و روز سوم شد بر آسمان

دیدند دہ دوازدہ اش روئے پر بہار
چوں ایں خلاف صورت فتنہ فرا گرفت
ہر یک در اضطراب فتاد و در اضطرار
آن یک بہ عبد صبح خطاب مسیح کرد
ایں یک درا بہ پور خداداد و اشتہار
آن مدعی کہ فتنہء کذاب دور شد
چوں ریختیم خون لعینی بفرق دار
ایں مفتخر کہ گرد معاصی ہمہ بشست
آن فدیہ عباد علی رغم روزگار
حق خواست تا نزاع کند دور زین دو قوم
کز جہل گشتہ اند سراپا وقود نار
از بارگاہ خویش فرستاد یک رسول
بخ بخ رسول کش پدر و مادرم نثار
منشور خاص حضرت حق در یمین او
آیات باہرات خداوند در یسار
ہم صادق امین لقبش کردہ منکراں
ہم ذات او بچشم خلائق بزرگوار
آن کعبہ صفا و رسول پیمبراں
آن حجت خدا بسوئے خلق تا شمار
ایں ہر دو را بمجلس عالیء خویش خواند
فرمود چند زیں سخن زشت و ناگوار
ہر لحظہ بر زبان شما حرف ہا رود
ہر صبح ایں گمان بدل و سر کند قرار
دانید ائے یہود کہ فرمان کبریا ست
عیسی است ہمچو آدم خاکی در اعتبار

ما برکشیدہ ایم چو از ماء و طین بشر
از بے پدر مسیح دگر چیست اغترار
آن مادرش کہ محصنہ و پاک فطرت ست
در عصمتش کلام میارید زینہار
البتہ از سعادت و رحمت برید بہر
نسبت باو کنید اگر اینک استوار
ہان اے مسیحیان غلط فہم مر شما
دانید آفریدہ بود آفرید گار ؟
بشگافد آسمان و بترقد دگر زمین
ہم پارہ پارہ گشتہ بیفتند کوہسار
گوید اگر کسے کہ خدا را پسر بود
اے قوم ناشناس ازیں شرک ہوشیار
ہرگز نمیرسد بمسیح و بمادرش
کز بندگیء خالق برتر کنند عار
ہان اے یہود معتقد مر شما بود
کان بر صلیب کردہ شد بے وقار و خوار ؟
ہان اے مسیحان اسیر ہوائے دل
گوئید مر شما کہ راست او نثار
گوئید مر شما بجہنم خزید او
تا بر شما ز آتش دوزخ کشد حصار
آوخ چہ کذبہا کہ شما ہر دو بستہ آید
بے ترس ہول پرشش و بے خوف درد نار
اکنوں مرا رسید چنیں حکم کبریا
ایں ہر دو قوم راز چہ جہل و ظن برآر

ہنگام زہق باطل و ظلمت فرارسید
وقت طلوع نور یقین است بہر وار
دانید ہر دو قوم کہ آن برگزیدہ را
ازقتل و صلب داشت خدا پاک و برکنار
دانید ہر دو قوم کہ حق آن رسول را
بے مرگ بر کشید سوئے خویش در جوار
من گفتم آنچہ گفت مراد وحی ذوالجلال
بدبخت آنکہ گفتن من سازدش فگار
البتہ تا بگفتہ من سر نہد جہان
آیندہ واقعات نمایم بآشکار
شک نیست شہر قسطنطنیہ نصاری ز اہل شرک
گیرند پیروان من از فتح کارزار
تاقرب حشر دولت شان را گزند نیست
ایں نخل را ہمیشہ بود برگ و زہر و بار
باز آنچنان بود کہ بریں شہر دشمنان
یا بند دست و باشد ازان قوم شہریار
زینان یکے سپاہ بہ اعماق رو نہد
یا بر زمین وابق و او را کشد حصار
آید برون ز طیبہ سپاہے ز مسلمین
از ہیبت و جلال جہان کردہ تار و مار
آن فوج را سپاہ ہدے باشد آنکہ ہست
نامش محمد و لقبش مہدی کبار
کوشند سخت و خون عزیزاں رود بخاک
جائے نہ تا سہ روز سلامت برد سوار

چون روز چار مین جہان نور گسترد
ہم ظلمت سپاہ عدو خواند الفرار
شش سال چون بریں بسر آید موحدان
گیرند شہر قسطنطنیہ بہ گیر و دار
تہلیل شان و نعرہ تکبیر شان کند
آئینہ حال معنی قد دمرّ الدّیار
آرے ہمیں سپاہ مظفر بود کہ او
بر شہر باز نصب کند رایتِ وقار
بر فتح و جنگ چون بسر آیند ہفت ماہ
دجال در جہان فگند فتنہ و شرار
این لشکر مظفر و منصور مسلمین
آید بسوئے شام ہمہ برق شعلہ بار
آنکہ کند نزول نبی خدا بہ مسیح
بر چہرہ قطرہ ہائے عرق درّ شاہوار
زین ہر دو قوم کس نبود آنکہ از یقین
ایمان بر دنیا رود بر قول استوار
اے حسرت این گروہ تہدست پر فنون
اے حسرت این گروہ عزیزان روزگار
این علم پاک را بہ پشیزے نمے خرند (۱)
کردند از فراست خود ہیچ اعتبار
من روز و شب بحیرت و فکرم ازیں گروہ
یا للعجب چہ شان خدائی ست آشکار
ہم مدعی عشق محمد شدند و ہم
از مہر علم وے بگریزند سایہ دار

گویند جان و دل برود در سر طبیب
با گفتہ حبیب ندارند ہیچ کار
دعوی گوہری ست و لے از سبک سری
بالائے بحر تیرہ و تارند چون بخار
اظہار نوش نخل نمایند در سخن
اما زبان کلک ہمہ تیز نیش خار
لختے اگر بہ خویش کشایند باب دل
زین گفتہا ہمہ خجل آیند و شرمسار
عیسی کجا و یک نفر از عامیان کجا (۲)
از قطرہ چکیدہ مجو جوش آبشار
آن تخم را کہ ریشہ نرست ست در زمین
نسبت درست نیست نخل پر از نا بہار
آن ذرہ را کہ ماند ہنوز ست زیر سنگ
چشمک زند بہ مہر جہاں‌تاب ظن مدار
آن قطرہ را کہ در دہن افعی است جا
دور است صدف کہ کند در شاہوار
با رنگ ہم چو گندم و با موئے راست راست (۳)
دشوار نیست بودن عیسی بر ایں دیار
از بر گریز تازگی بوستان مجو
ہر چند پائے نخل نہد نام او بہار
آن کودکے کہ کردہ سواری نے درست
نتواند این کہ راہ برد پہلوئے سوار
ہدی نکوست ہدی محمد نہ غیر او
گمراہ آنکہ ست دگر راہ تنگ و تار

ما را کہ زیرِ ظلّ محمد غنودہ ایم
با نوح قادیانی و باکشتیش چہ کار (۴)
گلزار را بگو کہ بیاندیشد از خزان
مائیم نخل جنت و مستغنی از بہار
از آفتاب صدق منور حریم ماست
گو مشعل و ستارہ شود گم ازیں دیار
کاساتِ وصل گر نہ کشد کس ز مصطفیٰ
آن کیف تلخ سکر ہمے بخشد و خمار
آن راہ تنک کش نہ سپرد ست رہنما
شد راہ غول بادیہ و اژدہائے غار
صد شکر آن کہ چشم بہ شپر ہمے دہد
خورشید ما کہ تافتہ از عرش کردگار
اے آنکہ بوئے بادہ ذوق است در سرت
حسن ارادت آرد سر از خاک برمیار
خمخانہ ازل کہ صبوحی کشان عشق
سرشار زو شدند ہمیں جارہ سپار
محروم رشحہ نیست ازیں خمستان کسے
بارے کشا زبان طلب چشم انتظار
چون کرم پیلہ ایں ہمہ اخبار صادقہ
بر خویشتن تنیدن بیہودہ درگذار
اے آنکہ چشم دوختہ نور ایمنی
خوش دل مشو بتابش ہر کرمک و شرار
مردانہ خیز و در کف ہمت عصا بگیر
تکبیر فتح خوان بسرو وادی و قفار

بگزر ز شوخ چشمی و تکذیب مرسلان
زین شیوہء یہود بکن ترک اختیار
اے آنکہ دل بسینہ و مغز ست در سرت
دانی دو نقطہ را نبود جز یکے قطار ؟
اینجا بیا و شاہرہ مصطفیٰ نگر
گام طلب براہ حبیب خدا گزار
آنسو مرو کہ نور نہفتہ است از جہان (۵)
این سو بیا کہ طور تجلی است کوہسار
لا الفین خوان کہ رسول کریم ما
اخبار زین گروہ نمود ست بار بار
اشعار من کہ ماء معین است در مذاق
در بوستان و کشت کند کار نو بہار
و آنجا کہ نیست از اثر او نتیجہء
لا تنبت الکلائے درست ست شورہ زار
ما کیستیم تا سخن ما فتد قبول
آنجا کہ شاعریست رسول بزرگوار
گویند استعارہ نمو دست این رسول
گویند این مجاز بگف ست کردگار
اے دشمن حقیقت والے واے مجاز
زین استعارہ بگذرد از عقل مستعار
آن چشمہ را کہ موسی و خضرند تشنہ اش
بہر خدا ز آب تنک پایہ کم مدار
آن حسن را کہ صورت و معنی ست دالہ اش
با درہماں بخس بہ بیع و شری میار

الہام نیست آنکہ خلاف شریعت ست
گر بشنوی زیاد (٦) برو دل بحق گمار
تا بہتر و درست تر ازوے بتو رسد
این ست آنچہ گفت خداوند گوش وار
مامور نیست آنکہ بترسد ز فلسفی
دیوانہ را قیاس نگیرند ہوشیار
فارغ نشین ز فلسفیان و کلام شان
عنقا ز دام و دانہ نگردد گہے شکار
دنبال سگ گزار کہ او بانگ میزند
چندانکہ ماہ بر سر دنیا ست نور بار
کم سنگ آنکہ مے نہد از پستی نژاد
یک وزن وحی ایزد و عقل خطا شعار
ہم تیرہ آنکہ روزن دود رمے کند فراز
تا شمع را بروز دہد جائے شمس بار
یا رب ز لطف خویش سوئے ما نگاہ کن
بر کشت این گروہ ز رحمت یکے بہار
من از محبتی کہ باسلامیان مراست
از درد این گروہ شدم بس نزار و زار
تا کے بود میان عزیزان چنین خلاف
تا کے بود در امت اسلام انتشار
در یاب اے خدائے رحیم از سر کرم
زان پیشتر کہ دست گزند از زیان کار

(ا۔مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: این علم تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم

۲۔مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: عیسی کجاست تا بہ نہد پا بمنبرم

۳۔ مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است

۴۔ مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: واللہ کہ ہم چو کشتیءِ نوحم زکردگار

۵۔ مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: من نور خود نہفتہ ز چشمان شپّرم

۶۔ مرزا صاحب قادیانی کا مصرعہ ہے: گر بشنوم نگوئش آں را کجا برم)

(منقول از غایۃ المرام)

منشی سعد اللہ لدھیانوی کا منظوم کلام

وما یستوی الاعمی و البصیر
ولا الظّلمات ولا النّور
کہاں وہ مہدی آل محمد
کہاں آلنقوا کی آل مرزا
کہاں عیسی فیض المال والے
کہاں ملجف گدا کنگال مرزا
مسیح بزرگ آسمانی کہاں
مریض ہوس قادیانی کہاں
کہاں پاک مریم کا لختِ جگر
کہاں بیوہ النقوا کا پسر
کہاں مہدی شرح و صاحب لوا
کہاں گمرہ آل آلنقوا
کہاں وہ مسیحائے دجال کش
کہاں قاعد خانہ بیرائے دہش
کہاں وہ فلک جاہ رفعت مکاں

کہاں یہ دنیّ ساکن قادیان
کہاں جس کی منزل منارہ دمشق
کہاں وہ جسے گھر کی ظلمت پہ عشق
کہاں بندہء مرسل کردگار
کہاں صاحب ابنیّت مستعار
کہاں وہ جو اوروں کے کھو دے مرض
کہاں وہ جسے خود ہوں پورے مرض
کہاں وہ لقب جس کا فیاض مال
کہاں وہ جو پھیلائے دستِ سوال
کہاں وہ تھی دنیا سے نفرت جسے
کہاں یہ زبوں کر دے عشرت جسے
کہاں وہ بنایا نہ تھا جس نے گھر
کہاں یہ جو مشغولِ دیوار و در
ہے اس پر خدا کے غضب کی دلیل
کہ بن بیٹھا اس پاک کا یہ مثیل
ارے تو کہاں اور وہ عیسی کہاں
چہ نسبت زمین است با آسماں
خدا نے جو کی تیری رسّی دراز
بڑھی اور بے باکی و حرص و آز
و املی لھم ان کیدی متین
یہ سامان ہیں بہر قطع وتین
کہ ہے ڈوبتی بھر کے ظالم کی ناؤ
رہے جب نہ کوئی سہارا بچاؤ
تری عمر ساری ہے اسّی برس
نہیں عیش میں بڑی دسترس

یہ کیا ہے جو لوگوں کے کھائے تو مال
مرض نے ہے تجھ کو کیا پائمال
شتر مرغیاں ہیں تری بے حساب
کہ شاہد ہے اس پر تری ہر کتاب
کبھی تو خدا بنتا ہے بے سخن
ترا کن بھی بالکل خدا کا ہے کن
مگر ابن مریم کا خلقِ طیور
ہے توحید میں موجبِ صد فتور
جہاں ساتھ ہے اس کے اذن خدا
غضب ہے تو اس کو نہیں مانتا
جہاں دعوی ہے وحی و الہام کا
نہیں بولتا ہچکچاتا ذرا
مری وحی بھی انبیاء کی ہے وحی
مجھے پاک اللہ نے دی ہے وحی
کہ اس میں ذرہ دخل شیطان نہیں
پھر اس وحی کی حد و پایاں نہیں
کہ مانند بارش ہے مجھ پر نزول
ترے منہ میں او مفتری خاک دھول
ہے رمالیوں نے ڈبویا تجھے
ارے دین و دنیا سے کھویا تجھے
ملی روسیاہی تجھے بار بار
مگر باز آیا نہ تو زینہار
پسر کا تھا اعلان دختر ہوئی
وہ دختر بھی آخر نہ جانبر ہوئی

پسر پھر جب آیا بڑے زور سے
تو پنجاب کو بھر دیا شور سے
کہ دیکھو وہ موعود ہے یہ پسر
تھے ہم دے چکے جس کی پہلے خبر
عقیقے پہ اس کے ہوئی دھوم دھام
ہوا قادیان میں اژدہام
چہک کر بھی بلبل نے دیکھا نہ باغ
ہوا ایک ہی سال میں گل چراغ
وہ منحوس جو نام کا تھا بشیر
ہوا جلد کنجِ لحد میں اسیر
تو دجال نے اور اک چال کی
جڑی اس پہ تاریخ نو سال کی
یہ مرنے ہی والا تھا جو مر گیا
جو ہے رہنے والہ وہ پھر آئے گا
پسر گو ہیں دو چار موجود اب
ولیکن ہے دل میں یہ دھڑکا غضب
وہ موعود ان میں کہوں اب کسے
مبادا وہی کل کو پھر چل بسے
سوا سال میں پھر نہ آتھم نہ مرا
نہ کچھ جانبِ حق وہ مائل ہوا
تجھے لعنت و روسیاہی ملی
کہ ہر چار سو سے گواہی ملی
یہ ہے عبدِ حق کی دعا کا اثر
ارے کاذبِ قادیان ڈوب مر

کیا واسطے جس کے بیٹوں کو عاق
زن صاحب اولاد کو دی طلاق
وہ عورت بھی مرزا نہ تجھ کو ملی
ملا خاک میں مدعائے دلی
کیا جس کا ملہم نے تجھ سے نکاح
وہ برسوں سے سلطان کو ہے مباح
مریدو ہے یہ بھی کرامت کوئی
مسیح زمان کی علامت کوئی
فافّ لّکم ثمّ افّ لّکم
ہوئے شرم و غیرت سے بیگانہ تم
ارے قادیانی یہ کیا بات ہے
عجب شرم والی تری ذات ہے
ترے منہ میں دے برملا خاک وہ
کہے تو نہیں شوخ و بیباک وہ
اسے اپنے گھر میں تو واللہ دیکھ
اسے دیکھ اور اس کی اولاد دیکھ
مرے قول میں گر تو سمجھے قصور
کمر باندھ پٹّی نہیں ایسی دور
مرے ساتھ چل سب دکھا دوں تجھے
جو سننے کی ہے وہ سنا دوں تجھے
وہ جعفر کو تیرہ مہینوں کا ڈر
شفالانہ بھبکی تھی اک سر بسر
گیا گزر نصف مہ جنوری ۱۹۰۰ء
ملی خاک میں رملی افسوں گری

نہ پہنچی اسے کوئی ذلت نہ رنج
ترے منہ میں خاشاک اے باد سنج
وہ پہلے سے ہے اور آسودہ حال
پڑے تجھ پہ الٹے بہت سے وبال
بہ فضل خدائے حمید مجید
ہے سرکار میں عزت بوسعید
خدا نے کیا اس کو خوش کام و شاد
مربعے ملے چار حسب مراد
ترے باپ دادا زمیں دار تھے
بڑے خیرخواہان سرکار تھے
طفیل ان کے تو آج حارث بنا
ہوئی تیرے حق میں یہ مدح و ثنا
محمد حسین اب زمین دار ہیں
کھٹکتے تری آنکھ میں لار ہیں
انہیں یہ حراثت ہے ذلت مگر
ارے شرم کر شرم کر شرم کر
ہوا اہل عزت میں ان کا شمار
جزاء کیسی او روسیہ جھک نہ مار
کہاں تک گنوں تیرے الہام میں
کہ سر تا بپا افتراء کذب ہیں
گیا ضلع کی تو کچہری میں جب
ہوا تجھ پہ نازل خدا کا غضب
یہ ثابت ہوا ہے تو جھوٹا نبی
ترے ہی قلم سے تری رگ کٹی

ہوئی بولتی بند الہام سے
تو مستعفی اپنے ہوا کام سے
وہاں تو نے تحریر دی اے آشر
کہ اب ایسے الہام ہوں گے نہ پھر
مکدر کہے کشف عیسے کو تو
ترے منہ میں آتا ہے کیا کذب گو
غضب ہے مکدر ہو کشفِ مسیح
ترا کشف ہو لیک صاف و صریح
مسلمان تو کہلائے او بے حیا
لکھے یوں کہ وہ خاتم الانبیا
نہ سمجھے نہ سمجھایا الہام کو
نبی آئے تھے اور کس کام کو
نہ عیسے کو سمجھے نہ دجال کو
نہ اس کے گدھے ریل کی چال کو
مگر تجھ پہ سب منکشف ہو گیا
ارے کچھ تو کر دل میں شرم و حیا
درِ توبہ وا ہے جو تو توبہ کرے
اور آئندہ ان شوخیوں سے ڈرے
تو میرا خدا ہے غفور رحیم
بجھے آب توبہ سے نار حمیم

(ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ ۲۴۔اپریل ۱۹۰۳ء۔ صفحہ۵تا۸)

منشی سعد اللہ لدھیانوی کا فارسی کلام

آئینہ کمالات صفحہ ۲۸ میں مرزا قادیانی کہتے ہیں:

یاد کن وقتے کہ در کشفم نمودی شکل خویش
یاد کن ہم وقتِ دیگر کآمدی مشتاق وار
یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا
آن جمالے آں رخے آں صورتِ رشک بہار
آنچہ مارا ازدو شیخ شوخ آزارے رسید
یا رسول اللہ پرس از عالم ذوالاقتدار
نام من دجال و ضال و کافرے بنہادہ اند
نیست اندر زعم شان چون من پلیدو زشت و خوار
ہیچ کس را بر منِ مظلوم و غم گین دل نسوخت
جز تو کاندر خواب ہا رحمت نمودی بار بار

اس پرندائے غیب

مرسل یزداں و عیسی نبی اللہ شدے
باز خواہی ضال و دجالت نخوانند اے حمار
ناصر مرتد چنیں الفاظ دارد بر زباں
اپنے مرسل کی مدد کر اے خدا لیل و نہار
ہیچ ظالم تر نباشد از تو زیر آسماں
افتراء بندی بذات ایزدِ ذوالاقتدار
اہل دین بعد از نصیحت کیف آ سے خواندہ اند
مومنے باشد چگونہ کافرے را غمگسار
عیسی مریم شود آلنقوا زادے چھاں

مہدی آل محمد چوں شود کس از تتار
گاہ خود را فارسی الاصل بودی و گاہ حارثے
گشتی و ذات بہر خود کردی وثار
آنکہ آوردست اخبار از حقیقت بے خبر
و آن حقیقت بر تو اے دجال گردید آشکار
شعبدات و لہو و عجل سامری شد معجزات
برتر از عیسی نہی خود را از رہ افتخار
امتیاز انبیاء با دیگران ز الہام و وحی
وحی خود را خواندہ ہمتائے وحی آں کبار
صاف ثابت شد کہ دعوائے رسالت میکنی
نیست ایں پوشیدہ پیش مومنان ہوشیار
من رسو لے نیستم کاں جائے دیگر گفتہ ء
ہست رنگ آمیزی دجالی تو بر عذار
اے مسیلم در رسا لت چوں شراکت خواست
چوں منافق ایں شہادت ہا ترا آید چہ کار
دعوی تجدید دیں کردی و گر دیدی نبی
واں نبوت را بہ لفظ جزء پوشانی خمار
ایں نبوت در حق خود از کجا آوردہء
چوں نبوت ختم شد بر احمد از پروردگار
بعد از وے کیست کو یابد نبوت ازخدا
یافتند ایں منصب از وے بیشتر صد ہزار
گر محدث بودے آن فاروق بودی زیں گروہ
بعد ختم الانبیاء حاجت نماند ایںہار
عض شاں رفتند و بعض آہندہ ایں ہم
بر خر دجالی خود ہم تو ے کشتی سوار

رشتہء ابنیت خود با خدا پیوستہء
از عبودیت بدل مداری اے ابلیس عار
از غلامی منحرف گشتی و خود احمد شدی
تخم احداث تو سندھی بیاک ؟ کفر آ ورد بار
گفت روح اللہ بعد از من بود ا حمد رسول
آن رسول احمد منم کردی بعالم اشتہار
اے ستمگر از جلال و از جمال او چہ کاست
تا کنندت بہر تبلیغ رسالت اختیار
مصطفیٰ در خواب و بیداریت نمودست رو
کذب میگوئی بذات جائے خواہی خود بنار
آنکہ تطہیرش نماید حق ز دست کافراں
برسردارش کشی از دست ایشاں دزد دار
بر خے از ترساد و قدرے آوری از نفس خویش
اہل ایماں را یہودی گوئی اے مردار خوار
می ستائی چوں گن حق کاف و نون
خو یشرا میدھی اشراک خلق طیر عیسے را قرار
مصطفیٰ نفی صلیبش کردد ہم اثبات
رفع شاہد تبلیغ وے قرآن بود در ہر دیار
انّ عیسی لم یمت گفت و الیکم راجع
چوں امام عادلے باجاہ و سلطان و وقار
قول او مطلق مجاز و استعارہ ساختی
ایں قدر مغرور گشتی برحیات مستعار
مرگ عموائیل و آتھم زیست سلطان مبیں
چوں کشیدت روسیاہ و خوار و زار اندر حصار

دہ چہ شوخ و شنگ آمد دخترت جائے پسر
میوہی نو رس خوشا باشد بہ کہنہ شاخسار
وائے اے رمال پر رمالی و حراشیت
چوں پسر کاری برآمد دخترے زان کشت زار
ایں قدر خوار و خجل باشی و نازاں ہم چناں
بے حیائی تو ببروں باشد از حد شمار
قادیانی ایمن از کید متین حق مباش
جانب املی لھم اے ہیچ گوش دل گمار
قادیانی را از غیب آمد نداہا بارہا
سعدیا ایں بے سعادت ہیچ نگرفت اعتبار

ازالہ اوہام صفحہ ۲۹۴ کے مندرجات کے متعلق منشی سعد اللہ کا اردو کلام:

قادیانی تجھے اس بات کا جب ہے اقبال
کہ یہ ممکن کہ مسیح آئے بہ اقبال و جلال
یہ بھی ممکن ہے کہ ہو جائے نزول اس کی دمشق
پھر مسلماں تجھے کیوں نہ کہیں اب دجال
وہ تو موعود نہ ہو اور بنے تو موعود
تو معرا ہو سب اوصاف ہوں اس میں موجود
پھر تو مہدی بھی ہو حارث بھی ہو وہ کچھ بھی نہ ہو
اس کو تسلیم بھلا کون کرے گا مردود
تجھ کو دعوی نبوت بھی جزوی ہی سہی
وحی و الہام میں پھر کسر نہیں کچھ بھی رہی
میں پیمبر نہیں اور لایا نہیں کوئی کتاب

پردہ داری کے لئے تو نے ہے یہ بات کہی
دخل شیطان سے تری وحی منزہ اور پاک
انبیاء سے کہیں بڑھ کر ترا کشف و ادراک
جو قوائے تجھ کو ملیں ختم رسل کو نہ ملیں
کیوں خدا سے نہیں ڈرتا ارے ملحد بے باک
وحی و الہام سے انجام کے صفحات ہیں پر
کیا کتاب اس کو نہیں کہتے ارے احمق لر
قدح ختم نبوت ہے اگر وحی مسیح
قادیانی ہے تری وحی مگر گوز شتر

لودیانوی۔ از پٹیالہ ۱۶۔ جولائی ۱۹۰۴ء (منقول از شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

قطعہ تاریخ ولادت دختر قادیانی ملقب بشوخ وشنگ لڑکا

تئیس جون آئی یہ موسم کا حال ہے
راتیں تو بڑھ رہی ہیں دنوں کو زوال ہے
مرزا جی ایک بھائی مخنث ہے بن چکا
اب لڑکا لڑکی بن گئی یہ کیا محال ہے
بیٹی نہیں یہ بیٹا ہے دھوکہ نہ کھایئے
الہام آپ کا ہو غلط کیا مجال ہے
دھندلا گیا مکاشفہ شاید جناب کا
ی کو الف سمجھ گئے، اتنا خیال ہے
کیوں ایسا غم ہے منہ پہ سیاہی ہے چھا رہی
بے چین ہو رہے ہو طبیعت نڈھال ہے
لڑکا اگر نہ اب کے ہوا لڑکی ہی سہی
بارش سے پہلے آندھی بھی اک نیک فال ہے
جھنجلایئے نہ گھر میں عبث جا کے بار بار

رمل آپ ہی کا آپ کی جان کا وبال ہے
پہلی ہی دھو رہے تھے ہوا اس پہ اور لک
کیسی سیاہ روئی علی الاتصال ہے
ہر سال زخم تازہ لگیں دینے لڑکیاں
اور زخم پہلا آپ کا بے اندمال ہے
آیا ہے گھر میں صورت دختر اگر پسر
ہے چونکہ شوخ و شنگ یہ شوخی کی چال ہے
ارحام میں جو کچھ ہے وہ خالق ہے جانتا
قرآن سے قادیانیوں! کیوں اعتزال ہے
سعدی ہے لایا قطعہ تاریخ ماہ و سال
یہ لیجئے داد دیجئے اگر کچھ کمال ہے
اعداد جمع کیجئے چوبیس جون اور
دختر نما پسر (۱۹۰۴ء) کے یہ جننے کا سال ہے

ایضاً

لڑکی کو حیف مرزا تو نہ کر سکا لڑکا
رمل و نجوم حیلہ کیا کچھ نہیں کیا ہے
بک دیجئے پیشگوئی پوری ہوئی ہماری
کیوں منہ میں گھنگنیاں ہیں ہونٹوں کو کیوں سیا ہے
ہے گرچہ رو سیاہی جیتی رہے خدایا
لڑکا بشیر بھی تو آیا تھا کیا جیا ہے
معجونیں اور مربے حلوائے ریگ ماہی
پھر نو مہینے کیسا خون جگر پیا ہے
سال ولادت اس کا گر آپ چاہتے ہیں
وہ نوٹ بک میں ہم نے تحریر کر لیا ہے
سعدی بھی ہے معلم اس کی سنو ادب سے

اک شوخ و شنگ لڑکا لڑکی بنا دیا ہے
دختر نما پسر اور چوبیس جون (۱۹۰۴ء) اس میں
تاریخ و سال و خوبی سب کچھ دکھا دیا ہے
راقم لودہانوی از پٹیالہ
(شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴۔ جولائی ۱۹۰۴ء ص ۶۔۸)

آئینہ کمالات کے صفحہ ۵۵ کے اشعار کے جواب میں منشی سعد اللہ کا فارسی کلام:

الا اے قادیانی یاد کن روز قیامت را
چگونہ ترک کردی راہ اسلام و سلامت را
نفاق از دل فگن بگذار شوخی و شرارت را
بدہ در سینہ جا اخلاص و تقوی وطہارت را
بدر کن از دماغ خویشتن زعم نبوت را
مبر در سر چو ترسا رہ خیالات نبوت را
دگر کورانہ می پنداری ایں اجماع امت را
نہ جہل خود نداری با در اخبار شریعت را
مگستر دام دعوئے مسلمان پیئے خوردن
مکن شائع چو تجار فرنگ اعلان بیعت را
بہ صدق دل مریداں مرسل یزدانیت خوانند
عبث سنہفت اے دجال دعوی رسالت را
بہ جز مدئی اریوزی ملتبس دعویء خود سازی
بایں مکر و حیل خدمت کنی اہل بلادت را
ز دجالان موعود آمدی دجالے اے مردک
بلاء و امتحان اہل ایمان و صداقت را
نزول وحی بر خود مثل وحی انبیاء گوئی

صداہا بہر خود داری . منم ما مور دعوت را .
و زان الہام و وحی خود سیہ اوراق گردانی
. رسو لے نیستم ، میگوئی اے دجال خدعت را
نیاوردم کتابے حسب عادت ہم غلط گفتی
بلے تبدیل کردن خت دشوار ست عادت را
گزینی جائے ابنیت کنی ترک عبودیت
کہ ایں نخوت کند ابلیس ہر اہل عبادت را

(یہ مصرع مرزا قادیانی کا ہے۔ چونکہ ہر اہل عبادت کو نخوت ابلیس

بنا دیتی ہے اس لئے قادیانی نے عبادت چھوڑ کر ابنیت اختیار کی ہے)

یہودی باشد آن کو بر صلیب آرد مسیحا
پئے عیسی شدن گشتی مخالف دین و ملت را
ز پیر نیچری مرگ و صلیب عیسی آوردی
نہادی چوں علم بر دوش تجدید امامت را
خداوندا پناہت زیں یہودی کیش عیسی کش
کہ بر روح و رسولت تہمتے بندد اذیت را
چو عجل سامری لہو و لعب گوید بامجازش
بہ حق آں مکرم مے پسندد ایں مزلت را
بخواند انّما الاعمال بالنّیّات باز ازکیں
ہمی بد ذات گوید عالمان نیک نیت را

(جب خود علماء کو بد ذات وغیرہ الفاظ سے یاد کرتا ہے تو نیک نیت بنتا ہے اور جب

علماء اس کی دجالیاں دیکھ کر ملامت کرتے ہیں تو انکی نیت کا خیال نہیں کرتا ہے)

چو چشم حق شناسی نور عرفانش نہ بخشیدند
بہ گفت اعمی و مشرک ازخباثت خیر امت را
اگر عمرے تو ہشتادست یا پانچ و نود سندھی
ز درگاہ خدا کید متین پندار مہلت را

(۸۰ سال۔ ۹۵ سال۔ سندھی۔ مرزا کا اصل نام ہے)

منہ دل در تنعم ہائے دنیا گر خدا خواہی
مخور بادام روغن جائے روغن عیش و عشرت را
مسلماناں پئے دارین امن و عافیت خوانند
بہ حرص مال و جاہ ایدوں تو میخواہی مصیبت را

(مرزا قادیانی کا شعر ہے:
ہمہ در دور ایں عالم امان و عافیت خوانند
چہ افتاد ایں سر مارا کہ میخواہد مصیبت را)

اگر ممکن بود از سینہء ات برداشتن پردہ
بہ بیند اندراں ہر کس نفاق و خبث طینت را
ز خوف حاکم ضلع آنچناں در باختی زہرہ
کہ گفتی الوداع دائمی رمل و کہانت را
نخواہم در حق کس ہیچ گاہ الہام انذاری
نخواہم بر کسے گاہے دعائے بد اجابت را
بعیسی در رہ تعلیم دین ناکام شد گوئی
بذات وے نہی صد عیب تحصیل فضیلت را
حقیقت ہائے دجال و خر وے بر تو روشن شد
ز فہم مصطفیٰ برتر گماری آن حقیقت را
شدی دوراز عبادت باوجود قرب عبداللہ (غزنوی)
چہ سود از رہبر کامل تہیدستان قسمت را
مسیح و مہدی و حارث نبی گشتی ولد
گشتی شکم سیرت نمی گردد بہ ہیچ اے چو بہ متر

(متھرا کے چوبے پرخوری میں مشہور ہیں گذشتہ دجالوں میں سے کسی نے صرف عیسی بننے کا دعوی کیا کسی نے صرف مہدی کا، کسی نے صرف نبی کا۔ یہ کم بخت سبھی کچھ بن کر، علاوہ براں ابن اللہ بن کر شکم سیر نہیں ہوتا)

بشیر ناتواں کانزا تو عنموائیل مے گفتی
کانّ اللہ نازل ز آسماں شد داغ فرقت را
بہ پیش گوئیء ایں بچہ و نیز آتھم و سلطان
سیاہی ہا ز رمالی بہ رخ مالیدہء تترا (پے در پے)
بشیرت دخترے آمد ز بار اولیں پیدا
پسراز بار ثانی آمد آبادی تربت را
برآمد ہفت بر نہ سال و عموائیل نامد باز
بگو اکنوں چہ داری حیلہ آں نہ (۹) سالہ مدت را
تو شیر نیستان بے حیائی آمدی
ز اول بہ مکر شید و خو نمودی ایں اضافت را
چہ مے سوزی ز بہر زوجہ الہامیت ناداں
بدل گر غیرتے داری بغیران وصل وقربت را
زنِ الہامیت در خانہ سلطانست بار آور
چہ مے باشد لقب ہم چوں تو دونِ بے حمیت را
(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۲۴۔اگست ۱۹۰۴ء ص ۱۔۳)

نظم بر مرزا قادیانی

ہر کسے کامروز شد پیغمبرے
الحق آن دجال گشت و کافرے
مے شمارد وحی و الہام خودش
طاہر و برتر ز دخل ہر شرے
قادیانش حسب قول او دمشق
شد یزیدی خصلتاں را مصدرے
(ازالہ ص ۷۲۔ قادیان میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ قادیانی وہاں کا

کرسی نشین رئیس ہے تو یزید کیوں نہ ہوا، اسی لئے حسینؑ سے افضل بنتا ہے)

پس یزید آمد رئیسش لا جرم
آنکہ شد کرسی نشین و مہترے
از ہمیں جوید فضیلت بر حسین
کاحمد مرسل جدش اب حیدرے
مرگ عیسی خواند پیر نیچری
بر پیش کردش غرض کورو کرے
بر سر خلق خدا جائے ہما
بفگند تا سایہ بوم و شپرے
حق بہ قراں از صلیبش پاک کرد
زیں دو بے باکاں صلیبش معبرے
قادیانی ! گوہر خود را بہ بیں
بہر پاکاں ایں نباشد منظرے
شرم دار از ابن مریم گشتنت
ایکہ بود آلنقوایت مادرے
مہدی آل محمد چوں شوی
تو کہ میداری پدر بو ذنجرے
فارسی الاصل خود آب تو نیست
چوں تو از تاتار داری گوہرے
بن کے یہ سب کچھ ہے پھر حارث بھی تو
الغرض ہیں تیرے طرفہ ماجرے
ایں چنیں بے ہودگی ہا را یقیں
خارج از امکانست از دانشورے
گشتنت عیسی بہ عیسی کشتنت
ہیچ اہل دیں ندارد باورے

گوہر خود بر برِ گوہر شناس
کے شوی عیسی بہ تصدیقِ خرے
بود چوں گوسالہ اعجاز مسیح
دانش چوں سامری افسوں گرے
قابل نفرت ہوں ان کے معجزے
وضع ہو بے باک رحمت سے پرے
کس زبان سے تو بنا ان کا مثیل
نام جب ہر کام پر ان کے دھرے
کے مثیل عیسی مریم شوی
زوجہ ات غرقِ لباس و زیورے
خانہء عیسی نبود اندر جہاں
تو ہمہ مشغول دیوار و درے
یاد داری بود چوں باریک تر
امتیازت خود بہ کشفی منظرے
اتحادت بود چندان با مسیح
تو و او دو پارہء یک جوہرے
فطرتت باوے تشابہ داشت بس
کز درخت او تو ہم بودی برے
شد مبدل فطرتت اکنوں چناں
بے پری بالاش بے بال و پرے
ان سے افضل اب تو کیسے بن گیا
کیوں نہیں خوف خدا تجھ کو ارے
پائے عیسی ہم نہ بالایش رسد
ایں چنیں آوردی اعلی منبرے

انبیاء تو نے بنائے مزمرسٹ
بے ادب تجھ کو خدا غارت کرے
کے تو مے کردی بایشاں اتہام
گر تو بودی نیک و نیکو محضرے
جس نے دیکھیں تیری پیشگوئیاں
اب وہ گیدڑ بھبکیوں سے کیا ڈرے
تو جسے مارے جیئے وہ دیر تک
جس کو زندہ چاہے تو جلد مرے
اور جسے شاداب چاہے خشک ہو
جس کو سوکھیں تو کہے وہ ہوں ہرے
چوں پسر زائی بمیرد زود تر
گر پسر خوانی برآید دخترے
ملہمت گفت آں یکے را شوخ و شنگ
ز آید از وے فتنہ و شور و شرے
آتھم ترسا دراں مدت نہ مرد
بر رگ جانت ازاں صد نشترے
واں نشان ہم لیکھرام از تو چہ دید
قتل و مرگش ہست امرِ آخرے
بالکوں کو اپنے ہے اس کے سوا
کیا سبق تو نے پڑھایا مسخرے
ابن مریم چڑھ کے سولی مر چکا
میں ہی عیسے ہوں قیامت سے ورے
قائلے بایں ہمہ کائد مسیح
با جلال ظاہر و کرّ و فرے

یک جبہ باشد دو ہزار آمد تواں
در ازالہ صفحہ ص ، د ، و رے
انتظار آن مسیح از آسمان
دارد اندر سینہ ہر نیک اخترے
ملحف و مدبر ہے تو کیسا مسیح
مال مردم سے جو پیٹ اپنا بھرے
اے دغا باز آنچہ گفتی یادکن
لا جرم شد ختم بر پیغمبرے
تو کدامی قسم پیغمبر شدی
در دہانِ گندہ ات خاکسترے
آہ بااسلامیاں کردی فریب
داشتی باخود نبوت مضمرے
ہر رسولے آفتاب صدق بود
ہر رسولے بود مہر انورے
ما ہمہ پیغمبراں را چاکرم
ہم چو خاکے کاوفتد بر ہر درے
در براہین بود ایمانت چنین
بر ہمہ کس حجتے روشن ترے
اے کہ عیسی را تو باشی خاک در
ہائے مرتدا نہ گشتی ہمسرے
ہمسرے نہ بلکہ از وے بہترے
اے منافق بودی او را چاکرے
ایں فضیلت ہا بہ عیسے جستنت
و ایں رسالت شد بدینت صرصرے

خالی از ایمان و دین بگذاشتت
پر عفونت مردہ بے جاں پیکرے
دعوی تجدید دین بودت نخست
خویشتن را کردی آخر ابترے
گشتی از ابنیت و تصویر خویش
بت ستاؤ بت فروش و بت گرے
موجب گستاخی و ہتک مسیح
در کف از شرب الیہودت ساغرے
مے کنی تغلیط تفسیر سلف
ناخلف رفتی براہ دیگرے
قابل ایماں حدیث مصطفیٰ
نیست نزد تو بہ قرآن اکثرے
وحی عیسی قادح ختم الرسل
داری از الہام و وحیت دفترے
بہر دجال شقیء ایں زماں
خامہ سعدی ست گویا خنجرے
گر چہ یا رب بندہء بے توشہ ام
نیست غم باچوں تو بندہ پرورے
چشم بر عفو تو دارم چوں توئی
مستعانے مہربانے داورے
خائف از قہر تو ام دائم ولے
رحمت تست از غضب زور آورے
قابل التّوبِ و غفار الذنوب
مغفرت گردان بہ فرقم مغفرے

زینہار تو ز دجال زماں
سیّما زاں کافر آید اعورے
حرز جان دارم براہ مصطفیٰ
در برے قرآن حدیثش در برے
التجا دارم دراں تاپ و تپش
جامے از دستش کنار کوثرے

(سعد اللہ در شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۴ء ص ۱ تا ۴)

منشی سعد اللہ لدھیانوی کا اردو کلام:

وقد یصدق الکاذب آتا ہے صادق
مسیحا فلک پر اٹھائے گئے ہیں
پئے قتل دجال اعور یہودی
وہ پھر بھیجنے کو بلائے گئے ہیں
وفات ان کو حق دے گا جب آئیں گے پھر
ابھی موت سے وہ بچائے گئے ہیں
مدینے ہی میں آپ کا ہوگا مرقد
جہاں شاہ خوباں سلائے گئے ہیں
وہ زندہ ہیں گو کافروں کی طرف سے
بہت تیر تکّے چلائے گئے ہیں
مصدق ہوں ان کے مبشر تھے جن کے
مسلمان یہ نکتہ سمجھائے گئے ہیں
ہوا ذائقہ اور ذاقت برابر
یہ کیا صرف پڑھ کر گنوائے گئے ہیں
کتابیں پڑھیں بوجھ سے ان کے لیکن

یہ لادے عجب چارپائے گئے ہیں
خلت کو سمجھتے ہیں ماتت ہمیشہ
لغت بھی نئے ہی سکھائے گئے ہیں

(قد خلت کا ترجمہ مرزا صاحب قد ماتت کرتے ہیں)

جو یوں سنۃ اللہ ماتت کہیں گے
راہ راست سے کیا بھلائے گئے ہیں
ہمیں ان اماموں سے مالک بچائے
جو داعی الی النّار پائے گئے ہیں
امامت ہے کیا یاں بہ تخت نبوت
عجب گاؤ تکئے جمائے گئے ہیں
نبی ہیں ازالے میں یزداں کے مرسل
لقب یہ بعنوان لکھائے گئے ہیں
رسول و نبی کیا کہ ابن خدا کا
سبق موحیوں سے پڑھائے گئے ہیں

(انّ الشّیاطین لیوحون الی اولیاء ھم)

کھلے وہ حقائق و اسرار اس پر
جو ختم الرسل سے چھپائے گئے ہیں
سراج و براہین کا نام لے کر
ٹکے پیٹ بھر بھر کمائے گئے ہیں
سقنقور کا حلوا.. بادام روغن
روپئے یوں ہزاروں اڑائے گئے ہیں
بآں غربت و انکسار و توکل
منار و مکاں کیا چنائے گئے ہیں
وہ آیات و انوار و ایثار سب کچھ
بیاد تنعم بجھائے گئے ہیں

تکلف ذرا دیکھنا مطبخوں کا
کہ واں کھانے کیا کیا پکائے گئے ہیں
مسیحن کے پھر وہ لباس اور زیور
کہ کیا کیا سِلائے گھڑائے گئے ہیں
سقنقر اور جند اور ریگ ماہی
پئے قوتِ باہ لائے گئے ہیں
جو عیسے نے ہرگز نہ دیکھے بھی ہوں گے
وہ حلوہ و معجون کھائے گئے ہیں
مسیح اور میں اک شجر کے ہیں دو پھل
یہ گیت ایک مدت سے گائے گئے ہیں
اور اب کہتا ہے ان کے اعجاز بالکل
تھے مکروہ مجھ سے چھڑائے گئے ہیں
بدیں وجہ عطر زنِ فاحشہ میں
مسیحا کے کپڑے بسائے گئے ہیں
غضب ہے کہ اس پر بھی عیسے بنا کر
خرّ قادیانی دکھائے گئے ہیں
پڑی شامت اعمال کی کس قدر ہے
کہ کعبے کے حج سے ہٹائے گئے ہیں
زمین اپنی جورو کے قبضے میں کردی
تمسک رجسٹر کرائے گئے ہیں
کہ ورثہ نہ کچھ پاسکیں رشتہ والے
جو رستے میں کانٹے بچھائے گئے ہیں
وہ ہشیارپور میں ہوئے کیوں نہ ساعی
جہاں برسوں آنسو بہائے گئے ہیں

ہوئے متفق اہل پٹی سے کیوں یہ
بس اس کی سزا میں رولائے گئے ہیں
رقیبان پٹی بایام خبطت
بہت دھمکیوں سے ڈرائے گئے ہیں
جو ڈر سے نہ کچھ کام نکلا تو آخر
بڑی محنتوں سے منائے گئے ہیں
نہ منت سے بھی جبکہ وہ باز آئے
تو خطہائے جعلی منگائے گئے ہیں
کہ ثابت ہو جن سے وہ کچھ ڈر گئے تھے
کہوں کیا عجب گل کھلائے گئے ہیں
اڑھائی برس پر بھی دس اور گذرے
مئے وصل سلطان پلائے گئے ہیں
چنے تھے یہ لوہے کہ ایام سختی
بڑی سختیوں سے چبائے گئے ہیں
ترے سر پہ برسوں سے او قادیانی
مصیبت کے پتھر ڈھلائے گئے ہیں
یہ ٹلتے نہیں گو کئی بار پہلے
سیاہی سے مکھڑا رنگائے گئے ہیں
کئی کانے لنگڑے جو چیلے ہوئے ہیں
وہ دامِ طمع میں پھنسائے گئے ہیں
بہت شرم والے جو شرطیں لگا کر
نصاری سے ڈاڑھی منڈائے گئے ہیں
کب اسلام پر ایسے رمالیوں سے
مخالف بھلا کیوں ہنسائے گئے ہیں

خدا بھی بنے تھے نبی اور علی بھی
بہت ایسے دجال آئے گئے ہیں
ثمود آل فرعون عاد اہل مدین
ڈبوئے دھنسائے کھپائے گئے ہیں
یہ ہے دورہ مہدی قادیانی
مسلمان باہم لڑائے گئے ہیں
نیا کوئی فتنہ نہیں سعدیا یہ
کہ بندے صدا آزمائے گئے ہیں
(شحنہ ہند میرٹھ ص ۲ تا ۴ ۔ ۹ اکتوبر ۱۹۰۴ء ضمیمہ)

☆ ابوالمنظور عبدالحق سرہندی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کنھیا جی بننے کی تاریخ درج ذیل قطعہ کے آخری مصرع سے نکالی ہے:

مسیحا سے مرزا کنہیا بنا
نیا تار مکڑی نے ہر سو تنا
بنا مکر کی تیلیوں کا قفس
بہت سے پھنسیں تا کہ مچھر مگس
کھلا آخرش شحنہ پر اس کا کید
جو چوروں کو کرتا ہے زنداں میں قید
خفا ہو گیا آسمانی پدر
کیا در سے بیٹے کو اپنے بدر
یہ تاریخ سن لیں خواص و عوام
ہوا مسخ اب قادیانی غلام

(آخری مصرع سے ۱۹۶۱ بکرمی تاریخ نکلتی ہے جس سال مرزا صاحب نے کرشن ہونے دعوی کیا تھا) (شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۱)

☆ قطعہ تاریخ سزایابی مرزا غلام احمد قادیانی از محمد عبدالحق سرہندی

(آخری مصرع سے تاریخ ۱۳۲۲ھ نکالی ہے)

بنا مجرم غلام قادیانی ہوئی کذاب کی ظاہر نشانی
ستایا خلق کو ظالم نے کیا کیا چلائی تیغ قلمی و زبانی
کبھی طاعون کی دھمکی دکھائی کہ ہے طاعون میرا یار جانی
ملی انصاف سے حاکم کے اس کو سزا واجبِ ذرب لسانی
تمام الہام کی ترکی ہوئی اب ہوئی مقطوع وحی آسمانی
سر الہام سے منظور لکھو ہوا داغی مسیح قادیانی

(شحنہ ہند ضمیمہ یکم نومبر ۱۹۰۴ء ص اول)

۱۹۱۲ء تک ردقادیانیت پر چند تصنیفات

اس موضوع پر ہم کئی تصنیفات کا ذکر کر چکے ہیں اور ذیل میں چند ایک کا تعارف مولانا اللہ وسایا ڈیروی کی گراں قدر تالیف سے ملخصاً نقل کیا جاتا ہے:

☆ تحقیقات دستگیریہ فی ردّ اغلوطات البراہینیہ ۔ مولانا غلام دستگیر قصوری ۔ ۲۷ صفحات عربی اردو ۔ ۱۳۰۳ھ۔ براہین احمدیہ کو پڑھ کر اہل دل جان گئے تھے کہ مرزا قادیانی بے دینی کی سیڑھی کو بڑی تیزی سے عبور کر کے پوری امت کو فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔ ان اہل دل حضرات میں جناب مولانا ابوعبدالرحمٰن غلام دستگیر قصوری حنفی تھے جنہوں نے براہین احمدیہ کی ہفوات پر عالمانہ فاضلانہ تحقیقات کیں۔ کتاب عربی میں ہے۔ اس کے ہر صفحہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے عربی اور اردو کو ایک ساتھ شائع کر دیا گیا ہے۔

☆ خیالی مسیح اور اس کے فرضی حواری سے گفتگو۔ محمد حسین بٹالوی ۔ ۳۵ صفحات ۔ اردو ۔ ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء ۔ یہ دراصل اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ ہے جس میں مرزا قادیانی اور حکیم نوردین سے مؤلف کی مکمل مراسلت شائع کی گئی ہے۔

☆ مرزا قادیانی اور مرزائیوں کے بارے میں چند سوالات ۔ محمد حسین بٹالوی ۔ ۱۶ صفحات اردو۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے سوالات لکھے جن کا جواب حضرت مولانا صوفی محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی نے تحریر فرمایا۔

☆ مرزا قادیانی اور مرزائی کافر ہیں ۔ حافظ محمد لکھوی، صوفی محی الدین لکھوی ۔ ۱۶ صفحات اردو ۔ لکھوی خاندان کے مرحوم بزرگوں کا فتوی کہ مرزا قادیانی اور مرزائی کافر ہیں، حیات عیسی کا انکار کفر ہے،۔ یہ فتوی پہلے اشاعۃ السنہ میں ۳۳۴ تا ۳۴۴ میں شائع ہوا۔ پھر پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا۔

☆ اشاعۃ السنہ ۔ اڈیٹر محمد حسین بٹالوی ۔

مولانا بٹالوی کا رسالہ اشاعۃ السنہ شائع ہوتا تھا۔ انہوں نے اس رسالہ کو مرزا قادیانی کی تردید کے وقف کر دیا۔ اس رسالے کی جلد ۱۳ میں فتویٰ علماء پنجاب و ہندوستان در بارہ مرزا قادیانی ہے۔ اس کے نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، اور ۱۲ میں یہ فتویٰ شائع ہوا جو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۴ میں مباحثہ لدھیانہ (۱۸۹۱ء) مابین مولانا بٹالوی اور مرزا قادیانی کا ذکر ہے جو کئی ۳۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۵ یہ طویل مضامین رد قادیانیت پر ہیں:

☆ قادیانی کی گیدڑ بھبکی۔ محمد حسین بٹالوی

☆ اعاذہ رحمانی در وساوس قادیانی۔ محمد حسین بٹالوی

☆ درخواست مباہلہ کا جواب۔ (اعاذہ نمبر ۲)۔ محمد حسین بٹالوی

☆ اعتراض دشنام دہی کا جواب۔ محمد حسین بٹالوی

☆ قادیانی کی تازہ دروغ گوئی۔ محمد حسین بٹالوی

اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۶ (مشتمل بر ۳۸۴ صفحات) میں یہ طویل مضامین رد قادیانیت پر ہیں:

☆ قادیانی پر فتح یابی کا شکرانہ، (۳۲ صفحات)۔ محمد حسین بٹالوی

☆ لعنت اللہ علی الکاذبین، (۱۰۶ صفحات)۔ محمد حسین بٹالوی۔

☆ تکملہ مضمون لعنت اللہ علی الکاذبین۔ (۲۷ صفحات) محمد حسین بٹالوی

☆ حرامزادہ کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب۔ (۱۲ صفحات)۔ محمد حسین بٹالوی

☆ فرضی زوجہ قادیانی اور اس شوہر ثانی کی عدم وفات پر قادیانی کی راست بیانی (۱۷ صفحات)۔ محمد حسین بٹالوی

☆ عیسائیوں کی باہمی جنگ مقدس پر اسلامی رائے (جنگ مقدس مرزا کی کتاب ہے، اس پر تبصرہ ہے)۔ محمد حسین بٹالوی

☆ بیان للناس۔ مولوی عبدالمجید۔ ۱۰۰ صفحات۔ اردو ۱۳۰۹ھ۔ محمد احسن امروہی اور مؤلف کے درمیان خط و کتابت پر مشتمل یہ کتاب ہے جس میں مرزا قادیانی کے دعاوی کو غلط ثابت کر کے اس کے مرید کو خوب رسوا کیا گیا ہے۔ (انشاء اللہ جلد ہفتم میں اس کی تلخیص شامل کی جائے گی۔ بہاء)

☆ شفاء للناس ۔ محمد عبداللہ شاہجہان پوری ۔ ۱۰۰ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۳۰۹ھ ۔ حیات ونزول عیسیؑ ،خروج دجال کا ذکر کر کے جگہ جگہ مرزائیت کے حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزائیوں کا دجال کی حقیقت سے انکار کرنا یا حیات ونزول عیسی کا انکار کرنا، ان کی بددیانتی ہے ورنہ یہ ایسے مسائل ہیں جو کبھی بھی امت میں ما بہ النزاع نہیں رہے ۔ (انشاء اللہ جلد ہفتم میں اس کی تلخیص شامل کی جائے گی ۔ بہاء)

☆ تائید آسمانی در ردنشان آسمانی ۔ جعفر تھانیسری ۔ ۳۰ صفحات ۔ اردو ۱۸۹۲ھ ۔ شاہ نعمت اللہ کا قصیدہ جو آنے والے حالات وواقعات کے متعلق ہے، ہمیشہ سے لوگوں نے اس میں حالات وواقعات کو دیکھ کر ردو بدل کیا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بھر کوشش کی ہے ۔ مرزا قادیانی نے بھی اپنی خانہ ساز نبوت ومسیحیت کے لئے اس کے اشعار کو بگاڑ کر ترمیم واضافہ، کتر وبیونت کر کے مطلب براری کی کوشش کی اور اسے نشان آسمانی قرار دیا۔ مصنف کتاب جو برصغیر پاک وہند میں جرأت وبہادری ایثار وقربانی کا نشان تھے، انہوں نے اس کا ردّ یہ رسالہ تحریر کر کے مرزا قادیانی کی بولتی بند کر دی ۔

☆ الفتح الربانی فی رد علی القادیانی ۔ حسین بن محسن انصاری ۔ ۲۰ صفحات ۔ عربی اردو ۔ ۱۳۱۱ھ ۔ حیات عیسی کے سلسلہ میں مرزا قادیانی کے اوہام وشبہات کا رد کیا گیا ہے ۔

☆ الہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح ۔ غلام رسول ۔ ۱۱۶ صفحات ۔ اردو عربی ۔ ۱۳۱۱ھ متن عربی میں جو مولانا غلام رسول نے لکھا ہے ۔ اس کا ترجمہ آفتاب صداقت کے نام سے پیر غلام مصطفیٰ نے کیا ہے ۔ متن اور ترجمہ ایک ساتھ شائع ہوا۔ علمی انداز کی کتاب ہے ۔

☆ کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام قادیانی ۔ قاضی فضل احمد ۔ ۱۷۵ صفحات ۔ طبع اول ۱۳۱۴ھ ۔ (طبع دوم ۱۹۸۸ء) ۔ یہ مرزا کی زندگی میں شائع ہوئی مگر اس کو جواب کی توفیق نہ ہوسکی ۔ اس کتاب کے مصنف پولیس انسپکٹر تھے ۔ انہوں نے مرزا کی ذات، جماعت، عقاید، عزائم، علم وعمل کی خوب تفتیش کی ہے ۔

☆ عصائے موسی ۔ منشی الہی بخش لاہوری ۔ ۴۶۰ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۸۹۹ء ۔ مصنف مرزا قادیانی کے مرید تھے ۔ مرزا نے دعوی نبوت والہام کیا تو یہ بھی اس کی تردید میں جت گئے ۔ مرزا نے کہا میں عیسی ہوں تو منشی الہی بخش نے کہا کہ میں موسی ہوں ۔ جس طرح عیسیؑ شریعت موسی کے علم بردار تھے، اسی طرح مرزا کو بھی میری علمبرداری کے نیچے آنا چاہیے ۔

چنانچہ اسی لئے کتاب کا نام عصائے موسی رکھا۔ مرزا کی زندگی میں یہ کتاب شائع ہوئی مگر مرزا قادیانی سوائے گالیوں کے اس کا جواب نہ لکھ پایا۔

☆ شمس الہدایۃ ۔ پیر مہر علی گولڑوی ۔ ٦٦ صفحات ۔ اردو ۱۸۹۹ء۔ مرزا کی کتاب اعجاز المسیح کے جواب میں پیر صاحب نے اس کتاب میں متعدد قرآنی آیات، احادیث صحیحہ، عقلی ونقلی دلائل سے رفع وحیات مسیح کا ثبوت دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ قیامت سے پہلے جب خروج دجال ہوگا اور مہدی اس کے خلاف جہاد میں مصروف ہوں گے تو اس وقت عیسیٰؑ دمشق میں آسمان سے نزول فرما کر دجال کو قتل کریں گے، حج کریں گے، عمرہ کریں گے، شادی کریں گے، اولاد ہوگی۔ پھر مدینہ میں وفات پا کر رحمت عالم ﷺ کے ساتھ روضہ طیبہ میں مدفون ہوں گے۔

☆ سیف چشتیائی ۔ مہر علی شاہ ۔ ۳۷۵ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۹۰۰ء۔ پیر صاحب کی شمس الہدایت کا جواب محمد احسن امروہی نے بنام شمس بازغہ دیا۔ جس کا جواب پیر صاحب نے سیف چشتیائی کے نام سے دیا۔ اس میں ابن عساکر کی حدیث نزول عیسی ابن مریم درج کر کے آپ نے پیش گوئی کی تھی کہ مرزا قادیانی کو مدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ جانے کی کبھی توفیق نہ ہو گی ۔ اسی قسم کی پیش گوئی مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی کی تھی ۔ قدرت کا کرشمہ کہ ان حضرات کی پیش گوئی سچی ثابت ہوئی اور مرزا قادیانی کو حرمین جانے کی توفیق نہ ہوسکی۔ اس کتاب کا سن اشاعت ۱۹۰۰ء ہے۔ اس کے بعد قادیانی ۸ سال زندہ رہا مگر جواب دینے کی توفیق نہ ہوئی ۔ (مرزا صاحب کے حج نہ کرنے کے بارے میں پیش گوئی مولانا احمد حسن شوکت اڈیٹر شحنہ میرٹھ نے بھی کی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا: کیا مرزا جی حرمین شریفین کی زیارت کریں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ سفر حجاز میں مصائب ہیں۔ جہازوں کے ڈوبنے کا خوف ہے۔ پھر جدّے اور مکہ اور مدینہ کی راہ میں بدّو لگتے ہیں جو مال واسباب لوٹ لیتے ہیں، ورنہ مار ڈالتے ہیں۔ جا بجا قرنطینے ہیں۔ طاعون ہے، ہیضہ ہے۔ الغرض طرح طرح کی آفات ہیں ۔اس لئے نہ مرزا جی خود جائیں گے نہ اپنے حواری اور مریدوں کو حج کی اجازت دیں گے۔ بس ایسے پرآشوب وقت میں تو قادیان ہی مکہ اور مدینہ بلکہ ان سے بھی کئی حصے زیادہ شرف رکھتا ہے کیونکہ وہ دارالامان ہے اور مکہ اور مدینہ اور ان کی راہ میں امن نہیں بلکہ ہر وقت جان کا خطرہ ہے۔

لیکن مرزا جی کا یہ عذر لنگ ثابت کرتا ہے کہ وہ موعود عیسی نہیں بلکہ مردود دجال ہیں، چنانچہ ابن عساکر نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے: قال رسول الله ﷺ لیھبطن الله عیسی بن مریم حکماً عدلاً

اماماً مقسطاً فیسلکن فج الروحاء حا جّاً او معتمراً و لیقفن علی قبری لیسلمن علیّ و لاردن علیه (۔ترجمہ)۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ ،خدا تعالی عیسی بن مریم کو اتارے گا حاکم عادل اور امام منصف بنا کر۔ پھر وہ حج یا عمرہ کرتے ہوئے روحاء کی راہ سے چلیں گے (روحاء ایک مقام ہے جو مدینہ سے ۳۶ کوس ہے) اور میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ کو سلام کریں گے اور میں سلام کا جواب دونگا۔

اب فرمایئے مرزا جی مسیح موعود کیونکر ہوئے؟ ان کے واسطے تو روحاء، قادیان اور گورداسپور کی سڑک ہے ۔وہ اس راہ سے اس وقت بجبوری جاتے ہیں جب کہ مقدمات میں عدالت ان کو طلب کرتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ مرزا جی حرمین شریفین کو جائیں وہاں تو سچے مومن جاتے ہیں جو خدائے وحدہ لاشریک اور اس کے رسول خاتم النبیین پر ایمان رکھتے ہیں۔ مرزا جی احادیث کے اس جزء کو مانتے ہیں جو ان کے مطلب کے موافق ہوتا ہے، باقی اجزاء نہیں مانتے اور اس آیت کے مصداق ہیں : نؤمن ببعض و نکفر ببعض ۔ شحنہ ہند میرٹھ ۔ضمیمہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۳ء)

☆ حجۃ الجبار۔ سید عبد الجبار ۔ ۱۶ صفحات اردو ۔۱۳۔ اگست ۱۹۰۰ء۔ قادیانی گروہ کی طرف سے ایک کتاب لکھی گئی جس کا نام انوار اللہ ہے۔ یہ کتاب اس کا جواب ہے۔

☆ حالات قادیانی خلاف آیات آسمانی۔ منشی اللہ دتہ ۔ ۶۷ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۹۰۱ء

☆ راست بیانی بر شکست قادیانی ۔ امام الدین گجراتی ۔ ۶۰ صفحات اردو ۔ ۱۹۰۱ء۔ لاہور میں پیر مہر علی کے مقابلے میں مرزا نے فرار کیا تو مرزائیوں نے اسے دھونے کیلئے مختلف حیلے بہانے تراشے ۔ مولانا امام الدین گجراتی نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ خط و کتابت اخبار چودھویں صدی اکتوبر ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی بعد میں اسے ۱۹۰۱ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

☆ حالات قادیانی خلاف آیات آسمانی ۔ منشی اللہ دتہ بہاول پور۔ ۶۷ صفحات اردو ۔۱۹۰۱ء ۔قرآنی آیات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کے دعاوی وعقاید قرآن کے خلاف ہیں اور یہ کہ اس کا اور کے ماننے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

☆ درۃ الدرانی علی ردۃ القادیانی ۔ محمد حیدر اللہ خان درانی ۔ ۲۹۸ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۹۰۱ء ۔ اس میں مرزا کے جملہ دعاوی کا رد احسن طریق پر لکھا گیا ہے۔

الہامات مرزا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔

مصنف ان خوش بخت انسانوں سے تھے جنہوں نے متنبّی قادیان مرزا قادیانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کلمہ حق بلند کیا۔ مرزا قادیانی کو وہ ناک چنے چبوائے کہ

اس کی نام نہاد نبوت کی پٹاری سے تمام شعبدہ بازیاں ختم ہوگئیں ۔ مرزا نے تنگ آ کر پیشین گوئی کر دی کہ میرے اور مولانا ثناء اللہ میں سے جو حق پر ہے اس کی زندگی میں جھوٹا مر جائے گا۔ قدرت کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ مرزا قادیانی اپنے کذب میں سچا تھا کہ پہلے مر گیا... مولانا ثناء اللہ نے رد قادیانیت پر بے شمار کتابیں لکھیں، انہیں میں سے ایک یہ کتاب ہے ۔ اس میں مرزا قادیانی کی دس پیش گوئیوں پر فاضلانہ بحث کر کے ان کا غلط ہونا ثابت کیا گیا ہے ۔ عبداللہ آتھم ، لیکھ رام ۔ محمدی بیگم ۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ، نشان آسمانی ، طاعون پنجاب ، حفاظت قادیان ، عمر مرزا ، آخری فیصلہ

تین دفعہ یہ کتاب مرزا قادیانی کے زمانہ حیات میں شائع ہوئی ۔ مگر مرزا سمیت تمام مرزائیوں کو سانپ سونگھ گیا، کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی ۔ مرزا کی قادیانی وفات کے بعد یعقوب علی قادیانی نے آئینہ حق نما کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ طبع ششم (اردو ۱۹۲۸ء صفحات ۱۳۲) میں جگہ جگہ آئینہ حق نما کے جواب کا قرض بھی مصنف مرحوم نے چکا دیا۔

☆ شہادۃ القرآن ۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، طبع سوم ۱۹۸۸ ۔ اردو ۳۷۵ ۔
مصنف نے مرزا قادیانی کو للکارا ۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ۔ شہادۃ القرآن کی دو جلد تحریر کی ۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی ، مولانا سید انور شاہ شاہ کشمیری ، مولانا اشرف علی تھانوی نے کتاب کو قابل فخر کارنامہ قرار دیا اور امت کو اس کے پڑھنے کی تلقین کی ۔ کتاب نایاب ہوگئی تو شاہ عبد القادر رائے پوری کے حکم سے مولانا محمد علی جالندھری نے مجلس تحفظ ختم نبوۃ کی طرف سے اس کو شائع کیا ۔ .. یہ کتاب (پہلی بار) مرزا کی زندگی میں شائع ہوئی مگر وہ اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کر سکا ۔ حیات عیسی پر اس سے بہتر علمی کتاب کوئی نہیں ۔ مرزا قادیانی کی ازالہ اوہام کا مکمل جواب اس میں آ گیا ہے ۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ۱۸۸۸ء میں پھر اسے شائع کیا (تحریک ختم نبوت کی جلد ہفتم میں اس کی تلخیص شامل کی جائے گی ۔ انشاء اللہ ۔ بہاء) ۔

☆ اثبات الخطاء فی کشف الغطا ۔ احمد علی امرتسری ۔ ۴ صفحات ۔ اردو ۔ ۱۳۲۰ھ

☆ تتمہ اول تزییف المفترین ۔ محمد جمال الدین ۔ ۱۸ صفحات اردو ۱۳۲۰ھ ۔ جدید عیسائیوں (قادیانیوں) کا اس میں رد کیا گیا ہے ۔

☆ جزاء اللہ عدوہ باباہ ختم النبوۃ ۔ شاہ احمد رضا خان بریلوی ،صفحات ۱۱۱ ۔ اردو ۔ طبع ۱۳۱۷ھ ۔ دشمن خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر خدائی سزا ،اس نام کا ترجمہ ہے ۔ ختم نبوت کے عنوان پر مفید بحث ہے ۔ آخر میں مختلف علماء کرام کے فتوی جات شامل اشاعت ہیں ۔

☆ السوء العقاب علی المسیح الکذاب ۔ شاہ احمد رضا خان بریلوی ۔۲۴ صفحات ۔ اردو ۔ طبع ۱۳۲۰ھ ۔ یہ کتابچہ دراصل ایک فتوی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی دعوی نبوت ورسالت ، انبیاء کی توہین کے ارتکاب کے باعث ،ضروریات دین کے انکار کے بموجب مرتد تھا ۔ وہ اوراس کے ماننے والے سب دائرہ اسلام سے خارج ،کافر ومرتد ہیں ۔ ان سے نکاح ،شادی ،میل جول کے تمام وہی احکام ہیں جو مرتد کے ہوتے ہیں ۔

☆ ابطال اعجاز مرزا ۔ مولانا حکیم شاہ غنیمت حسین اشرفی ۔ص ۱۰۰ ۔ اردو ۔ عربی ۔ مرزا قادیانی نے عربی میں ایک قصیدہ اعجازیہ لکھ کر دعوی کیا کہ اس کا جواب دینے سے لوگ عاجز ہیں ۔ شاہ غنیمت حسین ساکن چک مخدوم مونگیر نے یہ کتاب تحریر کی جس کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد میں مرزا قادیانی کے قصیدہ کی صرفی ونحوی غلطیوں کو بیان کیا گیا ہے ۔ دوسرا حصہ ، جو اس وقت زیرنظر ہے اس میں فصیح وبلیغ قصیدہ جوابیہ عربی میں تحریر کیا گیا ہے جسے پڑھ کر اہل علم جھوم اٹھے ۔ مرزا قادیانی کے اعجاز کا بھرم کھل گیا ۔ تمہید میں مرزا قادیانی کے موٹے موٹے سیاہ جھوٹ دکھائے گئے ہیں ۔ آخر میں ان وجوہات کو بیان کیا گیا ہے جن کی بناپر یہ قصیدہ مرزا قادیانی کے قصیدہ پر فائق ہے ۔

☆ قصیدہ اعجازیہ کا بےنظیر جواب ۔ سید غنیمت حسین اشرفی ۔ ۳۶ صفحات ۔ اردو ۔ مرزا قادیانی نے عربی قصیدہ لکھ کر دعوت دی کہ اس کا جواب لکھا جائے ۔ مصنف نے ابطال اعجاز مرزا کے نام سے عربی میں اس قصیدہ کا جواب لکھا ۔ زیرنظر رسالہ میں مرزا کے قصیدہ کی غلطیوں کا پردہ چاک کر کے ان کا جواب تحریر کیا گیا ہے ۔ اس کا مکمل نام ، مرزا صاحب کے ضمیمہ کتاب نزول المسیح پر ایک نظر یعنی قصیدہ اعجازیہ کا بےنظیر جواب ۔

☆ مرزا کے قصیدہ کا جواب اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر قاضی ظفرالدین نے بھی قصیدہ رائیہ بجواب قصیدہ مرزائیہ کے نام سے تحریر کیا تھا جس کا مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب الہامات مرزا کے صفحہ ۱۰۳ پر ذکر کیا ہے ۔

☆ عشرہ کاملہ ۔ غلام حیدر ۔ ۲۶ صفحات ۔ اردو ۔ عبدالکریم سیالکوٹی امام مسجد قادیان

کے نام ماسٹر غلام حیدر نے چکوال سے ایک خط لکھا جس میں دس سوال سوال تھے۔ مرزائی جواب نہ دے سکے۔ (انشاء اللہ جلد ہفتم میں شامل کی جائے گی۔ بہاء)

☆ انوار الحق۔ مولانا محمد انوار اللہ۔ ۱۱۲ صفحات اردو۔ ۱۳۲۲ھ۔ اس میں نہایت عمدہ پیرائیے میں مرزا کے اوہام و وساوس کا رد کیا ہے۔

☆ سلم الوصول فی اسراء الرسول ونزول الملائکۃ۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ ۷۲ صفحات۔ فروری ۱۹۰۵ء۔ اردو۔ بد بخت قادیانی، آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی و نزول ملائکہ کا منکر ہے۔ مصنف نے مرزا قادیانی کے ان ہر دو عقاید کی تردید میں یہ رسائل تحریر فرمائے۔ سلم الوصول ۴۸ صفحات، نزول ملائکہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

☆ المسیح الدجال۔ ڈاکٹر عبد الحکیم خان۔ ۵۰ صفحات۔ ۱۹۰۵ء اردو۔ مصنف پہلے خود مرزائی تھے۔ پھر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ مرزا قادیانی، مسیح موعود نہیں بلکہ مسیح دجال ہے۔ اس کی تمام تر تفصیل اس رسالہ میں قلم بند کر دی ہے۔

☆ جمیعت خاطر۔ قاضی فضل احمد انسپکٹر لدھیانہ۔ ۱۲۰ صفحات۔ اردو۔ ۱۹۰۵ء۔ مصنف قاضی فضل احمد انسپکٹر پولیس لدھیانہ اور غلام رسول قادیانی انسپکٹر پولیس فیروز والا کے درمیان خط و کتابت ہوئی۔ قاضی فضل احمد نے مرزا قادیانی کو ملزم گردانا، اور غلام رسول قادیانی نے صفائی دینے کی کوشش کی۔ آخر کار صفائی پیش نہ کر سکے۔

☆ الذکر الحکیم۔ عبد الحکیم خان۔ ۶۸ صفحات اردو۔ ۱۹۰۶ء۔ مصنف جب مرزائی تھے تو انہوں نے مرزا سے خط و کتابت شروع کی، مرزا کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حسب عادت دشنام طرازی پر اتر آئے۔ اور مصنف کو مرتد قرار دے کر جماعت سے نکال دیا۔ موصوف نے تمام خط و کتابت وتبصرہ الذکر الحکم نمبر ۴ میں شائع کر دیا کہ مرزا قادیانی مجھ سے کیوں بگڑ بیٹھے ہیں۔ اس کی تفصیل پر یہ رسالہ مشتمل ہے۔

☆ بجلی آسمانی بر سر دجال قادیانی۔ ابو الحسن محمد عبد الکریم، صفحات ۲۲۴۔ پنجابی نظم۔ ۱۹۰۶ء۔ مصنف نے یہ کتاب مرزا کی زندگی میں تحریر کی اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ۱۱۶ صفحات کا دوسرا ۱۰۸ کا۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ چند سطری اردو عبارات میں مرزائیوں کا اعتراض نقل کر کے اس کا پنجابی اشعار میں جواب دیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں تین سو قادیانی اعتراضات کے جواب ہیں۔ ہزاروں پنجابی اشعار پر مشتمل یہ کتاب رد قادیانیت کے سلسلہ

میں منفرد شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس میں احادیث شریفہ متعلقہ ختم نبوت، حیات عیسیٰ کا پنجابی اشعار میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ بہت ہی قابل قدر اور عظیم الشان کتاب ہے۔

☆ فیصلہ آسمانی المعروف تکذیب قادیانی۔ حافظ محمد الدین۔ ۹۰ صفحات۔ اردو۔ ۱۳۲۲ھ، مرزا قادیانی کی خود غرضیوں کذب بیانی دھوکہ بازی بے ایمانی بد دیانتی کی تفصیلات اس قدر جمع کر دی گئی ہیں کہ اس عنوان پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

☆ صحیفہ حقانی بجواب مرید قادیانی۔ مولوی ولی محمد۔ ۸ صفحات اردو۔ مرزائیوں کی طرف سے لدھیانہ میں ایک مرزائی عبدالمجید نے مولویوں کی غلط فہمی کا اعلان، کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جس کی اس رسالہ میں مدلل ومکمل تردید کی گئی ہے۔

☆ القول الفاصل بین الحق والباطل۔ محمد غوث سعید۔ ۱۱۸ صفحات۔ اردو۔ ۱۳۲۴ھ۔ اسلام کی حقانیت اور مرزائیت کے بطلان پر گراں قدر علمی تحفہ ہے۔

☆ قہر الدیان علی مرتد بقادیان۔ مولانا محمد حسین رضا خان برکاتی۔ ۱۶ صفحات اردو ۱۳۲۳ھ۔ سترہ حوالہ جات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی بر خود ایک غلط آدمی تھا۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کے الہام ووحی شیطانی کو بیخ وبن سے اکھاڑنے والا ہے۔

☆ مرقع قادیانی ثناء اللہ۔ اردو ۶۴ صفحات ۱۹۰۷ء۔ یہ ماہانہ رسالہ آپ نے ۱۹۰۷ء میں جاری کیا۔ یہ جنوری ۱۹۰۷ء کا شمارہ ہے۔ مرزا کے انتقال تک جاری رہا۔ بعد میں بھی کبھی کبھار شائع ہوتا رہا۔

☆ مرقع قادیانی جلد اول کا شمارہ ۹، ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کی اشاعت ہے۔ اس میں جیستان مرزا کا مضمون شام ہے۔ بعد میں پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوا۔

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی۔ مولانا حامد رضا خان۔ ۵۶ صفحات اردو۔ ۱۳۱۵ھ قادیانی خرافات وہذیانات ووساوس کا مدلل جواب تحریر کیا گیا ہے۔

☆ افادۃ الافہام۔ ۲ جلد۔ مولانا محمد انوار اللہ خان۔ صفحات ۳۷۷۔ اردو، ۱۳۲۵ھ طبع۔ مرزا قادیانی کی ازالہ اوہام کے جواب میں لکھی گئی۔ پہلی جلد میں ۳۷۶ اور دوسری میں ۳۶۰ صفحات ہیں۔ شاید ہی مرزائیت کا پھیلایا ہوا کوئی ایسا وہم ہو جس کا اس کتاب میں جواب موجود نہ ہو۔ دلائل گرم، الفاظ نرم کا حسین وجمیل مرقع ہے۔ مصنف دکن کے مذہبی امور کے صدر الصدور، جہاں دیدہ عالم دین، دنیوی علوم کے ماہر تھے۔

☆ الخبر الصحیح عن قبر المسیح ۔ ابراہیم میر ۔ صفحات ۲۴ ۔ اردو ۔ طبع ۱۳۲۵ھ ۔ حضرت عیسیٰ کی قبر ثابت کرنے کے لئے مرزا قادیانی کو کیا کچھ فراڈ کرنے پڑے، ان سب اوہام کا جواب اس رسالہ میں ہے ۔ (جلد ہذا میں ملخصاً شامل اشاعت ہے ۔ بہاء)

☆ المبین ختم النبیین ۔ شاہ احمد رضا خان بریلوی (شائد) ۲۵ صفحات ۔ اردو ۔ طبع ۱۳۲۶ھ ۔ جناب مولوی ابوالطاہر نبی بخش نے بہار سے ایک سوال درباره ختم نبوت تحریر کیا، جس کا جواب یہ رسالہ ہے ۔

☆ السیف القتال علی عنق المسیح الدجال ۔ سید محی الدین ۔ ۸۵ صفحات اردو ۔ یہ مرزا کے زمانہ کی تحریر معلوم ہوتی ہے ۔ مدراس کے مرزائیوں کا ایک رسالہ سراج الحق کا یہ جواب ہے جس کے چار حصے ہیں ۔ حصہ اول مرزائی طومار کی خبر گیری، دوم مرزائی اعتراضات کے جوابات، سوم، حیات مسیح کا ثبوت، چہارم، دوستانہ گذارش ۔ آخر میں وفات مسیح ثابت کرنے والے کے لئے دوسو روپیہ انعام کا اعلان ہے ۔

☆ کاشف مغالطہ قادیانی فی ردنشان آسمانی ۔ چودھری محمد حسن ایم اے، ۴۴ صفحات اردو ۔ مصنف نے محققانہ طور پر قصیدہ نعمت اللہ ولی کی تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی نے قصیدہ مذکور کی ترتیب الٹ پلٹ کر بہت جگہ تحریف لفظی و معنوی کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو سخت دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ مصنف نے پروفیسر براؤن یورپی محقق سے حاصل کردہ قصیدہ سے مقابلہ کر کے مرزا کی غلط بیانی ثابت کی ہے ۔

☆ حالات عیسیٰ رسول ربانی و تردید اوہام قادیانی ۔ عبداللہ چکڑالوی ۔ اردو ۱۶۴ صفحات ۔ منکر حدیث تھے ۔ انہوں نے قرآن مجید سے اپنی دانست کے مطابق حضرت عیسیٰ کے حالات و واقعات کو جمع کر دیا ہے ۔ مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ کی ذات اقدس آپ کے معجزات، آپ کے خاندان، حالات و واقعات کے متعلق جو واہیات اعتراضات و شبہات پیش کئے تھے ان تمام کا جواب قرآن مجید کی رو سے انہوں نے دیا ہے ۔ مرزا قادیانی کے اوہام باطلہ کو اپنے نقطہ نظر سے خوب تار تار کیا ہے ۔

☆ نص خاتم النبوۃ بعموم الدعوۃ جامعۃ الشریعۃ ۔ از میر ابراہیم سیالکوٹی ۔ ۳۲ صفحات ۔ مصنف ایک شہرہ آفاق مناظر و محقق تھے ۔ ان کی تصنیفات مضامین کی گہرائی کے اعتبار سے سمندر علم کا درجہ رکھتی ہیں، جو ان کی گہرائی کو پالے وہ موتیوں، ہیرے اور جواہرات کا

آڑھتی بن سکتا ہے۔آپ نے اس رسالہ کے پہلے سولہ صفحات میں ختم نبوت کے ۳ قرآنی دلائل بیان فرمائے اور دوسرے ۱۶ صفحات میں ۵ قادیانی اعتراضات کا جواب دیا ہے۔مختصر مگر جامع رسالہ ہے۔ یہ کتابچہ کس درد و جذبہ سے مصنف نے لکھا ان کے اپنے الفاظ میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے . خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں نے اس کتاب کو خداداد بصیرت سے قرآن وحدیث کے نصوص بینہ سے بغیر کسی کھینچ تان کے خدا تعالی کے ہاں اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کو سامنے رکھ کر تبلیغ حق کی خالص نیت سے لوگوں کی ہدایت کے لئے لکھا ہے۔

☆ تعبیر رؤیائے حقانی۔ ہفوات قادیانی۔ محمد علی مونگیری۔

آپ نے فیصلہ آسمانی، دوسری شہادت آسمانی، کتابیں تحریر فرمائیں تو جس کا جواب ایک قادیانی نے بدزبانی اور گالیوں پر مشتمل ایک پوچ تحریر سے دیا جس کا نام اسرار نہانی رکھا۔اس کا جواب یہ رسالہ ہے جو خانقاہ مونگیر سے شائع ہوا۔

☆ تازیانہ عبرت۔مولوی کرم الدین دبیر، بھیں۔۱۷۵ صفحات۔اردو، مصنف کے متعلق مرزا نے اپنی کتابوں میں بدزبانی کی۔مولانا کرم الدین نے گورداسپور جہلم میں مرزا پر فوجداری مقدمات دائر کر دیئے۔جس میں مرزا قادیانی دو سال تک سرگردان رہا۔سات سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید با مشقت کی سزا ہوئی۔ پھر اپیل میں .. بمشکل رہائی ملی۔ان دو سال کے مقدمات کی پوری تفصیل اس کتاب میں ہے۔اس کا دوسرا نام ہے: متنبّی قادیان قانونی شکنجہ میں۔

☆ چیستان مرزا۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری۔۱۶ صفحات۔مرزا قادیانی کے الہامات و اقوال میں تخالف و تضاد دکھا کر مرزائیوں سے جواب طلب کیا گیا اس کے لئے انعامی رقم تین صد روپئے کا اعلان کیا گیا۔آج تک کسی مرزائی کو جواب دینے اور انعام لینے کی جرأت نہ ہوسکی۔(فروری ۱۹۰۸ء میں یہ مضمون کی شکل میں مرقع قادیانی میں شائع ہوا پھر پمفلٹ کی شکل میں ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا)

☆ السہام الخارق فی الرد علی غلام مرزا الفاسق۔شیخ عبداللہ بن عبدالغفار۔۱۶ صفحات عربی۔۱۳۲۷ھ

☆ معیار عقائد قادیانی۔ بابو پیر بخش۔اردو ۱۰۴ صفحات فروری ۱۹۱۲ء

☆ تنبیہہ قادیانی ۔محمد علی مونگیری ۔۲۴صفحات اردو ۔۱۹۱۲ء

☆ فاتح قادیان ۔مولانا ثناء اللہ امرتسری ۔۷۰صفحات ۔اردو ۔۱۹۱۲ء ۔ مصنف کا زندگی بھر مرزا قادیانی سے جو مقابلہ رہا وہ کسی سے مخفی نہیں ۔مرزا قادیانی نے آخری فیصلہ کے عنوان سے ایک اشتہار میں اعلان کیا کہ جھوٹا ، سچے کی زندگی میں مرجائے گا۔مرزا قادیانی، مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو... چل بسا ۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۹ءکو سرگودھا میں واصل بحق ہوئے ۔ راقم (اللہ وسایا) کو ان کے مزار پر جانے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔مرزا قادیانی کی وفات کے بعد لدھیانہ میں مرزائیوں اور مولانا ثناء اللہ کے درمیان اس عنوان پر مناظرہ ہوا۔منصفین نے مولانا امرتسری کے حق میں فیصلہ دیا اور تین صد روپئہ مناظرہ ہارنے کا جرمانہ مرزائیوں نے ادا کیا ۔اس مناظرہ کی روئیداد فاتح قادیان کے نام سے مولانا نے مرتب کر کے مرزائیوں سے وصول شدہ رقم سے اولاً اس رسالہ کو شائع کیا ۔ یہ مباحثہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۲ء لدھیانہ میں ہوا تھا۔

☆ مسیح کاذب ۔ملک نظیر احسن ۔ ۲۷صفحات اردو ۔۱۹۱۲ء

☆ تنبیہہ قادیانی ۔حاجی ابوالمجد محمد عبدالرحمٰن ۔۲۴صفحات اردو ۔۱۹۱۲ء ۔ مرزائی اخبار ۱۹ستمبر ۱۹۱۲ء کے ایک مضمون کا جواب ہے ۔خانقاہ مونگیر سے شائع ہوا۔

درج بالا کتب ، رسائل ، مضامین ، فتاوی کا ذکر مولانا اللہ وسایا نے کیا ہے ۔اور انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمے میں بتایا ہے کہ انہوں نے وہی کتابیں رسائل وغیرہ درج کئے ہیں جو انہیں دیکھنے کا موقع ملا ہے یا جن تک احباب اور اسفار کے ذریعے ان کی رسائی ہوسکی ہے ۔کئی لائبریریوں میں خواہش کے باوجود انہیں جانے کا موقع نہیں مل سکا،اس لئے ان کا خیال ہے کہ ان کی مرتب کردہ فہرست میں اضافوں کی گنجائش باقی ہے ۔ ذیل میں چند کتب ورسائل ،اور رسائل میں شائع ہونے والے مقالات کی ایک مختصر فہرست نقل کی جاتی جو ۱۹۱۲ء تک ردقادیانیت کے موضوع پر منظر عام پر آچکے تھے ۔

☆ استفتاء در بارہ مرزا قادیانی ۔از محمد حسین بٹالوی ۔ ۱۸۹۱ء (یہ وہی استفتاء ہے جس ذکر مولانا اللہ وسایا نے جلد ۱۳ کے ضمن میں کیا ہے ۔ یہ استفتاء ۱۸۹۱ء میں لکھا ہے اور ۱۸۹۲ء میں تکفیر مرزا

کے فتوی کے ساتھ منظر عام پر آیا)

☆ مباحثہ بٹالہ مابین مولانا بٹالوی و محمد احسن امروہی۔۱۸۹۳ء ۔ ۲۸ صفحات۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۴)

☆ مباحثہ لاہور مابین مولانا بٹالوی و محمد احسن امروہی ۔۱۸۹۳ء ۔۳۲ صفحات۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۴)

☆ قدرتی مباحثہ مابین مولانا بٹالوی و حکیم نورالدین قادیانی۔۱۸۹۳ء۴ صفحات۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۴)

☆ مراسلت مابین بٹالوی و قادیانی ۱۸۹۲۔۱۸۹۳ء جس میں دیگر باتوں کے علاوہ مرزا صاحب کے ۸۵ سوالات کیئے گیئے ۔ ۳۵ صفحات۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۵ جو اپریل، مئی ۱۸۹۳ء میں منظر عام پر آئی)

☆ سوالات جرح کا جواب الجواب ۔مولانا بٹالوی ۔۷ صفحات (اشاعۃ السنہ ج ۱۵)

☆ زلزلے کا روحانی سبب اور اسکا علاج ۔محمد حسین بٹالوی۔۶۶ صفحات (اشاعۃ السنہ ج ۲۰)

☆ طاعون کا روحانی سبب اور اسکا علاج۔محمد حسین بٹالوی۔ ۱۵۰ صفحات (اشاعۃ السنہ ج ۲۰)

☆ کرشن قادیان اور مسلمانان۔محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ ج ۲۰)

☆ کھلی چٹھی ،جس مرزا کی پیش گوئی طاعون پر بحث ہے اور اس کی کتاب حقیقۃ الوحی، اور اس کے آخری فیصلہ بحق مولوی ثناء اللہ وڈاکٹر عبد الحکیم پر ریویو ہے۔محمد حسین بٹالوی ۔ ۲۸ صفحات ۔۱۹۰۷ء (اشاعۃ السنہ ج ۲۱)

☆ اسلامی حکم سیاسی متعلق جہاد وقتل مرتد ۔۱۱ صفحات۔ محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ جلد ۲۱)

☆ کلما خرجت العقرب فالنعل حاضرۃ۔قاضی عبدالاحد خان پوری

☆ السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول ۔۴۰ صفحات۔ قاضی عبد الاحد خان پوری۔ راولپنڈی سے شائع ہوا۔

☆ اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی۔۳۲ صفحات ۔قاضی عبدالاحد خان پوری

☆ اغاثۃ الملھوف المکرّوب المسجون فی مسائدالقادیانی المجنون ۔قاضی عبدالاحد خانپوری

☆ اعاذہ نمبر۳ ،جس میں قادیانی کی درخواست اجازت اشاعت الہام کا منذر کا جواب ہے۔محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ ج ۱۵)

☆ اعاذہ نمبر۴، جس میں قادیانی کی درخواست بالمقابل عربی تفسیر لکھنے کا جواب ہے محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ ج ۱۵)

☆ اعاذہ نمبر۵، جس میں ۸۵ سوالات متعلق قادیانی کے جواب کا جواب ہے۔محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ۔ج ۱۵)

☆ قادیانی عربی خطبہ کی بعض اغلاط کی فہرست ۔مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنہ۔ج ۱۵)

☆ الہامی قاتل ۔از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ انجام آتھم کا جواب از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ رسالہ مباہلہ کا جواب۔از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ رسالہ مکتوب عربی کا جواب۔از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ ضمیمہ انجام آتھم کا جواب۔از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ ہماری قسم کی منظوری سے الہامی قاتل اور خونی مسیح کا گریز۔از محمد حسین بٹالوی (در اشاعۃ السنہ جلد ۱۸)

☆ منشی سعد اللہ لدھیانوی کی شہاب ثاقب نامی ایک کتاب کا ذکر حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۴۴۶ میں مرزا صاحب نے کیا ہے۔

☆ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۴۳۔۳۴۴ میں مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ مولوی غلام دستگیر قصوری کا رسالہ فتح رحمانی ، ۱۳۱۵ھ میں مطبع احمدی لدھیانہ سے طبع ہوا۔اس کے صفحہ ۲۶، ۲۷ میں اس نے مباہلہ کے رنگ میں میرے پر بددعا کی تھی ..اسے اس قدر بھی مہلت نہ ملی جو اپنی کتاب کی اشاعت کو دیکھ لیتا، اس سے پہلے ہی مر گیا۔

☆ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۷۱ پر مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے ..اپنے طور پر میرے ساتھ مباہلہ کیا اور اپنی کتاب فیض رحمانی میں اس کو شائع کر دیا۔ پھر اس مباہلہ سے چند روز بعد فوت ہو گیا۔

ان دو تحریروں میں مولانا غلام دستگیر کی دو کتابوں فتح رحمانی اور فیض رحمانی کا ذکر ہے۔

☆ مولانا عبدالحق غزنوی کے متعدد اشتہار

☆ مولانا احمد حسن شوکت کی متعدد تحریریں در شحنہ ہند میرٹھ۔(جن میں سے کئی ایک ہم نے جلد ہذا میں نقل کی ہیں۔بہا)

☆ مولانا عبدالجبار عمرپوری کی تحریر در شحنہ ہند، جسے ہم اسی جلد میں نقل کر چکے ہیں۔

☆ ڈاکٹر ابومحمد جمال الدین کی تحریر در شحنہ ہند جسے ہم اسی جلد میں نقل کر چکے ہیں۔

☆ تفسیر ثنائی میں متعلق بہ قادیانیت تحریریں۔

☆ اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح۔ محمد اسماعیل علی گڈھی۔ مطبع انصاری دہلی۔ (جلد ہذا میں شامل کر دی گئی ہے)

☆ الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح۔ محمد بشیر سہسوانی۔ مطبع انصاری دہلی

☆ نمونہ لیاقت علمی محمد احسن امروہی۔ مطبع انصاری دہلی

☆ اظہار فریب قادیانی از منشی سعد اللہ۔ منشی محمد سعد اللہ نے تالیف کیا اور اس میں قادیانی کی جابجا شکست یابی کو کھولا ہے اور قادیانیوں کے رسائل دعوت دہلی کا جواب ہے

☆ فصل الخطاب لرد مسیح الکذاب۔ از مولانا خدا بخش واعظ۔

☆ سیف برہانی برگردن دجال قادیانی مع تحفۃ النصاری۔ از مولانا خدا بخش واعظ

☆ اثبات الخسران والطغیان فی میزان اہل الکادیان، از مولانا فقیر اللہ مدراسی

☆ الہامات رحمانی وخرافات قادیانی کا مقابلہ۔ عبدالحق کوٹلوی سرہندی

☆ اتمام البرهان علی مخالفی الحديث و القرآن لاثبات الحقّ الصريح فی حيات المسيح از شیخ احمد حسین پنشنر اورسیئر میرٹھ۔ مطبع شحنہ ہند ۱۹۰۳ء

شخصیات

 عبدالحق کوٹلوی سرہندی

ابو منظور محمد مظہر الحق عرف عبدالحق ۲۴ شعبان ۱۲۸۳ھ (یکم جنوری ۱۸۶۷ء) مالیر کوٹلہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز صوفی عبدالرحیم سے کیا بعدازاں مولوی شرف الدین فیروز پوری سے استفادہ کیا۔ مولوی عبدالجبار غزنوی کے حلقہ شاگردی میں رہے۔ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں سید نذیر حسین محدث سے حدیث کی سند لی۔ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء) میں مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۲ء) میں حافظ محمد لکھوی سے بھی سند حدیث وتفسیر حاصل کی۔ ۱۳۱۰ھ میں ریاست پٹیالہ کے شہر سرہند چلے گئے وہاں سندھنی والی مسجد میں خطیب وامام ہوگئے۔ تین بیٹے محمد حسن، منظور الحق اور محمد مظہر الحق ہوئے۔ تصانیف میں رحلۃ محی الدین الی رحمن الرحیم (جو محی الدین لکھوی کا سفر نامہ حج ہے)، اربعین مظہری (چالیس احادیث) ہیں، اس کے شروع میں اپنے حالات لکھے ہیں۔ ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوئی۔

ایقاظ غفلاء الزمان ترجمۃ الشیخ محی الدین عبد الرحمن مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کی سوانح عمری ہے۔ اور اس پر قاضی سلیمان منصور پوری نے تقریظ لکھی ہے۔

مظہر الاسلام۔ یہ کتاب رد تقلید پر ہے ۱۳۰۸ھ میں طبع ہوئی۔

الہامات رحمانی وخرافات قادیانی کا مقابلہ۔ یہ کتاب محی الدین لکھوی کے کہنے پر لکھی۔

۔ان کی ایک کتاب اصول تفسیر پر ہے جس میں تفسیر القرآن علی منہاج المحدثین کی ترجیح کے دلائل بیان کئے ہیں۔ (فیوض محمدیہ۔ ص ۱۱-۱۲)

سرہند ریاست پٹیالہ میں ایک مسجد اہل حدیث بہت پرانی ہے جس کے امام مولوی

صوفی عبدالحق اہل حدیث تھے۔حقیقت میں انہوں ہی نے مسجد آباد کی تھی ان کے بعد ان کے بیٹے مولوی محمد حسن جانشین ہوئے۔ (اہل حدیث امرتسر۔یکم جولائی ۱۹۳۲ء ص ۱۵)

مولوی عبدالحق نے رد قادیانیت میں بہت تحریری کام کیا۔اشعار بھی لکھے۔ چند اشعار اس کتاب میں کسی جگہ منقول ہیں۔شحنہ ہند میرٹھ کے ضمیمہ میں ان کے مضامین رد قادیانیت پر شائع ہوتے تھے۔ضمیمہ کے مفتی بھی یہی بزرگ تھے۔محمد احسن امروہی وغیرہ سے ان کے مباحثے بھی چلتے رہے۔

☆ غلام رسول امرتسری

اتمام الحجۃ، مرزا صاحب کی عربی تصنیف ہے جو جون ۱۸۹۴ء میں مولوی رسل بابا امرتسری پر حجت قائم کرنے کے لئے شائع ہوئی۔مولوی رسل بابا مشہور کشمیری عالم تھے۔ مرزا صاحب کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔انہوں نے ایک رسالہ حیات مسیح لکھا تھا اس میں مسیح ناصری کی حیات اور ان کے آسمان پر زندہ جسدہ العنصری ہونے پر بڑا زور دیا تھا۔اس کے جواب میں مرزا صاحب نے یہ عربی میں یہ رسالہ اتمام الحجۃ تصنیف کیا (مجدد اعظم ص ۳۹۱)

مرزا صاحب نے خود بھی اپنے اس عربی اردو (۴۱ صفحاتی) رسالے کے ٹائٹل پر لکھا ہے: الفت لا فحام المولوی رسل با با الامرتسری۔

اور متن میں بتایا ہے:

مولوی صاحب کی اس مفریانہ کاروائی سے کچھ ثابت ہوتا بھی ہے تو بس یہی کہ ان کی فطرت میں یہودیوں کی صفات کا خمیر بھی موجود ہے، ورنہ یہ کسی نیک بخت آدمی کا کام نہیں۔(اتمام الحجۃ ص ۱۸، ۱۹)

اور لکھا ہے:

مولویصاحب موصوف نے اپنے رسالہ مذکورہ میں محض عوام کا دل خوش کرنے کے لئے یہ چند لفظ بھی منہ سے نکال دیئے کہ اگر ہمارے دلائل حیات مسیح کو توڑ کر دکھلا دیں تو ہم ہزار روپئہ دیں گے ...آخر کتاب میں کہہ دیا کہ میری کتاب سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کوئی سبقاً سبقاً مجھ سے نہ پڑھے۔ (اتمام الحجۃ۔ص ۲۷۔۲۸)

پھر مرزا صاحب لکھتے ہیں:

یہ لوگ درحقیقت مولوی بھی نہیں ہیں، تبھی تو ہم نے ان لوگوں کے سرگروہ اور امام الفتن اور استاد شیخ محمد حسین بٹالوی کو اپنے رسالہ نور الحق میں مخاطب کر کے کہا کہ اگر اس کو عربیت میں کوئی حصہ نصیب ہے تو اس رسالہ کی نظیر بنا کر پیش کرے اور پانچ ہزار روپیہ انعام پائے مگر شیخ نے اس طرف منہ بھی نہیں کیا حالانکہ شیخ مذکور ان تمام لوگوں کیلئے بطور استاد کے ہے اور اسی کی تحریک سے یہ مردے جنبش کر رہے ہیں (اتمام الحجۃ ص ۳۱)

پھر فرماتے ہیں:

ہماری طرف سے تمام پادریوں اور شیخ محمد حسین بٹالوی اور مولوی رسل بابا امرتسری اور دوسرے ان کے سب رفقاء اس مقابلہ کے لئے مدعو ہیں اور درخواست مقابلہ کیلئے ہم نے ان کو اخیر جون ۱۸۹۴ء تک مہلت دی ہے۔ (اتمام الحجۃ۔ص ۳۲)

اتمام الحجۃ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جون ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی۔ معلوم نہیں جون کے پہلے یا دوسرے یا تیسرے یا چوتھے ہفتے میں؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ واقعی اختتام جون سے قبل مخاطبین کو پہنچا دی گئی تھی یا نہیں۔ یہاں مولانا محی الدین لکھوی کے مکتوب بنام مرزا سے اقتباس پڑھ لیجئے جو ہم قبل ازیں نقل کر چکے ہیں کہ:

سرّ الخلافۃ مرسلہ آپ کی بتاریخ ۲۹ یا ۳۰ جولائی پہونچی۔ آخر میعاد ۲۵ جولائی کتاب مذکور میں مسطور تھی اور مہر ڈاک سے معلوم ہوا اسی طرح تاریخ روانہ ہوئی۔

ان حالات میں کہاں کی مدت اور کون مخاطب؟ اور کس کو معلوم کو مخاطبین کو مناسب وقت پر رسالہ پہنچا بھی یا نہیں؟

ہاں اسی اتمام الحجۃ میں مرزا صاحب کے ایک دعوی کا وجود ملتا ہے جس کی انہوں بعد میں خود ہی تکذیب بھی کر دی تھی۔ وہ دعوی مسیح کی قبر کے بارے میں ہے۔ لکھتے ہیں:

لطف تو یہ ہے کہ حضرت عیسی کی بھی بلاد شام میں قبر موجود ہے۔ اور ہم زیادہ صفائی کے لئے اس جگہ حاشیہ میں اخویم حبّی فی اللہ سید مولوی محمد السعیدی طرابلسی کی شہادت درج کرتے ہین، اور وہ طرابلس بلاد شام کے رہنے والے ہیں اور انہی کی حدود میں حضرت عیسی کی قبر ہے۔ اگر کہو کہ وہ قبر جعلی ہے تو اس جعل کا ثبوت چاہیے (اتمام الحجۃ ص ۲۴، ۲۵) اور حاشیہ میں طرابلسی کا عربی خط نقل کیا گیا ہے)

اپنے اس دعوی کی مرزا صاحب نے بعد میں خود ہی تغلیط فرمائی کہ وہ سری نگر کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہونے کے مدعی ہو گئے۔

بابا رسل کا ایک خواب یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔مولانا ثناء اللہ بتاتے ہیں کہ :

امرتسر کے ایک عالم بزرگ مولوی غلام رسول (عرف رسل بابا) مرحوم نے ایک دفعہ مجھے الگ بٹھا کر فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس میں تمہارا دخل ہے، سن لو ۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں سنایئے، فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کی مجلس میں پہنچا ہوں ۔تم وہاں اس خدمت پر مقرر تھے کہ جو لوگ عرض معروض کرنے آتے تم ان کی معروضات سمع مبارک تک پہنچاتے ۔

لہ الحمد۔ واضح رہے کہ مولوی صاحب مرحوم حنفی تھے اور مجھ سے ان کو وہی اختلاف تھا جو اہل حدیث اور احناف میں ہے۔ (اہل حدیث امرتسر۔ ۷۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء ص ۳۔۴)

آپ تحریک ختم نبوت کے سرگرم کارکن تھے ۔۱۸۹۲ء میں جاری ہونے والے متفقہ فتوی تکفیر مرزا پر آپ نے دستخط فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں جن علماء کو دعوت مباہلہ دی تھی ان کا آپ کا نام بھی شامل ہے۔انجام آتھم میں مرزا صاحب نے جن کو تسعة اشرار (۹ شریر) اور مفسدین فی الارض قرار دیا ہے ان میں آپ بھی شامل ہیں۔ جولائی ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی صاحب کے ساتھ جن علماء کو مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا ان میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے جو اشتہار انعامی پانچ سو روپیہ بنام حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر شائع کیا تھا اس کے مخاطبین میں بھی رسل بابا شامل ہیں۔ تحفہ گولڑویہ میں مرزا صاحب نے کسی بزرگ کا خواب شائع کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں علماء اسلام کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور مرزا صاحب کو سزا دی گئی، ان علماء میں بابا رسل بھی شامل ہیں۔ آپ کی وفات دسمبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔

☆ حیرت دہلوی

یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا نام محمد امراؤ بیگ اور والد کا نام مرزا محمد ابراہیم بیگ تھا۔نھیال شیعہ تھے۔ دہلی کے عربی کالج میں پڑھا۔منشی نول کشور کے اودھ اخبار میں ملازم رہے۔مترجم قرآن کے طور مشہور ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ قرآن پہلی بار

۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں دہلی کرزن پریس سے طبع ہوا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے ۱۴ صفحات کا رسالہ لکھا جو مطبع قیومی کان پور سے ۱۳۳۰ھ۔ ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا۔

آپ کی دیگر تصانیف میں بخاری کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں۔ اردو ترجمہ مشکوۃ چار جلدوں میں۔ اردو ترجمہ دارمی۔ سیرت رسول چھ جلدوں میں۔ خلافت شیخین (ابوبکر وعمر) سوانح عمری حضرت علیؓ۔ حیات عائشہ، حیات فاطمہ الزہراء۔ حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل)۔ سوانح لقمان۔ تاریخ عالم۔ حیات حمیدیہ (سلطان عبدالحمید) وغیرہ شامل ہیں۔

مرزا حیرت، کرزن پریس کے مالک تھے۔ اور کرزن گزٹ کے نام سے ایک اخبار کلاں محل دہلی سے فروری ۱۹۰۰ء میں ہفتہ وار شائع کرنا شروع کیا ہوا تھا جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا۔ اخبار کی پالیسی بے باکانہ اور بے لاگ تھی۔ حق گوئی کی خاطر مصیبتیں برداشت کرتے تھے لیکن قلم میں کبھی تذبذب اور ڈھیل یا کمزوری نہیں آنے دیتے تھے۔ کرزن گزٹ ۱۹۱۵ء تک چھپتا رہا۔ اور آپ ساٹھ برس کی عمر پا کر ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء کو فوت ہوئے۔

آپ نے تحریک ختم نبوت میں کام کیا ہے۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں جب مرزا صاحب دہلی میں تھے تو ان کے خلاف سرگرم کارکنان تحریک ختم نبوت میں جناب مرزا حیرت کا نام بہت نمایاں ہے۔ مولوی دوست محمد قادیانی نے لکھا ہے:

> مرزا حیرت دہلوی (۱۸۵۸ء۔۱۹۲۸ء)...نے بعض علماء کے مشورہ سے ایک اشتہار چھپوایا کہ میں اصل مسیح ہوں جو آسمان سے اترا ہوں اور دلی میں دجال آیا ہوا ہے۔ مرزا حیرت یہ اشتہار لے کر فتح گڑھ کے منارہ پر چڑھ گئے اور وہاں سے یہ اشتہار پھینکنے لگے۔... یہی مرزا حیرت ایک روز مصنوعی پولیس افسر بن کر مرزا صاحب کے پاس آئے اور کہا میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں اور مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں اور کس قدر عرصہ ٹھہریں گے اور اگر کوئی فساد ہو تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ آپ مجھے اپنا بیان لکھوا دیں، بلکہ یہاں تک کہا کہ سرکار سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔
>
> (تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۲۶۳۔۲۶۴)

۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب مولانا محمد بشیر بھوپالی کے ساتھ اپنا مباحثہ ناتمام چھوڑ کر

دہلی سے فرار ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں وہ دوبارہ دہلی گئے۔ جہاں خواجہ حسن نظامی نے انہیں خواجہ نظام الدین کے مزار کی زیارت کرائی اور ان کی آؤ بھگت فرمائی۔ قیام دہلی کے دوران مرزا حیرت دہلوی نے انہیں مناظرے کی دعوت دی جس کی مرزا صاحب نے رسید ہی نہیں دی۔ تاریخ احمدیت میں لکھا ہے:

> یکم نومبر ۱۹۰۵ء کو مرزا حیرت دہلوی نے کرزن گزٹ میں مرزا صاحب کے خلاف سخت زہر اگلا اور مناظرہ کا چیلنج بھی دیا۔ مرزا صاحب نے ان کی گزشتہ آزاد اسلامی اور نمائشی طبیعت کو دیکھ کر اعراض ہی مناسب سمجھا۔ البتہ جماعت (مرزائیہ) دہلی کی طرف سے اشتہار دیا گیا کہ مرزا حیرت صاحب محض ایک اخبار نویس ہیں لہذا ان کے ساتھ حیات و وفات مسیح کے موضوع پر اڈیٹر الحکم مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔ مرزا حیرت نے جوابی اشتہار دیا کہ میں ایسی بحثوں کو بے کار سمجھتا ہوں۔ حضرت مسیح ایک بار نہیں، سو بار فوت ہو جائیں (اس سے مرزا صاحب کی مسیحیت کیسے ثابت ہوگی؟)، ہاں ایک شخص (مرزا غلام احمد) کو خواہ مخواہ ابن مریم تسلیم کر لینا بحث طلب ہے (اس لئے مرزا صاحب اس موضوع پر بحث کے لئے آئیں) مرزا صاحب اپنے آپ کو مثیل مسیح کہتے ہیں۔ اچھا ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ مثیل مسیح ہی سہی جبکہ حضور کی ﷺ امت کا فرد مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہو سکتا ہے، پھر اگر مرزا صاحب مثیل مسیح ہو گئے تو کیا غضب ہو گیا، ہمیں اس کی تردید کی کیا ضرورت ہے (ہاں مرزا صاحب کی مسیحیت موعودہ پر بحث کرنا ہے تو آؤ) (الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء ص ۲۔ تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۴۳۹)۔

لیکن مرزا صاحب دامن بچا کر دہلی سے چلے آئے۔

☆ ہدایت اللہ۔ راولپنڈی

آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں نوشہرہ ککے زیاں کے رہنے والے تھے اور ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے۔ والد کا نام بسّے خان۔ آباء و اجداد گرم چادریں بننے کا کام کرتے تھے۔ ہدایت اللہ اپنے خاندان میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دینی تعلیم حاصل کی۔ پہلے گاؤں میں پڑھا پھر سیالکوٹ میں اہل علم سے مستفید ہوئے پھر لاہور میں کچھ بزرگوں سے پڑھا۔

پھر لاہور سے پیدل دہلی گئے اور حضرت میاں نذیر حسین محدث کے شاگرد ہوئے۔ وہاں تعلیم مکمل کر کے سند حاصل کی۔ دہلی ہی میں شریفی خاندان کے اطبا سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں جب سید عبداللہ غزنوی امرتسر میں مقیم تھے (شائد ۱۸۶۵ء کے بعد) تو آپ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، ان کی وفات کے وفات جناب عبدالجبار سے ان کی خط وکتابت رہی۔

۱۸۸۲ء میں اپنے گاؤں نوشہرہ ککے زیاں واپس آئے کچھ عرصہ یہاں طبابت کی پھر راولپنڈی چلے گئے وہاں طبابت کرتے اور مسجد اہل حدیث میں خطابت وامامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور امام مسجد موحدین کہلاتے۔ طلبا کو دینی کتابیں اور طب بھی پڑھاتے۔ وہیں پنجابی میں قرآن کا ترجمہ مکمل کیا اور سورۃ بقرہ کی پنجابی تفسیر لکھی۔ شاعر بھی تھے۔ ان کا دور مناظروں مباحثوں کا دور تھا چنانچہ آپ نے آریہ سماجیوں، عیسائیوں قادیانیوں وغیرہ سے مناظرے بھی کئے۔ چمرقند کی جماعت مجاہدین سے بھی تعلق تھا اور کی مدد کرتے تھے۔ ترجمہ قرآن مطبوع ہے۔

۱۹۱۱ء میں کسی کام سے سیالکوٹ آئے، شدید بخار ہوا اور فوت ہو گئے۔ مولانا ابراہیم میر نے غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کے بڑے بیٹے حکیم عبدالرحمٰن راولپنڈی میں طبابت کرتے تھے ۲۷۔ اگست ۱۹۵۷ء کو فوت ہوئے (اہلحدیث خدام قرآن۔ ص ۶۷۹-۶۸۰)

پیر مہر علی شاہ سے بھی رابطہ رہتا تھا۔ قاضی عبدالاحد خانپوری کے ساتھیوں میں سے تھے۔ مرزائیت کے خلاف ان کے ساتھ مل کر کام کیا، پیر صاحب کی بھی علمی معاونت کرتے رہے۔ قادیانی کی تکفیر کے فتوی پر دستخط فرمائے۔ پیر مہر علی نے قادیانی چیلنج قبول کر کے جو جوابی اشتہار ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو شائع کیا تھا اس پر آپ کے بطور گواہ دستخط ہیں۔

☆ حمید اللہ میرٹھی

۱۸۴۹ء میں میرٹھ کے قصبہ سراوہ میں پیدا ہوئے۔ والد سراوہ کے رئیس تھے اور مسلکاً حنفی اور پیروں کے عقیدت مند۔ بیٹے کا مشرب بھی وہی تھا۔ سراوہ میں ایک متبع توحید بزرگ حاجی عبدالقادر تھے ایک روز انہوں نے حمید اللہ کو کہا مذہبی تعلیم حاصل کرو اور شیخ

عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین پڑھنے کو دی۔ حمید اللہ نے غور سے پڑھا اور سمجھ آگئی۔ ایک دن ان کے پیر تشریف لائے تو ان کے اثنائے وعظ و گفتگو میں چند سوال کئے ۔ پیر نے پریشان ہو کر فرمایا تم وہابی تو نہیں ہو گئے۔ والد کو معلوم ہوا تو انہون سخت سزا دی کہ تم نے پیر کی بے ادبی کی۔ لیکن حمید اللہ گھر سے نکل گئے اور ایک عالم محمد خلیل سے پڑھا۔ پھر خود مسند درس آراستہ کی۔ مطلع العلوم میرٹھ میں کئی سال پڑھا۔ عبدالتواب غزنوی ان کے شاگرد ہیں۔ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں وفات پائی۔

بہت اچھے مناظر تھے۔ بھوج پور (میرٹھ) میں مولوی ناظر حسین حنفی سے فاتحہ خلف الامام پر گفتگو ہوئی تو اس میں بے شمار مقلدین عاملین بالحدیث ہوئے۔ جگا دھری میں مولوی فضل عظیم سے مباحثہ ہوا تو اس میں ۸۰۔ اشخاص اہل حدیث ہوئے۔ حافظ احمد علی محشی بخاری سے بھی ایک یادگار مناظرہ ہوا جس کی روداد رسالہ تحقیق و تقلید (مرتبہ مولوی ابو یحیی ذکریا خان) میں درج ہوئی۔

آپ نے میرٹھ کے علاوہ مراد آباد میں بھی بہت تبلیغی کام کیا جس کی وجہ سے بعض حنفی علماء ان سے ناراض رہتے تھے۔ جناب مولانا عزیز الدین مراد آبادی نے لکھا ہے:

> مجھے حضرات علماء دیوبند میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے حسن عقیدت رہی، آپ نے مسائل اہل حدیث کے مسلک کی تائیدات فرمائیں اور مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی حسن عقیدت ہے، الّا وہ چند مسائل تقلیدی جو نصوص صریحہ کے خلاف ہیں بندہ کو آپ سے خلاف رہا اور اسی بنا پر مجھ سے ناراض ہیں، کہ مراد آباد میں انجمن اہل حدیث و مدرسہ محمدیہ کا ۱۳۲۹ھ میں بمشورہ مولانا حمید اللہ مرحوم سراوی کے قیام ہوا۔ چند اراکین و عہدہ داران تجویز ہوئے۔ اکثر تحریرات و اشتہارات مجھ بندہ ناچیز کے نام سے شائع ہوئیں۔ یہ بنا مخالفت مولانا تھانوی کو پیدا ہوئی مگر آپ کو مقدس بزرگ مانتا ہوں۔

کئی کتابیں تصنیف کر کے شاگردوں کے نام سے چھپوا دیں۔ قرآن پر حاشیہ لکھا۔ احادیث التفاسیر کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں آیات قرآن کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کا اور احادیث کا ترجمہ خود اپنا ہے۔ شروع میں ۲۲ صفحات کا مقدمہ ہے۔

آپ نے دو حج کئے۔ دوسری مرتبہ گئے تو واپس نہیں آئے مدینہ میں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ مولانا احمد حسن شوکت نے شحنہ میں لکھا:

عالم باعمل حمید اللہ زین جہاں شد بگلش رضوان
عاشق سیرۃ پیغمبر بود طیبہ رفت ونمود جاں قربان
در یکے دست شمع نور ہدی در دگر دست مشعل ایقاں
ہم فدائے رسول وسنت او ہم قرین حدیث وہم قرآن

(تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۲۰۔۲۲۱؛ ۵۶۴)

☆ غلام دستگیر قصوری

بن مولوی حسن بخش ہاشمی قصوری نے مولوی عبدالرسول قصوری اور مولوی غلام محی الدین قصوری سے پڑھا۔ تقریباً سترہ کتابیں لکھیں۔ ۱۳۱۵ھ میں وفات ہوئی (فیوض محمدیہ ص ۱۸۷ حاشیہ)

مولانا غلام دستگیر قصوری نے تحریک ختم نبوت میں بہت کام کیا اور تقریر وتحریر کی صلاحتیں اس پر صرف کیں۔ فتوی تکفیر دیا اور مرزا صاحب کے مباہلے کا چیلنج قبول کیا، تاہم مرزا صاحب گریز کر گئے۔ مرزا صاحب سے مباحثوں کی تجاویز بھی ہوتی رہیں اور مرزا صاحب بلطائف الحیل پہلو بچاتے رہے۔ علماء حجاز سے بھی مرزا قادیانی کی تکفیر کا فتوی حاصل کیا۔ جناب خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے کے پاس بھی تشریف لے گئے تاکہ انہیں تحریک کی صفوں میں شامل کرسکیں۔ یہ داستان ہم کسی جگہ بیان کر چکے ہیں۔

آپ حنفی المسلک تھے اور بڑے متشدد۔ دیوبندی علماء سے بھی مباحثے کرتے کراتے رہے اور اہل حدیث علماء سے بھی۔ جناب خلیل احمد سہارن پوری سے ۱۸۸۹ء میں بہاولپور میں ہونے والے مناظرے کے مدار المہام آپ ہی تھے۔ اور لکھوی علماء سے ۱۸۸۳ء میں فرید کوٹ میں ہونے والے مباحثے کے مدار المہام بھی آپ ہی تھے۔ اس کے بعد بھی ادھر ادھر علماء اہل حدیث سے مباحثوں کی آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ جناب خدا بخش واعظ نے بھی ایک اشتہار آپ کے خطاب میں شائع کیا تھا جس کے جواب میں آپ خاموش رہے۔ اور آپ نے حافظ محمد لکھوی سے بھی مباحثہ کیا تھا۔

☆ محمد سعید کنجاہی بنارسی

آپ غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔نام مول سنگھ تھا۔ ایک دفعہ لاہور میں کی ان ملاقات شیخ عبید اللہ نومسلم ہوئی توان کے زیر اثر اسلام قبول کرلیا۔ والد کو اطلاع ہوئی تو آپ کو پکڑ کر ہردوار لے گئے ۔ یہ وہاں سے بھاگ نکلے اور دیو بند میں پڑھنے لگے۔ پھر حدیث سید نذیر حسین محدث سے پڑھی۔ جون پور کے مدرسہ امام بخش میں حافظ عبداللہ غازی پوری سے فقہ واصول پڑھا۔ اس دور میں تلطف حسین اور مولوی علی نعمت عظیم آبادی ان کے شریک سبق تھے اور حافظ صاحب ابھی مقلد تھے۔ ان شاگردوں نے ان سے مناقشے شروع کئے تا آنکہ استاد بھی عامل بالحدیث ہو گئے۔آپ کو شیخ معمر عباس بن عبدالرحمٰن تلمیذ شوکانی سے بھی حدیث کی سند واجازت حاصل ہے۔

کچھ عرصہ حافظ ابراہیم آروی کے مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھایا۔ پھر بنارس میں اپنا مدرسہ بنا لیا اور مدۃ العمر پڑھاتے رہے۔ اشاعت وتبلیغ کے لئے بنارس میں ایک مطبع سعید المطابع قائم کیا جہاں بہت کتب شائع ہوئیں۔

نصرۃ السنہ نکالتے تھے۔ مقدمات بھی چلتے رہے۔ رحیم آبادی علماء سے عید گاہ پر مناظرہ ہوا۔ مرشد آباد والے مناظرے میں بھی موجود تھے۔ میاں صاحب سید نذیر حسین کے کئی خط ان کے نام مکتوبات نذیریہ میں موجود ہیں۔

آپ کی تصانیف میں کیفیت مقدمات مسجد بڑ تلے بنارس۔ ترجمہ فیصلہ مبارک حسین منصف بنارس۔ سیف الابرار علی رأس الاشرار فی جواب فتح الاخیار، کشف الارتیاب عن اجوبۃ المرتاب۔ اسعی المقبول برد اجابۃ المسئول، ہدایۃ المرتاب برد فی کشف الحجاب۔ کیفیت مناظرہ مرشد آباد۔ کیفیت مناظرہ جونا گڈھ۔ عمارۃ المساجد بھدم اساس جامع الشواہد۔ کسی العری باقامۃ الجمعۃ فی القری۔ تعلیم المبتدی فی تحقیق القرأۃ للمقتدی۔ لقطع حبل بالتامین بارد علی القول المتین وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔

آپ نے نصرۃ السنہ کے نام سے ۱۰ ستمبر ۱۸۸۵ء کو ماہنامہ جاری کیا، جس مسجد میں

نماز پڑھتے تھے اس کے صحن میں تعزیہ رکھا جاتا تھا جس کا مقدمہ ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۵ء تک جاری رہا۔ بالآخر مولوی سعید کے حق میں ڈگری ہوئی اور آپ مسجد کے متولی بنائے گئے۔ آپ کے مناظرے مطبوعہ ہیں جن میں کیفیت مناظرہ جوناگڈھ ۸ صفحات پر ۱۳۰۲ھ میں سعید المطابع بنارس سے شائع ہوا۔ کیفیت مناظرہ پڑتلے واقع دارانگر بنارس ۴۶ صفحات پر ۱۳۰۴ھ میں سعید المطابع سے شائع ہوا۔ کشف الستور عن کیفیت مرزا پور ۲۴ صفحات پر ۱۳۰۲ھ میں سعید المطابع بنارس سے شائع ہوا۔ (تذکرۃ المناظرین حصہ اول۔ ص ۱۵۷۔۱۵۸)۔

تحریک ختم نبوت میں سرگرم حصہ لیا۔ مولانا سعید کی وفات رمضان ۱۳۲۲ھ۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔ اولاد میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی مشہور ہوئے جنہوں نے ردّ قادیانیت میں بہت کام کیا۔

☆ نوراحمد لکھوی

حافظ بارک اللہ لکھوی کے سب سے چھوٹے بیٹے کا نام محمد صالح تھا، جنہوں نے اپنے بھائی حافظ محمد لکھوی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ ذکراذکار اور کاشت کاری میں مشغول رہتے۔ تاہم انہوں نے اولاد کو دینی تعلیم دلوائی جن میں مولوی نوراحمد اچھے مناظر اور جید عالم تھے۔ (فیوض محمدیہ)

مولوی نوراحمد نے حافظ محمد لکھوی، مولوی محی الدین سے تعلیم حاصل کی۔ موضع طور میں رہائش رکھتے تھے، علوم میں کامل اور مسلک اہل حدیث کے اچھے مبلغ ومناظر تھے۔ فیروزپور اور لاہور کے علاقوں میں آپ کے مباحثے مشہور ہیں۔ مولوی غلام دستگیر قصوری کے ساتھ اکثر مقابلہ رہتا۔ ۱۸۸۳ء میں فریدکوٹ میں اہل حدیث کے مابہ الامتیاز مسائل پر جو مباحثے ہوئے ان میں آپ پیش پیش تھے... ان مباحثوں پر دو کتابیں لکھی گئیں ایک مولوی غلام دستگیر نے تصریح ابحاث فریدکوٹ کے نام سے لکھی جس میں پلڑا اپنی جانب جھکایا ہے یہ کتاب دوصد صفحات پر مطبع محمدی لاہور سے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی۔ اہل حدیث کی طرف سے مولوی نوراحمد نے لکھا اوران مناظروں کی اجمالی کیفیت کو بیان کیا۔

مولوی نور احمد کا مولوی غلام دستگیر سے ایک مناظرہ کھیم کرن میں ۳ ذی قعد ۱۳۰۲ھ کو ہوا جس میں مسئلہ تقلید زیر بحث تھا اس کی روئداد مولوی نور احمد نے تفصیل سے لکھی ہے جو بنام اشتہار مباحثہ کھیم کرن تحصیل قصور مورخہ ۳ ذی قعد ہے۔ (منقول از فیوض محمدیہ ص ۱۸۴۔ ۱۸۸)

ان کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ کئی قادیانی ان کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تھے۔آپ نے پنجاب سے کشمیر جا کر مرزا صاحب کی تکذیب کی خاطر، مرزا قادیانی کے دعوی کا کہ مسیح کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے، رد کرنے کے لئے تحقیقاتی کام کیا۔ جلسہ لاہور ۱۹۰۰ء میں پیر صاحب گولڑہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور بعد جلسہ مرزا صاحب کے بارے میں منظور ہونے والی قرارداد پر دستخط فرمائے۔

☆ محمد عبداللہ انبیٹھوی

آپ مولوی محمد قاسم نانوتوی کے داماد اور تلمیذ تھے اور حاجی امداد اللہ کے مرید و خلیفہ۔عرصہ تک مکہ میں حاجی امداد اللہ کے پاس مقیم رہے۔سرسید نے آپ کو علیگڈھ کالج (مدرسۃ العلوم) میں ناظم دینیات بنایا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان ص۴۲)۔

۱۹۰۶ء میں انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی طرف سے قادیانیوں کے بارہ میں جو فتوی شائع ہوا تھا اس پر آپ کے دستخط بھی ہیں۔

☆ احمد حسن امروہی

سید احمد حسن، مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں، جسے مولانا نانوتوی نے قائم کیا تھا، ایک طویل عرصہ تک صدر مدرس رہے۔ بہت لوگ آپ کے شاگرد ہوئے جن میں مولوی عبدالرحمٰن خورجوی، مولوی عبدالرحمٰن امروہی وغیرہ شامل ہیں۔۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۹ھ تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ممبر رہے۔

(بیس بڑے مسلمان۔ص۴۲،۷۲)۔

۱۸۹۶ء میں مرزا قادیانی نے مباہلے کا جو چیلنج دیا تھا اس کے مخاطبین میں آپ بھی

شامل تھے۔محمد احسن امروہی قادیانی سے ان کی نوک جھونک کا ذکر ہم نے کسی جگہ کیا ہے۔

☆ محبوب عالم

۱۹۱۲ء تک جن بزرگوں کو تحریک ختم نبوت میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں منشی محبوب عالم مالک و مدیر پیسہ اخبار بھی شامل ہیں۔ان کے اخبار میں خود ان کے اپنے اور دیگر علماء کے مضامین رد قادیانیت پر شائع ہوا کرتے تھے۔طاعون کے دنوں میں آپ نے تحریک کی بہت خدمت کی جیسا کہ مرزائیوں نے لکھا ہے کہ:

دافع البلاء کی اشاعت پر اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے قادیان کی حفاظت سے متعلق پیش گوئی کو غلط ثابت کرنے کے لئے جھوٹی اور خلاف واقعہ رپورٹیں شائع کیں اور قادیان کی حفاظت سے متعلق پیش گوئی کو اعتراضات کا نشانہ بنایا۔تب حضرت (مرزا) نے ان کی مفتریات کا جواب نزول المسیح میں دیا (خزائن جلد ۱۸، ابتدائیہ ص ۱۳)

جہاں تک رپورٹیں شائع کرنے کی بات ہے، یہ تو مرزا صاحب کر رہے تھے۔وہ خود بتاتے ہیں کہ قادیان میں طاعون کا زور ہے۔فرماتے ہیں:

. طاعون کے دنوں میں جبکہ قادیان میں طاعون زور پر تھا، میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا اور ایک سخت تپ محرقہ کے رنگ میں چڑھا جس سے لڑکا بالکل بے ہوش ہو گیا...قریباً رات بارہ بجے کا وقت تھا کہ جب لڑکے کی حالت ابتر ہو گئی اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ یہ معمولی تپ نہیں، اور ہی بلاء ہے۔(حقیقۃ الوحی ص ۸۷ حاشیہ)

(پیسہ اخبار ۱۸۸۷ء میں جاری ہوا۔۱۹۰۴ء میں جب وہ گوجرانوالہ سے لاہور آئے تو پیسہ اخبار بہت شہرت پا چکا تھا اور انیسویں صدی کے آخر میں یہ روزنامہ بن گیا تھا۔اور اس کی ہر دل عزیزی اتنی بڑھی کہ اخبار عام بھی ماند پڑ گیا اور جب تک زمیندار منظر عام پر نہیں آیا صحافتی دنیا میں اس کا چرچا رہا۔پیسہ اخبار بڑا کثیر الاشاعت اخبار تھا اور اس کی قیمت ایک پیسہ تھی۔اس میں خبروں کے علاوہ مفید مضامین اور اشتہارات شائع ہوتے تھے۔پیسہ اخبار نے شعور عامہ کو بیدار اور اخبار بینی کے ذوق کو عام کیا۔منشی محبوب عالم کا انتقال مئی ۱۹۳۳ء میں ہوا۔وہ اردو فارسی انگریزی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی ترکی اور روسی زبانیں بھی جانتے تھے۔آ

پ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ان کی ذاتی لائبریری میں بیس ہزار کتابیں تھیں۔ان کے انتقال کے بعد یہ اثاثہ ان کی بیٹی نے پنجاب یونیورسٹی کو مفت نذر کردیا تھا . (مولانا ظفر علی خان بحثییت صحافی ۔ص ۴۲۔۴۴)

☆ محمود علی شاہ

سید محمد علی شاہ کے بیٹے، چھچھہ ہزارہ میں ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ والد عالم دین تھے۔ان سے پڑھا پھر حافظ محمد لکھوی، مولوی عبد القادر لکھوی، حافظ عبد الہادی سے استفادہ کیا۔فراغت کے بعد چنیوٹ میں ایک عرصہ تک دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ وعظ و تقریر کا ملکہ حاصل تھا ..آپ کا طرز گفتگو بڑا دل کش تھا اور واعظ آپ کی نقل اتارنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب تشریح ابحاث فرید کوٹ میں صفحہ ۱۴۱ پر ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی گروہ کا ایک شخص چھچھ ہزارہ کا رہنے والہ محمود شاہ نامی نواح قصور میں (اسی گروہ سے مراد لکھوی خاندان اور اس کے علاوہ ہیں) یہ محمود علی شاہ مسلک اہل حدیث کا پرچار کیا کرتے تھے۔مولوی غلام دستگیر نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ سید محمود علی شاہ نے فرضیت جمعہ فی القری کے موضوع پر ایک کتاب بنام تبصرۃ الجمعہ بھی لکھی تھی۔جس کا انہوں نے اپنے زعم میں جواب بھی لکھا تھا۔شاہ صاحب نے ایک نصیحت نامہ بھی لکھا تھا جو طبع ہوا۔آپ کے بیٹے سید احمد علی شاہ تھے جو آپ ہی طرح عالم فاضل اور اچھے واعظ تھے۔ محمود علی شاہ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ھ میں ہوئی۔ (فیوض محمدیہ ص ۲۶۵۔۲۶۷)

جناب محمود شاہ نے تحریک ختم نبوت میں بڑا کام کیا۔مرزا صاحب آپ سے بہت نالاں رہے۔انکے لٹریچر میں جا بجا محمود شاہ کا تذکرہ ہے۔ اور آپ تحفہ گولڑویہ والے اس خواب میں بھی موجود تھے جس میں مرزا صاحب کو جوتیاں پڑیں تھیں۔

☆ خلیل احمد انبیٹھوی

حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد سے ہیں۔ دسمبر ۱۸۵۲ء۔صفر ۱۲۶۹، اپنی ننھیال

نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ جب (آپ کے ماموں) مولانا یعقوب نانوتوی دیوبند کے صدر مدرس ہوئے تو آپ وہاں آکر جماعت کافیہ میں شریک ہو گئے۔ پھر ۱۲۸۳ھ میں مظاہر العلوم بنا، تو وہاں چلے آئے اور ۱۹ سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں وہیں سے فارغ ہوئے۔ دیگر اساتذہ میں مولوی فیض الحسن سہارنپوری، مولانا عبدالقیوم بھوپالی، شیخ احمد دحلان، اور شاہ عبدالغنی مجددی شامل ہیں۔ مولانا رشید گنگوہی کے مرید ہوئے اور حاجی امداد اللہ سے بھی فیض یاب ہوئے۔

کچھ عرصہ منگلور کے مدرسہ عربی میں مدرس رہے۔ اس کے بعد بھوپال، بہاولپور، بریلی، دیوبند، مظاہر العلوم میں مدرس رہے۔ ۱۲۹۳ھ میں مولوی جمال الدین مدار المہام نے بھوپال بلا لیا۔ اسی سال پہلا حج کیا۔ واپسی پر بھوپال نہیں گئے بلکہ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ میں سکندر آباد ضلع بلند شہر کے مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہو کر چلے گئے۔ پھر مولوی شمس الدین کی طلب پر اسکے بچوں کو پڑھانے بہاولپور چلے گئے۔ نواب بہاولپور کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان کی یاد میں چند مدارس بنائے گئے جن میں ایک خاص بہاولپور میں تھا، جس کے لئے مولوی شمس الدین کا مکان تجویز کر کے مولانا خلیل احمد کا تقرر اسی مدرسہ کے لئے کر دیا گیا۔ ۱۸۷۹ء میں نواب صادق محمد خان کو اختیارات حکمرانی عطا ہوئے تو صادق ایجرٹن سکول کھولا گیا اور اس کے متعلق شعبہ دینیات قائم رہا۔ مدارس ایصال ثواب بھی اسی کے ماتحت کر دیئے۔ آپ صدر مدرس دینیات رہے، بعد میں جون ۱۸۸۱ء میں افسر دینیات ہو گئے۔ تاہم فرمایا کرتے کہ اہل بہاولپور کو میری علمی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی رغبت نہیں رہی... فرماتے کہ بہاولپور میں علم دین کا ماہر ہونا کسی شخص کی قسمت میں نہیں معلوم ہوتا۔

اسی دوران ردشیعہ میں ہدایات الرشید کے نام سے ضخیم کتاب لکھی۔ پھر براہین قاطعہ (مولوی عبدالسمیع کی کتاب انوار ساطعہ کے جواب میں) لکھی۔ لوگوں نے شور مچایا اور نواب صاحب سے شکایت کی کہ مولوی خلیل احمد بد دین اور کافر ہے اور براہین میں حق تعالی کو نعوذ باللہ کاذب کہتا ہے، اسے آمادہ کیا کہ خلیل احمد کا علماء سے مناظرہ کرا دیا جائے چنانچہ ریاست کی طرف سے ۱۸۸۹ء میں مناظرے کا اہتمام ہوا۔ مولانا محمود حسن، مولوی صدیق احمد، مولوی عبدالحق پوری، مولوی محمد مراد آپ کے معاونین تھے۔ پیر غلام فرید حکم قرار دیئے گئے۔ مولوی غلام دستگیر قصوری، مولوی سلطان محمود تلہیڑی والے مخالف مناظر تھے۔ دونوں طرف سے بعد ازاں فتح کے اعلان اخباروں ہوئے۔ اس مناظرے کے بعد بہاولپور میں ایسے

حالات پیش آئے کہ وہاں رہنا خطرناک ہوگیا اس لئے جولائی ۱۸۸۹ء مطابق ذی قعد ۱۳۰۶ھ آپ نے بہاولپور چھوڑ دیا۔

بعد ازاں بریلی کے مدرسہ مصباح العلوم میں دو سال رہے۔ ۱۳۰۸ھ میں دیوبند مدرس دوم ہوکر آ گئے۔ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ میں مظاہر العلوم کے صدر مدرس ہوکر آ گئے جہاں آپ نے ۳۱ سال پڑھایا۔

ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں ابو داؤد کی شرح ، بذل المجہود کا آغاز کیا جو شعبان ۱۳۴۵ھ میں بڑی تقطیع کے دو ہزار صفحات میں پانچ جلدوں میں ختم ہوئی۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مدینہ میں انتقال ہوا۔

اہل کوہ لنڈھور نے ایک مرتبہ آپ کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے بلایا۔ آپ نے مولوی محمد یحی سہسرامی کو کہ مدرسہ کے مدرس تھے مناظر بنا کر کھڑا کیا اور خود پاس بیٹھے رہے۔ (تذکرۃ الخلیل ملخصاً) سنہ معلوم نہیں ۔۱۹۱۲ء کے بعد معلوم ہوتا ہے(یحی سہسرامی مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے مشہور عالم، ذی استعداد فاضل تھے۔بیس بڑے مسلمان ص ۴۹)

مرزا قادیانی کی تکفیر کے متفقہ فتوی پر دستخط فرمائے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی کے نام اشتہار میں جن علماء کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا ان میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ ستمبر ۱۹۰۶ء میں انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی جانب سے جو فتوی شائع ہوا تھا اس پر بھی آپ کے دستخط موجود ہیں۔

☆ صدیق احمد انبیٹھوی

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری کے چچا زاد بھائی تھے، دیوبند میں پڑھا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید ہوئے۔ فارغ ہوکر مالیر کوٹلہ چلے گئے۔حکیم عبدالمجید خان دہلوی جب وہاں گئے اور آپ کو دیکھا تو طب پڑھنے کی ترغیب دی پھر ساتھ ہی دہلی لے آئے طب کی تکمیل کرائی اور مطب بھی کرایا۔لیکن چھوڑ دیا۔ بتاتے ہیں کہ

> فارغ ہونے کے بعد مجھے .. مدرسہ دیوبند ہی میں مدرس بنا لیا گیا۔طلباء مجھ سے پڑھنے کے شائق ہوئے۔ میں مولوی رفیع الدین مہتمم کو تجویز پیش کی کہ وظیفہ کے لئے کافیہ

اور قدوری کی قید اٹھا دیجئے اور طالب علم چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کھانا مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ منظوری ہوئی۔ مدرسہ کے نصاب میں نحو میر کے لئے دو مہینے مقرر تھے مگر میں نے اپنی جماعت کو آٹھ دن میں نحو میر حفظ کرادی۔ مولانا یعقوب صدر مدرس سے دوسرے مدرسین نے شکایت کردی۔..انجام کار مجھے مدرسہ سے نکال کر گلاوٹھی بھجوا دیا گیا۔..

دار العلوم مالیر کوٹلہ چلے گئے وہاں ریاست کے قاضی رہے۔ مشہور اہل افتاء میں شمار ہوتے تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر تھے۔ آپ صاحب کشف تھے۔ عاشق الٰہی میرٹھی بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ ظہور مہدی کے غایت قرب کی بابت اپنے کشوف بیان فرمانے لگے گویا ہر لحہ انتظار ہے اور توقع غالب ہے کہ اسی سال ظہور ہو جائے ..ایک مرتبہ فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے شروع میں مجددیت کا دعوی کیا تھا۔ میں اس وقت مالیر کوٹلہ میں تھا اور بھائی مشتاق احمد کے پاس جو کہ لدھیانہ کے سکول میں ہیڈ مولوی تھے وطن کو آتے جاتے ٹھیرا کرتا تھا۔ مرزا صاحب بھی اکثر لدھیانہ آتے تھے اور مریدوں میں خوب آؤ بھگت ہوتی تھی۔ بھائی مشتاق احمد کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ مولوی صاحب ذرا معلوم تو کریں کہ آیا واقعی وہ مجدد ہیں؟ میں نے کہا جب ایسا اتفاق ہو کہ وہ آئے ہوں اور میں بھی یہاں موجود ہوں تو اس وقت چلیں گے۔ اتفاق سے ایسا موقع پیش آ گیا اور ایک مجلس میں میرا اور مرزا صاحب کا اجتماع ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ علمی گفتگو میں تو مرزا صاحب کچھ الٹی سیدھی بولتے ہی رہیں گے اور نتیجہ نہ نکلے گا لہذا میں نے ان سے پوچھا کیا واقعی آپ مجدد ہیں؟ کہاں ہاں۔ میں نے کہا تو آپ کو مقامات سلوک ضرور طے کرائے گئے ہوں گے؟ بولے جی ہاں۔ میں نے کہا سیر اجمالی ہوئی یا تفصیلی؟ کہا اجمالی ہوئی۔ میں نے کہا سیر اجمالی والا مجدد نہیں ہو سکتا کہ حضرت مجدد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں فلاں جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس پر مرزا صاحب بولے مجھے اجمالی اور تفصیلی دونوں قسم کی سیر کرائی گئی ہے۔ میں نے کہا تفصیلی بیان کیجئے۔ بولے ایسی تفصیل تھی جیسے ریل گاڑی چل رہی ہو کہ بظاہر تفصیلی ہوتی ہے مگر یاد کچھ نہیں رہتا۔ میں نے کہا ایسی تفسیر میں اسٹیشن تو تمامی پڑتے ہیں، انہی کے نام شمار کرا دیجئے۔ تو کچھ جواب نہ بن پڑا اور اکثر مولوی صاحبان کو جو مجمع میں موجود تھے ان کی طرف سے اعتقاد جاتا رہا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۴۔۲۲۵)

۱۳۰۲ھ میں حج کو گئے۔ عمر کا آخری حصہ مالیر کوٹلہ میں گزرا۔ وہیں ستمبر۔ اکتوبر 1925ء (صفر ۱۳۴۴ھ) میں وفات ہوئی۔ ۱۲۸۹ء میں مناظرہ بہاولپور میں مولانا خلیل احمد اور مولانا محمود حسن کے ساتھ تھے۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۱۹۔ ۲۲۷ ملخصاً)

مرزا کی زندگی میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا۔ ستمبر ۱۹۰۶ء میں انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی طرف سے جو فتوی قادیانیوں کے بارہ میں شائع ہوا اس پر آپکے دستخط ہیں۔

 محمد علی مونگیری

صوبہ بہار کے مشہور عالم اور سجادہ نشین تھے۔ ندوۃ العلماء کے بانیوں میں سے تھے۔ اور ناظم بھی رہے۔ اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں:

> مولود شریف کے جلسے کراؤ اور اس میں ان کے (مرزا صاحب اور ان کے ساتھی) حالات بیان کرو۔ جس مقام کے لوگ نہایت غریب ہیں ان سے کہو کہ تم سنو، شیرینی وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ میں تمام محبین سے کہتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ تم ہر جگہ پہنچو۔ یہاں سے رسائل قادیانی کے متعلق منگوا کر ان لوگوں کو دو۔

آپ کہا کرتے تھے کہ اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور اس طرح تقسیم کرو کہ ہر مسلم جب صبح سو کر اٹھے تو اپنے سرہانے رد قادیانی کی کتاب پائے۔

بہار میں ایک تاریخی مناظرہ (۱۹۱۱ء میں) ہوا۔ تقریباً چالیس علماء شریک تھے جن میں مولانا مرتضی حسن، انور شاہ کشمیری، شبیر احمد عثمانی، عبد الوہاب بہاری، مولانا ابراہیم سیالکوٹی شامل ہیں... مولانا مرتضی حسن مولانا محمد علی مونگیری کے وکیل ہو کر مناظر ہوئے۔ سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت ص ۱۷۶۔ ۱۷۷ ملخصاً)

آپ نے رد قادیانیت میں کئی مختصر رسائل تحریر کر کے عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ چند رسائل کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور چند رسائل درج ذیل ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ وہ ۱۹۱۲ء کے بعد منظر عام پر آئے۔ ان رسائل کا تعارف مولانا اللہ وسایا ڈیری کی کتاب قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت سے نقل کیا جاتا ہے۔

فیصلہ آسمانی ۳ حصے مع تتمہ۔ کل صفحات ۴۰۰۔ اردو ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۲ھ کے لگ

بھگ طبع ہوئیں ۔ حصہ اول محمدی بیگم سے نکاح والی پیش گوئی پر بحث ہے ۔ دوم میں بتایا ہے کہ مرزا قادیانی کا خود کو جامع صفات کمالیہ سمجھنا اور نبوت کا دعوی کرنا ، اور پھر اپنی تحریرات سے جھوٹا ثابت ہونا ، یہ محض قدرت خداوندی کا فضل ہے کہ اس نے جتنے بلند بانگ دعوے کئے ان سے کہیں زیادہ بلند بانگ حقائق سے جھوٹا ثابت ہوا ۔ تیسرے حصہ میں ، حضور ﷺ کے بعد جھوٹے مدعیان نبوت کا دعوی کرنا ، ان کے جھوٹے استدلالات کے سچے جوابات ، مرزا قادیانی کی پیش گوئیوں کا بطلان ، ایسے مباحث ہیں ۔ (فیصلہ آسمانی کے جواب میں عبدالماجد قادیانی نے القائے ربانی لکھی ۔ اس عبدالقادر کے بھائی مولوی حکیم ولی الدین بھاگلپوری نے القائے ربانی کے جواب میں محکمات ربانی لنسخ القائے قادیانی تحریر فرمائی) ۔

شہادت آسمانی ۔ ۴۴ صفحات ۔ اس میں ان دو گہنوں کے اجتماع کا ذکر ہے جس کو مرزا قادیانی نے اپنے لئے شہادت آسمانی قرار دیا ، اور اس حدیث کی شرح ہے جس میں خاص گہنوں کے اجتماع کو امام مہدی کی علامت کہا گیا ہے اور حالات و واقعات علم و عقل کی روشنی میں مرزا قادیانی کے اس استدلال کو ہباء منثوراً کیا گیا ہے ۔

دوسری شہادت آسمانی ۱۹۲۸ء کی مطبوعہ ہے اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ رمضان میں معمولی گہنوں کا اجتماع جیسا کہ ۱۳۱۲ھ میں ہوا تھا ۔ صرف مرزا نے اپنی بناوٹ اور فریب کے لئے اس کو اپنے لئے نشان آسمانی قرار دیا ہے ۔

معیار المسیح ۔ ۳۶ صفحات ۔ اردو ۔ مرزا قادیانی نے مسیح ہونے کا دعوی کیا ۔ آپ نے یہ رسالہ لکھ کر مسیح کی عظمت کو ثابت کیا کہ مرزا اس معیار پر پورا نہیں اترتا ۔

اطلاع رحمانی براغلاط قادیانی ۔ ۸۴ صفحات

معیار صداقت ۔ ۱۶ صفحات ۔ اس میں مرزا قادیانی کی صداقت کا معیار اور نکاح والی پیش گوئی کا محققانہ جواب ہے ۔

دعوی نبوت مرزا ۔ صفحات ۴۵ ۔ ۱۹۱۶ء ۔ صحیفہ رحمانیہ کا نمبر ۷ ہے اس میں مرزا قادیانی کے دعوی نبوت کو اس کی کتابوں سے باحوالہ ثابت کر کے اس کا رد کیا گیا ہے ۔

تنزیہہ ربانی از تلویث قادیانی ۔ متعدد آیات سے ثابت کیا ہے کہ اللہ کا کلام کذب و وعدہ خلافی سے منزہ ہے ۔ مرزا قادیانی کا محمدی بیگم کی پیش گوئی کو اللہ کا وعدہ قرار دینا اور پھر اس کا پورا نہ ہونا مرزا کے جھوٹے ہونے کیلئے کافی ہے ۔

مسیح قادیان کی حالت زار کا بیان ۔ ۳۲ صفحات ۔ اردو طبع سوم ۱۳۴۳ھ

حقیقت رسائل اعجازیہ قادیانیہ ۔ ۷۸ صفحات اردو ۔ ۱۳۳۶ھ ۔ مرزا قادیانی کے رسائل اعجاز مسیح اور اعجاز احمدی کا مکمل جواب اور رد تحریر کیا ہے ۔

مرزائیوں سے خیر خواہانہ گذارش ، مسیح قادیان کی حالت زار کا بیان ۔ ۱۲ صفحات اردو ۔ مرزائی کتب سے مرزا کے حالات بیان کر کے مرزا سے بچنے کی گزارش کی گئی ہے ۔

حقیقت المسیح ۔ ۶۴ صفحات اردو ۔ مسیح کی علامات ونشانیوں کو دلایل و براہین سے واضح کر کے مسیح کاذب (مرزا) کی حالت کو ان پر منطبق کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی جعلی مسیح تھا ۔ نیز یہ کہ اس میں حقیقی مسیح کی ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی ۔

☆ عبدالعزیز قلعوی

مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ کے بیٹے تھے ۔ والد کی وفات کے وقت کی ان عمر چھ سات سال تھی ۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے اساتذہ کون ہیں ۔ عربی کے عالم ، اردو فارسی اور پنجابی کے شاعر تھے ۔ اہلحدیث کے اکابرین میں سے تھے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جن بزرگوں سے آل انڈیا کانفرنس کے لئے مشورہ طلب کیا ان میں آپ بھی شامل ہیں ۔ قادیانیت کے خلاف متحرک رہے ہیں ۔ تبلیغ کیلئے دیہاتوں میں جاتے تھے ۔ (مولانا عبدالعزیز العدل کے مضامین پر ان کے تعاقب اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوتے رہے) پنجابی میں قرآن کے پہلے پارے کی تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر عزیزی تھا ۔ (طبع نہیں ہو سکا) ۔ مولانا غلام رسول کے دو بیٹے تھے ، عبدالقادر اور چھوٹے عبدالعزیز ۔ مولانا غلام رسول کی وفات کے وقت ان کی عمریں بالترتیب بارہ تیرہ ، اور چھ سات سال تھیں ۔ مولانا عبدالعزیز نے ۱۹۳۶ء یا اس کے کچھ عرصہ بعد وفات پائی ۔

آپ تحریک ختم نبوت کے بڑے سرگرم کارکن رہے ہیں ۔ رد قادیانیت میں اشعار بھی کہتے تھے ۔ ۴ نومبر ۱۹۳۲ء میں ص ۷ اور ۸ پر آپ کا قصیدہ یائیہ (بقیہ) شائع ہوا جو فارسی میں ۳۵ اشعار ہیں مرزائیوں کے خلاف ہے ۔ پہلا حصہ اس سے پہلے شمارے میں ہے رد قادیانیت کی وجہ سے قادیانی ان کے حال پر مہربان رہتے تھے ۔ جیسا کہ مولانا امرتسری

ایک دفعہ .مرزائی اخلاق ۔ کے عنوان سے لکھتے ہیں :

ضلع گوجرانوالہ میں ایک موضع قلعہ میہاں سنگھ مشہور مردم خیز گاؤں ہے جہاں ایک بزرگ ولی اللہ مولوی غلام رسول مرحوم گذرے ہیں جو حضرت مولوی عبداللہ غزنوی کے مرید خاص تھے۔ ان مرحوم کی اولاد میں آج بھی ایک صاحب مولوی عبدالعزیز صاحب علم زندہ ہیں جو صاحب تقریر کے علاوہ صاحب تحریر بھی ہیں ۔آپ نے ایک پارہ کی تفسیر القرآن اردو میں لکھی ،اس میں کھیر کا ذکر بھی آتا ہے۔اس لئے صفراوی مزاج والوں کو میٹھا ناموافق ہوا تو انہوں نے قئے کر دی ۔ چنانچہ ایک مرزائی صاحب نے نہائت میٹھے لہجے میں مولوی صاحب موصوف کو (ایک تلخ) خط لکھا جو درج ذیل ہے (اسکے بعد مرزائی کا بڑا تلخ خط درج کیا ہے)۔(اہل حدیث امرتسر ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء ص ۵)

۱۹۰۶ء میں انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی جانب سے قادیانیوں کے بارے میں جو فتوی جاری ہوا اس پر آپ کے دستخط بھی ہیں ۔ رد قادیانیت میں ان کی خدمات کا سلسلہ ۱۹۱۲ء کے بعد بھی جاری رہا۔

☆ جماعت علی شاہ

علی پور ضلع سیالکوٹ کے مشہور پیر طریقت ۔پیر مہر علی شاہ کے استفادہ کیا تھا۔خواجہ فقیر محمد تیراہی ، چورہ شریف ضلع کیمبل پور سے خلافت پائی۔ جلسہ لاہور ۱۹۰۰ء میں تشریف لائے اور رد قادیانیت پر شاہی مسجد میں تقریر بھی فرمائی ۔ برصغیر کی مشہور شخصیت تھے۔سو برس سے زائد عمر پائی۔کئی حج کئے۔ ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور جب مرزا قادیانی وہاں موجود تھے، مباہلے کی دعوت دی۔سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ۔ تحریک ہجرت کی مخالفت کی ۔آگرہ میں آریوں نے فتنہ کھڑا کیا تو اس نواح کے اضلاع میں تبلیغ کرائی مساجد بنوائیں۔شیعہ اور غیر مقلدین کے ساتھ مناظرے کئے اور کتابیں تالیف کروائیں ۔مریدوں کا ایک بڑا سلسلہ چھوڑ گئے ۔ ۱۳۷۰ھ۔مطابق ۱۹۵۱ء میں فوت ہوئے (مہر منیر۔ص ۴۰۶)

رد قادیانیت میں آپ کی سرگرمیوں کا تذکرہ تاریخ احمدیت میں بھی ملتا ہے۔

جناب دوست محمد قادیانی نے لکھا ہے:

احمدیوں کو مشوّش کرنے کے لئے ایک حربہ یہ استعمال کیا گیا کہ کثرت سے مرزائی لوگ تائب ہو کر بیعت کر رہے ہیں ۔ یہ پراپیگنڈی پیر سید جماعت علی شاہ کے مریدوں نے کیا ۔ (المجدد ۔ لاہور جون ۱۹۰۸ء) ۔ پیر صاحب موصوف کے مریدوں نے تو بس حد ہی کر دی کہ مرزا صاحب کی وفات کو اپنے پیر کی کرامت مشہور کر دی ۔۔ پہلے کہا کہ پیر صاحب نے ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء بروز جمعہ شاہی مسجد میں کہا تھا کہ مرزا بہت جلد ذلت اور عذاب کی موت مارا جائے گا ۔ (المجدد جون ۱۹۰۸ء ص ۷) ۔ پھر یہ خبر پھیلائی کہ دراصل ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو پیر صاحب نے کہا تھا کہ آج میں مجبوراً کہتا ہوں کہ آپ سب دیکھ لیں گے کہ کل چوبیس گھنٹے میں کیا ہوتا ہے ۔ المجدد جولائی ۱۹۰۸ء ص ۵۰ ۔ ۔ پھر کئی سال یہ کہنا شروع کر دیا کہ پیر صاحب نے ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء مرزا کو مقابلہ مناظرہ کے لئے للکارا اور اس کی ہلاکت کے لئے مجمع عام میں دعا کی اور فرمایا کہ مرزا کو تین دن کی مہلت ہے ۔ پیر صاحب کی طرف سے روزانہ آدمی مرزا کے پاس جاتے رہے ۔ آخر بروز اتوار پیر صاحب نے کہلا بھیجا کہ اب صرف ایک دن کی مہلت ہے توبہ کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ۔ مرزا کو مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ ہوا ۔ سنا گیا ہے کہ بروز دوشنبہ خربوزہ کھانے کے بعد ہیضہ ہو گیا ۔ برق آسمانی برخرمن قادیانی ۔ از ظہور احمد بگوی ص ٦۱ ۔

خواجہ غلام الثقلین بی اے ایل ایل بی نے عصر جدید میں ایک احمدی کا فرضی مکالمہ شائع کیا ۔ (الحکم ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء ص ۱ ۔ ۲) اور لکھا کہ قادیانی تحریک ختم ہو گئی ہے ۔

انجمن حامی اسلام اور دوسری انجمنوں کے جلسے ہوئے ۔ مرزا صاحب کی وفات پر ملک کے طول و عرض میں احمدیت کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ۔ خصوصاً لاہور میں نام نہاد انجمن حامی اسلام کے علماء نے جس کے کرتا دھرتا ملا محمد بخش صاحب (جعفر زٹلی) تھے مرزا کی لاہور آمد پر ہی آپ کی قیام گاہ کے سامنے ایک اکھاڑہ سا قائم کر رکھا تھا ۔ رسالہ المجدد لاہور (جون ۱۹۰۸ء) لکھتا ہے : مرزا قادیانی کی فرودگاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر اس کے عقاید باطلہ اور دعاوی کاذبہ کی تردید میں متواتر جلسے ہونے شروع ہو گئے ۔ علمائے اسلام کی ایک جماعت تیار کی گئی ... یہ جتنی کوششیں تھیں صرف عالی جناب ملا محمد بخش سکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور کی ان تھک اور جان توڑ خدمات اسلام کا نتیجہ تھیں ۔ یہ شاندار جلسے روز افزوں ترقی کرتے گئے اور آخر وہ دن آ پہنچا کہ انجمن

حامی اسلام لاہور کی سچی اسلامی خدمات کا اے ثمرہ ملتا یعنی وہ دن آ پہنچا کہ مرزا قادیانی بمعہ اپنے دعاوی اور الہامات اور پیش گوئیوں کے تباہ اور ہلاک ہو جائے ...اسی شام کو مقام سابق پر ایک عظیم الشان جلسہ تزک و احتشام سے منعقد ہوا اور ہر ایک عالم نے قادیانی دعاوی کو بمعہ مرزا کے خاک میں ملایا خصوصاً پیر جماعت شاہ نے اپنی تقریر کے اخیر میں ملا محمد بخش کی اسلامی خدمات کا نہایت عمدہ اعتراف کیا اور بسلسلہ حسن خدمات یک صد روپیہ انعام بمعہ خلعت فاخرہ اور ایک تمغہ نقری عطا فرمایا۔ اور حضرات علماء نے مل کر سکرٹری صاحب کو خادم الاسلام کا خطاب مرحمت فرمایا...کئی روز تک جلسے ہوتے رہے ان جلسوں میں پیر جماعت علی نے ۱۵۔۲۰ قریب علماء دین و دیگر حضرات کو بصلہ حسن خدمات تمغہ جات نقرئے عطا فرمائے (تاریخ احمدیت ج ۴۔ص ۲۱۵۔۲۱۷ ملخصاً)

☆ محمد انور شاہ کشمیری

محمد معظم شاہ بن شاہ عبد الکبیر شاہ کے بیٹے تھے ۔۱۲۹۲ھ۔ ۱۸۷۵ء میں علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے ۔تین سال تک ہزارہ میں علماء سے پڑھا پھر سترہ سال کی عمر میں دیوبند آ گئے ۱۳۲۱ھ میں سند فراغ حاصل کی ۔مولانا محمود حسن کے معروف شاگردوں میں سے ہیں ۔منقولات و معقولات میں ماہر تھے۔تین چار سال مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس رہے پھر کشمیر واپس چلے گئے ۔خواجگان قصبہ بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی ۔تین سال وہاں پڑھایا۔ پھر دیوبند جلسہ دستار بندی میں مدعو ہوئے ۔جا کر سند لی اور مدرس ہو گئے ۔

مولانا محمود حسن کے حجاز جانے پر آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس ہوئے اور ۱۳۴۵ھ تک اس منصب پر فائز رہے ۔ جب منتظمین دارالعلوم میں اختلاف ہوا تو آپ قطع تعلق کر کے مفتی عزیز الرحمان ۔مولانا شبیر احمد عثمانی ۔ مولانا سراج احمد رشیدی ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۔اور مولانا بدر عالم میرٹھی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک وہاں ۔صفر ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) میں دیوبند میں فوت ہوئے ۔

ردّ قادیانیت میں آپ کو بہت اہتمام تھا خود بھی اس موضوع پر لکھا، شاگردوں سے بھی لکھوایا۔ مرزا غلام احمد سے ان کے ایک خوابی مناظرے کا ذکر ملتا ہے۔مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد آپ رد قادیانیت میں بہت سرگرم رہے ۔ جا بجا جلسوں میں تقاریر

فرمائیں۔ بہاولپور میں قادیانیوں سے تنسیخ نکاح کا مقدمہ چلا تو آپ بھی مع دیگر علماء وہاں تشریف لے گئے اور طویل بیان ریکارڈ کرایا۔

فیروز پور میں قادیانیوں کے ساتھ ایک مناظرے کیلئے مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا مرتضی حسن، مولانا بدر عالم، مفتی محمد شفیع، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ تشریف لائے۔ قادیانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ قادیان کے اسلامی جلسوں میں بھی جاتے رہے۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام، تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔ خاتم النبین فارسی، وغیرہ رد قادیانیت میں آپ کی تصانیف ہیں (اور شائد سبھی ۱۹۱۲ء کے بعد کی ہیں) (بیس بڑے مسلمان ملخصاً۔ ص ۴٦، ۴۷؛ ۳۷۹۔ ۳۹۹)

☆ فقیر اللہ مدراسی

پنجاب کے ضلع خوشاب کے موضع کٹھہ مصرال کے فتح دین ولد عبداللہ کے گھر ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی محمد نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے علم حدیث اخذ کیا۔ اور موضع کٹھ مصرال کو اپنی جہد وسعی کا مرکز بنایا۔ (۱۳۱۱ھ میں وفات ہوئی) ۔آپ نے بھائی عبدالرحمٰن بھی عالم ہوئے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی محمد، مولوی یسین رحیم آبادی، مولوی محمد اسحاق منطقی رام پوری، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی یوسف حسین خان پوری، حافظ عبد المنان وزیر آبادی اور میاں صاحب دہلوی سے پڑھا۔ فن نحو میں ایسی مہارت تھی کہ نحوی نام کا جزو بن گیا۔ دہلی میں پڑھاتے رہے۔ وہیں فوت ہوئے۔ فقیر اللہ دونوں بھائیوں سے زیادہ معروف ہوئے۔۔ بڑے بھائی مولوی محمد سے ملاحسن تک پڑھا ۔ پھر مولوی محمد سبرالی، مولوی خلیل الرحمٰن شاہ پوری (تلمیذ میاں صاحب)، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولوی طاہر سلہٹی، مولوی یسین رحیم آبادی سے پڑھا۔ پھر میاں نذیر حسین محدث کتب ستہ مکرراً، سنن دارمی، موطا مالک جلالین ہدایہ (نامکمل) پڑھی۔ بعد ازاں مولوی قادر علی سے ہدایہ (کامل)، اور مولوی اسحاق رام پوری سے کتب معقولات پڑھیں۔ ان کے علاوہ شیخ حسین بن محسن انصاری سے اجازت اطراف صحاح اور مولانا محمد بشیر سہسوانی سے صیانۃ الانسان سے اجازت تامہ حاصل ہوا۔

تکمیل کے بعد مطبع مجتبائی دہلی میں تصحیح کتب پر مامور ہوئے ۔ اسی زمانہ میں جماعت اہل حدیث بنگلور کی طرف سے سوداگر سید عباس کا ایک خط میاں صاحب کے پاس پہنچا کہ ہمارے ہاں مولوی سلطان احمد بریلوی نے مسلک اہل حدیث کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنا رکھا ہے لہذا کسی ایسے عالم کو روانہ فرمایئے جو نہ صرف حامل علوم دین ہو بلکہ حکمت و دانش کے ساتھ مولوی سلطان احمد سے مناظرہ بھی کر سکے ۔ میاں صاحب نے مولانا فقیر اللہ کو بھیج دیا ۔ بنگلور میں ان کا مولوی سلطان احمد سے مناظرہ ہوا ۔ اور سلطان ، فقیر سے ہار گیا اور یوں آپ بنگلور میں عاملین حدیث میں ہر دل عزیز ہو گئے اور ان کے اصرار پر آپ کو جنوبی ہند میں سکونت اختیار کرنا پڑی ۔

مولانا فقیر اللہ نے تبلیغی ضرورتوں کے پیش نظر بنگلور میں مدرسہ نصرۃ الاسلام کی بنیاد رکھی ۔ پیارم پیٹ (مدراس) کے عالم مولوی سید عبد القادر نے وصیت کی کہ میرے بعد میری جگہ فقیر اللہ کو لائیں ۔ یوں آپ وہاں چلے گئے اور مدرسہ احیاء الاسلام کی بنیاد رکھی ۔

مولانا ثناء اللہ عمری بتاتے ہیں :

پرنام بٹ مولانا گنگوہی سے ایک دین پسند دولت مند وابستہ ہو گئے تو وہاں کے اہل فقہ میں مراسم وخرافات وشرکیات سے بعد ہو گیا ۔ ایسی فضا میں وہاں مولانا قاضی شاہ عبد القادر پریاپٹمی آ کر آباد ہوئے انہوں نے یہاں مسلک اہل حدیث کی بنیاد رکھی پھر مولانا فقیر اللہ، تشریف لائے جو علوم متداولہ کے کامل و مکمل بزرگ تھے اور علوم ظاہری کے ساتھ مولانا سید عبد الجبار غزنوی سے تلمذ وارادت رکھتے تھے اور قلب سلیم سے نوازے گئے تھے ۔ انہوں نے یہاں کام شروع کیا..ان کے باعث یہ شہر بالکلیہ پاک ہو گیا ۔ اس طرح یہاں دو مکتب فکر اہل حدیث غزنوی سادات کے طرز پر پھر اہل فقہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے طرز پر پیدا ہو گئے ۔ (تذکرہ واجدی)

آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں :

الموعظۃ الحسنۃ فی الخطبۃ بکل لسان من الالسنۃ ۔ خطبہ کے غیر عربی زبان میں جواز پر ہے ، مطبع نبوی سلطان الاخبار بنگلور سے طبع ہوئی ؛ القول المصدوق فی اثبات التشھد للمسبوق ؛ رسالہ فی اثبات الجہر بالفاتحۃ فی صلاۃ الجنازہ ؛ التبری من افتراء المفتری ؛ اثبات الخسران والطغیان فی میزان اہل الکادیان ؛ غربت اسلام ؛ اثبات السورۃ الفاتحہ سراً و جہراً ؛

دفع البہتان العظیم عن القرآن الحکیم ۔

آپ کے شاگردوں میں شیخ الحدیث فضل اللہ مدراسی ، مولوی محمد اسماعیل رائے درگی، مولوی محمد عثمان بنگلوری ، مولوی بشیر احمد سلیم ، مولوی عبد القادر دکھن کوٹی ، مولوی عبدالحکیم گڑیاتم ،مولوی حافظ میاں محمد پنجابی ، مولوی حافظ عبداللہ مدراسی شامل ہیں۔

آپ کی اولاد میں مولوی عبد اللہ اور مولوی حافظ احمد سعید،مولوی عطاء اللہ سلفی مدراسی ہوئے۔آپ کی ایک بیٹی حافظ محمد گوندلوی ، اور دوسری بیٹی مولوی نجم الدین استاد اورئینٹل کالج لاہور کے نکاح میں آئیں ۔آپ کی وفات ۹ شوال ۱۳۴۱ھ کو بنگلور میں ہوئی وہیں دفن ہوئے ۔ (محمد تنزیل حسینی در الاعتصام لاہور۔۲۰ مئی ۲۰۰۵ء)

مولانا فقیر اللہ تحریک ختم نبوت کے سرگرم کارکن تھے۔مرزا قادیانی کی زندگی میں تحریر وتقریر کے ذریعہ ردقادیانیت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اثبات الخسران والطغیان فی میزان اہل الکادیان تصنیف فرمائی۔اولین فتوی تکفیر مرزا پر بھی دستخط فرمائے اور لکھا:

. جس کا یہ اعتقاد ہو جو سوال میں مندرج ہے اس کی نسبت میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود گمراہ ہے اوروں کو گمراہ کرنے والہ ہے، کذاب ہے دین میں فساد ڈالنے والہ ہے۔اس کے چھپے مرتد ہونے اور کفر میں کوئی گفتگو نہیں۔خدا اس کو ہلاک کرے ۔ حررہ الراجی رحمۃ اللہ ابوعبد اللہ محمد فقیر اللہ الکٹھوی الشاہ پوری ۔(اولین متفقہ فتوی تکفیر مرزا۔ص ۸۸۔۸۹)۔

۱۸۹۶ء میں مرزا نے جو مباہلے کا چیلنج دیا تھا اس کے مخاطبین میں آپ بھی شامل تھے۔

☆ عبدالتواب غزنوی

مولد غزنی موضع گیرگاؤں ، سن ولادت ۱۲۸۸ھ۔آپ کے والد عبدالوہاب جناب مولانا عبداللہ غزنوی کے اتباع میں سے تھے جنہیں مرشد کے ہم عقیدہ ہونے کی پاداش میں افغانستان سے ہجرت کرنا پڑی تھی ۔ یہ لوگ اس قافلہ میں آئے جس میں مولوی عبدالجبار ،مولوی عبدالواحد، مولوی عبدالرحیم ،آئے تھے۔اس زمانہ میں عبدالتواب کی عمر دس سال تھی ۔ابتدائی تعلیم امرتسر میں عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی ۔قرآن ایک ماہ میں حفظ کیا۔مولوی حمید اللہ سراوہ والے سے حدیث پڑھی اور سند واجازت مولوی رشید گنگوہی

محمد بشیر سہسوانی، شیخ حسین بن محسن اور میاں نذیر حسین محدث سے حاصل کی۔شیخ شعیب مکی سے جو قسطنطنیہ میں حدیث پڑھاتے تھے اثنائے سفر حجاز میں اجازت وسند لی۔مختلف مساجد و مدارس میں خطیب و مدرس رہے گنور ضلع بدایوں میں ۱۰ سال، دانا پور پٹنہ میں ۱۰ سال، علی گڈھ میں ۲۰ سال۔اور علی گڈھ ہی کو مسکن بنا لیا تھا۔(تراجم علمائے حدیث ہند۔ص ۲۳۴)

نواب سید صدیق حسن بھوپالی نے اعلان فرمایا کہ صحیح بخاری حفظ کر لینے پر ایک ہزار اور بلوغ المرام پر ایک صد انعام دیا جائے گا۔جن حضرات نے اس سعادت میں حصہ لیا ان میں سے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ان میں سے ایک حکیم عبدالوہاب نابینا دہلوی(ف ۱۹۲۰ء۔۱۳۳۸ھ) اور دوسرے مولوی عبدالتواب غزنوی(ف ۱۹۱۲ء) علی گڈھی تھے۔مولانا عبدالتواب صاحب ان دنوں مولانا حمید اللہ میرٹھی(ف ۱۹۱۲ء) صاحب کے مدرسہ میں میرٹھ میں پڑھتے تھے۔آپ نے حفظ بخاری کا التزام کیا۔مگر جلد ہی نواب صاحب کا انتقال ہو گیا اور آن ساقی نماند کی کیفیت ہو گئی۔

مولانا عبدالتواب غزنوی بڑے مقرر و مناظر تھے۔تحریک ختم نبوت میں سرگرم رہے۔تحریر و تقریر سے رد قادیانیت میں سرگرم رہے۔

☆ محمد یونس خان

بن حاجی فیض احمد خان بن عبدالرحمٰن خان بن مراد خان بن شجاعت خان بن عمر خان شروانی۔ وطن قصبہ دتاؤلی، مولد طائف(حجاز) ولادت ربیع الاول ۱۲۸۳ھ میں ہوئی قرآن حفظ کیا۔صرف نحو اور مشکوۃ مولوی خان محمد جہلمی سے سے پڑھی۔اس کے بعد مولوی عبیداللہ خاان استاد نواب رام پور، سے مشکوۃ و کتب منطق و فقہ پڑھیں، صحاح مولوی اسماعیل علی گڈھی سے، شیخ حسین بن محسن سے سنن ابی داؤد مع اجازہ حدیث) مسند احمد شیخ شعیب مغربی اور شیخ احمد کردی(جو اہل حدیث تھے) سے حجاز میں، مولوی لطف اللہ علی گڈھی سے نور الانوار، مولوی سید محمد علی مونگیری سے بیعت ہوئے۔چونکہ انتظام ریاست کا معاملہ تھا اس لئے کسی ایک جگہ بیٹھ کر تدریس نہ کر سکے تاہم جہاں جاتے ایک دو شاگرد ساتھ ہوتے جن کے مصارف سفر آپ برداشت کرتے اس سفری درسگاہ سے کئی شاگرد ہیں جن میں

تصدق احمد شیروانی اور آپ کے برادران حقیقی میں عیسی خان اور مولوی موسی خان ہیں ۔عمل بالحدیث پر کاربند تھے چنانچہ جب ہندی حاسدان ابن سعود نے لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکا تو سب سے پہلے ارادہ حج کا اعلان آپ کی طرف سے زمین دار لاہور اور اخبار اہل حدیث امر تسر میں شائع ہوا ۔تحریک خلافت کے وقت کھدر پہننا شروع کیا جو تا عمر پہنا وارہا۔ جہاں کہیں ملکیت تھی وہاں اپنا مکان بنالیا ،جیسا کہ علی گڈھ شہر، بلند شہر، میں حیدر آباد دکن میں بھی مکان بنایا اولاد میں سے خان بہادر مونس خان نے شرف الدین دہلوی سے حدیث پڑھی ۔ دین داری کی طرف رجحان رہا۔ دتاؤلی میں تعزیہ پرستی آپ کی دادی کی سعی سے بند ہوئی اور دتاؤلی کا پورا خاندان عامل بالحدیث رہا اور یہ برکت مولوی اسماعیل علی گڈھی سے حاصل ہوئی ۔ (تراجم علمائے حدیث ۔ص۲۳۳) (قصیدہ اعجازیہ کے ضمن میں آپ نے بھی مرزا کو چیلنج دیا تھا)

آپ تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن تھے ۔اور مرزا قادیانی کی تردید میں لکھتے رہے۔ مرزا کے اعجازی قصیدے کا جواب دینے کا چیلنج بھی آپ نے کیا تھا۔

☆ عبدالحق حقانی

عبدالحق بن محمد امیر حنفی دہلوی مشہور مفسر قرآن انبالہ کے ایک دیہات میں رجب ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ مولوی عبدالحق کانپوری ، مولوی لطف اللہ علی گڈھی سے پڑھیں ، مولوی عالم علی نگینوی سے صحاح سے تعلیم حاصل کی ۔ پھر سید نذیر حسین محدث سے درس حدیث لیا اور مدرسہ فتح پوری میں مدرس ہوئے ، ایک مدت تک پڑھایا ۔ پھر حیدر آباد سے وظیفہ مقرر ہو گیا ۔شمس العلماء کا خطاب ملا ۔ تصانیف میں التعلیق النامی علی الحسامی ، اصول الدین ، البیان فی علوم القرآن اردو ۔ فتح المنان اردو تفسیر جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے ۔انتقال ۱۳۳۵ھ میں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۱۴ ۔ ۳۱۵)

آپ تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن تھے ۔مرزا کے خلاف تقریری و تحریری محاذ پر خوب کیا ۔۱۸۹۲ء میں جاری ہونے والے متفقہ فتوی تکفیر مرزا پر آپ کے دستخط موجود ہیں ۔ اور ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی شاہ کے ساتھ جن علماء کو مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کا چیلنج کیا تھا ان میں آپ بھی شامل تھے ۔

☆ تلطف حسین دہلوی

مولانا عبدالحی نے نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے:

عالم صالح تلطف حسین صدیقی محی الدین پوری ثم دہلوی مشہور فاضلوں میں سے تھے۔ عظیم آباد کے نواح میں محی الدین پورنامی موضع میں ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ عبداللہ غازی پوری محدث، قاضی بشیر الدین قنوجی، مولوی عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے علم حاصل کیا۔ پھر سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلسل ۲۶ سال ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ شیخ حسین بن محسن انصاری سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ آپ کو میراث اور مناظرہ میں بہت مہارت تھی لہ ید الطولی فی استخراج المواریث والمناظرہ۔ تجارت کتب آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج ۸ ص ۱۵۹)

آپ کو علوم عربیہ سے بھی مہارت تھی۔ بعض کتب کی تصحیح کی۔ مسائل مشکلہ کے جواب دیئے فتاوی نذیریہ میں ۳۰ فتوے آپکے تحریر کردہ موجود ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ۱۳۰۰ھ الزام وہابیت میں میاں صاحب کے ساتھ آپ بھی گرفتار ہوئے تھے۔

مولانا تلطف حسین نے اپنی زندگی تبلیغ قرآن وسنت کیلئے وقف کررکھی تھی۔ اور عمدہ کتابوں کی طباعت کے ذریعہ علوم قرآن وحدیث عوام تک پہنچانا بھی ان کا کام تھا۔ آپ نے کئی کتابیں طبع کرائیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ معیار الحق مصنفہ میاں نذیر حسین محدث کی طباعت دوم ۱۲۹۷ھ۔ ۲۔ مجمع الزوائد ۔مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۰۸ھ شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ساتھ اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر موجود از شمس الحق محدث: خلق افعال العباد از امام بخاری؛ کتاب العلوّ از محمد بن احمد ذہبی؛ اور خصاء بہائم القول المحقق از شمس الحق شامل ہیں۔ ۳۔ سنن دارمی مع التعلیق المغنی مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۱۰ میں طبع کرائی جو مولانا شمس الحق ڈیانوی کے حواشی ہیں دارقطنی پر۔ اس کے آخر میں دو رسالے، البیان المکمل فی تحقیق اللہ ذو المعلل، اور اور القول الحسن المبین فی ندب المصافحۃ بالید الیمنی از شیخ حسین بن محسن ہیں۔ ثانی الذکر رسالے میں شیخ حسین نے صفحہ ۸ پر مولانا تلطف حسین

کے بارے میں لکھا :بعد ان رجال النظر فی التصحیح و امعن الفکر السلیم فی التھذیب و التنقیح العالم العلامۃ و الکامل التکلامہ عین الانسان و انسان العین جناب مولوی تلطف حسین صانہ اللہ السئین ۔ ۴۔ غایۃ المقصود شرح ابوداؤد از مولانا شمس الحق کی جلد اول کتاب الطہارۃ تک مطبع انصاری دہلی سے شائع کی۔۵۔ تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ۔از حافظ ابن حجر۔ ۶۔ اعتصام التام بستۃ خیرا لا نام فی قرئۃ الفاتحہ خلف الامام۔ مگھووال (گجرات پنجاب) کے عالم عبدالباسط کی تصنیف ہے ۔انہوں احادیث لکھ کران کا ترجمہ اور پھر پنجابی اشعار میں تشریح لکھی ہے۔کتاب ۱۲۹۸ھ مطبع حنفی دہلی واقع کوچہ دائمان سے طبع ہوئی۔

مولانا تلطف حسین ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے ۔ (محمد ابراہیم خلیل ، در الاعتصام ۔لاہور ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء)

انیسویں صدی ہجری کے آخری عشروں میں احناف نے اہل حدیث سے جو مقدمہ بازی شروع کررکھی تھی، اس میں ہندوستان کے مختلف مقامات پر جاری کئی مقدمات میں جناب تلطف حسین نے اہل حدیث کا بھرپور دفاع کیا۔اور آپ نے تحریک ختم نبوت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور علمی محاذ پر اپنا کردار ادا۔ پیر مہر علی شاہ کے ساتھ جن علماء کو مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا ان میں آپ بھی شامل تھے ۔اور ۱۹۰۰ء میں حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر کو مخاطب کرکے مرزا صاحب کی طرف سے شائع ہوئے ہونے والے اشتہار انعامی ۵۰۰ روپئہ میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

☆ خدا بخش واعظ

ابواسماعیل خدا بخش واعظ محمدی مندرانوالہ تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے ۔ حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری (ف ۲۳ فروری ۲۰۰۴ء) کے جدّ امجد تھے ۔اپنے گاؤں موضع محمد مندراں والا کی نسبت سے محمدی کہلاتے تھے۔آپ کے اساتذہ کی تفصیل نہیں ملتی ،مولانا عبدالجبار غزنوی کا نام ملتا ہے۔ اس دور میں حافظ محمد لکھوی نے تفسیر محمدی لکھی تھی مولانا خدا بخش اسی خاندان کے فیض یافتہ تھے اور انہوں نے بھی پنجابی اشعار کو تبلیغ کا ذریعہ

بنایا۔ پنجابی میں وعظ کہتے۔ دیہات میں جا کر خود ہی اعلان کرتے کہ فلاں جگہ وعظ ہوگا، پھر تبلیغ کرتے، انداز بیان دل نشین تھا۔

آپ اسلام کے ترجیحی مسائل میں کمزور پہلو پر چلنے والوں سے مناظرے بھی کرتے رہے۔ ایک دفعہ کپورتھلہ میں مشہور حنفی عالم مولوی ولی محمد جالندھری سے فقہی مسائل پر مناظرہ ہو۔ مولوی غلام دستگیر قصوری ایک دفعہ گھڑیالہ جا کر مختلف اختلافی مسائل چھیڑ کر اہل حدیث کے خلاف لوگوں کو ابھارا اور ایک آدمی سے تفسیر محمدی پڑھنے سے توبہ کرائی۔ چند روز بعد مولوی خدا بخش اس گاؤں میں گئے، لوگوں نے جناب غلام دستگیر کے بارے میں بتایا تو انہوں دس سوال لکھ کر بذریعہ ڈاک مولوی غلام دستگیر کو بھیجے لیکن انکی طرف سے وعدوں کے باوجود کوئی جواب نہ آیا، تو آپ نے وہ سوالات ایک اشتہار کی صورت میں اپنے ایک کتابچے ،تحفہ واعظ (مطبع وزیر ہند سے ۲۷ ذی الحج ۱۳۱۳ھ۔۱۸۹۴ء) کے پہلے صفحہ پر شائع فرمادیئے۔

لکھتے ہیں: کوئی ایک آیت صریح یا حدیث مرفوع (پیش کریں)

جس سے آئمہ اربعہ سے ایک کی تقلید کا حکم ہے؛ جس میں حلت نذر لغیر اللہ ہے؛ جس میں فاتحہ کا نام لے کر امام کے پیچھے پڑھنا منع کیا ہو؛ جس میں ممانعت آمین بالجہر ہو؛ جس میں ممانعت رفع یدین رکوع کو جاتے وقت اور سر اٹھاتے اور قعدے سے اٹھتے وقت کی ہو؛ جس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے سے ممانعت ہو یا جس کی رو سے رفع سبابہ فی التشہد کی ممانعت ہو؛ جس میں ممانعت جمعہ کی گاؤں میں ہو؛ جس میں فرمایا ہو کہ گاؤں میں جمعہ پڑھو تو ظہر بھی پڑھو۔ (نیز فرمائیں کہ) تفسیر محمدی (مصنفہ حافظ محمد لکھویؒ) میں کیا نقص ہے جس کے پڑھنے سے باز رہنا چاہیے۔ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

رد قادیانیت میں آپ نے فصل الخطاب لردّ مسیح الکذاب۔ سیف برہانی برگردن دجال قادیانی مع تحفۃ النصاری۔ وغیرہ۔ تالیف فرمائیں (محمد ابراہیم خلیل، در الاعتصام، لاہور)

وصلّی اللّٰہ علی خیر خلقه محمّد وعلی آله واصحابه اجمعین

کتابیات

کتب حدیث، تفسیر اور عہد نامہ عتیق و جدید کے علاوہ درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح ۔ محمد اسماعیل علی گڈھی ۔ مطبع الانصاری دہلی، ۱۳۰۹ھ
الحق ۔ مباحثہ دہلی ۱۸۹۱ء ۔ طبع قادیان باہتمام حکیم فضل دین ۔ 1905ء
برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن ۔ محمد اسحاق بھٹی ۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور ۔ 2005ء
بیس بڑے مسلمان ۔ مرتبہ عبدالرشید ارشد ۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور ۔ جولائی ۱۹۸۶ء
تحدیث نعمت ۔ چوہدری ظفر اللہ قادیانی ۔ لاہور ۔ دسمبر ۱۹۹۴ء
تذکرۃ الخلیل ۔ عاشق الٰہی میرٹھی ۔ مکتبہ الشیخ کراچی
تذکرۃ المناظرین، حصہ اول، محمد مقتدی اثری، ادارہ تحقیقات اسلامی مئو ناتھ بھنجن ۲۰۰۴ء
تذکرہ علمائے خان پور ۔ قاضی محمد عبداللہ وکیل ۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۔ ۱۹۸۵ء
تذکرہ مجاہدین تحریک ختم نبوت ، اللہ وسایا ، اگست ۱۹۹۰ء ، مکتبہ جدید پریس لاہور
تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء ۔ عبدالرشید عراقی ۔ بیت الحکمت لاہور ۔ ۲۰۰۴ء
تاریخ احمدیت ۔ دوست محمد شاہد قادیانی ۔ ربوہ
تذکرہ واجدی ، محمد ثناء اللہ عمری ۔ بار اول ۱۴۱۲ھ ۔ ۱۹۹۲ء ۔ طبع وشنو آفسٹ پریس دہلی ۔
تراجم علماء حدیث ہند ۔ امام خان نوشہروی ۔ مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی ۔ ۱۴۱۳ھ
تائید الاسلام ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۔ دار العلم ممبئی ۱۹۰۶ء
تفسیر ثنائی اردو ۔ ثناء اللہ امرتسری ۔ ناشر عبدالمجید مالواڈہ ۔ لاہور
جسر البلیغ ، حافظ عنایت اللہ گجراتی ، (طبع اول ۱۹۶۳ء) در رسائل اہلحدیث جلد ۲ ، لاہور ۱۹۹۱ء
ختم نبوت اور تحریک ختم نبوت ۔ غلام احمد پرویز ۔ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۔ ۱۹۹۶ء
خلاصہ مباحثہ فرید کوٹ ۔ نور احمد لکھوی ۔ مطبوعہ دھرم سہایک پریس لودہانہ ۱۸۸۳ء
سیرۃ ثنائی ۔ عبدالمجید سوہدروی ۔ مکتبہ قدوسیہ ۔ لاہور
سیرۃ المہدی ۔ مرزا بشیر احمد ۔ دسمبر ۱۹۲۷ء و ۱۹۳۵ء و ۱۹۳۹ء

شہادۃ القرآن ۔ مولانا محمد ابراہیم میر۔ نعمانی کتب خانہ لاہور جنوری ۲۰۰۱ء
ظفر علی خان بحیثیت صحافی ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی۔ مکتبہ اسلوب کراچی ۔ ۱۹۸۵ء
عطر البلیغ ۔ حافظ عنائت اللہ گجراتی ۔ (طبع اول ۱۹۶۳ء) در رسائل اہلحدیث جلد ۲ ۔ ۱۹۹۱ء
غایت المرام ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ دار العلم، ممبئ ۔ ۲۰۰۶ء
فتاوی قادریہ۔ محمد لدھیانوی۔
فصل الخطاب بمقدمہ اہل کتاب ،حکیم نور الدین ۔ شرکتہ الاسلامیہ ربوہ
فیوض محمدیہ۔ محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری ۔ حجرہ شاہ مقیم ۔ ۱۴۰۶ھ
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۔ محمد منظور نعمانی ۔ الفرقان بک ڈپو لکھنئو ۔ نومبر ۱۹۸۲ء
قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت ۔ اللہ وسایا ڈیروی ۔ ملتان ۔ ۱۹۹۰ء
مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین، اکبر شاہ نجیب آبادی ۔ احمدیہ انجمن اسلام لاہور، ۱۹۷۹ء
مرزا قادیان کے دس جھوٹ ۔ ابراہیم کمیر پوری ۔ ادارہ دینیات رام گلی لاہور ۱۹۵۸ء۔ اغلبًا
مہر منیر۔ مولوی فیض احمد۔ گولڑوی ۔ طبع پنجم ۔ ۱۹۸۷ء
نذرانہ اشک ۔ محمد ثناء اللہ عمری ۔ ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ ۔ ۱۹۹۷ء۔
نقش دوام ۔ انظر شاہ مسعودی ۔ فینس بکس ، لاہور ۔ بار اول ۱۹۸۹ء
وفاۃ مسیح موعود ۔ حکیم نور الدین بھیروی

Barbra Metcalf. Islamic Revival in British India, Princeton Univ. Press, New Jersey,1982,

مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف : براہین احمدیہ، فتح اسلام ، ازالہ اوہام ، دافع الوساوس، اتمام الحجۃ ، خطبہ الہامیہ، انجام آتھم ،سراج منیر، تریاق القلوب ، اربعین نمبر ۳ ، اربعین نمبر ۴، حمامۃ البشری ، اسلامی اصول کی فلاسفی، ستارہ قیصر ، حجۃ اللہ، ست بچن ۔ مواہب الرحمٰن ، دافع البلاء ، ایک غلطی کا ازالہ، کشتی نوح ، الوصیت ، اعجاز احمدی، تحفہ گولڑویہ، لیکچر لاہور، لیکچر سیالکوٹ ، حقیقت الوحی ، پیغام صلح ، مجموعہ اشتہارات مرزا قادیانی ۔ جلد دوم ۔ ربوہ ۱۹۸۶ء

☆ اخبارات و رسائل : ماہنامہ اشاعۃ السنہ (اڈیٹر محمد حسین بٹالوی) ۔ جلد ۱۵؛ جلد ۲۰ ؛شحنہ ہند میرٹھ ۔ضمیمہ ہفتہ وار ۱۹۰۳ء ۔ ۱۹۰۴ء (اڈیٹر احمد حسن شوکت) ۔ متعدد شمارے ؛ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر، (اڈیٹر ثناء اللہ امرتسری) متعدد شمارے؛ ماہنامہ الرشید لاہور ۔ دار العلوم دیوبند نمبر؛ ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ متعدد شمارے ؛ ماہنامہ محدث بنارس ۔ متعدد شمارے